

حقیقتِ منتظر

پیش لفظ

آسمان کے ستاروں، بارش کے قطرؤں، درختوں کے پتوں، صحرا کی ریت اور زمین و آسمان کے ذروں کی مانند بے انتہا شکر و تعریف کی مستحق صرف اللہ کی ذات ہے۔ اکیلا اور تنہا ہونا اُس کی صفت اور بزرگی و برتری نیز بڑائی اور اچھائی جس کی خوبی ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو اُس کی ذات کی عظمت کے متعلق سوچے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور کوئی دل ایسا نہیں جو اُس کی عجیب و غریب صنعتوں سے ایک لحظہ غافل رہے کہ ان کی ہستی کیا ہے اور یہ کس کی قدرت سے بن اور چل رہی ہے۔ بے انتہا درود حضرت محمد ﷺ پر جو سب نبیوں کے سردار اور ہر صاحب ایمان کے رہبر و رہنما ہیں۔

آج کا مسلمان اس ابہام کا شکار ہے کہ چودہ سو سال پہلے مازل ہونے والی کتاب اور اُس میں بیان کردہ ضابطہ حیات کی آج کے پیچیدہ دور میں کیا اہمیت اور اس کے ساتھ کیا مطابقت ہے۔ اس ابہام کی بنیادی وجہ قرآن اور حدیث کے پیغام کو سطحی طور پر اور روایتی انداز میں دیکھنے کی روش ہے۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ غور و فکر اور حکمت کے ذریعے اس کی روح تک پہنچنے کی کوشش کی جائے تاکہ آج کی معروضی حقیقتوں کے تناظر میں اور آج کی ضروریات کے مطابق اس سے راہنمائی و استفادہ کیا جاسکے۔

ہمارے یہاں دینی معاملات پر بحث کے دوران عموماً غور و فکر اور دلیل و بہان کی بجائے جذباتیت کو مقدم سمجھا جاتا ہے جس کے نتیجے میں اتفاق کی بجائے نفاق کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس پروفیسر احمد رفیق اختر کا انداز فکر سوچ و بچار پر مبنی اور فکرائیگیز ہے جو آپ سے اپنی رائے پر از سر نو غور کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

تاریخ سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ پروفیسر احمد رفیق اختر طویل عرصہ تک مختلف نظریات کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف رہے۔ انہوں نے ہر فلسفے، تہذیبوں کی تاریخ، ادب، تصوف اور اسلام کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ حروف مقطعات پر بھی غور کرنا شروع کیا تو اللہ نے آپ کو ان حروف کے علم سے بھی نوازا۔ لہذا جو نبی کوئی بھی نام پروفیسر صاحب کے کانوں تک پہنچتا ہے تو اس نام سے مجزی پوری شخصیت ذہن میں اتر جاتی ہے، کیونکہ بقول

پروفیسر صاحب ان حروف میں لوگوں کے ذہنی اور روحانی حالات درج ہیں۔ آپ آنے والے مسائل کو کاغذ کی ایک چٹ پر چند اسماء الہی اور دعائیں لکھ دیتے ہیں۔ جو انہیں پڑھتا رہتا ہے وہ جہاں اور بہت ساری تہذیبیں محسوس کرتا ہے وہاں وہ یقینی طور پر ذہنی سکون اور قلبی طمانیت کی دولت حاصل کر لیتا ہے جو آج کے تشویشی اور بے کیفی کے دور میں بہت بڑی نعمت ہے۔

پروفیسر صاحب نے مروجہ نظریات کے ابہام کو دور کرنے کی کوشش کی ہے جس سے ہر قسم کے شکوک و شبہات دور ہو سکتے ہیں اور اسلام کی حقانیت اور صداقت اس طرح آشکار ہو سکتی ہے جس طرح سورج کی روشنی ہر تاریکی کو کافور کر دیتی ہے۔

وَعَا

اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم
بسم الله الرحمن الرحيم

رب أدخلني
مدخل صدق واخرجني
مخرج صدق واجعل لي
من لدنك سلطانا
نصيراً ○
(١٤) (الاسراء: ٨٠)

سبحن ربك رب العزة
○ عما يصفون ○
وسلام على المرسلين ○
والحمد
○ لله رب العلمين ○
(٣٤) (الصفت: ١٨٠-١٨٢)

پاکستان اور اسلام

- ☆ لیکچر
- سوالات و جوابات
- ☆ پاکستان کی اسلام سے دُوری
- ☆ تقسیم ہند میں مذہبی رہنماؤں کا کردار
- ☆ اسلام کو کیسے سمجھیں؟
- ☆ غیر مسلموں کو مسلمان کیسے کریں؟
- ☆ دجال کب آئے گا؟

پاکستان اور اسلام

سب سے پہلے میں آپ کو آزادی کے اس مبارک دن کی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ پاکستان اگرچہ پاک لوگوں کی سرزمین ہونا چاہیے تھا لیکن ایسا ہو نہیں سکا۔ آزادی کے بے شمار اوصاف ہم تک نہیں پہنچے اور اس لفظ مبارک میں جو امن، جو قرار، جو خلوص ہے اس سے بھی ہماری آشنائی نہیں ہوئی۔ مگر بہر حال ایک ایسی مملکت معرض وجود میں آئی جس کے حاصل کرنے کے لیے ہمارے پاس بہت ساری وجوہات تھیں۔

حضرات گرامی! انگریز حکمرانوں نے مسلمانوں کو حریف حکمران سمجھ کر ان پر بے شمار نفسیاتی ذلتوں کے حربے استعمال کیے۔ ان کے آباؤ اجداد کے وہ شاندار لباس جو ان کی عظمتوں کی نشاندہی کرتے تھے اپنے خادموں کو اور اپنے کم ترین لوگوں کو اس لیے پہنوائے کہ مسلمانوں کے دل میں ان کی اپنی حقارتوں کے جذبے موجزن ہو جائیں۔ ان کو نوکریوں سے نکالا گیا اور بہت کم ملازمتیں دی گئیں۔ سرسید احمد خان کی رپورٹ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ برصغیر میں اگر کوئی جنگ جو اور حریت پسند قوم تھی، جو غلامی سے ذہنی، قلبی اور بدنی نفرت کرتی تھی جو ان آقاؤں کے خلاف جدوجہد کے قابل تھی، تو وہ صرف مسلمان تھی۔ انگریزوں کو اس بات کا بخوبی علم تھا اور انہوں نے مسلسل کوشش کی کہ ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ ہندو کو برتری حاصل ہو جائے۔ عدوی برتری تو تھی، نفسیاتی برتری بھی دی جائے تاکہ مسلمان ہند اپنی پستی فکر میں ایسے الجھیں کہ بقول اقبال:

وہ فاتہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا

روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

حضرات گرامی! ایک اور بہت بڑا حربہ تعلیمی شعبہ میں بھی استعمال کیا گیا، جو علمی توجیہات سے متعلق تھا۔ برصغیر میں انگریزوں نے سب سے ابتدائی جو مضمون متعارف کرایا، وہ فلسفہ تھا۔ فلسفہ جو سوال کرتا بھی ہے اور جواب مانگتا بھی ہے۔ فلسفہ جو تشکیک ہے۔ یہ فلسفہ اور یہ تشکیک اس مقصد کے تحت تھا کہ جو Dogmatic یعنی پرانی مذہبی اقدار کو چیلنج کرنے والا تھا اور اس تشکیک نے ہماری مذہبی اقدار کو مسلسل چیلنج کیا۔ بد قسمتی سے اسلام اب وہ اسلام نہیں رہا۔ سلطنت عثمانیہ کے زوال کے بعد سلطان سلیمان ذیشان کی فتوحات کے بعد مسلمانوں نے یہ غلط سمجھ لیا تھا کہ فتوحات ہمیشہ ان کا مقدر رہیں گی۔ کسی قوم کے لیے شکست اتنی بری نہیں ہوتی مگر کسی قوم کے لیے مسلسل فتح ان کے تکبر اور ذات میں اضافہ کرتی ہے اور ان کی علمی، ذہنی اور عقلی توجیہات کو ختم کر دیتی ہے۔ یہی مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔

اس مختصری دنیا میں یہ واحد نظر یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ کے بعد اسلام کی اشاعت کے بعد کوئی نظر یہ دنیا میں اتنا مقتدر نہیں رہا جتنا اسلام رہا۔ چاہے اپنی کمزور حالت میں تھا، چاہے بہتر حالت میں تھا۔ اسلام تیرہ سو برس دنیا کے انتہائی مقتدر مذاہب میں رہا اور ان لوگوں نے تیرہ سو برس اپنی مخالف اقوام کو ہمیشہ احساس کمتری کے سوا کچھ نہیں دیا۔ یہ وہ مذہب تھا جو کبھی مغلوب نہیں ہوا۔ یہ وہ مذہب تھا جو ہمیشہ کسی نہ کسی صورت میں اقتدار میں رہا۔ اگر عرب گئے تو دہلی آ گئے۔ دہلی گئے تو سلجوق آ گئے۔ سلجوق گئے تو عثمانی ترک آ گئے۔ عثمانی ترک گئے تو تیوری ترک آ گئے اور ایک وہ وقت تھا جب سولہویں صدی میں دنیا کے تین بڑے بادشاہ تھے اور تینوں مسلمان تھے۔ اگر ایک طرف سلطان سلیمان ذیشان تھا تو دوسری طرف جلال الدین محمد اکبر کی شہنشاہی تھی اور ایران میں صفوی سلطان عباس اعظم سریر آرائے سلطنت تھا۔ اتفاق دیکھیے کہ سب کے ساتھ ذیشان لگتا ہے یا اعظم۔ یہ صرف حکمرانی کرنے والے بادشاہ تھے۔

ایک لطیفہ آپ کو پیش کرنا ہوں کہ جلال الدین اکبر کے زمانے میں انگلینڈ کا سفیر آیا اور اس نے بڑے القابات جیسا کہ ملکہ بھو اور اس قسم کے القابات پیش کیے تو جلال الدین اکبر نے اپنے وزیر ابوالفضل سے پوچھا ”ایں جزیرہ نما چراست“ کہ بھائی! یہ اتنی تعریفیں، جس کی کی جا رہی ہیں، یہ ہے کہاں۔ یعنی جس کو اتنے القابات دیے جا رہے تھے وہ ان کے لیے کتنی ناقابل لحاظ تھی۔

ایک بات کا آپ کو اچھی طرح علم ہے کہ جب آقائے کائنات حضرت محمد ﷺ آئے تو عرب دور جہالت میں تھا۔ اگر آپ کو تھوڑا سا یورپی اور برطانوی تاریخ کا علم ہو۔ سلہویں اور پندرہویں صدی۔ یہ یورپ کے سیاہ ادوار جانے جاتے تھے۔ پھر ان سیاہ ادوار کو دور کرنے کے لیے دو بڑی تحریکیں آئیں، تحریک اصلاح دین (Reformation) اور نشاۃ ثانیہ (Renaissance)۔ ایک کو تحریک احیائے مذہب اور دوسری کو تحریک احیائے علوم کہتے ہیں۔ دونوں تحریکیں مسلمانوں ہی کی مرہون منت تھیں۔

حضرات گرامی! جب قرطبہ میں اسی ہزار حرام تھے۔ جب وہاں ہر گلی چراغوں سے منور تھی۔ جب اس شہر کا ایک سا سندان استدلال سے زمین و آسمان کی کھوج میں مصروف تھا، اُس وقت شان الیزے (1) میں گھٹنے گھٹنے پانی کھڑا ہوتا تھا اور اعلیٰ ترین بیگمات فرانس جب زانوؤں تک اپنے لہا دے نہیں اٹھاتی تھیں، گھروں میں داخل نہیں ہو سکتی تھیں۔ یہ کلچرل قابلیت کی بات ہے۔

پھر وہ ہوا جو شاید نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ پیغمبر ﷺ جس نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے اہل اسلام تمہارا سب سے قیمتی اثاثہ علم ہے۔ تمہارا سب سے قیمتی اثاثہ اللہ ہے۔ تمہاری طاقت، تمہاری سیادت، تمہارے علم اور تمہارے خیال کا مرکز صرف اور صرف اللہ ہونا چاہیے۔ وہ رسول اللہ ﷺ جس کی علیتِ عالیہ کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنے مقصدِ تعلیم سے کبھی ایک پل کے لیے گریز نہیں کیا۔ ایک لاکھ چھتیس ہزار احادیث میں سے ایک حدیث بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعریف میں نہیں فرمائی۔ وہ اپنے مقصد سے اس طرح آگاہ تھے۔ حاکمیت پروردگار سے محبت اور تعلق سے وہ اتنے زیادہ منسوب تھے کہ اُس پیغمبرِ قدسی نے ایک حدیث بھی اپنی تعریف میں نہیں فرمائی۔ یہ عاجزی اور یہ بے غرضی دنیا کے کسی اور استاد میں

نہیں آئی جس نے کبھی کوئی بھی پیغام آگے پہنچایا ہو۔ یہ اس لیے تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ یہ جانتے تھے کہ وہ آخری استاد ہیں اور جب تک وہ ہر بات کو جزوی کیفیت میں واضح شکل میں آگے نہیں پہنچائیں گے اس قوم سے کسی نہ کسی غلطی کے ہو جانے کا امکان موجود ہے۔ یہ سبق چلتا رہا۔ آج آپ اولیاء اللہ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ آپ اسلام میں بہتر انسانوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ جب بھی عالم اسلام پر بحران آیا۔ کہیں حجتہ الاسلام محمد بن احمد الغزالی پیدا ہوئے۔ ایک استاد کے آنے سے المرابطین اور الموحدین کی تحریکیں شروع ہوئیں۔ اور اللہ کے بندے اللہ کو واپس ملنے اور دو سو سال تک اسلامی اقتدار اُندلس میں قائم رہا۔ کیا وجہ ہے کہ جب بغداد تباہی سے روشناس ہوا پھر وہ خدا کا عظیم بندہ شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی پیدا ہوا اور دوسو برس تک اسلام کو اپنی عظمت واپس لوٹا گیا۔ یہ وہی شخص ہیں جو واپس اہل اسلام کو ترجیحات کی طرف بلا تے ہیں۔ یہ اپنی ذات کے لیے نہیں بلا تے۔ جب برصغیر میں اسلام ابھی تشریح مراد زندگی تھا۔ ابھی اس کو پذیرائی نہیں مل رہی تھی۔ ابھی لوگوں میں اس کی شناسائی نہ تھی تو مرشد گرامی کے حکم سے وہ شیخ عالی مقام سیدنا علی بن عثمان جویریؒ تشریف لائے۔

صوفی کوئی نرالا نہیں ہوتا، یہ کوئی حیرت انگیز شے نہیں ہوتا۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ جو مذہب آغاز میں نماز اور روزہ سے شروع ہوا، اس کی اختصاصیت آگے بڑھتی ہے۔
یہ مذہب میں ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ سند ہے۔

صوفی وہ ہے جس کے مقاصد بہتر سے بہتر مذہب کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہ کس کو معلوم نہیں کہ اسلام نماز اور روزہ سے شروع ہوتا ہے۔ پھر کیا امت مسلمہ سے نماز اور روزہ تک ختم ہو جاتا ہے؟ کیا کسی کالج اور یونیورسٹی کے طالب علم جب اپنی ابتدائی تعلیمات کے لیے داخل ہوتے ہیں تو وہ اسی وقت ایم۔ اے کی ڈگری لے کر نکلتے ہیں؟ ہر درگاہ میں رتبہ تعلیم ہے۔ ہر درگاہ آگے بڑھتی ہے۔ ہر طالب علم میں ترقی کرنا ہے۔ مسلمانوں میں علم کی ترقی شناخت پروردگار کی طرف جاتی ہے۔ آپ اعمال سے آگے بڑھتے ہوئے خدا کے وثوق اس کی محبت اور اس کی ہمسائیگی تک پہنچتے ہیں۔ یہ وہ محبت ہے جس کی آرزو کے بغیر مسلمان مسلمان نہیں ہوتا۔ مگر آج اس بحران عالم کے زمانے میں جب ہم اپنے دلوں کو دیکھتے ہیں تو اصولی تحریکیں اتنی زیادہ ہیں۔ اعداد و شمار کا میٹرکس ہے۔ کتنی نمازوں کا کتنا ثواب ہے، کتنی نمازیں پڑھنے سے کیا ہوتا ہے۔ روزہ رکھنے سے کیا ہوتا ہے مگر کوئی استاد ایسا نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ خدا کی آرزو کے بغیر تمام اعمال بے کار محض ہیں۔ وہ اللہ جو قرآن میں یہ کہتا ہے کہ تمہاری قربانیاں نہیں۔ ان کا گوشت تو مجھ تک نہیں پہنچتا، ان کی ہڈیاں مجھ تک نہیں پہنچتیں، ان کا خون مجھ تک نہیں پہنچتا مگر وہ نیت جس سے تم ان کو قربان کرتے ہو، وہ مجھ تک پہنچتی ہے۔

زمین و آسمان میں صرف دو جواب دیہاں (Accountabilites) ہیں۔ ان دو کے علاوہ کوئی جواب دیہی (Accountabilit) نہیں۔ مذہب میں اور سیکولرازم میں صرف ایک فرق ہے کہ سیکولر شخص ان کے سامنے جواب دہ نہیں۔

Francis Bacon اور Wedlock' Holioake اس کے تین بڑے معزز فلسفی ہیں۔ Wedlock کہتا ہے کہ وہ شخص کبھی اچھا سیکولر نہیں ہو سکتا، جو اچھا Atheist نہیں اور اگر آپ اس کی لغت کے اعتبار سے دیکھیں تو مذہب کو

ہر کار عمل سے نکالنا۔ یہ سیکولر کا بنیادی مقصد ہے۔ مگر حضرات محترم! ان میں کچھ سچے بھی تھے۔ ان کے اور سوشلزم کے مقابلے میں اسلام نہیں تھا، بلکہ عیسائیت تھی۔ وہ عیسائیت جس میں عملیت کا کوئی فلسفہ نہیں۔ لہذا عیسائیت جیسے غیر سائنسی مذہب کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنی زندگی کو مذہب سے بے دخل کر دیا۔

ظاہر ہے جب زمانہ آگے بڑھا، علم و حکمت کی ترقی ہوئی، وہ علوم جو انہوں نے مسلمانوں سے سیکھے، ان میں پیش رفت ہوئی۔ سینا و فارابی کی تحقیقات آگے پہنچیں۔ رازی کے لطائف پہنچے۔ ڈیکارٹ نے لفظ بہ لفظ غزالی کو نقل کیا۔ آکسفورڈ اور کیمبرج میں دوسو برس تک اسلامی علوم نصاب کے طور پر پڑھائے گئے۔ جب ان کی اپنی عقل نے ترقی کی تو انہوں نے یہ جان لیا کہ یہ عیسائیت جو کچھ ہمیں دے رہی ہے وہ سائنسی نہیں ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ صحیح کیوں نہیں تھا۔ اس کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے خدا نے اپنا ہاتھ ان کتابوں سے اٹھالیا۔ کوئی شک نہیں کہ اپنے وقت میں یہ الہامی کتابیں تھیں۔ مگر جیسے پروردگار نے ان پر حکم لگایا کہ بات یہ نہیں کہ میرے پیغمبر غلط تھے۔ عیسیٰ کبھی غلط نہ تھے نہ موسیٰ کبھی غلط تھے مگر ان کی تعلیمات میں آمیزش کی گئی۔ ان کے فرمودات کو غلط انداز سے پیش کیا گیا۔ ایسے اعداد و شمار کا اضافہ کیا گیا، جن کی خدا ضمانت نہیں دے سکتا۔ ثم يقولون هذا من عند الله لیستمر وابہ ثمنا قليلا (۲) (البقرة: ۷۹) پھر یہ کہتے ہیں کہ یا اللہ کی طرف سے مازل شدہ کتاب ہے اور اس سے تھوڑے سے دام لے سکیں۔ جیسا ایک شاعر نے کہا۔

For twenty pence, our lords were sold.

انہوں نے اپنے پیغمبر بیچ دیے۔ یہود اسکر یوتی نے عیسیٰ کو بیچ دیا۔ موسیٰ کی قوم کا یہ عالم تھا کہ موسیٰ نے بتا رت دی کہ جاؤ، یرو ظلم فتح کرو اور آگے بڑھ جاؤ۔ انہوں نے کہا موسیٰ نادان ہو گیا ہے۔ اتنے قد آور لوگوں سے جنگ لڑا رہا ہے۔ ان کے پاس اتنا اسلحہ اتنے بڑے بڑے لوگ ہیں اور موسیٰ کی قوم نے کہا کہ ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے اور موسیٰ کو مجبوراً کہنا پڑا کہ

اعوذ باللہ ان اکون من الجھلین (۲) (البقرة: ۶۷) اے پروردگار! یہ تجھ پر توکل نہیں رکھتے۔ یہ تجھ پر ایمان نہیں رکھتے۔ میں مجبور ہوں۔ تو خداوند کریم نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ کون لوگ ہیں۔ یہ ایک دوسرے کی نقل کرنے والے ہیں۔ یہ تمام ہارورڈ میں علم سمجھتے ہیں۔ اور ہزاروں سکول پاکستان میں ایسے بھی ہیں جو پاکستان میں امریکن اور برٹش شہری تیار کرتے ہیں۔ وہ یہاں تعلیم پا ہی نہیں سکتے۔ ان کے شعور میں نہیں ہے کہ علم بغیر ان اعلیٰ ترین ماموں کے حاصل ہو سکتا ہے۔ خواتین و حضرات! یہ صرف الٹ پھیر ہے۔ ایک وقت تھا جب مارکو پولو کوئی دوسرا سیاح صرف مراکش، بغداد اور سمرقند و بخارا کو یاد کرتا تھا۔ یہ زمانے کا الٹ پھیر ہے۔ مگر کیا واقعی مسلمان اتنے متہور و مجبور ہیں؟

اب بھی یہ امیر ترین ہیں مگر چھن کیا گیا ان سے؟ آخر یہ عظمتیں اور اپنے آباؤ اجداد کی تفاسیر کیوں خاک ہوئیں۔ ابھی کوئی آدمی یا ٹھہ کے کہتا ہے۔

How long we will live the images of our forefathers?

بھی اب وہ زندہ تو نہیں رہے۔ وہ تو آپ سے بہت کم لوگ تھے۔ ان کے پاس تو کوئی اسلحہ نہیں تھا۔ ان کے پاس تو کوئی جدتیں نہیں تھیں۔

جب بہار رمنی نے کہا۔ اے سوس مارا اور گوہ کھانے والے عربو! تم وہی ہونا جو کیرے کوڑے کھا کر صحراؤں میں اپنے پیٹ پالتے ہو۔ تم اتنی عظیم الشان سلطنتوں سے آکے لکر لیتے ہو۔ سلطنتِ روما سے لکر لیتے ہو۔ تم سلطنتِ ایران کے ہخامنشی خاندان کی عظیم سلطنت سے مقابلہ کرتے ہو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے پاس کتنے ہاتھی، کتنے گھوڑے، کتنی رتھیں اور کتنے بکتر بند سپاہی ہیں۔ حضراتِ گرامی! مقابلہ تو اعداد و شمار اور حربی وسائل ہی سے ہوگا۔ اگر ایک نکلے بدن کو بکتر بند سے لڑا دو تو حساب تو وہی پڑ جائے گا جو آج کا ہے۔ تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا۔ تو درست کہتا ہے۔ ہم ایسے ہی تھے۔ ہم اب بھی تم سے کمزور ہیں، مگر ہم میں پھر ایک پیغمبر ﷺ تشریف لائے۔ انہوں نے ہمیں زندگی بسر کرنے کا طریقہ بتایا۔ انہوں نے ہمیں خدا کی اعانت طلب کرنے کا طریقہ سکھایا۔ انہوں نے ہمارے دلوں سے خوف و خطر نکال دیا۔ انہوں نے ہمارے اعصاب کو تقویت بخشی اور اب ہم تمہاری عظمتوں سے نہیں، صرف اللہ سے ڈرتے ہیں۔

حضراتِ گرامی! کہا جاتا ہے کہ اب اتنے بڑے بحران میں عالمِ اسلام میں پھر کوئی ولی کیوں نہیں جاگتا۔ کیوں نہیں کوئی بندہ خدا پیدا ہوتا۔ کیوں نہیں دلِ عظمتوں سے آشنا ہوتے۔ کیوں نہیں محبتِ خدا کی رَمق ان کے دلوں میں پیدا ہوتی؟

بڑی سیدھی سی بات ہے کہ ہم میں سے کسی کو خدا کے وصال کی امید نہیں ہے۔ ہمیں بتانے والوں نے سلسلہٴ مراتب (Hierarchy) اتنا بڑا کر دیا۔ اسلام چرچ کا شکار ہو گیا۔ ان پڑھ مولوی کا شکار ہو گیا۔ وہ مولوی جو خود کبھی میٹرک نہیں کر سکتا تھا، وہ قرآن حفظ کر کے آپ جیسے ٹیکنیشنز، سپیشلسٹ اور دانشوروں کا امام بن گیا۔ آپ کی ساری کی ساری مذہبی تربیت اور ٹریننگ خوف و وحشت کا شکار ہو گئی۔ بڑی دیر کی بات ہے۔ چندر گپت موریہ کا زمانہ تھا اور وہ ایک چنڈال (1) عورت کا بیٹا تھا، اسی لیے موریہ خاندان اس کی ماں کے نام سے پڑا۔ وہ ایک معمولی طبقہ کی عورت تھی۔ اس کا وزیر پنڈت چانکیہ بہت سیانا تھا۔ فلسفہٴ تاریخ کا ماہر تھا اور اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر چندر گپت Survivalist نہ ہوتا تو چانکیہ نے اتنا بہترین نظام جاسوسی اختیار کیا کہ تمام افواج کے اوپر اُس نے اپنے جاسوس لگائے ہوئے تھے تاکہ کوئی شخص بغاوت کی بوند لے سکے۔ اور چندر گپت اتنا سیانا تھا کہ اُس نے پنڈت چانکیہ پر جاسوس بٹھار کھے تھے کہ یہ اتنا شاطر ہے کہ کہیں میرا تختہ ہی نہ الٹ دے۔ تو اُس وقت ایک برہمن کی جنگ کھشتری عورت سے ہو رہی تھی۔ برہمن کو پتہ تھا کہ کھشتری یہ سے جسمانی طور پر جنگ نہیں جیت سکتا۔ میں اس راجپوت شہزادے کے خلاف لڑ نہیں سکتا۔ اس کی مقتدر حیثیت کم ہو رہی تھی۔ تو اس نے تین طریقے ڈھونڈے۔ ایک خوف کا ایک لالچ کا اور ایک مندر کا۔ آپ اگر اب بھی جا کر دیکھ لو ہولناک مندر چھوٹے چھوٹے خانے بارہ بارہ زبانوں والی دیویاں، ڈرگا، کالی، سرسوتی، گھنٹام۔ بدشکل کہ آدمی جاتے ہی ان میں خوف کا شکار ہو جائے۔ اور پھر انہوں نے جنگ جیتنے کے لیے دیوداسیاں تخلیق کیں۔ اس معاملے میں فوجی بیچارے کمزور ہوتے ہیں۔ حسن و جمال کی تحریک بڑھی۔ جدھر دیکھا تھوڑا سا حسن و جمال اور تن و باطن خاکستر ہو گئے۔ ادھر انہوں نے رقص و سرور شروع کیا اور وہ سادہ دل راجپوت سپاہی جو میدانِ جنگ میں شکست نہ کھا سکا، مندروں میں دیوداسیوں کے دامِ تزویر میں الجھ گیا۔

اگر آپ غور کرو تو یہ خوف ہمارے ساتھ آئے۔ آج اگر پاکستان میں بھی کسی مسلمان سے اس کے ایمان کے بارے میں پوچھو تو سوائے ایک ایمان کے کہ اللہ ایک ہے ہمارا کوئی اسلامی ایمان سلامت نہیں رہا۔ ہزار برس کی ہندو نہ کشمکش اب دوستی میں تبدیل ہو رہی ہے۔ آج دوستی کے پیغام تو جا رہے ہیں مگر دوستی کس چیز کی۔ ٹھیک ہے مملکتوں کی آپس میں صلح ہوتی ہے۔ آپ ہمیں نہ چھیڑو ہم آپ کو نہیں چھیڑتے۔ چھیڑو گے تو قیامت آ جائے گی۔ مگر مسلمان اور ہندو کس طرح ایک ہو سکتا ہے۔ بنیادی کمنٹ پر ایک دوسرے کو کس طرح برداشت کر سکتا ہے۔ مسلمان ہندو کو برداشت کر سکتا ہے اس لیے کہ آپ کو پروردگار نے فرمایا ہے۔ یہ قرآن کا فرمان ہے کہ لا اکواہ فی الدین (۲) (البقرہ: ۲۵۶) دین میں جبر نہیں ہے۔ اگر لوگ اپنے اپنے دین پہ قائم ہیں تو تم ان کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش نہ کرو۔ تمہیں یہ اجازت نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ سوچ اور غور و فکر کا مسئلہ ہے۔ کون ہمیں چاہتا ہے۔ ہم نے تو انسان کو عقل اس لیے دی ہے۔ پروردگار عالم فرماتے ہیں کہ ہم اگر چاہتے تو ہمیں اپنی عزت و عظمت کی قسم ہے کہ دنیا میں کوئی غیر مسلم نہ ہوتا، کوئی کافر نہ ہوتا۔ مگر ہم یہ نہیں چاہتے ہیں۔ ہم تو فرشتوں کی عبادت سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ ہم تو یہ چاہتے تھے کہ ہم ایسی مخلوق پیدا کرتے جس کو عملی طور پر کارفرما حقیقت دیتے۔ مصنوعی ذہانت دیتے اور اس ذہانت سے پھر وہ فیصلہ کرنا کہ ہم نے خدا کو ماننا ہے کہ نہیں۔ ہم تو Choices دینا چاہتے تھے۔ ہم نے تو زمینوں اور آسمانوں کو بھی کہا تھا کہ ہم نے تم میں کچھ احکام ڈال دیے ہیں۔ چاہو تو آؤ چاہو تو انکار کرو۔ ہمیں کوئی پروا نہیں۔ فان اللہ غنی عن العلمین (۳) (آل عمران: ۹۷) اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔ پھر کیا ضرورت پڑ گئی۔ ضرورت ایک پڑ گئی۔ یحسرة علی العباد (۳۶) (نبین: ۳۰) اے لوگو! مجھے حسرت ہے میں نے تمہیں عقل دی معرفت دی غور و فکر دی دانش دی اور یہ چاہا کہ کاش کہ تم مجھے جان لو۔ میں جو مہربان اور کریم رب ہوں۔ میں نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے کتاب حکیم میں لوح محفوظ میں یہ لکھا اور مجھے قسم ہے اپنی عزت کی کہ میں نے تمہیں معاہدہ لکھ کے دیا کہ کسی انسان پہ جبر نہیں کروں گا۔ کتب ربکم علی نفسه الرحمة (۳) (الانعام: ۵۴) تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔

کیا نسل انسان میں جانور ہو سکتے ہیں۔ کیا کوئی ایسی رحمت پروردگار بھی ہے جس میں جانور بھی شامل ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اللہ نے خالی کنٹریکٹ نہیں دیا بلکہ میں نے اسی رحمت کے وجود کو زمین میں تمہارے لیے متشکل کر دیا اور میں نے محمد ﷺ کو اس طرح بھیجا کہ اگر میں الحمد للہ رب العالمین ہوں تو میرا پیغمبر و ماسدک الا رحمة للعالمین (۲۱) (الانبیاء: ۱۰۷) ہے۔ یرب العالمین اور رحمت اللعالمین کے موازنے میں جہنم کہاں سے آ سکتی ہے۔ مگر یہ کہ آپ اس اتھارٹی کا ہی انکار کر دو جس نے کچھ عطا کرنا ہے۔ ایک ہندو جو مر کے اپنی قبر تک پہنچے اور فرشتہ مرگ اس سے پوچھے کہ کس سلسلے میں آئے ہو۔ دنیا گزارا آئے ہو کس سے صلہ مانگتے ہو؟ وشنو شیوا، ڈرگا، کالی، سرسوتی، اندرا۔ کس سے مانگتے ہو؟ کم از کم مالک کا تو پتہ ہونا چاہیے۔ جس نے عطا کرنا ہے اس کی تو خبر ہونی چاہیے۔ اور خداوند کریم کہتا ہے کہ بھی تم نے تو مجھے پکارا ہی نہیں۔ تم نے تو مجھ سے کچھ چاہا ہی نہیں۔ تمہیں تو میرا پتہ ہی نہیں۔ مجھ سے بخشش کیا ڈھونڈتے ہو۔ میں نے تمہیں ان پہ چھوڑ دیا۔ جن سے تم بخشش مانگتے ہو۔ اس میں کوئی بے انصافی اور زیادتی تو نہیں۔

زمین و آسمان میں یہ کفر و اسلام کی تفریق ایک جواب دہی (Accountability) پہ ہے وہ جواب دہی جو مسلمان اور دوسرے تمام مذاہب اور اقوام میں مختلف ہے۔ ایک جواب دہی ذات کی ہے۔ ذات (Self) میں وطن ہے۔ ذات میں حب الوطنی آتی ہے۔ ذات میں آپ کی روایات آتی ہیں۔ ذات میں آپ کے سچے ہیں۔ بیویاں ہیں۔ اسباب زندگی ہیں اور تمام دنیا میں مسلمان کے علاوہ تمام لوگ اپنی ذات کے روبرو جوابدہ ہیں۔

ذات اگر امریکہ میں جا کے خوش ہے اگر برطانیہ میں خوش ہے اور سعودی عرب جا کر خوش ہے تو آپ لوگ اسی کی پیروی کرتے ہو لیکن ایک مسلمان جواب دہی کا ایک بالکل ہی الگ احساس رکھتا ہے۔

اس پورے خطہ ارض و سماء میں صرف اور صرف مسلمان ہی اللہ کی بارگاہ میں جوابدہ ہے۔

جب طارق نے اندلس کے کنارے اپنے سفینے کو آگ لگائی تو اُس کے اصحاب نے اُسے میٹرکس یاد کروائے۔ شکست ہو سکتی ہے کیونکہ دشمن لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی فوج لے کے آیا ہے۔ تو کہاں پھنسا ہوا ہے۔ تیرے ساتھ تو صرف بارہ ہزار فوجی ہیں۔ تم کہاں جاؤ گے اور پھر بڑے خوبصورت انداز میں اقبال نے کہا:

ع طارق چو بر کنارہ اندلس سفینہ سوخت

جب طارق نے اندلس کے ساحل پہ اپنے جہازوں کو آگ لگا دی تو:

ع گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطاست

وہ بہت حساب کتاب والے تھے جنہوں نے بہت سارے اکاؤنٹس جمع کر رکھے تھے۔ انہوں نے کہا طارق غلط کیا تو نے۔ عقل کے نزدیک یہ بات غلط ہے۔

ع ترک سب ز روئے شریعت کجا رواست

شریعت کی رو سے اسباب ترک کرنا جائز تو نہیں ہے۔ یہ ایک اور اعلیٰ قسم ہے جو شریعت کے بھی اسباب بتاتی

ہے۔

تو طارق نے بڑا مشہور جواب دیا۔

ع خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت

اپنا ہاتھ اپنی تلوار کے قبضے تک لے گیا اور کہا:

ع ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

ہر ملک میرا ملک ہے۔ یہ سن رکھو کہ یہ میرے خدا کا ملک ہے۔

اور حضرات گرامی! پاکستان خدا کا ملک ہے اور خدا کے بندوں کا ملک ہے۔ مسلمانوں کا ملک ہے۔ اس کی زمین سے محبت کرو۔ اس عطیہ خداوند سے کیوں نہ محبت کروں جو اللہ نے تمہاری چیخ و پکار سنی۔ پیغمبرانِ قدس کی معرفت سے دو چیزیں ہندوستان کے مسلمانوں میں باقی مسلمانوں سے زیادہ تھیں اور یہ وہ چیزیں ہیں جو پاکستان کے مسلمانوں میں اب ساری دنیا کے مسلمانوں سے زیادہ ہیں۔ ایمان کی صرف دو بنیادیں ہیں۔ حضور گرامی ﷺ نے فرمایا! اُس نے ایمان کچھ لیا جس نے اللہ کی وجہ سے دوستی کی اور اللہ کی وجہ سے دشمنی کی۔ اگر تمہارے معیارِ محبت یہ ہو جائیں۔ اور دوسری

بات حضور گرامی ﷺ مرتبت نے فرمائی کہ ایمان اس نے چکھا کہ جس کے لیے میں اس کی اولاد اس کی زندگی اس کے مراتب اس کے مناصب ہر چیز سے زیادہ عزیز ہو گیا ہوں۔ ایک اللہ اور دوسری محبت رسول ﷺ۔ یہ دو چیزیں ایمان کی حلاوت ہیں۔

سیدنا عمرؓ بن خطاب آقا ﷺ کے حضور حاضر تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا! اے عمر! تمہیں مجھ سے کتنا انس ہے۔ فرمایا! یا رسول ﷺ اپنی نفس جان سے کم آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ فرمایا عمر! ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔ امیر المؤمنین عمر بن خطابؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ! آج کے بعد آپ ﷺ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

حضرات گرامی! آپ جن کو بدو سمجھتے تھے ان کا ظرف دیکھیے۔ انہوں نے پیغام کو کس طرح سمجھا۔ آپ کیسے سمجھتے ہیں۔ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پوچھا یا رسول اللہ ﷺ قیامت میں حساب کون لے گا۔ فرمایا اللہ خود۔ ہنسا اور انس کے چل دیا۔ حضور ﷺ نے کہا بلا واسطے۔ یہ کونسی ہنسنے کی بات ہے۔ اس کو واپس لائے۔ بھئی تو ہنسا کیوں ہے؟ یہ تو ڈرنے کی بات ہے۔ تو بدو نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے دیکھا ہے کہ جب زندگی میں کوئی عالی ظرف حساب لیتا ہے تو بڑا آسان لیتا ہے۔ پھر اللہ سے بڑا عالی ظرف کون ہے جو قیامت میں حساب لے گا۔ میں اس بات سے خوش ہوا ہوں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا دیکھو! اس بدو کا ایمان تم پر بازی لے گیا ہے۔ کیا اچھی بات اس نے اللہ کے بارے میں کہی ہے کہ وہ عالی ظرف جب حساب لے گا تو تم اپنے گناہوں کو شمار کرو گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب میزان لگے گا اور اس میزان میں ایک طرف مسلمانوں کے گناہ رکھے جائیں گے تو میزان زمین سے لگ جائے گا۔ پھر اللہ فرمائے گا۔ ایک کھڑا لاؤ۔ ایک کاغذ کا کھڑا۔ اس پر ایک جملہ لکھا ہوا ہوگا اور وہ کھڑا اس اونچے پلڑے پر رکھا جائے گا اور وہ اونچا پلڑا زمین سے لگ جائے گا اور نیچے والا آسمان سے جا لگے گا۔ اس پلڑے میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہوگا۔

مگر حضرات گرامی! یہ کوئی آسان کلمہ ہے جس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا وہ جدوجہد میں پڑ گیا۔ اس پر اللہ کی پہچان لازم ہوگئی اور کلمہ کیا کہتا ہے کہ اس کا انکار کر جو اللہ نہیں ہے اس کا اقرار کر جو خدا ہے۔ پہلے وہ تو دیکھ جو تیرے دل میں ہے۔ وہ بت نازو کبریائی۔ خداوند کریم نے کہا۔ زمین للناس حب الشهوات من النساء والبنین والقناطر المقنطرة من الذهب والفضة والحیل المسومة والانعام والحراث ذلک متاع الحیوة الدنیا (۳ آل عمران: ۱۴) لوگوں کی خواہشات نفس سے محبت عورتوں سے محبت بیٹوں سے محبت سونے اور چاندی کے خزانوں سے محبت عمدہ قسم کے گھوڑوں، مویشیوں سے محبت اور بھتیگی سے محبت بڑی مزین کی گئی ہے۔ یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے۔ یہ سب چھوٹے چھوٹے خدا ہیں۔ اب ہبل اور لات و عزرائیل آپ کے سامنے نہیں آئیں گے۔ اب پتھر کے دیوتا نہیں آئیں گے۔ اس لیے کہ تم بخوبی واقف ہو کہ وہ خدا نہیں ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا! میری امت میں ہمیشہ کے لیے اب شیطان اپنی عبادت سے مایوس ہو گیا۔ میری امت کے لوگ اب شیطان کو نہیں پوچھیں گے۔ اب پتھروں کے بت نہیں پوچھیں گے۔ اب یہ بت ذرا بدل گئے ہیں۔ یہ نوکریوں

کی غلامی میں چلے گئے ہیں۔ یہ خوشامدوں میں چلے گئے ہیں۔ بیازوا میں چلے گئے ہیں۔ یہ خواتین کی غلامیوں میں چلے گئے ہیں۔ اب وہ حساب نہیں رہا۔ اب ان کے اپنے اپنے انداز شعور ہیں۔ اب جدید ترین سیکولر ترغیبات کے اندر چلے گئے ہیں۔ فرانس بیکس پر ستر ہزار پاؤنڈ کے غبن کا کیس چلا۔ وہ بڑا مذہبی آدمی تھا۔ اُس کے پاس جا کر کسی نے پوچھا کہ یار! یہ کیا۔ ایک طرف تو تواترِ عالم اور ایک طرف ستر ہزار پاؤنڈ کا غبن تو اُس نے کہا کہ ”مذہب ایک نجی مسئلہ ہے۔“

حضراتِ گرامی! مذہب ایک ذاتی مسئلہ نہیں ہے۔ باوجود دوسری وجوہ کے جب کوئی بھی چھوٹی چھوٹی وجوہ اس مملکت کے کام نہ آئیں۔ ملازمتیں آگے رکھ کے آپ جدوجہد نہیں کر سکتے۔ مائی بجران آگے رکھ کے آپ جدوجہد نہیں کر سکتے تو پھر خدا نے القائے ربانی فرمایا اور آپ کے دل میں یہ آئی کہ یہ ملک ہم اللہ کے نام پر لیں گے۔ پھر آپ نے اپنا نعرہ بلند کیا۔ پھر اللہ نے اُس کو پذیرائی بخشی اور یہ خدا کی پذیرائی تھی کہ لوگ قائدِ اعظم کے ساتھ ہوئے۔ قوم چاہتی تھی کہ ہم ہندو سے جدا ہوں۔ قوم چاہتی تھی کہ مذہب کے لیے خدا کی پرستش کے لیے آزادی نصیب ہو۔ اور لیڈر کیا چاہتے تھے۔ تمام مذہبی علماء اس لیڈر کی مخالفت کر رہے تھے۔ نیشنلسٹ تھے، احراری (1) تھے، دیوبندی نیشنلسٹ تھے، تمام نیشنلسٹ علماء تھے، ایک صاحب بولے کہ ملتیں اوطان (2) سے منتی ہیں، دین سے نہیں منتی۔ ایک صاحب بولے کہ شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے جرم میں شریک نہیں ہیں۔ یہی لوگ پاکستان کے مخالف تھے۔ نیشنلسٹ تھے اور وہ تنہا۔ وہ واحد شخص جس کے رسم و رواج میں شاید اسلام نظر نہیں آتا تھا مگر اس کی کٹ منٹ کیا تھی۔ کسی نے کہا قائدِ اعظم اتنی محنت اتنا زور و جبر۔ اب تم بیمار ہو پھر کیوں اتنی محنت کرتے ہو۔ جواب ملاحظہ ہو۔ دیکھئے کہ اُس نے کہا کہ بس اس لیے کہ جب خدا کے حضور میں یہ ملک لے کے جاؤں تو اللہ مجھے کہے: Well done! Mr. Muhammad Ali Jinnah! well done.

جواب دیکھیے۔ وہ تب بھی انگریز تھا۔ اللہ کے سامنے بھی انگریزی بولے گا کہ Oh my God میں نے مشن سکول سے پڑھا ہی یہ ہے:

I brought you my people and brought you Pakistan.

اور وہ توقع کرنا تھا کہ خدا کہے Well done, Mr. Jinnah! مگر حضراتِ گرامی! امتِ مسلمہ سے یہ کٹ منٹ کھو گئی۔

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا

سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے، وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

سلطانِ آلپ ارسلان خا سے کے چار ہزار ترک فوجی لے کر شکار گاہ میں گیا ہوا تھا۔

روم کا بادشاہ عمانوس (3) بھی آ گیا۔

وہ اپنے آگے جس لشکر کو لے کر چل رہا تھا۔ موزخ یہ لکھتے ہیں کہ بیس ہزار آدمی صرف Clearance کے لیے

آگے آگے چل رہے تھے۔ سلطان نے دیکھا کہ میں بڑی کمزور حالت میں ہوں تو اس نے صلح کا پیغام بھجوایا۔

اُس نے کہا کہ چلو صلح کر لیں تو جواب آیا کہ صلح کی بات چیت اب تمہارے پایہ تخت میں ہو سکتی ہے۔

یہ سن کر سلطان الپ ارسلان نے قسم کھائی۔ اور کہا میں پیچھے سے مدد لینے نہیں جاؤں گا۔ نہ پیچھے ہٹوں گا۔ اس فتح کے بارے میں عرب مؤرخ لکھتا ہے کہ اس فتح کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ جب چار ہزار سپاہیوں نے ڈیرہ لاکھ کے رومن لشکر کو کاٹ کے رکھ دیا۔ بادشاہ گرفتار ہوا۔ تو اس سے پوچھا تیرے ساتھ کیا کروں؟ تو اس نے کہا ”دیکھو تمہیں پورا اختیار حاصل ہے۔ مجھے کوئی گلہ نہ ہوگا اگر تو میری گردن اتار دے۔ اگر تاوان لے تو بھی تیرا حق ہے۔ معاف کر دے تو بڑی بات ہے۔“ تو بادشاہ نے کہا ”میں نے تجھے معاف کیا۔“ وہ تین مرتبہ جھکا۔ خلیفہ کو سلام کیا اور کہا ”میں نے زندگی بھر تم سے بڑا بادشاہ نہیں دیکھا۔“

یہ مسلمانوں کے لیے کوئی نرالی چیزیں تو نہیں ہیں۔ یہ کوئی قصہ کہانیاں تو نہیں تھیں۔ یہ بندے تھے یہ جادوگر تو نہیں تھے۔ انسان تھے ہمارے اور آپ جیسے۔ ان میں کمزوریاں بھی تھیں۔ یہ کوئی کامل لوگ تو نہیں تھے۔ ہم کوئی اتنے گئے گزرے بھی تو نہیں۔ اللہ نے ہمیں بھی تو اسی عقل سے نوازا ہے۔ جس عقل کی خاطر اس نے دنیا اور کائنات تخلیق کی۔ جس کی خاطر اس نے اپنی آگہی چاہی۔

پانچ وقت کی نماز کیا بوجھ بن گئی ہے۔ یورپی معاشرتی سسٹم میں آپ چلے جاؤ تو ان کے قوانین کی پابندی میں سارا سارا دن ایک ٹانگ پر کھڑا ہونا قبول ہے۔ مگر رب کائنات کے حضور پانچ وقت کی نماز بوجھ بن جاتی ہے۔ یہ صرف عملی اسلام ہے جو آپ کی روزمرہ زندگی میں مداخلت کرتا ہے۔ اور پانچ وقت کی نماز ہم خدا کے لیے نہیں پڑھ سکتے۔

آپ سے نماز اس لیے چھوٹی ہے کہ آپ کو اللہ سے انس ہی نہیں ہے محبت ہی نہیں ہے۔ ایک جاہل کو اپنے اوپر آپ نے مسلط کیا ہوا ہے۔ آپ کی اللہ کو کوئی جواہد ہی نہیں ہے۔ یہ تو ایک ہندو نہ رسم و رواج ہے۔ وہ تو اندرا کا مشکل ہے۔ وہ تو آپ کا دوست ہے ہی نہیں اللہ تو ولی نہیں ہے آپ کا۔ اور کیا بات ہے اس ولی کی کہ جب کفر سے جنگ ہو۔ کسی مسلمان نے آپ کو یہ بات کہی؟ جو اللہ نے آپ کو کہی۔ کاش کہ کوئی کہتا اور آپ بھی دیکھتے پھر اللہ اس کی کیسے مدد کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ جاؤ اہل کفر سے کہہ دو۔ تمہارے پیچھے تو پگولے ہی ہیں ما۔ ٹینک ہی ہیں ما۔ جاؤ ان سے کہہ دو۔ لا مولیٰ لہم (۲۷: محمد) (۱۱: محمد) تمہارے پیچھے اللہ تو نہیں ہے اور پھر اللہ کون ہے؟ تین سو برس کی مستحکم حکومت کو تباہ کرنے کے لیے ایک آدمی بھیج رہا ہے۔ اور موسیٰ نے کہا! اے اللہ میاں! مجھے مروائے گا؟ ان کا میں نے قتل کیا ہوا ہے۔ فرمایا! لا تخف (۲۸: القصص) (۳۱: محمد) اے موسیٰ یارا! تجھے پتہ نہیں میں تیرے ساتھ ہوں۔ تو کیوں ڈرتا ہے۔ موسیٰ بندے تھے ما۔ کہا اللہ میں اکیلے نہیں جاسکتا۔ یہ اتنی بڑی ایماڑ ہے۔ جدید ترین فوجیں کھڑی ہیں۔ فراعنہ مصر ساری دنیا کے فاتحین عالم ہیں۔ آپ مجھے کہاں مرواؤ گے؟ فرمایا! نہیں میں تیرے ساتھ ہوں۔ پھر یہ کوئی فرضی بات نہیں۔ یہ کوئی مفروضے تو نہیں ہیں۔ پھر تاریخ عالم نے یہ دیکھا کہ فراعنہ مصر کی وہ شان و شوکت اور تمدن دریا ئے نیل کی نذر رہا اور موسیٰ فاتح عالم ٹھہرے۔

اللہ کہتا ہے کہ میں غریب قوموں کو نہیں مارتا۔ میں تو اس وقت قوموں کو جکڑتا ہوں جب ان میں تین چار صفات پیدا ہو جائیں۔ اس نے کہا کہ دیکھو فراعنہ مصر کو میں نے اس لیے ذلیل کرنا چاہا کہ یہ اپنے اسباب پہ متکبر

ہیں۔ فرمایا یہ میرا اصول ہے۔ وکم اهلکنا من قریة بطرت معیشتہا (۲۸) (التقصص: ۵۸) میں قوموں کو اس وقت جکڑتا ہوں جب وہ اپنی معیشت پر اتراتی ہیں۔ کثرت مال، تمرد اور عروج۔

رب کعبہ کی قسم۔ اصول خداوند تو نہیں بدلتا۔ نہ اللہ کا کلام بدلتا ہے نہ طریقہ کار بدلتا ہے۔ ہم کچھ بھی نہ کریں۔ اگر ہم بھی دجال عصر کے مرید ہو جائیں۔ ہم بھی ان بد بختانِ ازل کے لیے سیکولر ہو جائیں تو اللہ کو ہماری کوئی پروا نہیں۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جب زمانہ آخر ہو، خدا کے دوستوں کی عزت و حرمت کے افسانے بلند ہوں، جب دشمنانِ عصر کے سر نیچے ہوں تو ہم کہیں خدا کی لائٹوں میں کھڑے ہوں۔ دقت یہ ہے کہ ہم یہ احساس کریں کہ ہم جو اب دہی میں کدھر ہیں؟ ہم جو اب دہی میں سیکولر ہیں، ہم جو اب دہی میں سوشلسٹ ہیں، ہم جو اب دہی میں ڈیموکریٹس ہیں یا ہم اپنی جو اب دہی میں خدا کی طرف ہیں؟ مملکتِ اسلامیہ کا صرف یہی بحران ہے۔ خدا آپ سے ناراض ہے، راضی نہیں ہے۔ لوگ غلط کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے راضی ہے۔ اگر اللہ ہم سے راضی ہوں تو یہ زمین برکت والی ہو جائے۔ ہم نے خدا کے تصور کو دھندلا دیا ہے۔ مولوی کا خدا تو علی بابا کی طرح لگتا ہے۔ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پہ روٹھتا ہے، ناراض ہوتا ہے۔ وہ تو کائنات کا رب ہی نہیں لگتا۔

Carl Segan نے اپنی کتاب Demon - Haunted World میں مذہب پر تنقید کی ہے۔ اہل اسلام آپ ذرا غور کرنا کہ وہ اتنا بڑا دانشور ہے کہ دنیا میں کاسالوجی، دانشوری، علم اور حکمت پر اتھارٹی ہے، مگر یورپی جابلوں کی طرز فکر پر ذرا غور کرنا۔ واقعہ یہ لکھتا ہے کہ Islam is also against sciences.

وجہ کیا بیان کرتا ہے کہ نجدیوں (وہابیوں) کے شیخ عبدالعزیز نے جو شیخ الحرمین شریفین تھے اپنے ایک فتوے میں یہ لکھا کہ زمین چینی ہے اور بطلیموس نے اسے چینی کہا ہے۔ اور جو زمین کو گول کہے گا وہ خارج از اسلام اور کافر ہے۔ حضرات گرامی! مولوی کا بھی معیار دیکھ لیں کہ خادمِ حرمین شریفین نے یہ فتویٰ دیا اور اس کے بعد اس عالم کا بھی فتویٰ دیکھو جو یورپ میں ہے کہ اس نے ایک مولوی کی حماقت کو ایمان اور اسلام قرار دیا۔ آپ دیکھو! کہ آپ کہاں مارکھاتے ہو۔ تو ان جابلوں کی وجہ سے اسلام بدنام ہو رہا ہے۔ اور اب آپ کو اسلام کی کاسالوجی کی ایک آدھ جھلک دکھاؤں۔ دیکھنا بھلا کہ اسلام کی کاسالوجی کیا ہے اور جدید مغرب کی کیا ہے۔ جب بطلیموس یہ کہہ رہا تھا کہ زمین ساکت ہے اور تمام چاند ستارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ تین ہزار سال قبل مسیح کی بات ہے۔ اس کے بعد 1542ء میں کوپرنیکس آیا تو اس نے کہا کہ بطلیموس غلط تھا۔

اس کے ساتھ گلیلیو پلانا اور دونوں نے فیصلہ کیا کہ سورج کھڑا ہے اور باقی چاند ستارے اس کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ حضرات گرامی! بیچ میں قرآن آ گیا۔ یعنی بطلیموس کے بعد اور کوپرنیکس سے پہلے تو نہ استدلال، نہ کوئی دور بین، نہ کوئی ٹیلی سکوپ۔ اللہ میاں نہ اس کی مان رہے تھے نہ اس کی مان رہے تھے۔ فرمایا! وسخر الشمس والقمر ذ کل یجری الی اجل مسمی (۳۱) (لقمان: ۲۹) زمین و آسمان میں یہ چاند سورج، ستارے ہم نے مسخر کر دیئے اور کائنات میں ایک اصول ہے کہ ہر چیز چل رہی ہے۔ قرآن میں اللہ تو یہ کہہ رہا تھا اور شیخ عبدالعزیز وہ فتویٰ دے رہے تھے۔ اب آپ انصاف کیجیے کہ اگر آپ قرآن کو عبدالعزیز کی نگاہ سے پڑھیں گے تو آپ کا کیا حال ہوگا اور Carl Segan کی

حماقت دیکھئے کہ بجائے قرآن پڑھنے کے وہ ایک کم علم مسلمان کے دیئے ہوئے فتوے پہ پوری اسلامی تفسیم کو بنیاد بنا رہا ہے۔ خدا اس لیے نہیں ملتا کہ آپ خدا کو اہمیت ہی نہیں دیتے ہو۔ ڈراور خوف ایک اجنبی کی طرح آپ کے دروازوں پہ دستک دیتا رہتا ہے۔ آپ توجہ ہی نہیں دیتے ہو۔ آپ کے لیے اور چیزیں بڑی اہم ہیں۔

آپ صرف اپنے مقاصد میں مصروف ہو۔ ہلکی پھلکی تر قیاں بڑی ضروری ہیں۔ آپ کو کیا پتہ اللہ آپ سے کیا چاہتا ہے؟ وہ تو اب بھی آپ کا انتظار کر رہا ہے کہ امت مسلمہ کے لوگ یہ میرے محمد ﷺ کے ماننے والے کب میری طرف پلٹیں گے۔ کب میں ان کو عزت اور شرف کے مقامات بخشوں گا۔

اور ایک بات اچھی طرح سن لیجیے۔ آپ اپنا مستقبل دیکھ لیجیے۔ اُس کے مطابق تیاری کیجیے۔ ورنہ منانے کو تو وہ کسی کو بھی منا سکتا ہے۔ فراعزہ مصر کو منادیا، نمرود کو منادیا، شدار کو منادیا۔ بش اور بلیر کو خا کستر کر دے گا۔ وہ کسی کو بھی منا سکتا ہے۔ جیسے میں نے آپ سے کہا:

There is only one nation in Islam which is ready for return. It can get back to natural religion and natural understanding. They can go back.

یہ ملک اللہ کے لیے بنا تھا۔ یہ ملک اللہ ہی کو واپس جانا ہے۔ چاہے دنیا جو مرضی کر لے اور اس ملک نے اللہ کو جانا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ جو اللہ کی مرضی کو سمجھیں گے جو اللہ کو جانیں گے اور اللہ کی دوستی طلب کریں گے۔ خدا کا وعدہ ان پہ آئے گا ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (۳) (ال عمران: ۱۳۹) اور سستی نہ کرنا اور نہ ہی غم کرنا۔ تم ہی غالب ہو اگر تم ایمان والے ہو۔ اگر آپ اللہ کو جانتے مانتے ہیں۔ آپ کی جواب دہی کا مرکز اگر پروردگار عالم ہے تو رب کعبہ کی قسم ہے کہ آپ ہی غالب ہو۔ چاہے زمانہ کہیں سے کہیں کیوں نہ چلا جائے۔ کروڑوں اور لاکھوں میزائل ڈیفنس سسٹم کیوں نہ بن جائیں۔ فتح جو ہے اُس کی ہے جو خدا کے ساتھ ہے کیونکہ فتح اور شکست صرف اللہ ہی دینے والا ہے۔

پاکستان کی اسلام سے دُوری

سوال: یہ بات کافی روشن ہے کہ ہم نے یہ ملک خدا کے نام پر حاصل کیا تھا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور یہ ایک انسانی جبلت ہے کہ ہر چیز فطرت کی طرف لوٹ کر جاتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ ہمارا ملک فطرت کی طرف نہیں لوٹ رہا؟ کیا اس کی وجہ غیر فطری عمل سے گزرا ہے؟ اگر گزر رہے ہیں تو غیر فطری کامو جب کیا ہے؟

جواب: ماشاء اللہ آپ نے بڑا خوبصورت سوال کیا اور خود ہی بڑا مناسب جواب بھی دے دیا۔

بات یہ ہے کہ جب سے پاکستان بنا قوم پرست افراد جو اس میں شریک ہوئے اُن کی اپنی غرض و غایت تھیں۔ قائد اعظم فرمایا کرتے تھے کہ میری جیب میں ڈیڑھ مکہ خالص ہے۔ ایک کھرا اور ایک آدھا کھرا۔ ایک محمد علی جوہر اور دوسرے نواب بہادر یار جنگ۔ قائد اعظم کی بطور قائد اپنی رائے یہ تھی کہ میرے ساتھ بہت سے لوگ مخلص نہیں ہیں۔

انگریز بہت دور کی سوچتے تھے وہ جاتے ہوئے اپنی بہت سی میراث بھی چھوڑ گئے اُن کی ہمدردیاں ہندوؤں کے ساتھ تھیں۔ وہ کسی ایسے ملک کے خوف میں مبتلا تھے جہاں اسلامی نظام حیات کو رائج کیا جائے اور وہ پھر ہمارے خلاف کھڑا ہو جائے۔ یہ سوچ کر انہوں نے بہت احتیاط کی کہ مسلمان اپنے مرکزی تصور کو نہ پلٹیں اور بہت ساری مذہبی تنظیمیں بھی اس میں شامل کر دیں۔ اگر آپ غور کریں تو مسلمان کا تشخص کہیں نہیں ہے۔ طبقہ ہائے فکر کے تشخص ہر جگہ موجود ہیں۔ اگر میری زندگی میں کوئی ایسا لمحہ آئے کہ میں اپنی قبر تک پہنچنا چاہوں تو میں تو قسمیہ کہہ سکتا ہوں کہ میں سوائے مسلمان ہونے کے کسی اور تصور سے نہیں پہنچنا چاہتا۔ مگر بڑی فراست کے ساتھ انگریز نے چھوٹے چھوٹے طبقہ ہائے فکر امت مسلمہ میں داخل کر دیئے تاکہ ان کی دینی قوت ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہے اور یوں آپس میں اختلافات کا شکار رہیں۔ اللہ کے دین کی طرف ان میں فطرت پسندی (Naturalness) کبھی نہ آئے مگر اس کا ایک عجیب و غریب نتیجہ نکلا کہ اگر آپ تمام مذہبی لوگوں کو جمع کر لیں تو یہ چالیس پچاس لاکھ سے زیادہ نہیں۔ ان میں چاہے کوئی بھی جماعت شامل ہو۔ یہ پروفیشنل مذہب پسند لوگ ہیں۔ یہ صاف ستھرے مسلمان نہیں ہیں مثلاً آج اگر کوئی نیا مذہب لیڈر آ گیا، اُس نے نئی جماعت بنائی، یہ اُس کی تحریک میں شامل ہو جائیں گے۔ پھر دو چار سال ادھر رہیں گے۔ پھر کوئی نیا مذہب لیڈر آ گیا۔ اُس نے تحریک چلائی، یہ اُس میں شامل ہو جائیں گے۔ اگر ان کو یوں دیکھا جائے تو بقیہ پندرہ کروڑ مسلمان بالکل لاتعلق ہو گئے۔ انہی مذہب کی ٹھیکیداریوں کی وجہ سے وہ لاتعلق ہوتا چلا گیا۔ وہ کسی بھی جماعت کا ممبر نہیں بننا چاہتا اور حیرت کی بات ہے کہ اجماع امت نے پاکستان کا فیصلہ کیا اور تمام مسلمانوں کی تمام مذہبی جماعتوں نے اس کے خلاف فیصلہ کیا۔ اجماع تو اپنے دین اور ایمان کو سنبھالے ہوئے بیٹھا ہے۔ اپنی محبت رسول ﷺ کو اپنے سینے میں رکھتا ہے اور قرآن حکیم کی اس آیت کے مطابق ان اللہین فرقوا دینہم وکانو شیعاً لست منہم فی شی (۶) (الانعام: ۱۵۹) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے اے پیغمبر ﷺ! تجھے اُن سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ بڑی واضح آیت ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ اس طرح کے کسی گروہ میں نہیں ہے۔ بالعموم حوالہ دینے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت قرآن حکیم ہے کہ تم میں سے ایک گروہ پیدا ہوگا۔ اللہ اُس کو فتح اور نجات دے گا مگر وہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ قرآن کہتا ہے کہ تم میں سے اگر میں اُس گروہ کو پہچاننے سے انکار کر دوں۔ میں تو پندرہ کروڑ عوام میں سے ہوں۔ میں تو وہ ہوں جو خدا اور رسول ﷺ کے شیدائی ہوں اور جب یہ اجماع ہی فیصلہ کر دے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہیں تو وہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم اُن میں سے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ العزیز اگلے برسوں اجماع ہی میں اعلیٰ کٹ منٹ کو واپس ملے گا۔

جیسے پرانا عربی محاورہ ہے الناس علی دین ملوکھم کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پہ ہوتے ہیں لیکن ہمارے جو بادشاہ گزرے ہیں اُن کی دین داریاں واضح تھیں۔ ماشاء اللہ لوگ پھر اُن کے دین میں چلے گئے۔ ایک اور اصول پروردگار نے امتوں کے زوال کا لکھا کہ جس قوم کو رسوا کرنا چاہتے ہیں اُس کے امراء کو عیش و عشرت میں ڈال دیتے ہیں۔ جب کسی قوم کو بہتر کرنا چاہتے ہیں تو اُس کے امراء متقی ہوتے ہیں۔ کوئی غیاث الدین بلبن نکلتا ہے کوئی شمس الدین قنتمش نکلتا ہے۔ یہ بھی تو فوجی جرنیل اور اپنے وقت کے فاتحین تھے۔ جب خواجہ بختیار الدین کا کیگی وفات ہوئی تو آپ نے وصیت نامہ لکھا کہ میرا جنازہ وہ پڑھائے جس نے کبھی تہجد قضا نہ کی ہو اور جس نے اپنی عورت کے علاوہ کسی

غیر عورت کو دیکھنا نہ ہو۔ تو سارے لوگ کھڑے تھے۔ پھر فوج کا وہ جرنیل رونا ہوا نکلا، شمس الدین التمش چیخنے لگا اور کہا ”اے شیخ! امروز مرا پیش خلق رسوا کردہ امی۔“ کہ اے شیخ آج تو نے مجھے مخلوق کے سامنے رسوا کر دیا کہ اس بات کا تو کسی کو بھی پتہ نہیں تھا اور یہ غیاث الدین محمد بلبن ہی تھا جنہوں نے اپنی بیٹی خواجہ فرید الدین گنج شکر کو دی۔

اگر آپ حیران نہ ہوں کہ برصغیر میں فوج اور تصوف میں کیا توازن تھا تو خواجہ نظام الدین اولیاء پر سب سے مستند کتاب ایک فوجی جرنیل کی ”فوائد الفوائد“ ہے جو حضرت تجزی نے شیخ نظام الدین اولیاء پر لکھی ہے۔ آپ اس کتاب کو ضرور پڑھیے گا۔ اس کتاب میں آپ کو بڑا مزہ آئے گا۔

محمد غوری آنے سے پہلے معین الدین چشتی اجمیری کی اجازت طلب کر رہا تھا اور محمود غزنوی خود حضرت علی بن عثمان دانا گنج بخش سے درخواست کر رہا ہے کہ حضرت آپ ہمارے ساتھ آؤ گے تو برکت ہوگی ورنہ ہم جنگ کو نہیں جاتے اور شیخ ہجویر محمود غزنوی کے ساتھ آئے۔ محمد غوری معین الدین چشتی اجمیری کی ہدایت پآئے۔ ایک بڑا مشہور واقعہ ہے کہ فوج گزر رہی تھی اور جب انہوں نے شیخ کا سنا تو انہوں نے اصرار کیا کہ ہم تو انہیں ملے بغیر نہیں جائیں گے۔ پھر فوجی کمانڈروں کو دو دن کی چھٹی کرنی پڑی تاکہ لوگ شیخ سے مل سکیں۔ یہ غیر متوازن سلسلہ نہیں تھا۔ یہ نہیں کہ چار چار رخ تھے۔ اُس وقت پوری ملت ایک رخ رکھتی تھی۔ اکتساب جدا جدا تھے۔ اگر کچھ استاد تھے تو کچھ Executionist تھے۔ اگر فوج حکمت پہ تھی تو صوفیاء علم پر تھے اور علم و حکمت کے اس امتزاج سے مسلمانوں نے برصغیر میں اللہ کے نام کو بلند کیا اور یہ وقت اب پھر آنے والا ہے۔

تقسیم ہند میں مذہبی رہنماؤں کا کردار

سوال: کیا ہندوستان کی تقسیم غلط نہ تھی؟ کیونکہ اب آدھے مسلمان پاکستان میں ہیں جبکہ آدھے ہندوستان میں۔ اور آپ نے مذہبی رہنماؤں کے بارے میں جو یہ کہا کہ وہ موجودہ علوم سے ناواقف ہیں کیا یہ غلط بات نہیں ہے؟

جواب: میں متعصب کیسے ہو سکتا ہوں۔ جب مجھے پتہ ہے کہ کیا باپو جی اور گاندھی جی کے افسانے نہیں تھے۔ پورے ہندوستان کے مذہبی علماء میں صرف دو آدمی تھے جو قائد اعظم کا ساتھ دے رہے تھے۔ ان میں ایک اشرف علی تھانوی اور دوسرے مولانا نعیم مراد آبادی تھے۔ مگر حضرات گرامی! علماء کی تضحیک مراد نہیں ہے۔ اُن کی ڈائریکشن ان کے رجحان غلط تھے۔ اب بھی غلط ہیں۔ اب آپ غور کیجیے کہ اس وقت جو بات آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ علماء کا کام جماعت کروانا ہے۔

حضور گرامی مرتبت ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ میرے اللہ نے جو سب سے بڑی نعمت عطا فرمائی کہ تمام زمین میری مسجد ہے۔ اگر مسجد ضروری ہوتی تو کیا آپ صحراؤں میں، گلیوں میں، سواریوں میں نماز پڑھ سکتے تھے؟ آپ نے اپنے میں سے سب سے کم عقل اور بیکار کو مسجد کی امامت دے دی۔ اس میں آپ کی غلطی ہے۔ میں تو آپ کو اپنی غلطی یاد کر رہا ہوں۔ اُس وقت بھی عوام الناس نے اللہ کے نام پر ملک لیا تھا اور اس ملک کو لینے کے بعد وہ عوام الناس بے قدر کر دیے گئے، اختیارات اُن سے چھین لیے گئے اور پھر انہی مذہبی لوگوں نے پھر مسلمانوں کو بائنا شروع کر دیا۔ ان

صاحبانِ اقتدار نے پھر مسلمانوں کو انصافیوں میں ڈال دیا۔ کیا آج کے مسلمان اور آج کے پاکستانی شہری کو یہ معلوم نہیں کہ پچاس سال گزرنے کے بعد بھی یہ واحد ملک ہے جو ایک بھی بنیادی ضرورت اپنے عوام کو مہیا نہیں کر سکتا۔ یہ کس کا قصور ہے؟ کیا گلی کوچوں میں ان لوگوں کا قصور ہے جن بیچاروں نے سینوں پہ گولیاں کھا کے زخم اٹھا کے پاکستان کے لیے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ لگایا تھا یا آپ یہ ان لوگوں کا تقاضا کرتے ہیں جو مساجد میں عمائے سچائے اور ٹوپیاں لپیٹ کر اُس وقت بھارت کے حق میں فتوے دے رہے تھے۔

کبھی آپ نے سنا کہ مذہبی سکولوں کی صدارت کافر کریں۔ ابھی کل کی تو بات ہے کہ جشنِ صد سالہ دیوبند میں اندرا گاندھی نے اُس کی صدارت کی۔ اگر آپ تاریخ پڑھ کر دیکھیں۔ کیا ان کے رجحان بدل گئے۔ کیا ان کی طرزِ فکر بدل گئی۔ اس کے باوجود ہم انہیں مکمل تعاون دینے کو تیار ہیں۔ مگر ان کو مکمل تعاون تب ملے گا جب آپ انفرادی طور پر اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوں گے۔ آپ کو قرآن پڑھنا ہے۔ آپ کو حدیث پڑھنا ہے۔ آپ میں سے کتنے ہیں جو مساجد اللہ میں اپنے بیٹوں کو اس خوف سے نہیں بھیجتے کہ وہاں اخلاقی بے راہ روی کا ایک طوفان اٹھا ہے کہ وہ ساری عمر کے لیے اس قسم کی تحارت میں ڈوب جائیں۔ کمپیوٹر ٹیکنالوجی تو آپ سیکھ رہے ہو۔ دنیا کے مشکل ترین معاملات میں غور و فکر تو آپ کر رہے ہو۔ آپ ایک کتاب سادہ کو کیوں نہیں پڑھ سکتے۔ اگر ایک ایم۔ ایس۔ سی کی کتاب ایک میٹرک والا نہیں پڑھ سکتا تو ساری کائنات کے عظیم و حکیم رب کی کتاب ایک اُن پڑھ مولوی پڑھ لے گا؟ وہ آپ کو اللہ کی کتاب نہیں پڑھائے گا۔ وہ آپ کو کنویں کے مینڈک کی طرح اپنی تفسیر بتائے گا اور یہ چیز ہے جو فرق ڈالتی ہے۔ آپ کو یہ جان لینا چاہیے کہ عالم اس کو نہیں کہتے۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا (۳۵) (فاطر: ۲۸) اللہ کے عالم اُس کے لبادے تلے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نماز و روزہ پر اور حفظِ عزت و مقدار نہیں رکھی بلکہ فرمایا کہ میں جسے چاہتا ہوں درجے عطا کرتا ہوں۔ و فوق کل ذی علم علیم (۱۲) (یوسف: ۲۶) اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔

یہ علم والے ہیں؟ آپ خود فیصلہ کر کے بتانا۔ قرآن حکیم میں خداوند کریم نے اپنے بندوں کی تعریف کیا کی ہے الذین یذکرون اللہ قلیماً وقعوداً وعلی جنوبہم ویتفکرون فی خلق السموت والارض (۳) (آل عمران: ۱۹۱) اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو کھڑے بیٹھے صبح و شام اُسے یاد کرتے ہیں اور ہر لحو زمین و آسمان کی تخلیق پر غور کرتے ہیں۔ وہ کاسالوجسٹ ہیں وہ بیالوجسٹ ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج قرآن کی ایک وضاحت کے لیے ہمیں مسلمانوں کی درس گاہ علمیہ کو ترک کر کے یورپ کے سرجمو جین کی وضاحت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ فرمان خداوندی ہے اولم یر الذین کفرو ان السموت والارض کاننا رتقا ففتقنہما^ط وجعلنا من المآء کل شیء حی (۲۱) (الانبیاء: ۳۰) کیا کافروں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ زمین و آسمان آپس میں پہلے اکٹھے تھے۔ پھر ہم نے انہیں الگ کیا اور ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ آپ مجھے بتائیں دنیا کے اسلام میں کون سا عالم ایسا ہے جو اس آیت کی وضاحت میں سائنسی حقائق پیش کرے گا۔ اس کو سرجمو جین کی صداقت چاہیے۔ کون مولوی صاحب اس کی وضاحت کریں گے؟

لاہور میں ایک بڑے مولوی صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ یہ سادگی بے حماقت ہے۔ میں اس کا برا نہیں منانا لیکن انہیں نئی مسلمان نسلوں کو ایسے پیش پابا تیں سکھانے کا کوئی حق نہیں۔

وہ مجھ سے پوچھنے لگے پروفیسر صاحب یہ آدمی جو چاند پہ گیا غلط نہیں ہے۔ میں نے کہا کیوں۔ فرمایا کہ ”تفسیر جلالین“ میں لکھا ہے کہ قریب کی چیز بڑی اور دور کی چھوٹی نظر آتی ہے تو چونکہ چاند چھوٹا نظر آتا ہے اور سورج بڑا۔ تو یہ سورج پہ پہنچے بغیر چاند پہ کیسے چلے گئے۔ اگر یہ علمیت کا معیار ہے۔ تو دجال مغربی دنیا کی عقل و معرفت کو کس طرح آپ چیلنج کرو گے؟ دنیاوی علم و حکمت کے لیے آپ اس مولوی پہ تکیہ کرو گے؟ جس کا حال یہ ہے کہ آج سے پچیس سال پہلے علماء دیوبند کے سامنے یہ سوال پیش ہوا کہ کیا فرماتے ہیں علماء دین بیچ اس مسئلہ کے کہ آلہ مکبر صوت یعنی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال حلال ہے یا حرام؟ بڑی دیر تمام علماء نے میٹنگ کی اور فتویٰ دیا کہ حرام ہے۔ وہ حرام کیوں ہے۔ اس کی بھی وجہ بتائی کہ آدمی کہیں سے بول رہا ہوتا ہے اور کہیں دور سے سنا جا رہا ہوتا ہے تو بیچ میں شیطان کچھ ملا دیتا ہے۔ اس لیے حرام ہے مگر وہ فتویٰ کدھر ہے اور آج کل سب سے زیادہ یہ علماء عصر حاضر ہی لاؤڈ اسپیکرز پر گلا پھاڑ رہے ہوتے ہیں۔ تعلیم دینے کے کیا ”اچھے“ آداب ہیں۔ وہ اللہ جو چاہ رہا ہے کہ آپ غور و فکر کرو۔ وہ اللہ جو یہ چاہ رہا ہے کہ آپ باریک بینی سے اس کے حقائق پڑھو۔ دیکھو سمجھو۔ جو آپ کو علم کی ترغیب دیتا ہے۔ دیکھیے یہ بات معمولی بات نہیں ہے۔ آپ کے پیغمبر ﷺ کا ایک چھوٹا سا فرق آپ کو بتا دوں کہ مسلمان کس علم کی آرزو کرتا ہے۔ لارڈ برٹریڈ رسل نے پورے علم کا خلاصہ کیا اور کہا:

We only know the relationship of things. We do not know the nature of things.

تمام علوم، فلسفے اور ریاضیات کے بارے میں لارڈ رسل کا یہ قول دور حاضر کے عظیم ترین فلسفے کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔

مگر پندرہ سو سال پہلے محمد رسول اللہ ﷺ ایک دعا مانگ رہے ہیں کہ اے پروردگار! مجھے حقیقتِ اشیاء کا علم دے۔ غور فرمائیے آپ کس نبی کی امت میں سے ہیں کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة مگر آج مسلمان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پہ علم بند ہے۔

مجھے مولوی حضرات سے کوئی پیر نہیں لیکن میں دین اور علم کے حوالے سے تعصب ضرور رکھتا ہوں۔ جو شخص بھی مذہب کی ایسی ناقص اور کم تر توجیحات کرے گا جیسے میں نے ابھی آپ کو مثال دی کہ بھلا یہ بات قرآن کی ہے یا حدیث کی کہ جو شیخ عبدالعزیز خام حرمین شریفین دیتا پھرتا ہے۔ وہ کھل کر اس کو اپنی ذاتی رائے کیوں نہیں کہتا:

انہوں نے تو اس کو شخصی رائے نہیں سمجھا۔ انہوں نے سمجھا کہ قرآن یہ کہہ رہا ہے اسلام یہ کہہ رہا ہے۔ یہ پیشکش کا انتہائی بھونڈا طریقہ ہے ہر چیز کو اچھی شہرت ملتی ہے تبھی کامیاب ہوتی ہے اور اللہ کو کتنے بڑے مشتہر ملے ہوئے ہیں۔

اسلام کو کیسے سمجھیں؟

سوال: اسلام کو سمجھنے کے لیے اگر آپ کی باتوں کے مطابق مولوی کے پاس نہ جائیں تو کہاں جائیں؟

جواب: اسلام کسی چیز کی آمیزش نہیں کرتا۔ صرف ایک احتیاط ضرور آپ کو کراتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ

نظریات کی آپس میں آمیزش نہیں ہو سکتی مثلاً آج تک کمیونزم نے اپنے اندر ذرا سی بھی کسی دوسرے نظام کی آمیزش قبول نہیں کی۔ بلکہ ایک دفعہ میکسم گورکی نے لینن کو خط میں لکھا کہ اگر خدا نے چاہا تو ہم کریملن میں ملیں گے تو لینن نے جواب لکھا اگر خدا نے چاہا؟ تم ابھی تک سرمایہ دار ہو۔ تم نے لفظ خدا کیوں لکھا؟ اس نے جواب دیا رامیں نے تو محاورہ لکھا تو اس نے کہا نہیں۔ جب تک خدا تمہارے محاوروں میں سے بھی نہیں نکل جائے گا اس وقت تک تم اچھے کمیونسٹ نہیں بن سکتے۔

اس سیاق و سباق میں سوشلسٹوں اور جمہوریت پسندوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟

چھارب کی آبادی میں ایسے لوگوں کا تناسب کیا ہے؟ بیس کروڑ پچاس کروڑ اور ان کا بنیادی رویہ یہ ہے کہ اگر بارہ پندرہ کروڑ عوام علیحدہ ایک ملک چاہیں اور وہ اپنے کسی سٹم پر عمل کرنے کے لیے کوشش کریں تو وہ اس کی اجازت نہیں دیتے۔ وہ اپنے مقاصد کے تحت اتنے مضبوط بنیاد پرست ہیں کہ وہ جمہوریت اور اس کی آزادیوں کے ناقص تصور کو ساتھ رکھتے ہیں۔ بھی ہم مسلمان جمہوریت تو لے سکتے ہیں لیکن ہم وہ جنسیت اور لذت پسندی کیسے ساتھ لے لیں جو پراپرٹی کے حقوق اسے نیویارک دے رہا ہے ہم کیسے دے دیں۔ اس لیے انہوں نے یہ پراپیٹنڈہ شروع کر رکھا ہے کہ اسلام جدید ہے اسلام پرانا ہے۔ اسلام جدید ترین ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں کسی ازم یا جدیدیت کی آمیزش نہیں ہو سکتی۔

اللہ صرف یہ کہتا ہے کہ اے لوگو! یا ایہا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کآفۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطنؑ انہ لکم عدو مبین (۲) (البقرہ: ۲۰۸) سٹم میں مداخلت نہ کرو۔ اگر تم نے اسلام کے فوائد لینا ہیں تو تم اس میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اس میں ادھر ادھر کے نظریات شامل نہ کرو کیونکہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اسلام آج تک اسی لیے واپس نہیں ہوسکا کہ دنیا کو اچھی طرح پتہ ہے کہ جہاں یہ ایک بار اپنی اصل نظری صورت میں داخل ہو گیا وہاں پھر اس کو اتارنا یا مغلوب کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

اسلام میں کوئی فکری منتشتا نہیں ہے۔ آپ خود کتاب پڑھو۔ حدیث پڑھو۔ کوئی منتشتا نہیں ہے۔ اگر ہونا تو مجھ میں سب سے زیادہ ہوتا۔ جس نے ایک ایک لفظ پڑھا ہے حدیث پڑھی ہے تاریخ پڑھی ہے سیرت پڑھی ہے۔ اسے قرآن کی تفہیم میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔

اس ضمن میں میرا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے۔ البتہ اسلام کو اس طرح سمجھو جیسے اصحاب رسول ﷺ نے سمجھا۔

Try to get back and try to understand.

اب دیکھیے بہت سے مقامات پر قرآن حکیم کی تفسیر رسول اللہ ﷺ کے اعمال مبارک میں آتی ہے۔ میں ایک چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں۔ قرآن حکیم میں ایک آیت ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین (۲) (البقرہ: ۲۲۲) اللہ تعالیٰ تو بہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کو سمجھنا کتنا آسان ہے۔ مطہرین کا لفظ بڑا مشکل ہے۔ ہم اپنی زبان کے حساب سے دیکھتے ہیں تو اتنی صفا چاہیے کہ غیر ممکن لگتا ہے لیکن جب اس عمل پر ہم رسول اللہ ﷺ کی وضاحت دیکھتے ہیں تو ہم حیران ہوتے ہیں کہ اتنا سادہ۔ کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مطہرین کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا کہ جو ڈھیلے کے بعد آب دست لیتے ہیں۔ وہ لوگ جو اچھا غسل کرتے ہیں۔ پانی سے اپنے اعضاء و جوارح کو جو اچھے طریقے سے دھوتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک مطہر

اور پاک صاف ہیں۔ اب بتائیں جب آپ ایسا عمل کریں گے تو آپ کا مطہرین کی صف میں آنے کے لیے کتنا آسان ہو جائے گا۔ فطری سمجھ بوجھ وہ ہے جو صحابہ کرامؓ کو بیان کی گئی اور انہوں نے سمجھا اور الحمد للہ آپ کے پاس حدیث موجود ہے قرآن موجود ہے۔ آپ کیوں کسی ٹیڑھے انداز فکر کا سہارا لیتے ہو۔ قرآن اس عالم پہ سب سے سخت ہے جو دنیاوی مقاصد کے لیے علم کو استعمال کرتا ہے مگر یہ ضرور کہتا ہے کہ جب انتشار ذہنی پیدا ہو جائے قیاس ہو جائے جب تمہیں پیچیدگی ہو جائے اور جب تمہیں علمی مغالطے لگیں تو ہر آدمی کے پاس نہ جانا بلکہ ان کے پاس جانا و الرسخون فی العلم (۳) (آل عمران: ۷۷) جو علم میں راسخ ہیں فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (۱۶) (التخل: ۴۳) اور اللہ کو یاد کرنے والے لوگوں کے پاس جانا اگر تمہیں علم چاہیے اور وہ یہ اصول علم رکھتے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کو پلٹ جائے گی۔

غیر مسلموں کو مسلمان کیسے کریں؟

سوال: ہماری جنگ ہندو سے نہیں ہندو از م سے ہے۔ ہم سے پہلے لوگوں نے ہندوستان میں اسلام بڑی تیزی سے پھیلایا۔ اب ہم انہیں مسلمان کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

جواب: اقبال نے بڑی خوبصورت بات کہی تھی کہ:

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
میری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

تو مجھے لازم ہے کہ میں خود بھی اپنے کردار پر ایک نگاہ ڈالوں۔ یہ لازم ہے کہ میں دیکھوں کہ مجھ میں اور ان مبلغین میں کیا فرق ہے کہ ایک آدمی جاتا تھا اور ایک قوم کو تبدیل کر دیتا تھا اور وہ خوبصورت کردار جو اب بھی لوٹے مصلے لے کر نکلتے ہیں۔ ان میں کتنا زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک وقت تھا کہ چند تاجر ماریشس آئے۔ ماریشس سارا مسلمان ہو گیا۔ ایسے ایسے پیچیدہ اور متعصب علاقوں میں گئے اور وہاں اسلام کی شمع روشن ہو گئی۔ پوری دنیا میں اس وقت بھی سب سے بڑی ملتِ ملتِ اسلامیہ ہے۔ ایک ارب سے زیادہ۔ حضراتِ گرامی! مذہب ایک کلچر ہے، ایک خوبصورتی ہے۔ کلچر بڑا متاثر کن ہے۔ صرف نفسِ مضمون سے یہ متاثر کن نہیں ہوتا۔ جو مذہب آپ کے وجود میں سے ہو کے گزرے گا، اس کا حسن دوسرے محسوس کریں گے، اس کردار کی شناخت محسوس کریں گے، اس کی محبت و انس کو محسوس کریں گے۔

اتفاق یہ دیکھو کہ اچھے بھلے مسلمان باریش حضرات بڑے بڑے کچے نمازی مغرب جاتے ہیں اور پانچ سال کے بعد وہ مغربی ہو کے واپس پلٹتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ایک اچھا بھلا مسلمان مغرب جا کر اپنے کلچر کو قیمتی نہیں سمجھتا۔ ان کے کلچر کو لے کر واپس نکلتا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ اب ہندو کس طرح مسلمان ہوں گے؟ میں کہتا ہوں ہندو اب تو مسلمانوں میں رہتے ہی نہیں ہیں کیونکہ مسلمان اب دیوبندی، ملیوی اور اہل حدیث بن چکا ہے۔ تو وہ بیچارے کس کو مسلمان مانیں؟ اور یہ جو آپ کہتے ہیں کہ یہ تو مسلمان ان کے ہاتھوں نہیں ہوئے ہیں۔ کوئی معین الدین کے ہاتھوں، کوئی فرید الدین گنج

شکر کے ہاتھوں کوئی تو حسن زائد ہوگا، کوئی خوبصورتی ان میں زیادہ ہوگی۔ حضرات گرامی! یہ وہ خوبصورتی ہے جو اللہ کہتا ہے کہ میرا بندہ جب چلتا ہے تو اس کے آگے آگے میرا نور چلتا ہے اور وہ لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ اس کے کردار کی عظمتیں ہی وہ چراغ جلاتی ہیں اور وہ آئینے کے پیچھے چھپا ہوا وہ چراغ ہے جس کی روشنی کم نہیں ہوتی بلکہ زمین و آسمان میں پھیلتی ہے جیسے اللہ کا پنا نور۔

آج کے دور میں کتنے ماں باپ ہیں جو حسرت رکھتے ہوں اور یہ کہتے ہوں کہ ہم اپنے بچوں کو اچھا انجینئر بنا سکیں گے، اچھا ڈاکٹر بنا سکیں گے، اچھا فوجی بنا سکیں گے اور فلاں یہ کرے گا، وہ کرے گا لیکن کسی ماں باپ نے آرزو ہی نہیں کی کہ ہم اپنے بچے کو اچھا مسلمان بنا سکیں گے یعنی یہ آرزو ہی موجود نہیں ہے۔ یہ خیال موجود نہیں ہے تو پھر مسلمان کہاں سے آئیں گے۔ بھئی کسی چیز میں جو ڈالو گے وہی نکلے گا۔ دودھ چینی ڈالو گے پاؤ ڈرڈالو گے تو آئس کریم نکلے گی ماں۔ وہ چیز بذات خود تو کچھ نہیں۔ خالی دنیا دار بچے نکل رہے ہیں۔ وہ اللہ کے بندے

سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

کوئی نزلے لوگ تو نہیں تھے۔ سیدھے سادے لوگ تھے۔ حضرت علامہ الحضریؒ اکیدر کی فتح کو گئے بیچ میں جھیل آگئی تو دیکھا کہ اکیدر باہر مذاق کر رہا ہے کہ مسلمانوں بس۔ آپ کو پانی نے روک لیا۔ وہ نیل گئے کا شکار کھیل رہا تھا تو علامہ الحضریؒ نے آسمان کی طرف دیکھا اور یہ جملے پڑھے۔ یا علی یا عظیم یا حلیم یا علیم اور سمندر سے گزر گئے اور اسے گرفتار کیا۔ یہی حال عقبہ بن مافع کا ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ کیسے لوگ تھے۔ بلکہ ان پر الزامات بھی لگے۔ کئی غلطیاں بھی پائی گئیں۔ اللہ میاں آپ سے کونسی کاملیت مانگ رہا ہے۔ اللہ میاں کبھی کاملیت نہیں مانگتا۔ اللہ کہتا ہے فلا تزرکوا انفسکم ہو اعلم بمن اتقى (سورۃ النجم آیت ۳۲) تم اپنے پاک ہونے کا دعویٰ نہ کرو کیونکہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کون متقی ہے۔ مگر کوئی کٹ مٹ کوئی شناخت تو اللہ کے ساتھ سلامت رہے۔ ہزار جماعتوں کے باوجود

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اور آپ ﷺ نے فرمایا! اے معاذ بن جبل! اے ابو سعید خدری! اے ابو ہریرہ! جس نے ایک بار دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیا، اس پر نارا دوزخ حرام ہوئی۔ یا رکمال کی بات ہے۔ ایک بار بھی دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں نکلتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آٹھ لوگوں پر نارا دوزخ حرام کر دی گئی ہے اور ان میں ایک یہ ہے کہ اللہ کہتا ہے کہ کسی نوجوان کی آنکھ سے میرے لیے ایک آنسو نکلے، ایک آنسو۔ یہ متاع حیات رسول ﷺ ہے۔ یہ برکت ہے اللہ کے دین کی۔ مگر حضرات گرامی! غور کرو کیا ایسا آنسو نکلتا ہے۔ غم محبوب میں تو نکلتے ہیں، غم آرزو میں نکلتے ہیں، غم والدین میں نکلتے ہیں۔ سب جگہ نکلتے ہیں مگر کیا محبت اللہ اور محبت رسول ﷺ میں بھی آنسو نکلتے ہیں۔ تو مشکل پڑ جاتی ہے۔

Unless you create a culture of Islam, you cannot change anybody.

البتہ آپ کے لیے خطرہ ہو جو ہے۔ آپ ہندو سے عیسائی سے اور جرمن سے بدل جائیں گے۔

Because in the match of cultures, at present Muslims, culture is far more inferior to the culture of West.

ہاں جب آپ مسلمان ہوں گے تو انشا اللہ تعالیٰ العزیز یہ صارا الٹ جائے گا۔

دجال کب آئے گا؟

سوال: دجال کے آنے کا زمانہ کون سا ہے؟

جواب: حضور ﷺ نے فرمایا کہ دجال خراسان سے خروج کرے گا اور اس پر ایک ہاتھ سے روٹیاں پھینکے گا اور ایک ہاتھ سے آگ پھینکے گا۔ افغانستان کی جنگ میں ہم نے یہ دیکھا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ دجال عراق اور شام کے بیچ میں سے گزرے گا اور اس کی بڑی طاقت ہوگی تو ہم نے دیکھا یہ بات پوری ہوئی مگر اس بات کا امکان ہے کہ آنے والا وقت ہے اس کے اوپر جو بڑی جنگ ہے آپ کہہ سکتے ہیں وہ جدل کبیر ہے۔ وہ شام اور سعودی عرب کے محاذ پہ لڑی جائے گی۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ آخر میں دجال کے دور میں وقت بڑا مختصر ہو جائے گا اور جو باتیں ساہا سال میں ہوتی ہیں وہ مہینوں میں ہوں گی اور جلدی جلدی ہوں گی۔ Its like pin fall اور ابھی لگتا ہے کہ یہ جو وقت جا رہا ہے جس میں معاذ اللہ استغفر اللہ صلح و صفائی ہماری اور بھارت کی یہ بظاہر ایک بہت بڑا فساد اور فراڈ ہے جس کے ذریعے سے کسی نئے بہانے کو ڈھونڈا جا رہا ہے اور میرے خیال کے مطابق اگلی فہرست پر جو ملک ہے وہ سعودی عرب ہے اور ابھی امریکہ کو افغانستان اور عراق کے دو انتہائی تلخ تجربے ہو چکے ہیں۔ اس لیے امریکہ اب کوشش کرے گا کہ اسرائیل کو اس بات کی اجازت دے کہ وہ مسلم ممالک پر دھاوا بول دے

This is going to be field which is going to the Syria and Jordan etc.

شروع میں اسرائیلی افواج بڑی تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے سعودی عرب میں بھی داخل ہو جائیں گی۔ اردن اور شام کے ملحقہ راستوں سے یہ مکہ تک بھی پہنچ جائیں گی مگر مدینہ میں داخل نہیں ہو سکیں گی۔

On the return, most probably, some clever Muslim Generals will cut through the enemies on the field of Syria. But I think, it will be mostly built by Pakistani Army.

کیونکہ حدیث یہ کہتی ہے کہ پہلے شکستیں ہوں گی۔ یہ آدھی شکست ہے۔ حتمی فتح جو ہے وہ مسلمانوں کی ہوگی۔ یہ مکمل فتح ہے۔ ابھی کچھ زوال اور باقی ہے اور ابھی مہدی کا جمال باقی ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ اور دجال کی باتیں ہیں مگر یہ بہت بڑا موضوع ہے اور میں تھوڑے عرصے میں اس کے ساتھ انصاف نہیں کر سکوں گا۔

مذہب، انتخاب یا مجبوری

- ☆ لیکچر
- سوالات و جوابات
- ☆ خدا کی بخشش کا یقین
- ☆ مسلمانوں کے بھٹکنے کی وجہ
- ☆ خدا کا انتخاب
- ☆ متحدہ مجلس عمل (ایم۔ ایم۔ اے) کی حکومت
- ☆ وسیلہ کی اہمیت
- ☆ خدا سے پہلے کیا تھا؟
- ☆ حروف مقطعات

مذہب، انتخاب یا مجبوری

خواتین و حضرات! جب سے حضرت انسان نے اس زمین پر اپنے وجود کو پہچانا، اپنے وجود کو محقق کیا، تب سے اس میں دو بنیادی تکبرات در آئے۔ ایک تو تقابلِ فطرت میں اور دوسرے حیات کے نمونوں میں۔ جب اس نے اپنے آپ کو بہت ممتاز، منفرد اور نمایاں پایا تو اس نے خیال کیا کہ میں اشرف المخلوقات ہوں اور اسی اشرف المخلوقات ہونے کی نسبت سے جب اس نے وہ وجہ ڈھونڈنے کی کوشش کی کہ میں کیوں معزز ہوں، کیوں معتبر ہوں، کیوں خلیفہ بنا، کیوں بڑا بنا تو وہ سب سے پہلے تکبرِ عقلیہ کا شکار ہوا۔ اپنے آپ کو جاننا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اپنے آپ کو واحد مخلوق خدا سمجھنا جو اتنی ممتاز اور معتبر ہو۔ یہ انسان کا دعویٰ رہا ہے۔ اسی تقابل کی وجہ سے انسان نے اپنے اندر ایک ایسا غرور پیدا کیا۔ اپنے مسائل کے حل کے لیے اپنی زندگی کے معاملات کے حل کے لیے اور اپنی تمام تر ذاتی، داخلی اور خارجی عنوانات کی تعبیر کے لیے اس نے اپنی عقل کو ذمہ دار ٹھہرایا۔

ادھر آسمان پہ کچھ عجیب بات ہو رہی تھی۔ جب اللہ نے عقل کو تخلیق کیا تھا اور اسے کہا، مجھے چل کے دکھا اور جب اسے چلتے ہوئے دیکھا تو اللہ نے فرمایا: میں نے کیا خوبصورت تخلیق کی ہے یعنی عقل اللہ کی بہترین تخلیقات میں سے ہے اس لیے جب یہ امانت کسی کو دینے کا وقت آیا تو اللہ نے بے انصافی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ ان عر ضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان ۱ انہ کان ظلوماً جہولاً (۳۳ (الاحزاب: ۷۲) جب اس نے یہ امانت علم و عقل آسمان اور آسمان کے باشندوں کو پیش کی زمین اور زمین کی تمام تخلیقات کو پیش کی، پہاڑوں اور ان کی تمام تخلیقات کو پیش کی، تو سارے ڈر گئے۔ جہاں اتنے انعامات اسی عقل کی وجہ سے موجود تھے۔ وہاں عقل کو انسانی بہتری اور مخلوق خدا کی بہتری کے لیے استعمال نہ کرنے میں کچھ عذاب بھی مقرر تھے۔ اللہ کے نزدیک وہ تمام انسان جو اس اللہ کی دی ہوئی نعمت کو بہتر استعمال نہیں کر سکتے، ان کو ناکام قرار دیا جاتا ہے۔ ان کو کوئی دوسرا موقع نہیں دیا جاتا۔ یہ یاد رکھیے گا، جہاں گناہ کی بہت ساری بخششیں موجود ہیں، جہاں خطاؤں کی بہت ساری مغفرتیں موجود ہیں، وہاں عقل کی ناکامی کی کوئی مغفرت موجود نہیں۔

قرآن حکیم میں پروردگار عالم نے فرمایا کہ جب سکرات^(۱) میں اہل کفر کی آنکھ تیز ہوگئی اور جن چیزوں سے یہ انکار کر رہے تھے اب اس کا اقرار کر رہے ہوں گے اور جب سکرات میں ان کی آنکھیں کھلیں گی تو یہ خدا سے ایک استدعا

(1) موت کا وہ وقت جب انسان کی جان نکل رہی ہوتی ہے۔

کریں گے کہ اے پروردگار عالم! اگر تو ہمیں دوسری مرتبہ زمین پر بھیج دے گا، اگر ہمیں ایک موقع اور دے دے تو ہم نہ صرف یہ کہ تجھے پہچانیں گے اور اپنی حیات کے مقصد کو پورا کریں گے بلکہ تو جو چاہے گا، جو حکم دے گا، ہم اس کی اطاعت فرمائیں گے۔ خداوند کریم فرماتے ہیں کہ یہ غلط کہتے ہیں یہ مکمل ناکامی کا ثبوت ہے۔ اگر ان کو میں سومرتبہ بھی زمین پر بھیجوں تو پھر بھی اسی کفر کا ارتکاب کریں گے۔ پھر اسی طرح میرے انکار پر جرأت آزما ہوں گے اور پھر اسی طرح زمین و آسمان میں میری رحمت سے مایوس ہوں گے۔ تو حضرات گرامی! اگرچہ یہ بہت بڑا انعام تھا، یہ بہت بڑی نعمت تھی جو اللہ نے انسان کو عطا کی مگر اس ذمہ داری میں بڑے خطرات پوشیدہ تھے۔ اس میں بڑی رکاوٹیں حائل تھیں۔ اس کے خطرات دیکھتے ہوئے زمین نے انکار کیا۔ آسمانوں کی مخلوق نے انکار کیا۔ پہاڑوں اور ان کی مخلوق نے انکار کیا اور انسان نے بڑی عجلت کی۔ آگے بڑھ کر اس نعمت کو گلے لگا لیا۔ دعویٰ کیا کہ عجیب ہے، کیا حسرت ہے کہ میں بندہ خدا ہو کر خدا کو نہ پہچان سکوں۔ ایسی کیا بات ہے کہ جو زمین و آسمان میں خدا کی شناخت سے مجھے روک دے۔ میں تو پیدا ہی اسی لیے ہوا ہوں تو پھر اتنی گراں قدر شے جو میرے پاس موجود ہے، یہ نعمت اول و آخر جو میرے پاس ہے مگر اتفاق یہ دیکھیے کہ اس دعوے کے باوجود عالم کل نے حضرت انسان کے بارے میں ایک جملہ فرمایا، ”کہ بلاشبہ انسان ظالم اور جاہل ہے۔“

حقائق کی بنیاد پر ایک بچے کے بڑے دعوے کو بڑا شخص سن کر مسکرا دیتا ہے اور اس کی حقیقت سے اس کو آشنا کرنا ہے، اسی لیے عالم کل کے شہنشاہ نے اس متقابل دعویٰ کی بات کو سنا اور مسکرا کر فرمایا ”انسان ظالم اور جاہل ہے“ مگر اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو عموماً لوگ لیتے ہیں۔ ظالم وہ ہے جو اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے کیونکہ خدا پر کوئی ظلم نہیں کر سکتا اور جاہل وہ ہے جسے حق اور ناحق کے راستے کا پتا ہے۔ پھر بھی نادانی میں وہ جہالت کا ساتھ دیتا ہے اور ظلم کی دولت سے اپنے آپ کو روشن نہیں ہونے دیتا۔ تو خدا کے ان دو حروف کا مطلب یہ تھا کہ:

This man has overestimated himself and underestimated the job.

تو اس پورے بیان کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے اپنے کام کو ٹھیک طرح سے نہیں سمجھا۔ ہم مسلمان سہی مگر جب اللہ اور انسان کو ہم دیکھیں گے تو ہم اس زمین پر پوری پوری مخلوقات میں جہاں جہاں بھی انسان موجود ہے، ہم اس کو شمار میں لیں گے تو اگر ہم خدا کے اس کلام کو دیکھیں اور آج کے انسان کو دیکھیں تو چہا رب انسان خدا کی یاد سے غافل ہیں۔ اس کے ذہن میں کبھی اس حقیقت کبریٰ کا خیال نہیں آیا۔ اس کو کبھی کائنات کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کا خیال نہیں آیا۔

کیا قرآن میں موجود حوالوں سے آپ آزاد ہوں گے؟ کیا جب ہم قرآن کو پڑھ رہے ہوں گے تو خدا نے اگر کسی دوسرے انسان کو طعن دیا ہے تو آپ اس سے آزاد ہوں گے؟ اگر خدا نے کسی دوسرے انسان کے نقطہ نظر کی شکایت کی ہے تو کیا بحیثیت مسلمان آپ آزاد ہوں گے؟ اسی جائزے کے لیے میں نے آج کا یہ موضوع چنا تھا کہ مذہب مجبوری ہے یا اختیار۔

جب قرآن حکیم میں اللہ یہ کہتا ہے کہ اے انسان! تم اپنے آباؤ اجداد کے دین پر بڑی سختی سے قائم ہو۔ تم اس پر کوئی تجربہ فکر کرنا نہیں چاہتے۔ تم نے کوئی غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ نے ہمیں کیوں مسلمان بنایا ہے؟ ہم مسلمان کیوں ہیں؟ ہم کون ہیں جن کو لوگ مسلمان کہتے ہیں؟ کیونکہ آپ میں سے کسی کو بھی اسلام اختیار سے نہیں ملا۔ آپ میں سب کو اسلام

ورثے میں ملا ہے اور ایک ایسے ورثے میں جس کے بارے میں غور و فکر کرنا آپ کے لیے ایک درجہ محال ہے۔ ایک مشکل ہے آپ نے اتنی محنت کبھی اسلام پر نہیں کی اتنی محنت کبھی تصور خدا پر نہیں کی اتنی محنت مذہب کی غرض و غایت پر نہیں کی، جتنی آپ اس میراث کو سمیٹنے پر کر رہے ہیں۔ وہ بزرگ و بڑے رب کریم تو اہل کفر کو طعن دیتا ہے کہ اگر تم غور و فکر کرتے اور آباؤ اجداد کی میراث کی تقلید نہ کرتے تو تم یقیناً اپنی معرفت پروردگار تک پہنچتے۔

دنیا کی سب سے غالب اکثریت مسلمان مگر خدا شناس کتنے ہیں؟ اللہ کو جاننے والے کتنے ہیں؟ کیا وہ لوگ خدا شناسی کے دعویدار ہیں جو تعویذ اور گنڈے کا بیوپار کر رہے ہیں؟ کیا وہ لوگ خدا شناسی کے دعویدار ہیں جو لوگوں میں جلسازی سے اپنے دعوؤں کو بیچنا بت کرنے میں مشغول ہیں؟ کیا وہ لوگ خدا کے علم کے دعویدار ہیں جنہیں اپنی زندگیوں کے بارے میں ایک حرف تعلیم نہیں آتا؟ ایک ملک جب اپنے بہترین افسران چھٹا ہے تو بڑے سخت امتحان لیتا ہے۔ ایک دنیاوی نظام جب امتحان لیتا ہے تو وہ کسی کم علم کو اعلیٰ ترین منصب زندگی دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ اے مسلمان! اے امت مسلمہ! غور تو کرو۔ ہم نے اللہ کے دعویدار ان لوگوں کو سمجھا ہے جن کے منہ سے رال نکلتی ہے۔ جنہیں ایک حرف شناسائی پروردگار بھی نہیں آتا اور جن کے ذہن و خیال میں دین و دنیا کا کوئی علم اپنی مکمل حیثیت سے نہیں ہوتا۔ کیا یہ لوگ خدا کے نمائندے ہوں گے؟ کیا یہ لوگ خدا کے علم کے دعویدار ہوں گے؟ کیا ان لوگوں سے آپ کو خدا کی شناسائی ملے گی؟ بد قسمتی سے اس کا روبرو حیات میں جتنا بڑا جلسازی ہے اُسے لوگوں کی چند کمزوریوں کا علم ہے۔ کیا رزق اب جادوگری بند کرے گی؟

ہر محلے ہر گلی ہر شہر میں جادوگروں اور ساحروں کی تعداد مارل لوگوں سے زیادہ ہے بلکہ ہر گھر میں کہیں بھتیجی جادو کر رہی ہے، کہیں بھانجی کر رہی ہے، کہیں ساس کر رہی ہے، کہیں بہو کر رہی ہے، کہیں مرد کر رہا ہے، کہیں عورت کر رہی ہے۔ اے کائنات خداوند کے رہنے والو! کیا طلسم ہو شر با ہے کہ یہاں صرف ایک خواجہ عمر و عیار ہے، یہاں صرف ایک طلسم کشا ہے۔ باقی سب جادوگر ہیں۔ خواتین و حضرات! کیا یہ لوگ تعلیم میں آپ کو گائیڈ کریں گے؟ کیا یہ لوگ آپ کی علیت کے مظاہرے آپ سے وصول کریں گے؟ یا اس لیے ہے کہ آپ اللہ کی اس بات کو بالکل توجہ نہیں دیتے کہ اے خدا کے بندو! میں اہل کفر کو جو طعن دے رہا ہوں کہ تم کبھی بھی کفر کے قابل نہ رہتے، اگر غور و خوض کرتے تو میں رب کعبہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں اے امت مسلمہ کے امیدوارو! اگر تم بھی غور و فکر کرو تو جہالت کے ان عمومی تاثرات سے آزاد ہو جاتے اور خدا کو خدا کی طرح چاہتے۔ اللہ کہتا ہے وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف له الا هو ط وان یمسسک بخیر فہو علی کل شیء قدید (۶) (الانعام: ۱۷۱) اور اللہ جسے تکلیف پہنچانا چاہے تو اس تکلیف کو اس کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر کوئی بھلائی کرنا چاہے تو بھی وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کسی کا جادو کام نہیں آئے گا۔ کوئی تعویذ کام نہیں آئے گا۔ دعا اپنی جگہ ہے۔ دعا بھی تو اللہ کی وجہ سے قبول ہوتی ہے۔ اگر ہم کسی کو ضرر سے چھولیں تو پھر اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں کھول سکتا اور جسے ہم خیر سے چھولیں تو یہ تو قدرت ہمارے پاس ہے۔ کسی انسان کے پاس نہیں۔ کوئی انسان کسی کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ہم رزق ان کو عطا کر دیتے کہ جاؤ تم لوگوں کو پالو۔ تم لوگوں کو زندگی عطا کرو اللہ تعالیٰ

نے قرآن حکیم میں فرمایا کہ ”مگر ہم انسانوں کو رحمت دے دیتے تو یہ بڑے بخیل نکلتے۔ یہ کسی دوسرے انسان تک رحمت پہنچنے نہ دیتے۔ اسی لیے ہم نے وہ اسباب ضرورتاً انسان اپنے پاس رکھے اور کسی کو اس کا سبب عطا نہیں فرمایا۔ البتہ میرا رسول اللہ ﷺ۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کہ دیکھو اللہ عطا کرنے والا ہے۔ عطا کسی اور کے پاس نہیں ہے۔ میں مگر تقسیم کرنے والا ہوں۔“

وہ عقل و معرفت اور تحقیق و جستجو جس پر اللہ نے اپنی شناخت کی بنیاد رکھی اور جس کا طعنہ کافروں کو دیا۔ وہ طعنہ آج آپ پر بھی لاگو ہے اس لیے کہ مذہب کی غرض و غایت رسوم و رواج عبادت نہیں ہے۔ اگر آپ عبادت کا بھی مفہوم اللہ کی زبان سے سن لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ نے عبادت کا کچھ اور مفہوم رکھا ہے۔ اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے کون سا رنگ بہتر ہے کہ ہم اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیں۔ اللہ کا رنگ جہالت نہیں ہے اللہ کا رنگ بے آگہی نہیں ہے۔ اپنی شناخت اور محبت کے لیے اللہ نے علم کو سب سے بڑی دولت قرار دیا۔ اللہ کہتا ہے کہ مجھ سے ڈرنے والے نہیں مجھ سے محبت کرنے والے اور میری محبت میں رونے والے وہی لوگ ہیں جو مجھے زیادہ جانتے ہیں۔ جو زیادہ علم والے ہیں۔ جو زیادہ شناخت والے ہیں اور میرے بہترین بندے بھی وہی ہیں جو نہ صرف عبادت کرتے ہیں بلکہ ہمہ وقت کائنات کے غور و خوض میں مصروف رہتے ہیں۔

ہم لوگ دنیاوی وجاہتوں کے لیے کتنا زور لگاتے ہیں۔ کیا اللہ نے دنیا کو غلط قرار دیا۔ کیا اللہ نے یہ کہا کہ دنیا کو مت حاصل کرو۔ کیا اللہ نے یہ کہا کہ دنیا میں تمہیں کاروبار نہیں کرنا۔ خدا ترک دنیا کے لیے نہیں ہے، اسلام ترک دنیا کے لیے نہیں ہے، نہ اسلام میں رہبانیت ہے نہ اسلام میں فاقہ ہے۔

اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فاقہ فرمایا، مگر فاقہ کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ گھر کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ روزہ رکھے بیٹھے تھے۔ پھر بریرہ کی طرف سے ایک بھنی ہوئی ران بطور تحفہ آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً روزہ توڑ دیا اور اس سے مشغول ہو گئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ابھی تو آپ نے روزہ رکھا تھا۔ فرمایا نفل روزہ تھا، کل رکھ لوں گا مگر یہ تو نہیں چھوڑوں گا کیونکہ میں تو صبح سے دعا مانگ رہا تھا کہ اے پروردگار فضل و رحمت کا تو مالک ہے مجھے عطا فرما۔ تو یہ جو بھنی ہوئی ران ہے یہ تو فضل و رحمت ہے۔ اس سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔

حضور ﷺ نے اچھا بھی کھایا ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ ام طلحہ کے پاس گئے اور پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ ام طلحہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہنڈیا میں ایک بکرا ڈالا ہوا ہے جو ابھی پکا نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، بھوک سخت ہے نکالو۔ ام طلحہ نے ایک دستی نکالی اور حضور ﷺ نے تناول فرمائی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اور ہے؟ کیونکہ حضور ﷺ کو دستی کا گوشت بڑا پسند تھا۔ پھر انہوں نے دوسری دستی نکالی اور وہ حضور ﷺ نے کھائی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے پھر پوچھا کیا اور ہے؟ تو ام طلحہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ایک بکری میں کتنی دستیاں ہوتی ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا، آج تو سوال نہ کرتی تو دستیاں ہی نکلتی رہتیں۔

خواتین و حضرات! پیغمبر عالی مقام ﷺ نے ہم سب کا کام بہت مشکل کر دیا ہے۔ آپ یقین مانو کہ سب سے بڑی مشکل ہمیں اپنے پیغمبر ﷺ کی وجہ سے ہے۔ میں آپ سے کہوں جب میں عیسیٰ کا سنتا ہوں، میں کہتا ہوں ٹھیک ہے۔ ساری زندگی معجزانہ تھی۔ اول و آخر معجزہ۔ بھلا ہمیں ان سے کیا کام۔ معجزے سے پیدا ہوئے، معجزے سے رخصت ہوئے۔ رستے میں کیا کیا، یہودی کا ہنوں کو صلواتیں سنائیں، ماہیوں کو پینا کر دیا اور مردوں کو زندہ کر دیا۔ یہ ساری باتیں بتاؤ میں کر سکتا ہوں؟ مجھے کیا پڑی ہے۔ میں کہتا ہوں اگر حضرت عیسیٰ ہی آخری نبی ہوتے تو بڑی خوشی کی بات تھی۔ ان کی بیروی کرنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔

حضرت موسیٰؑ عصائے موسوی کے بغیر تو آتے بھی نہیں ہیں اور عصائے موسوی تو اب امت کو مل نہیں سکتا۔ شریعت کا یہ عالم ہے کہ قوم یہود تمام تر عقل دنیاوی مقاصد کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ وہی نعمت خداوندی جو انسان کو اللہ نے اپنی شناخت کے لیے عطا کی۔ ایسی بد بخت قوم ہے کہ ہزار معجزات دیکھ رہے ہیں۔ کبھی مینڈکوں کی بارش، کبھی جوؤں سے بندے ہلاک کئے اور کبھی فرعون کے پہلوٹھی کے بچے کے لیے۔ وہ تو بیچارہ مان گیا اور آخری وقت میں کہا کہ میں رب موسیٰؑ اور ہارون کو مانتا ہوں۔

مگر اس قوم کا حال سنیں جس کے لیے موسیٰؑ سب پاؤں پیل رہے تھے کہ یہ قوم چلتی ہوئی جب حمص اور بعلبک کے قریب آتی ہے تو کہتی ہے موسیٰؑ بڑا بڑا معجزہ تو نے دکھایا مگر یہ تو جادوگری بھی ہو سکتی ہے۔ اگر تو واقعی ہمیں خدا کا یہ کرشمہ قدرت دکھائے گا کہ زندہ کرے گا اور مارے گا۔ پھر کیا ہو بڑی مجبوری ہے۔ اللہ سے درخواست کہ اے پروردگار میں ان جاہلوں میں سے نہیں ہوں، اگر تو کرشمہ قدرت دکھا دے۔ موسیٰؑ ذرا غصے والے تھے۔ ذرا ادھر ادھر سے آفت آتی اور لڑ پڑتے۔ اور لڑتے بھی اسی بات پر تھے جس بات پر آج ہم بھی لڑتے ہیں کہ اے اللہ بڑی مشکل سے گھیر گھار کے ایک بندہ تیری طرف لاتے ہیں تو اس کو مصیبت میں ڈال دیتا ہے۔ وہ تھوڑے عرصے کے بعد آ کے کہتا ہے، تسبیح کیا کروں۔ تسبیح تو بربادی ہے۔ جو دووا نے رزق کے پہلے مل رہے تھے اب نہیں ملتے۔ اب اسے کون سمجھائے، بھئی یہ تیری آزمائش ہے مگر وہ کہتا ہے نہیں، مجھے وہ جادوگر چاہیے جس کے تعویذ سے میرا رزق کھلتا ہے۔ آزمائش نہیں چاہیے، صبر نہیں چاہیے۔ سکون نہیں چاہیے۔ اعتبار نہیں چاہیے۔ اللہ نہیں چاہیے، مجھے تو وہ روٹی چاہیے دووا نے جو مجھے مل رہے تھے۔ یہی حال موسیٰؑ کا تھا۔ ہر دوسرے لمحہ خدا کے گریبان پر ہاتھ کہ اللہ میاں تو کیا کرتا ہے۔ بڑی مشکل سے اس قوم کو لایا ہوں۔ تو نے ان کو آتے ہی مصائب میں ڈال دیا۔ اللہ نے فرمایا، موسیٰؑ ٹھہر، یہ بھی کر دوں گا۔ ایسے کر تو دو سو بندے اپنی قوم کے معززین، لائق، دانا اور عقل والے ذرا جدا کر۔ باقی بارہ قبیلوں کو ان پہ گواہ بنا۔ ایسا نہ ہو کہ کل کوئی مکر جائے۔ ایسا نہ ہو کہ صاحب تورات کہیں کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا۔ ایسا نہ ہو یہودی اور قبائلہ حریک کہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

فاخذتکم الصلعة وانتم تنظرون (۲) (البقرہ: ۵۵) پھر اللہ نے برق اتاری اور ان بندوں کو اٹھالیا۔ بنی اسرائیل نے طعنے دیے۔ اے موسیٰؑ اسی لیے ہمیں یہاں لایا تھا۔ تو نے تو ہمیں برباد کر دیا۔ ہماری تو نسلیں اجاڑ دیں۔ ہمارے تو سارے بزرگ لے لیے۔ یہ کیا کیا تم نے۔ بھئی خدا اگر قوم یہود کا ہے تو اس سے کہو کہ ہمارے آباؤ اجداد ہمیں لوٹا دے۔

ثم بعثناكم من بعد موتكم لعلکم تشکرون (۲) (البقرہ: ۵۶) اللہ نے پھر لوٹا دیے۔ کہا، کیا گواہی دو گے؟ اب مجھے مانو گے خدا؟ اب تمہاری عقل کو تسکین ہوگئی؟ انہوں نے کہا، ٹھیک ہے۔ اب ہمیں کون دنیا کی طاقت گمراہی کو لے جاسکتی ہے۔ وہی نعمت عقل اور انسان۔ چلتے چلتے تمہیں اور بعلبک کو گزرے۔ وہاں سرمن راکی خداوند آمون کی Mythologies تھیں۔ بیل اور اشتار کی دیوی کی پرستش ہوتی تھی۔ اصل میں فرعون مصر نے بھی اسی دیوتا کو پرانے اصنام سے قبول کیا۔ بڑے خوبصورت محل تھے وہ اصنام نہیں تھے۔ پر وہت تھے بتوں کے گھر اور مندر تھے۔ انہوں نے بہت لمبے خوبصورت اعلیٰ ترین نقش کاری کر کے سونے کے بت بنائے ہوئے تھے جن میں سے روشنیاں جگمگاتی تھیں۔ بنی اسرائیل بھول گئے کہ اللہ سے کیا کہا تھا۔

کہا، پروردگار اگر تُو اجازت دے کہ تُو تو بڑا خدا ہے، طاقتور ہے۔ تیرا تو زیادہ حق بنتا ہے کہ تیرے بت رکھے جائیں۔ تُو حسن صورت کے کسی مظاہرے میں تو آئے۔ جو نبی موسیٰ طُور پر گئے۔ سامری نے پتھر بنایا اور اس پہ خاک پائے جبریل پھونکی۔ حضرت جبریل کو روح الامین کہتے ہیں۔ ان کو الروح بھی کہتے ہیں یعنی وہ شعبہ ارواح کے فرسٹ سیکرٹری ہیں۔ اس شعبے کی نمہانی انہی کے پاس ہے۔ انہی کی وجہ سے ارواح آتی ہیں۔ انہی کی وجہ سے ارواح کو اشکال ملتی ہیں۔ اسی لیے حضرت جبریل امین کا نام روح الامین بھی ہے کہ امانت علم و عقل بھی انہیں کے ذریعے انسان کو منتقل ہوتی ہے۔ ایک دفعہ سامری جاوگر نے جبریل امین کو حضرت موسیٰ کے پاس آتے دیکھ لیا۔ سامری نے حضرت جبریل کے گھوڑے کی خاک تھوڑی سی لے لی اور اس پتھر سے پر پھونکی۔ پتھر سے نے پوری زندگی تو نہیں پائی مگر کسی نہ کسی طریق زندگی کی وہ خاک مالک تھی۔ اور اس پتھر سے میں سے آواز آنی شروع ہوگئی۔ اس آواز کی وجہ سے اس پر زندگی کا تاثر ہوا۔ اس تاثر کی وجہ سے بنی اسرائیل نے اس غیر معمولی واقعہ کو خدا سمجھا اور جب حضرت موسیٰ واپس آئے تو تمام کام بگڑ چکا تھا اور باقاعدہ اس پتھر سے کی پرستش شروع تھی۔

کب ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ ہمارے سامنے ظاہر ہوا اور ہمارے مردوں کو جگائے تب ہم اللہ کو مانیں گے۔ ہم تو اس لیے نہیں کہتے کہ وہ اس کائنات میں واحد رسول اللہ ﷺ ہے جن کا ہر لفظ ہر قدم اس عقلیت کے اعلیٰ ترین معیار پر ہے جو انسان کی ضرورت ہے اور ہم زندگی کے کسی ایک شعبے میں بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے گریز کر پائیں۔ یہ ہماری مجبوری ہے۔ ہمارے پیغمبر نے ہر راہ گذر پر ایسے قیمتی خوبصورت اور لازوال نقوش راہبری چھوڑے ہیں کہ اس امت میں کوئی شخص ان سے گریز نہیں کر سکتا۔ یہ ہیں محمد رسول اللہ ﷺ۔ ان کے معجزات اتنے اہم نہیں رہے۔ وہ رسول علم ہیں اور وہ اللہ کی جانب سے آخری استاد ہیں۔ انہوں نے ہمارے لیے کوئی گنجائش معجزات نہیں چھوڑی۔ اللہ کے رسول نے ہر منزل حیات پر آپ کے لیے قابلِ تعلیم نقوش چھوڑے ہیں۔

خواتین و حضرات! مگر اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے بڑا نقشِ تعلیم جو چھوڑا ہے وہ یہ ہے کہ مذہب کیوں اختیار کیا جائے۔ اتفاق دیکھیے کہ آج کے زمانے میں تمام زمانہ ہمیں یہ قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ مذہب غیر ضروری ہے مذہب فالتو ہے مذہب رسم و رواج ہے اور مذہب صرف نماز اور روزہ ہے۔ چلو اگر کسی کو مذہب ہی ہونا ہے اپنے گھر جاؤ مصلیٰ بچھاؤ، چار رکعت پڑھو۔ ہمیں کاروبار حیات میں تنگ نہ کرو۔ اس لیے کہ ہمارا معاشی نظام مذہب ہی نہیں ہے اس لیے کہ

ہمارا ٹریفک کا نظام تمہارے مذہبی نظام سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا اس لیے کہ ہماری گورنمنٹ کے نظام تمہارے نظام کے مطابق نہیں ہیں۔ تمہارا مذہب اس میں ہمیں کوئی سبق نہیں دیتا، کوئی دخل نہیں دیتا۔ تم نے مذہبی ہونا ہے تو ہو جاؤ۔ پھر خواتین و حضرات! کیا ہمیں زیب دیتا ہے کہ ہم دنیا کی ترقی بھی چاہتے ہوں، مال و اسباب بھی چاہتے ہوں اور مال و اسباب کے مالک ہوں۔ دنیا کی ترقی کے بزرگ ہمیں درس دے رہے ہیں کہ بھی مذہب نہیں چاہیے تو پھر ہم ایک لمحہ کے لیے سوال نہیں کریں گے کہ یا تو ہم اعلیٰ ترین منافق ہو جائیں۔ ایسے منافق جو مذہب بھی رکھیں اور دور حاضر کے غلام بھی ہوں۔ اصل میں ہماری نیتوں میں محبت تو ہش اور بلینر کے ساتھ ہو اور کبھی کبھی اپنے گوشہ حیات میں ہم محمد رسول اللہ ﷺ کا نام بھی لے لیں۔ مسجدوں میں نعت پڑھیں، مدرسوں میں کلام پڑھ لیں، پرانی کتابیں دہرائیں اور مذہب کے ان بزرگوں سے جن کی اپنی تمام عمر ماشاء اللہ تعلیم خیرات مانگنے میں صرف ہو جاتی ہے اور آج کل اگرچہ حکومت انہی کی ہے مگر بد قسمتی سے وہ بھی مذہب کی غرض و غایت قطعاً نہیں جانتے۔

سوال یہ ہے کہ مذہب کیا ہے۔ ایک چلنے کا راستہ، کدھر جانے کا راستہ ہے۔ اگر یہ چلنے کا راستہ ہے تو کدھر جانے کا راستہ ہے۔ مذہب انسان کو کیا دیتا ہے۔ کیا بخشتا ہے۔ انسان کی مذہب سے کیا مراد ہے۔ کیا غرض و غایت ہے اور کیوں ہم مذہب کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں؟ جیسے کوئی ماں اپنے مردہ بچوں کو سینے سے لگائے پھرتی ہے۔ اسی طرح ہم بیمار فرسودہ بارہویں صدی کی توضیح کے محتاج مذہب کو اپنی آغوش میں لیے پھرتے ہیں۔ خواتین و حضرات! زمانے جب بدلتے ہیں، علم جدید تر ہوتا ہے، تحقیق انسان آگے بڑھتی ہے تو پھر آپ کے تقہر کو خدا کی تعلیم کی مختلف توضیح کرنا پڑتی ہے۔

آج قرآن کی وہ وضاحت نہیں چلے گی جو بوطی سینا اور امام رازی نے دی ہے مگر ابن عباسؓ کی چلے گی کہ وہ صحابی تھے۔ اللہ نے ان کو تاویل قرآن عطا کی تھی۔ پوچھا گیا، ابن عباس! آج جبکہ تم زندہ ہو، ہمیں قرآن میں اشکال ہو تو تمہارے پاس چلے آتے ہیں۔ کل کیا ہوگا؟ ابن عباسؓ نے فرمایا، ہر زمانہ قرآن کی اپنی تفسیر کرتا ہے۔ آج میں نے قرآن کی تفسیر اپنی معلومات کے مطابق کرنی ہے ورنہ میں ایک ایسے پسماندہ راہرو کی طرح ہوں گا جو کبھی بھی منزل کا سراغ نہیں پا سکتا۔ مجھے خود کو ڈھالنا ہے۔ آج کا سادی نظام جو اس وقت مغربی دنیا کے پاس ہے مجھے اس کی تاویل اور وضاحت چاہیے۔ مجھے یہ چاہیے کہ قرآن کو اس تعلیم کی بنا پر پڑھوں۔ مجھے چاہیے کہ قرآن کو پڑھنا سیکھوں۔ قرآن ضرور علوم جدید سے کچھ آگے کا ہوگا۔ قرآن ضرور کائنات کی بہتر تفسیر دے رہا ہوگا مگر قرآن کا عالم ہمیں کیوں اس تفسیر سے آشنا نہیں ہونے دیتا؟ کیونکہ وہ ابن سینا اور فارابی سے آگے نہیں بڑھتا اور آج جو تفسیر ہم پڑھتے ہیں وہ ملا علی قاری سے آگے نہیں جاتی۔ وہ بہت بڑے عالم تھے ہم ان کا انکار نہیں کر سکتے۔ عبدالوہاب شعرانی بہت بڑے عالم تھے۔ بڑا بڑا محدث اور فقیہ گزر گیا مگر ان کے پاس وہ معلومات نہیں تھیں جو آج کے آٹھویں جماعت پاس پنچے کے پاس ہے۔ جوئی وی پر Discovery کا چینل دیکھ رہا ہے۔ اس کو زیادہ بہتر علم ہے وہ جانتا ہے کہ زمین کے چپٹا ہونے پر جو فتویٰ ہے وہ غلط ہے۔ اس کو علوم ہے کہ کائنات دیکھی جا چکی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مجمع الکوکب (Constellation) دیکھی جا چکی ہے۔ اس کو علوم ہے کہ زمین گول ہے وہ اب کسی معتبر کی بات نہیں مانے گا بلکہ ہنسے گا کہ شاید تمام مذہب انہی خرافات کے نتائج سے بھرا ہوا ہے۔

علم کی وجہ سے نہیں بلکہ ان لوگوں کی وجہ سے جو اس علم و عقل کو اللہ کی حمایت میں استعمال نہیں کرتے۔ ان

لوگوں کی وجہ سے جو خدا کی دی ہوئی نعمت کو تحقیق و جستجو میں استعمال نہیں کرتے۔ اس لیے کہ مذہب کا کوئی اور مطلب نہ تھا نہ ہے اور نہ ہوگا۔ شریعتیں بدلتی رہتی ہیں۔ سلاسل بدلتے رہتے ہیں۔ کوئی چیز بنی اسرائیل میں حرام مطلق تھی اور ہمارے لیے حلال ہے۔ شریعتیں انسان کی بلوغت فکر کے ساتھ بدلتی چلی آئی ہیں حتیٰ کہ آقائے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ختم ہو گئیں مگر آدم سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک مذہب کا صرف ایک مقصد مستقل رہا ہے اور وہ اللہ ہے۔ اللہ کی شناخت اللہ کا جانا اللہ کی ہمسائیگی کی آرزو۔ مذہب کا یہ بنیادی مقصد اور اولین ترجیح ہے۔ اور جو عقل، جو دانش اور جو علم مذہب آپ کو خدا کی اس ترجیح سے آگہی نہیں دیتا وہ مذہب نہیں۔ رسم و رواج کی اختراع ہے۔ مجموعہ ہے بیکار محض۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو آخری پیغام دیا ہے وہ یہی ہے اور اب ہمارا فرض ہے کہ اس دور حاضر میں جب ہم مذہب کا دفاع نہیں کر سکتے، میں اس میں خصوصی طور پر ان دانشور عالموں کو شریک نہیں کرتا۔ میں عمومی ادارہ کی بات کرتا ہوں اور یہ عمومی ادارہ اسلام کے لیے آنت جان بنا ہوا ہے۔ اسلام کے دو ہی دشمن ہیں، ایک سیکولرسٹ ہے اور دوسرے وہ ادنیٰ درجے کی کم ترین ملائیت جس نے مذہب کو رزق و روزگار کے سوا کچھ نہیں بنایا۔

خواتین و حضرات! ایمان جبر نہیں ہے۔ بہتر ہے یہ روئے جبر اپنے سر سے اتا رو۔ اللہ پر احسان نہ فرماؤ۔ اپنے اوپر رحم کرو غور و فکر اور سیکھنے سمجھنے کی صلاحیت اختیار کرو۔ قرآن بہت آگے ہے۔ تمام علوم درمیان میں ہیں۔ نلّا بہت پیچھے ہیں۔ قرآن کیوں نہ آگے ہو۔ قرآن تو ابتدائے کائنات سے لے کر آخر کائنات تک وقوع پذیر ہونے والے حالات و واقعات کو سمیٹے بیٹھا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ صاحب علم وہ دانشور کبیر وہ خدائے مطلق جو ایک طرف خبر دیتا ہے کہ وسخر الشمس والقمر ط کمل یجری لا جل مسمی (۱۳) (الرعد: ۲) اور سورج اور چاند کو ایک خاص قانون کا پابند بنایا اور ہر چیز کائنات میں ایک مقررہ مدت کے لیے چل رہی ہے۔

پھر تخلیق کے خاتمے کی خبر دی ہے۔ القارعة ۵ ما القارعة ۵ وما ادراک ما القارعة ۵ یوم یكون الناس کالفراش المبثوث ۵ وتكون الجبال کالعهن المنفوش (۱۰۱) (القارعة: ۵ تا ۱۰) کھڑکھڑانے والی، کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی؟ اور تمہیں کیا پتا کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ روٹی کی مانند ہوں گے۔ اور دوسری جگہ فرمایا وجمع الشمس والقمر (۵) (القیامت: ۹) چاند اور سورج پھراکٹھے ہو جائیں گے۔ اور پھر زمین نئی زمین سے بدل دی جائے گی۔ اس خوبصورت آیت کو یاد رکھیے گا کہ زمین زمین سے بدل دی جائے گی۔ آسمان کی جگہ زردسیاہ زو آسمان ہوگا۔ اوزون کے پردے ہٹ جائیں گے اور اصلی کائنات آپ کو نظر آئے گی۔ قوانین حیات بدل دیے جائیں گے۔ پھر اُس دن خداوند کائنات آسمان اول کو رجوع فرمائیں گے اور بڑے بڑے بش اور بلینر قطار میں کھڑے ہوں گے۔ سکرات کا عالم ہوگا ہمارے بھی چند ایک ان کے چاہنے والوں کی قطار میں ہوں گے اور آواز آئے گی لمن الملک الیوم ط للہ الواحد القہار (۴۰) (خانہ: ۱۶) اب بتاؤ آسمان و زمین کس کے ہیں؟ اب بتاؤ ورلڈ آرڈر کس کا ہے؟ کون مالک ہے؟ اور کیا خوبصورت آیت ہے و اشرفق الارض بنور ربھا (سورۃ الزمر آیت ۶۹) اور زمین تیرے رب کے نور سے چمک جائے گی اور رب کائنات محبت رحم اور کرم سے اپنی مخلوق پر نگاہ کرے گا اور صرف اتنی بات ڈھونڈے گا، چھوٹی سی بات جس نے غور و فکر کیا، عقل کو استعمال کیا۔ اس نعمت کو اللہ کے

جاننے کے لیے استعمال کیا تو میزان لگائی جائے گی اور انسان کے تمام گناہ ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے۔ پھر خداوند کریم فرمائیں گے کہ ایک کاغذ کا پرزہ دوسرے میزان میں ڈال دو اور جب وہ پرزہ اس میزان میں ڈالا جائے گا تو تمام گناہ آسمان کو اٹھ جائیں گے اور وہ میزان زمین سے لگ جائے گی جس میں ایک کاغذ کا پرزہ ہوگا اور اس پہ لکھا ہوا ہوگا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

خدا کی بخشش کا یقین

سوال: یہ کیسے پتہ چلے گا کہ خدا نے بخش دیا؟

جواب: یہ بے یقینی کا سوال ہے۔ اللہ اور بندے کے درمیان ایک یقین کا کام کرنا ہے جس کو علوم ہے کہ اللہ بخشنے والا ہے اور جس کو کتاب حکیم پر یقین ہے اور خدا کے مقدس الفاظ پر یقین ہے وہ کبھی اس بارے میں شبہ نہیں کرتا۔ اللہ نے اس کے لیے جو واحد رسیزہ انسان میں رکھی ہے وہ اخلاص ہے۔ اگر آپ اللہ کے لیے شہدے برابر بھی اخلاص محسوس کرتے ہو اور اس کی حاکمیت اعلیٰ میں کسی کو شریک نہیں کرتے تو اللہ کا یہ وعدہ ہے قل یعباد الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہ هو الغفور الرحیم (۳۹) (الزمر)۔

(۵۳) کہ اگر تم سے سارے گناہ بھی سرزد ہو جائیں۔ ساری خطائیں بھی ہوں تو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔

اس سے پہلے حضرت لقمان اور حضرت یعقوب نے مختلف مواقع پر اپنے بیٹوں کو اور بچوں کو درس دیتے ہوئے کہا کہ دیکھو اصل کفر اللہ سے مایوسی ہے۔ کفر یہ ہے کہ آپ اللہ کو معاف کرنے والا نہ سمجھو۔ کفر یہ ہے کہ آپ کو حقیقت انسان کا علم نہ ہو۔ کفر یہ ہے کہ آپ کو پروردگار کائنات کی حیثیت کا عرفان نہ ہو۔ جب خداوند کریم یہ ارشاد فرمائیں کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہونا اور رحیم کے بارے میں یہ متعدد مرتبہ کہا گیا کہ لفظ رحیم کا اطلاق ہی زندگی کے بعد ہوگا۔ اور جب رحمن اور رحیم کی وضاحت ہوئی تو یہ کہا گیا کہ رحمن الدنیا اور رحیم الآخرت ہے کہ دنیا میں وہ رحمن ہے اور آخرت میں وہ رحیم ہے۔ اس میں مفاہمت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ کے اوپر اپنی لفاظی کو مسلط نہیں کرنا چاہیے۔ جب وہ اصولاً ایک مطلق بات کر رہا ہے کہ میں تمام گناہ معاف کرتا ہوں۔ اس کی ایک اور بھی وجہ ہے کہ جتنے بھی میرے گناہ ہیں ایک مختصر ترین مدت کے لیے کرتا ہوں اور میں گناہ کرنے پر مکلف بھی ہوں۔ اس لیے کہ اللہ نے مجھے اپنے ارشاد مبارک کے مطابق ظالم جائل، عجلت پسند، چھوٹی چھوٹی بات پر شکوہ طراز اور زخیل بھی قرار دیا اور میں Possessive بھی ہوں تو اس حالت میں انسان سے خطا کا ارتکاب فطری بات بھی ہے۔ اس لیے کہ انسان کا سفر خطا سے شروع ہوا۔ دیکھیے گناہ کتنا بڑا ہو سکتا ہے۔ ایک وہ خطا ہے جو خدا کی غیبت میں آپ کرتے ہیں۔ آپ نے خدا دیکھا ہوا نہیں ہے۔ آپ نے خدا کو براہ راست سنا ہوا نہیں ہے۔ آپ اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔ ایک وہ خطا ہوئی جو خدا کے سامنے ہوئی۔ اب بتائیے اس خطا کا کتنا وزن ہوگا۔ وہ کیا عجیب خطا ہوگی جو آدم سے اللہ کے حضور میں سرزد ہوئی۔ وہ کتنی بڑی خطا ہوگی۔ آپ اس خطا کا اندازہ کر سکتے ہو کہ جو اللہ کے حضور میں ہوئی ہو تو اتنی بڑی خطا کو بھی اللہ کریم نے اپنے رحم و کرم سے معاف کر دیا۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ آدم نے جو خطا فرمائی ہے یا آدم سے جس خطا کا ارتکاب ہوا اس کے مداوا کے لیے بھی اُن کے پاس کوئی چیز نہیں تھی۔ اُن کے

پاس نہ انداز فکر تھا، نہ انداز دعا تھا، نہ الفاظ دعا تھے۔ اگر آپ قرآن کا مطالعہ کریں تو دیکھئے اللہ کیا حسن تدبیر سے کام لیتا ہے کہ فرد جرم لگا دیتا ہے۔

فازلهما الشيطان عنها فاخر جهما مما كانا فيه وقلنا اهبطوا بعضكم لبعض عدو
(۲) (البقرہ: ۳۶) یہ تو ہوئی فرد جرم اور سزا فلتقی آدم من ربه كلمت فتاب عليه^ط انه هو التواب الرحيم
(۲) (البقرہ: ۳۷) خفیہ طور پر اس احساسِ ندامت کے جواب میں ایک ایسے شخص کی ندامت کے جواب میں جس کے پاس لفظ ہی نہیں ہے۔ آدم تفسیر خیال بھی نہیں بیان کر سکتے۔ انداز اظہار بھی نہیں ہے۔ وہ اتنے مجبور ہیں کہ اپنی خطا کی عرضِ ندامت نہیں ہے تو خداوند کریم فرماتے ہیں کہ میں نے اس سلسلے میں اپنی اس محبوب مخلوق کو خفیہ طور پر کہا، آدم یا چھوڑ میں تیرا رب، تو میرا بندہ۔ چپکے سے ذرا ان لفظوں سے توبہ کر لے۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخسرين (۷) (الاعراف: ۲۳) ”اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں معاف نہ کرے گا تو ہم یقیناً نقصان اٹھائیں گے۔“ کیونکہ میں تو بیٹھا ہی توبہ قبول کرنے کے لیے ہوں۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو کوئی شبہ رہ جائے تو ساتھ وہ الفاظ جو بنیادی طور پر معاہدے کے الفاظ ہیں، جو خدا کے خود سکھائے ہوئے الفاظ ہیں، اس کے بعد شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

مسلمانوں کے بھٹکنے کی وجہ

سوال: آج کل کے دور میں قرآن پڑھا اور پڑھایا بھی جا رہا ہے اور سنت پر لوگوں کو چلتے ہوئے سڑکوں پر دیکھ بھی سکتے ہیں۔ بیس لاکھ کا سالانہ مجمع بھی ایک بہت بڑی نمائش ہے۔ اس کے باوجود مسلمان اپنے صحیح راستے کو ابھی تک کیوں نہیں پہنچے؟

جواب: جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں

بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لا نہیں کرتے

بد قسمتی سے بندوں کو تونے کا عمل صرف اللہ کے پاس محفوظ ہے، بندے گنے جاسکتے ہیں، تونے نہیں جاسکتے اور ہم

مسلمان کہلوا سکتے ہیں، مومن نہیں کہلوا سکتے کیونکہ ظاہر کا فیصلہ آپ کے پاس اور باطن کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے۔

قیامت کے دن حتمی طور پر جو کاؤنٹ ڈاؤن ہوگا، سوائے ایک طبقہ خیال کے، بڑے ہی محترم لوگ

ہوں گے۔ پھر ایسا زمانے میں کبھی نہیں ہوا کہ ایک پوری امت ایک پورے دور کو اللہ کی تحریری سفارش

(Written Recommendation) حاصل ہو۔ وہ اصحابِ شجرہ کو عطا ہوئی کہ اے پیغمبر ﷺ! انہوں نے تمہارے

ہاتھ پر بیعت نہیں کی، میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ پھر خداوند کریم نے فرمایا کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

(۹) (التوبہ: ۱۰۰) اللہ ان سے راضی ہو اور یہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اب اس کے بغیر ہمارے پاس کوئی سند نہیں۔ وہ لوگ

گزر گئے، جن کو لکھا ہوا دیا گیا۔ یہ اصحابِ عشرہ مبشرہ ہیں، یہ اصحابِ بدر ہیں۔ یہ اصحابِ شجرہ بیعت رضوان ہیں۔ یہ وہ لوگ

تھے جن کو اللہ نے لکھ کے دے دیا۔ اب اس کے بعد اس قسم کی کوئی گنجائش امت مسلمہ کے لیے باقی نہیں رہی۔ اب ہم

اپنے منصف آپ نہیں ہو سکتے۔ اب خدا کا فیصلہ بھی ہم پر اس طرح کتاب میں لکھا ہوا نہیں آ سکتا اس لیے اب ہجوم کوئی معنی نہیں رکھتا۔ چاہے وہ بیس لاکھ یا دس لاکھ کے ہوں۔

کے از مغز دو صد خر
فکر انسان نمی آید

یہ کسی کی توہین نہ سمجھئے گا۔ جو میں بات آپ سے کہہ رہا ہوں، اسے غور سے سنیے گا۔ اندھا دھند تقلید ایک ماتص انداز کی تائید اور اپنی محرومیوں کے بدلے اس طرح کا عمل کرنا ایمان نہیں سمجھا جاسکتا۔

آپ نبیوں میں اللہ کو یاد کرتے کرتے مر جاؤ تو اس کا کوئی ثواب آپ کو نہیں ہوگا کیونکہ آپ کی عقل حرکت میں نہیں آئی۔ آپ کو مسئلہ درپیش نہیں ہوا۔ آپ کی جواب دہی بیدار نہیں ہوئی۔ شیطان سے آپ کا مقابلہ نہیں ہوا۔ جہاں مقابلہ نہیں ہوگا وہاں ثواب نہیں ہوگا۔ چاہے بیس لاکھ ہوں یا چالیس لاکھ یا اسی لاکھ۔ اس سے کوئی فرق نہیں ہوگا۔ تین سو تیرہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی کرامت علمیہ کا کمال ہے کہ آج میں قسمیہ طور پر کہہ سکتا ہوں کہ ماں باپ کی وجہ سے نہیں، برادری کی وجہ سے نہیں، تقابل ادیان (۱) کی وجہ سے، خیالات کے مجادلے (۲) کی وجہ سے میں قرآن کی وجہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے مسلمان ہوں۔ وہ جو ہمیں سبق دیتے ہیں کہ تبلیغ ایسے نہیں ہوتی، اگر وہ کرتے ہیں اور خوش ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے مگر قرآن کہتا ہے کہ تبلیغ ایسے نہیں ہوتی۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنۃ وجادلہم بالتی ہی احسن (۱۶) (النحل):
۱۲۵) آپ لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجیے اور ایسے طریقے سے مباحثہ کیجیے جو بہترین ہو۔ پہلے تجھے عقل چاہیے۔ یہ حکمت کیا ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ گولیاں پینا حکمت ہے، ہو میو پیٹھی حکمت ہے۔ حکمت، علم کی Execution ہے۔ علم کی Execution کو جب مرتباً خلاق میں ڈھالا جائے تو اس کو ہم حکمت کہتے ہیں۔ ایک مانج ہے ایک Execution ہے۔ Execution حکمت ہے۔ خداوند کریم فرماتے ہیں: یہ نعمت غیر مترقبہ ہے۔ یہ عموم میں نہیں ملتی۔ جسے چاہتا ہوں، حکمت عطا کرتا ہوں۔ یوتی الحکمة من یشاء ومن یوتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا (سورۃ البقرہ آیت ۲۶۹) اور جسے میں نے حکمت عطا کی اسے میں نے خیر کثیر عطا کر دی۔ اب تبلیغ پر جو اللہ نے پابندی لگائی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک تجھے خیر کثیر حاصل نہ ہو، تبلیغ کے لیے نہ جا۔

پہلا مرحلہ یہ ہے کہ تو علم میں کمال حاصل کر۔ اس کی Execution میں کمال حاصل کر اور پھر ادھر مقام ختم نہیں ہوا۔ ہو سکتا ہے ایک شخص صاحب حکمت ہو مگر انداز بیان نہ ہو۔ پھر فرمایا تجھ میں کلام کا حسن بھی ہونا چاہیے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کلام میں سحر ہے، کلام میں اثر ہے۔ یہ وہ واحد چور ہے جو ہاتھ میں چراغ لیے پھرتا ہے۔ یہ دن دیہاڑے چوری کرتا ہے۔

ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اس لیے کلام دلوں میں گھس جاتا ہے۔ ایک شاعر نے بڑا خوبصورت شعر کہا ہے کہ

ع نگہم نقب پہ گنجینہ دلہا می زد
میری نگاہ لوگوں کے دلوں میں نقب لگایا کرتی تھی۔

ع مژدہ باد امل ریا را کہ زمیراں رنم

اب میں جا رہا ہوں۔ میرے بعد امل نفاق اور منافقوں کو مبارکباد دو۔ وہ تو چلا گیا جو دلوں کے خزانوں میں نقب لگایا کرتا تھا۔ اب تم بدی کے خزانوں میں نقب لگایا کرو۔ اس لیے تبلیغ کا یہ دوسرا حصہ بہت ہی اہم ہے۔ مردہ تھی، مردہ دلی اور مردہ کلامی سے تبلیغ کا اللہ نے حکم نہیں دیا، اس لیے کہ ان دو مراحل کے بعد ایک بڑا کٹھن مرحلہ آتا ہے۔ بحث و مباحثہ، جنگ و جدل اور الفاظ کا کشت و خون ہوتا ہے۔ بڑے بڑے معجز بیان لوگ دلائل پر آ کے ہار جاتے ہیں تو فرمایا، وجادلہم بالسی ہی احسن (سورۃ النحل، آیت ۱۲۵) Dialectics کو جدلیات کہتے ہیں کہ بحث و مباحثہ میں اگر جدلیات میں کمزوری آگئی تو تو اللہ کو Present نہیں کر سکتا۔ اگر جدید ٹیکنالوجی پر کوئی حرف آ گیا تو شاید اللہ کی طرف سے آپ جو اب نہ دے سکیں۔ میں کچھ دن پہلے علامہ ذاکر حسین کو سن رہا تھا اور وہ فرما رہے تھے کہ اسلام میں بھی سیکولرازم ہے۔ اب بتائیے اگر عالم ایسا ہوگا کہ وہ انکار خدا کو اسلام کا حصہ قرار دے گا۔ سیکولرازم کو اسلام کا حصہ قرار دے گا تو میں اسے الزام نہیں دیتا، اس لیے کہ خداوند کریم نے کہا و فوق کل ذی علم علیم (۱۲) (یوسف: ۶۶) ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے مگر جب مخالف سنے گا تو ضرور ہنسے گا کہ یہ محکوم مذہب ہے جس کو یوں پیش کیا جا رہا ہے۔ اسلام میں کوئی فلسفہ شریک نہیں ان الدین عند اللہ الاسلام (۳) (آل عمران: ۱۹) نہ صرف یہ کہ اسلام کے علاوہ کہیں نجات ممکن ہی نہیں ہے۔ اسلام کے رستے کے سوا خدا کسی رستے سے مل نہیں سکتا۔ اگر اسلام کے سوا کسی اور راستے پہ چل کے آئے تو میں قبول نہیں کروں گا۔ اسلام میں ہم جیسے لوگ ضرور موجود ہیں۔ یہ وہ خوبصورت قبوہ ہے جو ہم جیسے اگلدانوں میں پڑا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ سوائے اسلام کے آج تک ایک بھی دنیا کا فلسفہ ایسا نہیں ہے جو نظریاتی طور پر مابعد الطبیعیاتی ہو۔

اسلام وہ واحد مذہب ہے جو مابعد الطبیعیات کا مذہب ہے۔ یہ واحد مذہب ہے جس کی حرکتیں مسلسل پروردگار عالم کی طرف ہیں۔ باقی سب تجرید میں کھو جاتے ہیں۔ کوئی انسان کو خدا کہتا ہے، کوئی انسانیت کو خدا کہتا ہے تو کوئی تقدیر کو خدا کہتا ہے۔ صرف اسلام کی تحریک خدائے واحد کی طرف ہے اور اس کی ہمسائیگی کی خواہش کو اسلام کہتے ہیں۔ اس لیے جب آپ بحث کرنے جاؤ تو مظلوموں کی طرح بحث نہ کرو۔ اسلام مظلوم نہیں ہے۔ اسلام ہر زمانے پر غالب ہے۔ اسلام آج بھی غالب ہے۔ عراقیوں نے بغداد بیچا ہے ہارا نہیں ہے۔ افغانستان میں اسی کروڑ ڈالر لگا ہے، اسلام نہیں ہارا۔ آج بھی آپ کے ملک میں چوروں کے فلسفے کے نام پر سیکولرازم کے نام پر ایک ایسا گھناؤنا عمل جاری ہے کہ خدا اور اس کے رسول محمد ﷺ کی آرزو آپ سے چھینی جا رہی ہے۔ اس کی قبولیت کیا ہے؟ اس کی قبولیت یہ ہے کہ یہ فلسفہ اخلاقیات کو اپنے اندر آنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کون ہے خدا جو زما سے منع کرتا ہے۔ کیوں خدا چوری کی سزا رکھتا ہے۔ کیوں خدا ہمارے فلسفوں کو حسن قبولیت عطا نہیں کرتا۔ جیسے مشہور مفکر جس نے کتاب "God and Religion" لکھی۔ اس نے کہا، اب اگر خدا کو کائنات میں رہنا ہے تو انسانوں کے گناہوں کو قانونی شکل دینا پڑے گی۔ تو تبلیغ میں انسان کا اعتماد اس کے علم، اس کی Execution، اس کے دفاع، اس کی غیر محکوم ذہنیت پر آتا ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میں ان تینوں چیزوں میں سے ایک بھی چیز

آج کے دور کے مبلغین میں نہیں پاتا۔

مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ میں ایسے بہت سے لوگوں سے ملا ہوں۔ اسلام کو میں مگھوم دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اللہ کہتا ہے سستی نہ کرنا، زمانے کا غم نہ کرنا، کون بڑا کون چھوٹا ہے اس کا غم نہ کرنا۔ مجھے عزت و جلال کی قسم ہے تم ہی غالب ہو۔ اگر تم ایمان والے ہو۔ آپ دیکھو تو سہی نقص کدھر جا رہا ہے۔ ادھر تو بڑی وضاحت سے لکھا ہے ذرا اپنے ایمان کی خبر لو۔ جائزہ تو لو کیا ہم واقعی صاحب ایمان ہیں؟ کیا پتہ

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

خدا کا انتخاب

سوال: ہم لوگ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے اس لیے ہم نے اسلام کو اپنا انتخاب کیا۔ جو شخص ایسی جگہ ہو جہاں تصور خدا کبھی اس کے سامنے لایا ہی نہ گیا ہو تو وہ خدا کو کیسے انتخاب کرے گا؟

جواب: جب لوگ بوڑھے ہو جائیں تو جوانوں کی دوڑ میں جاتے ہیں جس کو رکاوٹوں والی دوڑ کہتے ہیں۔ اس میں بوڑھوں کو رعایت دیتے ہیں۔ دس پندرہ گز آگے کھڑا کر دیتے ہیں۔ شاید کوئی بوڑھا بھاگتا ہو اور دوڑ جیت جائے۔ خداوند کریم نے پیدائشی طور پر اسلام آپ کو دے کر صرف رکاوٹ کی رعایت دی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی رعایت نہیں دی۔ اس سے آپ ما جائز فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ آپ کو دوڑ میں حصہ لینا ہے۔ یہ مت سمجھیں کہ ہم جو پندرہ کروڑ مسلمانوں کے نام رکھتے ہیں، ہم مسلمان ہیں۔ اسی ملک میں سوشلزم اور کمیونزم آیا تھا اور پیدائشی مسلمانوں میں سے دو ڈھائی کروڑ مسلمان سوشلسٹ اور کمیونسٹ ہو گئے۔

اب یہ اصول لاگو نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جو ہندو ہیں۔ وہ لوگ جو عیسائی ہیں۔ وہ لوگ جو تبت کے لامائی ہیں۔ وہ لوگ جو افریقہ کے شامان ہیں، ان سب میں سے مراد وہ پائے گا جس کے دل میں اللہ کی آرزو جاگے گی خواہ وہ کسی مذہب سے ہو۔ ہمیں صرف پہلے سے تعلیم کا فائدہ ہے۔ اس سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ مگر عذاب بھی دگنا ہے اور وہ عذاب ہم سبہ رہے ہیں کہ خدا کو پیدائشی طور پر جاننے، ماننے کے باوجود اس کے احکام سے بالکل اسی طرح بھاگتے ہیں جیسے کسی اچھے استاد سے مالا لائق طالب علم کلاسوں سے گریز کرتا ہے۔ یہ کوئی فائدے کی بات نہیں ہے۔ ہر اس ہندو کو اسلام ملے گا جس کے دل میں خدا کی آرزو جاگے گی۔ ہر عیسائی کو ملے گا ڈاکٹر فاطمہ بارکر کوملا ہے تبت کے لاما کوملا ہے کے۔ ایل۔ گلاب ہندو کوملا ہے۔ اسی طرح اگر آپ میں سے بھی کسی کے دل میں خدا کے علاوہ کسی فلسفے کی آرزو پیدا ہوئی تو اس کو کارل مارکس ملے گا۔ ڈیکارٹ ملے گا۔ Michael Sholokhove ملے گا۔ بش اور پلیئر ملے گا۔ ان کی سعادتیں ان کے ضمیر میں ضرور ہوں گی۔

متحدہ مجلس عمل (ایم۔ ایم۔ اے) کی حکومت

سوال: سرحد میں ایم۔ ایم۔ اے کی جو موجودہ حکومت ہے کیا یہ ایک اسلامی معاشرہ ہے؟ اگر ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس پر معذرت کرتے ہیں۔ اگر نہیں تو وضاحت فرمائیے کہ اس معاشرے میں کیا نشانیوں ہوں گی؟

جواب: خواتین و حضرات! یہ ایک سیاسی سوال ہے اور میں انہیں کے گھر میں مہمان بھی ہوں مگر سچ تو بولنا ہے اور ہر حال میں بولنا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ تاریخ کے طالب علموں کو علم بنے بالاکوٹ کا معرکہ گواہ ہے کہ اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ علماء کو حکومت ملی تھی۔ انہوں نے پشاور فتح کیا تھا اور مولوی حضرات کی حکومت قائم ہوئی تھی۔

اتفاق دیکھیے کہ جونہی یہ غیر تکنیکی حکومت قائم ہوئی، پان بند، سگریٹ بند، رسم و رواج بند، پاؤں کے نخنے نکلنے، سروں کی مشقتیں، بالوں کے کاٹنے کی سزا اور اس قسم کی بے شمار حرکات انہوں نے کیں۔ خواتین و حضرات! حکومتیں یہ کام اس وقت کرتی ہیں جب لوگوں کے مسائل حل کر لیتی ہیں۔ مسلمانوں نے مناسب انداز سے ایسی نادان مسلمان حکومت کے مقابلے میں مہارا چہرہ نچیت سنگھ کی حکومت کو چنا اور ہری سنگھ تلوا کا ساتھ دیا۔ اگر آج ان علماء کی حکومت ہے تو ان کو تاریخ کا علم ہونا چاہیے کہ بالاکوٹ بڑا قریب ہے اور یہ مسلمان غذا نہیں تھے ان کو غذا رکھنا آسان ہے مگر جو اتنی غلط پالیسی بنائے گا کہ آزاد لوگوں کی زندگی تنگ کرے گا تو لوگ اسی طرح کریں گے جس طرح اس علاقے کے لوگوں نے پہلے کیا تھا۔ مگر اب کی بار بات کچھ ایسے ہے کہ تعلیم بہت آگے بڑھ گئی ہے اور میری آپ سے یہ ضرور درخواست ہوگی کہ اگر ان سے احمقانہ لغزشوں کا ارتکاب ہو۔ آپ خلوص دل سے بحیثیت مسلمان معاف کیجیے گا اور ان کو اتنا موقع ضرور دیں کہ شاید یہ بہتر عقل و معرفت سے زندگی کے بیشتر مسائل کو حل کرنے کے قابل ہوں۔

اسلام فہم و فراست مانگتا ہے۔ بائیس سال قرآن اترتا رہا، بائیس سال لوگوں کی اخلاقی تربیت ہوتی رہی۔ بائیس سال سرور کائنات ﷺ خدا کی طرف سے لوگوں کے اعمال کے نگران رہا اور ان بد تمیز ترین لوگوں کو اسحاب رسول ﷺ میں بدلا مگر بائیس سال کی تعلیم و تربیت میں آپ ایک واقعہ نہیں بنا سکتے کہ اس استاد محترم نے کسی کو کو سنا دیا ہو، چھری لے کے کسی کو پیٹا ہو۔ اللہ نے شراب منع کی مگر تین منازل میں۔ سو منع کیا مگر خطبہ الوداع والے دن۔ تو ان چیزوں کے لیے انسان کی تیاری بڑی لازم ہے۔ ایم۔ ایم۔ اے کا کوئی ہوم ورک نہیں۔ ہوم ورک کے بغیر حکومتیں بے ترتیبی اور بے اعتباری کا شکار ہو جاتی ہیں۔

وسیلہ کی اہمیت

سوال: ایک طرف تو آپ اللہ سے براہ راست رابطے کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ وسیلے کو بھی درست سمجھتے ہیں، یہ تناؤ کیوں ہے؟

جواب: تسناؤ اس لیے نہیں ہے کہ اللہ نے کبھی اپنے رسول اللہ ﷺ کو کبھی اپنے سے جدا ہی نہیں کیا۔ اس لیے میں کیسے جدا کر سکتا ہوں۔ لوگ اسے بڑا عجیب و غریب سمجھتے ہیں مگر میرے لیے خدا اور رسول اللہ ﷺ میں صرف ایک فرق ہے کہ اگر میں کسی سے پوچھوں کہ اللہ کتنے ہیں اور مجھے کہا ایک اور خالق اور عطا کرنے والا کون ہے اور وہ کہا اللہ۔ تو میں چاہتا ہوں کہ بعد کی ساری عزتیں محمد رسول اللہ ﷺ کو جائیں۔

میں غالب کا ایک شعر سنا تا ہوں۔ ویسے تو بڑے بڑے لٹے سیدھے شعر اس نے کہے ہیں مگر ایک شعر

نعت رسول اللہ ﷺ میں لکھا کہ۔

غالب ثناء خواجہ بہ یزداں گدا شمیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

ہم میں نہیں۔ آپ میں نہیں بلکہ انسان کے تصور میں نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کو کتنے محترم ہیں۔ کسی شخص نے کہا تھا کہ آج تک نفس کے فریب کتنے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے مقامات کتنے ہیں مجھے کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ ایک عام سا اندازہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔ قرآن کے الفاظ پر آپ ذرا غور کیجیے گا اور پھر مجھے بتائیے گا کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کا اللہ کے نزدیک کیا مقام ہے اور آپ کے نزدیک کیا مقام ہے۔

ذرا تین آیات پر غور کیجیے کہ مخلوقات عالم کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ نے ایک معاہدہ لکھا کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ (۶) (الانعام: ۵۴) کہ میں نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرمایا۔ پھر اپنے آپ کو فرمایا الحمد للہ رب العلمین (۱) (الفاتحہ: ۲) کہ میں تمام جہانوں کا پالنے والا ہوں اور جب تمام جہانوں کا ذکر فرمایا تو قرآن کی اس آیت کا مطلب یہ بنے گا کہ تمام عالم کو پالنے سے پہلے میں نے ایک چیز لازم قرار دی کہ میں ان پر رحمت فرماؤں اور ساری کائنات کی رحمت سمیٹ کر اس نے فرمایا وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین (۲۱) (الانبیاء: ۱۰۷) اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تعریف نہ کی وہ اصل اور نسلی بخیل ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حق ادائیگی نعمت شکر نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کہ تم لوگ جہنم کے گڑھوں پر کھڑے تھے میرا یہ حال ہے کہ تمہیں کمر سے کھینچ کے پیچھے لارہا ہوں۔ تم آگ میں جلدی کرنے کی کر رہے ہو میں تمہیں مشکلوں سے گھسیٹ کے پیچھے لارہا ہوں۔

خواتین و حضرات! اللہ کو تو آپ نے کم دیکھا ہے مگر جو شخص آپ کے لیے اتنا جاں سپا رہے قیامت میں بھی اس کی زبان پر امت کے علاوہ کوئی فریاد ہی نہیں ہے۔ اس سے آپ کیا محبت کر سکو گے۔ اب آپ دیکھیے حدیث رسول ﷺ۔ یہ مستند ترین حدیث ہے۔ اس کے صرف دو حصے آپ کو سنا رہا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے واسطے دوستی کی اور اللہ کے واسطے دشمنی کی اس نے ایمان کی حلاوت پائی۔ جس نے اپنی جان و مال و اولاد اور تمام اسباب سے بڑھ کر مجھے چاہا۔ آپ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو کتنا چاہ لیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو تو ان لوگوں نے چاہا کہ جن کے بارے میں حسان بن ثابتؓ دربار رسالت ﷺ میں یہ شعر پڑھ رہے تھے کہ آقا و رسول ﷺ آپ کی کیا صفات عالیہ بیان کروں۔ محبت رسول ﷺ میں نہیں کیا کلام کہوں۔ سوائے اس ایک جملے کے کہ اے رسول اللہ ﷺ آپ کو اللہ نے اسی طرح بنا دیا جس طرح آپ نے خواہش کی۔ وہ یہ شعر پڑھ کے ہٹے تو جبریل امین حاضر ہوئے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ آسمان والے بھی حسانؓ کے اس شعر کی داد دے رہے ہیں۔

خواتین و حضرات! اللہ اپنے ساتھ بڑی گستاخیاں معاف کرتا ہے۔ ایسی بلندی ایسی پستی! کہاں وہ کہاں ہم۔ بیچ میں چونکہ فاصلہ بہت بڑا ہے اس فاصلے میں آپ سانس لے سکتے ہو۔ آپ کو پتہ ہے بہت اونچا ہے پروا نہیں کرے گا۔ سو آپ نے کوسنے دینے طعنے دیے۔ آپ نے اللہ کو عورتوں کی طرح بھی پکارا۔ مردوں کی طرح بھی پکارا چھوڑو جی دیکھ لیا ہے بڑا آزمایا ہے۔ اللہ بھی کسی کا نہیں بنتا۔ اللہ بھی ہم غریبوں کو مار رہا ہے۔ اللہ سنتا رہتا ہے۔ اُسے مطلق پروا

نہیں۔ اس کی عظمت آپ کی یہ خطائیں درگزر کر دے گی مگر

Never in front of Prophet ﷺ of Islam.

ع با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

گستاخ رسول ﷺ کی سزا رسول اللہ ﷺ نے نہیں دی۔ آپ ﷺ تو اتنے مہربان اور اتنے کریم ہیں کہ بدترین دشمنوں کو معاف کرتے ہیں مگر اللہ اپنے دوست کی صفات پر خراش بھی برداشت نہیں کرتا۔ یہ سزائے قتل جو تو ہیں رسالت ﷺ پر آئی ہے خدا نے دی ہے اور فرمایا کہ یہ لوگ خانہ کعبہ کے پردوں سے بھی لپٹے ہوئے ہوں تو انہیں قتل کر دو۔ اس لیے کہ محبوب کائنات ہے۔ ہم اور آپ لوگ زیادہ قریب کے نہیں ہیں:

ان کی حریم ناز کہاں اور ہم کہاں
نقش و نگار پردہ در دیکھتے رہے

خدا سے پہلے کیا تھا؟

سوال: ایک دوست پوچھنا چاہتے ہیں کہ خدا سے پہلے کیا تھا؟

جواب: خواتین و حضرات! اس سے پہلے کہ میں اس کا جواب دوں آپ کو اس کے خطرات سے آگاہ کر دوں۔ ایک مرتبہ علمیہ پہ جا کے شاید آپ اسی سوال پر غور کرتے ہیں۔ اسلام ایک مابعدالطبیعیاتی دین ہے اور اس کے ایک مقام میں یہ بحث ضرور آئے گی۔ اسلام ہے اللہ ہے کائنات ہے اور پھر اس کے بڑے بڑے وہ مظاہر جو ہمارے اور آپ کے علم میں نہیں ہوں گے لیکن اگر آپ مسلسل مطالعہ کرتے رہیں اور کائنات کی توجیہ فرماتے رہیں اور اس کے علوم کی شناخت کرتے رہیں تو آپ کو اس سوال کا جواب مل جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ سوال کریں گے کہ اس کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے کس کو پیدا کیا حتیٰ کہ آخر میں سوال کریں گے اللہ کو کس نے پیدا کیا۔ مگر آپ ایک تو گر امر کے اعتبار سے بڑے غلط ہوتے ہیں اس لیے کہ اللہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے تھا۔ تو ظاہر ہے کہ اس پر یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ خدا سے پہلے کیا تھا۔ یہ گر امر کی رو سے اور معنوی طور پر غلط ہے کیونکہ آپ اللہ اسی کو کہیں گے جو سب سے پہلے تھا اور اگر اللہ سے پہلے کوئی تھا تو وہ اللہ ہوگا۔ یہ اللہ نہیں ہے۔ یہ فقرہ ہی غلط ہے اس کی حرفی ساخت ہی غلط ہے۔ اللہ کہتے ہی اول کو ہیں۔ اللہ کہتے ہی آخر کو ہیں، اللہ کہتے ہی ظاہر کو ہیں، اللہ کہتے ہی باطن کو ہیں۔ جو یہ سوال کرتے ہیں ان صاحب کو ضرور گر امر پر دھنی چاہیے۔

ہوپکنز سمجھدار دانشور تھا اور کونیات (Cosmology) میں بڑا معتبر نام ہے۔ وہ کائنات کی توجیہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ Events of Universe are determined ایک چیز جو کائنات کے مطالعے سے پتہ چلتی ہے اگر مجھے معلوم ہو جائے خدا Big Bang سے ایک لمحہ پہلے کیا کر رہا تھا تو میں تمام وضاحت کر دوں۔ اگر اس نے حدیث اور قرآن بغور پڑھا ہوتا تو قسم ہے پروردگار کی کہ آج سے پندرہ سو سال پہلے ہوپکنز مسلمان ہوتا۔ یہ غفلتِ علوم اور غفلتِ

مذہب ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اللہ دنیا بنانے سے پہلے کیا کر رہے تھے؟ فرمایا اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ آئیے ذرا اس کے مدارج دیکھیے کہ اللہ کیا فرماتا ہے۔ اللہ اس وقت پانی سے تخلیقات زندگی فرما رہے تھے۔ آپ قرآن کی دوسری آیت کو اس کے ساتھ ملائیے کہ ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا تو رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ابھی دنیا نہیں بنی تھی۔ ابھی یہ کرہ ارض چھ بلین سال کی یہ کائنات اور چار بلین سالوں کی یہ دنیا بھی سورج سے جدا ہو کر قرار پکڑ رہی تھی۔ آپ کو یاد ہے کہ قرآن کیا کہتا ہے کہ ایک دن اور دو دن اور دو اور دن یہ ہوئے چھ دن کائنات کی عمر چھ بلین سال ہے اور ایک بلین سال ایک دن کے برابر ہے

تو اللہ نے فرمایا کہ دو دن لگائے میں نے زمین کو بنانے میں یعنی سورج سے علیحدہ کر کے اسے ٹھنڈا کرنے میں اور دو دن لگائے اس میں اشیائے ضرورت انسان رکھنے میں۔ یہ ہوئے چار دن اور اس کے بعد ثم استوی الی السماء فسوھن سبع سموت (۲) (البقرہ: ۲۹) ہم بلند ہوئے آسمانوں کو اور سات آسمان تخلیق کیے۔ یہ ہوئے چھ اور دن۔ اب ذرا غور فرمائیے کہ وقت کا پیمانہ بدل جاتا ہے انسان پر اور ہے تخلیق پر اور ہے کائنات میں اور ہے کہیں بے حساب ہے اور کہیں حساب والا ہے۔

کائنات کی تخلیق سے پہلے پروردگار بادلوں میں تھے۔ اُس کے اوپر بھی ہوا تھی اور اُس کے نیچے بھی ہوا تھی۔ ”عما“ میں تھے یعنی اُس کے ساتھ اور کوئی چیز نہیں تھی۔ اے حضرت انسان خوش نہ ہونا اللہ آپ کو بنانے کے بعد تھکا نہیں تھا۔ آپ اکیلے نہیں ہیں۔ اس کائنات میں سات زمینیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ زمینیں زندہ ہیں کہ مردہ ہیں؟ تو فرمایا اللہ الذی خلق سبع سموت ومن الارض مثلھن ۷ یتنزل الامر بینھن لتعلمو ان اللہ علی کل شیء قدیور (۶۵) (الطلاق: ۱۲) اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اور اسی کی طرح کی زمینیں بنا کیں اور ان میں میرا حکم چلتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ان تمام زمینوں میں میرا حکم اترتا ہے۔ یہ بات تمہیں اس لیے بتائی ہے کہ تم اکیسویں صدی تک پہنچو گے بائیسویں صدی تک پہنچو گے۔ تم میں بڑے بڑے دعویٰ دار ڈاکٹر ہو ڈاکٹر ہو اور ہو پکنز جیسے پیدا ہوں گے۔ یہ بات میں پندرہ سو برس پہلے کہہ رہا ہوں کہ دیکھو تم زمین کو اکیلی سمجھو گے۔ ہم نے سات زمینیں تخلیق کی ہیں۔ تم کائنات کو ایک سمجھو گے۔ ہم نے سات کائناتیں پیدا کی ہیں تاکہ تم جان سکو کہ وہ چھوٹی قدرت والا نہیں۔ تم چھوٹی مچھلی کی طرح وہیل کو اللہ نہ ماننا۔ وہ بے حساب قدرتوں والا ہے۔ ولو انما فی الارض من شجرة اقلام والبحر یمده من بعد سبعة ابھر ما نفلت کلمت اللہ ان اللہ عزیز حکیم (۳۱) (لقمان: ۲۷) اگر دنیا کے تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام اشجار زمین بھی کلب گوہر بن جائیں تو تمہارے رب کی باتیں پوری نہ ہوں۔ سو اللہ پر سوال کرنے سے پہلے اپنے دامن کے چھوٹے پن پر نظر رکھنی چاہیے۔

حروف مقطعات

سوال: قرآن کریم کے حروف مقطعات پر کسی نے بھی تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی اور نہ صاف بات کی ہے۔ آپ اس پر روشنی ڈالیں؟

جواب: خواتین و حضرات! اسرار خداوند ہیں۔ قرآن کی تفسیر اور تلاش و تربیت کے مراحل سے گزرتے

ہوئے اللہ نے مجھے توفیق دی کہ میں اُن پر غور کرتا۔ میں آپ کو اس کے اصول بتا دیتا ہوں۔ اللہ آپ کو توفیق دے اور آپ جاننے کی کوشش کریں مگر اس کے لیے بڑی محنت اور بڑا خلوص چاہیے۔

اللہ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے کچھ بنیادی Categories بنا کیں۔ یہ بنیادی Categories اسی طرح کی ہیں جیسے ایک بہت بڑی لائبریری میں آپ نے کسی کتاب تک پہنچنا ہو تو اس کی تقسیم الف بائی ہوگی اور اگر آپ کے مصنف کا نام 'اے' سے شروع ہوتا ہے تو آپ بجائے ساری لائبریری میں بھٹکنے کے سیدھے 'اے' کی کیبنیگری میں چلے جائیں گے۔ اب آپ کو نظر آرہا ہے کہ 'اے' تک تو میں پہنچ گیا۔ آپ کی اصل تلاش آسان ہوگئی۔ اس کے بعد آپ کی جزئیاتی تلاش ہوتی ہے۔ اب 'اے' کے ساتھ شروع ہونے والا 'ڈبلیو' پر ختم ہو رہا ہے یا 'این' پر یا 'ایم' پر تو آپ ڈھونڈو گے کہ 'اے' کہاں تک جا رہی ہے۔ فرض کرو کہ 'الف' کی کیبنیگری میں 'ل' اور 'م' ہے تو آپ کو سوچنا پڑے گا کہ یہ 'الف' میں 'ل' اور 'م' کیسے شامل ہے تو اگر آپ آغاز کائنات دیکھو تو آپ کا یہ مرحلہ آسان ہو جائے گا۔ پہلے صرف اللہ تھا، پھر صرف محمد ﷺ یعنی مقصد کائنات محمد ﷺ تھے۔ اللہ نے اپنی شناخت کے لیے جس فرد واحد کی تخلیق چاہی اور جو بنیادی اسکیم بنائی وہ محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ پھر پوری تخلیق کو جس کتاب میں سمیٹا وہ لوح محفوظ تھی۔ تو آپ کو سمجھ آرہا ہے کہ 'الف ل م' کی بنیادی کیبنیگری کہاں سے شروع ہوئی یعنی پہلے اللہ پھر لوح محفوظ پھر محمد رسول اللہ ﷺ۔ تو آپ دیکھیں گے کہ 'الف ل م' سے آگے چلتا ہوا جب اس میں رسالت ﷺ شامل کی گئی تو 'الف، ل، م، ز' بھی آگیا۔ پیغام کی سہولت بھی آگئی تو تمام حروف مقطعات

is the knowledge of the basic categories.

ایک اشارہ حضرت ابن عباسؓ سے ملتا ہے کہ اللہ کے اسرار ہیں۔ حروف مقطعات میں۔ صفات الہیہ اتریں اور تخلیق کاری شروع ہوئی۔ اور اگر آپ وضاحت سے نوٹ کریں گے تو یہ بھی اسی بنیادی کیبنیگری کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

ایک اور اشارہ اہل بیت کی مستند حدیث سے ملتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ علیؓ! یہ کیا سبب ہے کہ کچھ لوگ نیک نہیں ہوتے مگر ہمارے دل اُن کی طرف کھینچتے ہیں اور کچھ لوگ بڑے نیک ہوتے ہیں مگر دل اُن کی طرف نہیں کھینچتے۔ یہ کیا اسرار ہیں؟ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ امیر المؤمنین! یہ سوال مجھے بھی بڑا تنگ کیا کرتا تھا تو میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ نے ارواح کی جنم دہا (1) پیدا کیں تو کچھ سے کچھ کی محبتیں ٹھہرا دیں اور کچھ سے کچھ کی عداوتیں ٹھہرا دیں۔ تو جب وہ زمین پر آتے ہیں تو محبتیں اسی طرح کام کرتی ہیں اور عداوتیں بھی اسی طرح کام کرتی ہیں۔

لیکن اگر آپ نے دیکھا ہو کہ محبتیں اور عداوتیں کن میں ہیں تو آپ حروف مقطعات دیکھ لیں۔ یہ انس، محبت اور تنافر (2) کی کیبنیگری ہیں۔ چونکہ تمام کام اسمائے الہیہ کی سرکردگی میں ہوتے ہیں تو جب اسماء کی ایک کھیپ بلند ہوتی ہے تو دوسری کھیپ اس کی مخالفت میں نیچے ہوتی ہے۔ اس کو تنازع اسماء کہتے ہیں۔ اور جب ایک فرد واحد بلند ہوتا ہے تو اُس کے

قرب و جوار کے دوسرے اسماء اُس کا ساتھ دیتے ہیں تو پھر اُس کو محبت اسماء اور موافقت اسماء کہتے ہیں۔
 (۱) چونکہ میں خود قرابت داری کے موضوع پر غور کر رہا تھا، مجھے ایک بڑی مضبوط سند مل گئی۔ میں نے وہ پورے پراسیس کرنے شروع کر دیے۔ جیسے سولہ + سولہ = تیس مہروں کی چالیس ایک ارب سے زیادہ ہیں۔ جب آپ ایک بنیادی حرف کی کیٹیگری ختم کر لیتے ہیں تو اس کے جو امتزاج شروع ہوتے ہیں، وہ بے پناہ مصیبت کا باعث بنتے ہیں۔ بطور مثال اسم احمد ہی کو لیجیے۔ اب اسم احمد میں چار حروف ہیں، جو علیحدہ علیحدہ حیثیت میں کہاؤں ہو رہے ہیں۔ ”ح“ ”میم“ ”حج“ میں آگئے۔ ”الف“ ادھر اور ”دال“ ادھر آ گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چاروں بڑے اور مؤثر حروف ہیں۔ ”الف“ میں طاقت کا نشہ ہے۔ یہ حرف ہر حال میں مغلوبیت کے خلاف ہے۔ وہ اختیارات کو اپنی تحویل میں رکھنا چاہتا ہے، اس لیے بخیل ہے۔ ”الف“ کی بنیادی نشانی یہی ہے کہ یہ دو چیزوں، اختیارات اور نکل کے لیے منضبط ہے۔ یہ نہ تو آسانی سے دیتا ہے اور نہ آسانی سے چھوڑتا ہی ہے۔

آگے آگئی ”ح“۔ ”ح“ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوا کہ یہ تو پوری حیات ہے۔ ابتداء ہی ”ح“ ”میم“ سے ہے۔ وجعلنا من الماء کمل شئی ء حی (سورۃ الانبیاء، آیت ۳۰) اس میں ”ح“ ”میم“ کا تذکرہ ہوا ہے۔ ”ما“ کی ”میم“ اور ”ح“ حیات کی یہ پہلی ”ح“ تھی جو اللہ نے پیدا کی یعنی پانی سے حیات شروع کی۔

اب ان کی صفات کہ ”ما“ ساکن ہے جبکہ ”ح“ حرکت والی ہے۔ جب دوسری ”ح“ ”میم“ پیدا کی تو آپ دیکھیں گے کہ ہر وہ چیز جو ”ما“ میں حرکت کرتی ہے یہ دوسری زندگی ہے۔ پہلی طرز زندگی میں ایک چیز پائی جاتی ہے۔ وہ حرکت اور اشتعال ہے۔ جس چیز میں ”ح“ یا ”خ“ ہوگی، اُس میں یہ بنیادی صفت پائی جائے گی کیونکہ وہ حیات ہے۔ اسے چین نہیں آسکتا۔ اپنے اندر بہترین ڈسپلن کے ساتھ وہ اسے متحرک رکھے گی۔

آگے ”میم“ آ گیا۔ ”میم“ متشکر ہے۔ ”میم“ بھی دو ہیں۔ بعض اوقات یہ رنگ میں چلا جاتا ہے۔ ایک ”میم“ ماء البحر ہے۔ ایک ”میم“ ماء دریا ہے۔ صاف ستھرا پانی اچھلتا ہوا، زندگی کو سیراب کرنا اور آنکھوں کو بھلا لگتا ہوا۔ یہ صاف رنگ والی ”میم“ ہے۔ دوسری ماء البحر کہتے ہیں، سمندر کی ”میم“ ہے۔ یہ تارک، متشکر، وسیع، انتہائی گہری آسانٹوں کا مرکز، بہت گہرے پردوں کے اندر اور اس میں بے پناہ وسعتیں چھپی ہوئی ہیں۔ جب آپ ”میم“ کا رنگ سانولا اور اس میں رنگ پائیں گے تو وہ حرکت ہوگی۔ ایک ”میم“ باہر کی طرف اور دوسری اندر کی طرف رجوع رکھتی ہے۔

اب دو انتہائی مشتعل لفظوں ”الف“ اور ”ح“ میں موجود تیسری ”میم“ ہے وہ رنگ پر جائے گی۔ اگر ”میم“ کا رنگ گندی یا سیاہ ہے تو یہ دبی ہوئی ہوگی۔ دبا ہوا اثر پہلے دو مشتعل اثرات کو کنٹرول کرتا ہے۔ آگے آگئی دال، جو سستی و جود کے بوجھل پن، بے پناہ تقویٰ اور شدت غضب کی ہے۔ اب ان تینوں چیزوں میں ”الف“ کنٹرول کر رہا ہے۔ ”ح“ کنٹرول کر رہی ہے۔ ”میم“ دبی ہوئی ہے۔ ”دال“ دوبارہ غصہ دلاتی ہے تو پیام احمد انتہا درجے کی کارکردگی کو جائے گا مگر اس کے ساتھ ایک انتہا درجہ والے غصے کی حساسیت کی وجہ سے تلخی اور بے چینی کا شکار بھی ہوگا۔ محقق ہوگا، مگر پیار ہوگا۔

اگر آپ کے مامان میں سے ہیں تو آپ اپنی فطرت کو بڑی آسانی سے جان سکتے ہیں۔ یہ جو تمام خصائص میں نے بیان کیے ہیں ان میں کوئی گیس ورک نہیں۔ غلطی کا کوئی چانس نہیں۔ غلطی صرف استاد کرتا ہے علم نہیں کرتا۔

خواتین و حضرات! نماز کا وقت قریب ہے۔ اس سے زیادہ شاید میں اس کی وضاحت بھی نہ کر سکوں۔ سوچنے سمجھنے والے کے لیے اس میں بے حد و حساب اشارات ہیں۔ میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی توفیق بخشی اور آپ کو بھی کہ ہم نے مل بیٹھ کر داستانِ محبت رقم کی اور نہ اس خلوص سے اتنی گرمی میں سننا عمل محال ہے۔ تو جو پسینہ آپ کے بدن سے گرا میں اُس کے لیے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کے کام آئے اور آپ کے امراض کی شفا ہو۔

تصوف، آج اور کل

- ☆ لیکچر
- ☆ سوالات و جوابات
- ☆ تصوف کا شریعت سے واسطہ
- ☆ دنیا میں بھیجنے کی وجہ
- ☆ اسلام میں پردے کا حکم
- ☆ قرآن اور سائنس
- ☆ ہمارا حال برا کیوں ہے؟
- ☆ شیخ کے بغیر تصوف میں کامیابی
- ☆ مصروف دنیا میں اللہ کیسے ترجیح اول
- ☆ دنیا میں جن گناہوں سے ممانعت ہے، جنت میں انہیں کی ترغیب
- ☆ خدا شناس، صوفی یا ولی کیسے پہچانا جائے؟
- ☆ عالم دین کا انداز
- ☆ اللہ کے دوست صرف اسلام میں ہی کیوں؟
- ☆ کیا مذہب بنیادی طور پر Impractical ہے؟
- ☆ جہاد
- ☆ تفسیر قرآن
- ☆ غیبت
- ☆ مہدی اور دجال
- ☆ تصویر کشی

تصوف، آج اور کل

”وقت کیا چیز ہے
 اک لمحہ فکر
 ایک زندانِ تخیل جس میں
 ذہن انسانی ہے مجبوسِ ازل سے ایسے
 جس طرح گنبد بے در میں کوئی
 چینٹا چائنا پھرے تا جاہد
 کوئی دروازہ دریچہ نہ کہیں روزن ہے
 عقل عیار کی مشعل لیے کوئی عمر و (1)
 آج تک پہنچا نہ پہنچے گا کبھی
 یہ طلسمات نہ ٹوٹے گا کبھی“

زمان و مکاں کے وہ تصورات جو اس وقت اور اس ماحول میں اور اس زمین و آسمان پہ محیط ہیں، تمام کے تمام ایک بنیادی اساس رکھتے ہیں؛ چاہے وہ کسی سیکولر فلاسفی سے پیدا ہوں یا کسی گمراہ سوسائٹی کی پیداوار ہوں۔ ان سب کا خیال یہ ہے کہ وقت ہمیں زندہ رکھتا ہے اور وقت ہمیں مارتا ہے۔ بھلا ایسا بھی کوئی وقت ہوگا کہ بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑے۔ خواتین و حضرات! ایک بنیادی مسئلہ خدا کی پہچان میں اس کو جاننے میں تمام صدیوں میں درپیش رہا کہ ایک تو وہ اکیڈمک لوگ تھے جن کے نام بڑے اونچے جن کے رتبے بڑے بلند، جن کی تعلیمات دوسروں کی تہذیب کا معیار تھیں؛ مگر ان کے پاس کوئی ایسا خصوصی تجربہ نہیں تھا جیسا کہ ہم Diogenes اور اسکندر اعظم کے درمیان مکالمے میں دیکھتے ہیں۔ Zeno, The Stoic of Ilia میں دیکھتے ہیں؛ ماس ایکویناس میں دیکھتے ہیں سینٹ آگسٹائن میں دیکھتے ہیں اور یونان کے پلینیئس GREECE میں دیکھتے ہیں۔ یہ ایک ساخت نئی انسانوں کی، جو فکری اور ذہنی طور پر جدا ہوتی گئی اور ان کے مقاصد کچھ علیحدہ ہو گئے۔ ان کا خیال کچھ اور ہو گیا مگر بد قسمتی سے یہ فیصلہ نہ ہو سکا۔ کبھی آج تک اکیڈمک فلسفی یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ خدا ہے کہ محض تصور خدا ہے۔

(1) طلسم ہوشربا کا مشہور عیار کردار

خواتین و حضرات! سب سے بڑی آفت جو انسانی ذہن پر پڑی اور آج تک پڑ رہی ہے اور شیشہ گران مغرب نے اپنی فسوں کاری سے اعداد و شمار کا ایسا طلسم آئینہ بند تخلیق کیا کہ ہر مفکر، ہر مفسر، ہر دانشور، ہر ادیب اور ہر سوچنے سمجھنے والا ان اعداد و شمار میں جب کسی خدا کو نہیں پاتا تو اس بات کی تسلی کر لیتا ہے کہ خدا محض ایک تصور ہے۔ خدا محض ایک خیال ہے۔ اگر چہ آج سے بہت پہلے والٹیز نے کہا کہ خدا نہ ہوتا تو خدا کا تصور بھی نہ ہوتا۔ یعنی اگر اس کا تصور موجود ہے تو خدا موجود ہے۔ اور انسان وہ بد تہذیب جانور ہے کہ اپنے تخیل میں وہ سوچیں بھی پال لیتا ہے جو کبھی موجود نہ تھیں۔ مگر خواتین و حضرات! اگر ان سارے کالمات میں خواہ نیکل کے ہوں کارل مارکس کے ہوں تو ایک بات بڑی واضح نظر آتی ہے کہ وہ کسی عملی خدا پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

ان کے ہاں خدا موجود نہیں۔ اگر یہ چند سپیشلسٹ موجود نہ ہوتے جنید بغدادی نہ ہوتے۔ کوئی بایزید بسطامی نہ ہوتے۔ کوئی بغداد کے عبدالقادر جیلانی نہ ہوتے اور ہجویر کے علی بن عثمان المعروف حضرت داتا گنج بخش نہ ہوتے تو لوگوں کے پاس ایسی کوئی شہادتیں موجود نہ تھیں۔

پیغمبر عالی مقام ﷺ نے اپنے اذہان کی بلندیوں پر جس حقیقت کا عرفان حاصل کیا اور جو حقیقت انہوں نے آپ تک پہنچانا چاہی بد قسمتی سے تمام لوگ اس معیار عقل کے نہیں تھے۔ تمام لوگ ان ذہانتوں کے مالک نہیں تھے۔ پیغمبر اپنے زمانے کا ذہین ترین شخص ہوتا ہے اور اگر وہ ذہین ترین شخص نہ ہو تو کہیں رستے میں اٹھتے ہوئے ذہانتوں کے جھوٹ میں لپٹے ہوئے بڑے بڑے منافقین عقل ان کو طعنہ دے سکتے تھے کہ یہ کم عقل لوگ ہم ذہین لوگوں کو کون سی خدائی کا سبق پڑھا رہے ہیں مگر آپ کتاب رسالت کو دیکھیں، کتاب موجود اور موجود کو دیکھیں تو ایک حیرت کی بات جو آپ کو نظر آئے گی کہ یہ تو طعنہ دیا گیا کہ پیغمبروں کا خاندان اچھا نہیں تھا، یہ تو طعنہ دیا گیا کہ یہ نعمت علم و عقل ان بچک منگولوں کو ہی دینی تھی، مگر یہ طعنہ نہیں دیا گیا کہ کسی پیغمبر کی ذہنی سطح اس کی امت سے کم ہے۔ لامحالہ جب ہم ایسے مقام تک پہنچتے ہیں کہ پیغمبری اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے اور لوح محفوظ سے اتر ا ہوا کلام خاتمے کو پہنچ رہا ہے تو جس پیغمبر نے آنا تھا تو اس کے بارے میں ایک بات تو یقینی ہونی چاہیے کہ اس کا علم، اس کا فضل، اس کی دانش ہر زمانے سے بلند و بالا اور ہر زمانے سے بہتر اور کسی بھی معقول سے آگے معقول اور کسی بھی منقول سے بہتر منقول کی مالک ہو۔

خواتین و حضرات! سب سے بڑی خطا اس وقت واقع ہوتی ہے جب ذہن ایسے سوال اٹھاتا ہے جس کو حل کرنے کی اس میں استطاعت نہیں ہوتی۔ بد قسمتی سے اللہ خدا، رب کائنات، پروردگار عالم ایک ایسی ہستی مبارک تھی کہ جو انسان کے اعداد و شمار کی گرفت میں نہیں آتی۔ چونکہ یہ گرفت میں نہیں آتی تو دیکھیے آج تک کوئی ایسا بڑا فلاسفر نہیں گزرا کہ جس نے خدا کا انکار کیا ہو، کوئی بھی ایسا نہیں گزرا۔ انہوں نے صرف یہ کہا کہ ہمارے اندازے میں ہمارے بیان میں ہمارے سائنسی تجسس میں ہماری روشن خیالی میں جو چیز معقول نہیں ہے، ہم اس کو نہیں مان سکتے۔ انہوں نے عذر پیش کیا، انکار نہیں کیا اور میرا خیال یہ ہے کہ بہت ہی کم درجہ کے عقل والے لوگوں نے صرف شاید ذاتی تکبر ات میں خدا کا انکار کیا۔ اور غور تو کیجیے کس نے کیا۔ نمرود نے کیا، فرعون نے کیا، وہ تمام لوگ جن کی قوت و استعداد عقلی نہیں، جسمانی تھی۔ جنہوں نے اعداد و شمار کی برتری پر بنیاد رکھتے ہوئے خدا کا انکار کیا مگر ذہانتوں کے مالک ان دانشوروں نے اللہ کا انکار نہیں کیا۔ کچھ

لوگوں نے یہ ضرور کہا کہ ہم ایسے خدا کو نہیں مان سکتے جو ہماری بحث و تمحیص کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ جو ہمارے تجسس اور انکوائری کا سامنا نہیں کرتا۔ مگر کیا یہ واقعی صحیح بات تھی؟ کیا خدا کے بارے میں کوئی دلیل نہ تھی؟ کیا خدا کا وجود اور اس کی موجودگی اتنی بالائے عقل تھی بالائے شعور تھی تو مجھے یہ بتائے کہ وہ جو قرآن میں جو کتاب اول میں صحائف موسیٰ و ابراہیم میں جو نعمات سلیمان میں بڑے بڑے دعوے کرتا ہے کہ اہل عقل و شعور ہی مجھے پہچان سکتے ہیں۔ مگر خواتین و حضرات! ایک بد قسمتی جو تمام سوچنے والوں کے ساتھ تھی اب بھی آپ اگر یورپ کے تمام بڑے مفکر دیکھیں تو ان میں ایک بڑی عجیب بات آپ کو نظر آئے گی کہ وہ خدا کے قائل اس لیے نہیں ہیں کہ خدا ہے۔ وہ تراحم کی وجہ سے مرونا خدا کے قائل ہیں۔ وہ تمام کے تمام تصور خدا کو سوسائٹی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ کانٹ نے کہہ دیا کہ اللہ نہ بھی ہوتا تو ضرورتاً انسان تھا ہم خود تخلیق کر لیتے۔

کسی نے کہا کہ اس معاشرے میں کرب و بلا اتنا ہے اتنے ظلم و ستم ہیں اتنی پسماندگی ہے اتنی ذلتیں ہیں کہ اگر خدا کا تصور بھی نہ ہو اور خدا نہ ہو تو شاید انسانوں کی بلائیں ان کی حد و حساب سے آگے بڑھ جائیں۔ کئی لوگوں نے کہا کہ یہی تو وجہ ہے کہ یہ اس تصور کی بلا ہے کہ اس نے انسانوں سے جد و جہد چھین لی۔ خواتین و حضرات! پھر خدا کہاں تھا؟ خدا کون ہے؟ خدا کیسے انسانی پس منظر میں ایک آسیب کی طرح نکلتا چلا آ رہا ہے۔ کیا یہ جائز سوال نہ بنتا تھا کہ ہم اپنے آپ سے پوچھتے کہ میں کسی ایسے واہمہ پر کتنی دیر تک یقین کر سکتا ہوں اور جب کسی پیغمبر کے واقعات پیش ہوئے۔ جب معجزات کا ذکر ہوا؟ جب کرامات الاولیاء کی بات ہوئی تو نفسیات دانوں نے بڑی آسانی سے کسی کو نفسیاتی مریض (Psychopath) قرار دیا۔ کسی کو پراگندہ ذہنی (Schizophrenia) کا تصور قرار دیا۔ کسی نے اس کو جنونی افسردگی (Maniac Depression) کہہ دیا۔ پروفیسر میکڈوگل نے کہا کہ محمد ﷺ لگتا تو ہے کہ نفسیاتی مریض تھے (نعوذ باللہ)۔ ان کا انداز ان کی زندگی، ان کے اعداد و شمار ان کی میٹرسس یہی تھی مگر مسئلہ تو یہ تھا کہ اگر ایک چھوٹی سے چھوٹی کتاب پڑھنے کے لیے ایک ذہنی معیار کی ضرورت ہے، ایک ایف۔ اے کی کتاب پڑھنے کے لیے بھی میٹرک پاس ہونا ضرور تھا تو جس کتاب کو آپ چیک کرنا چاہتے ہیں جس انفارمیشن کو آپ چیک کرنا چاہتے ہیں جو خدا کے بارے میں واحد انفارمیشن ہے، آخر اس کتاب کا بھی تو کوئی معیار ہوگا۔ اگر ایم۔ ایس۔ سی کی کتاب میٹرک کے طالب علم کو دے دی جائے تو نتائج کچھ زیادہ خوشگوار نہیں نکلیں گے۔ اب دیکھیے خدا نے عیسائیت کو تو قبول کیا۔ لیکن کتاب عیسیٰ کو نہیں۔ موسیٰ کو قبول کیا تو رات کو نہیں۔ زمانہ جب اپنے مقام آخر تک پہنچا تو اس نے بالکل کھلے انداز سے اعلان کر دیا کہ اب اگر آپ نے مجھے جستجو و تحقیق کے پہلوؤں میں جانچنا پرکھنا ہے، اب اگر تم نے میرے لیے دلیل ڈھونڈنی ہے تو پھر اس کتاب کو دیکھنا جو میں نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔ جو قرآن ہے اور اس کی میں نے خود حفاظت کی ہے۔ اور آپ سوچیں کہ کون سی ایسی کتاب ہے جو پندرہ سو برس سے مسلسل پڑھی جائے اور اس میں تحریف بھی نہ ہو۔ خیال کی تحریف نہ ہو اور اس کے وجود میں انحراف نہ ہو۔ بہر حال ہم اس دلیل کو اس لیے بھی نہیں مانتے کہ بہت سارے لوگ اس کے وجود سے ہی انکار کر دیں اور قرآن کو کتاب اللہ ماننے سے انکار کر دیں۔

مگر خواتین و حضرات! مذہب سے نجات کتنی ضروری ہے۔ اپنی اس حالت میں اپنے اس خیال میں ہم خدا کو

جواب دہ نہیں ہیں مگر خدا بہر حال ہمارے پس منظر میں ایک بچت کی محفوظ راہ تو ہے کہیں نہ کہیں تو ہم بچ کے اس کی طرف نکلتے ہیں۔ ہم اپنی مایوسیوں میں ادا سیوں میں ان مراحل میں جب ہمیں کوئی طاقت سہارا نہیں دے رہی ہوتی تو ہم اپنے Voodoo پر کچھ نہ کچھ یقین رکھتے ہیں۔ یہ ساطیر الاولین میں سے جو خدا نکلتا چلا آتا ہے جو ہر معاشرتی طبقات سے جو امراء و روساء و غرباء سے تمام صورت حال سے جو زمین آسمان میں ایک مستحکم سایے کی طرح ہمارے سر پہ مسلط رہتا ہے تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ وہ جرأت مند انسان جو سوچنے کا عزم رکھتے ہوں جو خیال رکھتے ہوں جو دعویٰ علمیت رکھتے ہوں۔ حتیٰ کہ جو اس صدی میں بھی یہ دعویٰ رکھتے ہوں کہ انسان بہت ترقی کر گیا ہے۔ جس کو یہ دعویٰ ہے کہ میں نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ میں اپنی حکمت کے نفع و نقصان پر غالب آ گیا ہوں وہ اب مالک الملک نہیں میں مالک الملک ہوں۔ اس کو یہ چاہیے کہ کچھ ایسے مضبوط حقائق کے ساتھ اس خدا کے وجود پر کچھ ایسی تنقیدات سامنے لانا کہ کم از کم جملہ مسلمین کی اور مومنین کی نہ سہی جملہ انسانوں کی یہ سزا ختم ہوتی اور بہت سارے ایسے آسیب ہمارے سروں سے ٹل جاتے۔ خواتین و حضرات! ایسا نہیں ہوا۔ ہماری تہذیب انسانوں کی چند ایک بنیادی دینی ہوئی حیات سے مرتق ہے۔ تمام بڑی طاقتوں کو جو پہلے گزریں جو اب گزر رہی ہیں۔ بزغم خود ایک خیال ضرور رہا کہ اب کی بار ہمارا غلبہ دنیا کی کوئی طاقت کم نہیں کر سکتی۔ چاہے وہ جو لیس سیزرتھا چاہے سلطنت شرق تھی۔ کوئی بھی دنیا کا طاقتور بادشاہ یا فرمانروا یا کوئی خاندان جب برسر اقتدار آیا تو وہ بھی آج کے امریکہ کی طرح یہی سمجھتا تھا کہ یہ اقتدار اب دائمی ہے۔ اور اب یہ قیامت تک یا نسل انسانی کے خاتمے تک محیط ہونا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے تاریخ عالم کا مطالعہ نہیں کیا۔ کیا دور حاضر کا فلسفی، دانشور یا جنگجو بھی تاریخ سے بے بہرہ ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ تاریخ کے قوارڈ سے گزرتے ہوئے ان حقائق کو پہچانتے نہیں۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ آج کے دور حاضر کے لوگ دور حاضر کے حکمران دور حاضر کے مفکر و مفسر جو ہیں ان کے نزدیک نیشے کے الفاظ میں خدا مرچکا ہے اور اب اسے اس دنیا سے باہر پھینک دینا چاہیے۔ (نعوذ باللہ)۔ وہ اللہ کے وجود سے ذہنا، عملاً، عقلاً فارغ ہو چکے ہیں۔ اب ان کا خیال یہ ہے کہ یہ اعداد و شمار اتنے بڑے ہیں یہ جو میٹرکس تخلیق ہو گئی ہے یہ اتنی معزز اور محترم ہے کہ اب اس کی وجہ سے کوئی کمی بیشی کا امکان نہیں رہے گا اور اب ہماری طاقتوں اور دوسری طاقتوں میں اتنا فرق پڑ گیا ہے کہ اب ہم ان انسانوں کے دیوتا یا خدا ہو سکتے ہیں۔ اب اللہ کی زمین پر براہ راست کوئی ضرورت رہی نہیں۔

صوفیا دوسری قسم کے لوگ تھے۔ بہت ساری Specializations میں بہت سارے لوگوں نے جیسے اپنی اپنی Specializations کیں، تو ان میں سے ایک انوکھی ہی قسم تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا، کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے، غم کی وجہ سے، کسی حادثہ محبت کی وجہ سے، کسی کے ماں باپ کے نقصان کی وجہ سے۔ کوئی نہ کوئی ایسا سانچہ اور بعض اوقات بڑے کامیاب تعلیمی تجسس کی وجہ سے کچھ لوگوں نے معاشرے سے ہٹ کر ایک نئی روش اپنائی۔ وہ خدا کو ماننا چاہتے تھے یا خدا کو جاننا چاہتے تھے۔ تصوف کی دراصل بنیادی تعریف یہ نہیں ہے کہ وہ اشارے سے نامزد ہو یا کسی نے کہا کہ یونانی فلسفہ کے اثرات سے پیدا ہوا۔ کسی نے کہا کہ اس پر شرق و مغرب کے فلاں فلاں نظر یہ کا اثر ہے ایسا بالکل نہیں ہوا۔

تصوف کی بڑی سادہ سی تعریف یہ ہے کہ جس شخص نے مناسب عمر میں یہ فیصلہ کر لیا کہ میں فلسفہ ترجیحات پہ غور کروں گا اور میری زندگی کی اولین ترجیح میرا رب ہے تو وہ صوفی ہے۔

جس شخص نے بھی اپنی زندگی میں یہ فیصلہ کر لیا کہ پیشتر اس کے کہ میں زندگی شروع کروں۔ پیشتر اس کے کہ میں اپنی زندگی پوری کر لوں۔ اور یہ عجیب سی بات ہے کہ پورے معاشرے میں ہندوانہ اثر کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم اپنی پیشتر ترجیحات اور مضبوط ترین ترجیحات کا فیصلہ بالکل عمر کے آخر میں آ کر کرتے ہیں۔ اس عمر میں نہیں کرتے جس عمر میں ہم باقی اکیڈمک فیصلے کر رہے ہوتے ہیں۔ اس عمر میں نہیں کرتے جب ہماری ہمت جواں ہوتی ہے۔ ہمارے خیالات میں ندرت ہوتی ہے اور ہماری حسِ جمال تیز ہوتی ہے۔ جب ہم میں پرکھ ہے شناخت ہے حرکت ہے۔ اس وقت یہ فیصلہ نہیں کرتے۔ اس وقت جب آپ کو یہ دنیا بیکار محض قرار دے دیتی ہے۔ جب دنیا آپ کو معاشرے میں ریٹائر کر کے ایک گوشہٴ عافیت میں بٹھا دیتی ہے۔ اس وقت ہم خدا کا موضوع چننے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں میں اس ہندوانہ معاشرے کا اثر ہے کہ جس نے زندگی کو چار بڑی واضح اقسام میں بانٹ رکھا تھا۔ اس نے برہم چاری آشرم تخلیق کیا۔ پچیس برس تک اس نے گربست آشرم تخلیق کیا۔ اگلے پچیس برس تک گربھ آشرم تخلیق کیا۔ جب سو برس کے آخری پچیس برس آئے تو اس نے کہا کہ اب تم خدا کی طرف متوجہ ہو اور رشی مونی آشرم میں داخل ہو۔ چاہتے نہ چاہتے ہوئے مسلمان اسی روٹین کی پیروی کر رہے ہیں۔ مگر قسمت کی خرابی دیکھیے، کوئی سو برس تک پہنچتا ہی نہیں اور آخری پچیس برس جو رشی مونی آشرم کے ہیں۔ جو خدا کی تلاش کے ہیں، وہ ما کارہ عمروں کے حوادث میں گزر جاتے ہیں۔

خواتین و حضرات! جب یہ طلب کسی دل میں پیدا ہو جائے کہ میں اپنی زندگی کی ترجیحات کا مناسب فیصلہ کروں گا اور پھر اس میں ترجیح اول کا انتخاب اللہ کو کرے تو وہ صوفی ہے۔ ہماری بہت بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ ہم نے ہمیشہ کمال سے حقیقت کو دیکھا۔ ہم نے اس کو درجہ بلاغت سے دیکھا ہے۔ ہم نے تصوف کو اس وقت دیکھا ہے۔ ہم نے صوفی کو اس وقت دیکھا جب وہ شیخ عبدالقادر قطب الاقطاب غوث زمانہ بن چکے تھے۔ ہم نے اس وقت علی بن عثمان کو دیکھا کہ جب ان کو قطب الاقطاب بنا کر سرزمین ہند پر بھیجا گیا۔ ایک وہ وقت بھی تو ہوگا، جب اس شیخ زمانہ نے درس اولین بھی تو شروع کیا ہوگا۔ میری اور آپ کی طرح اس نے بھی آرزو کی ہوگی، ایک قدم لیا ہوگا۔ کبھی نوجوان بھی رہے ہوں گے۔ کبھی جلتوں سے اُن کی کشمکش بھی ہوئی ہوگی۔ کبھی جواب دہی کے مراکز تبدیل بھی ہوئے ہوں گے اور کبھی اس زور آؤ نفس کی کشمکش میں ان سے بھی بھول چوک ہوئی ہوگی۔ کبھی انہوں نے بھی خدا کے حضور معذرت کی ہوگی۔ آخر انسان کا آغاز کیا ہے۔ غلطی ہی تو ہے اور انسان کا ثواب کیا ہے۔ ایک تو یہی تو ہے۔ باقی تو رسم و رواج مذہب ہیں۔

مگر خواتین و حضرات! جن لوگوں کا بھی سوچنے سمجھنے کا عمل جاری رہا، انہوں نے ایک بات ضرور سوچی کہ کیا کوئی واقعتاً ایسا ڈیٹا موجود ہے جس سے ہم خدا کے بارے میں کوئی چیز متعین کر سکیں۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ وہ کتاب حکیم و قرآن جو جز دانوں میں سجا ہوا عقیدتوں کا مظہر بے شمار بوسوں کی جگہ موجود ہے مگر اس سے زیادہ اس کی وقعت نہیں مگر کیا حیرت ہو اس عقل کو جو یہ سوچے کہ وہ شرق و مغرب، وہ جو یہ پکار رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ خدا کے بارے میں کوئی ڈیٹا ہے تو کتنا آسان ہوگا خدا کا انکار۔ کتنا مشکل ہے خدا کو ماننا اور کتنا آسان ہے اس کا انکار کہ خواتین و حضرات!

بندہ ہزار خطا کرے تو بندہ ہے اور اللہ ایک خطا کرے تو اللہ نہیں رہتا۔ تو اتنی بڑی کتاب میں ایک خطا کا ڈھونڈنا کیا مسئلہ درپیش ہو سکتا ہے۔

اگر آپ یہ جانتے ہوں کہ یہ کتاب اللہ ہے۔ آپ یہ جانتے ہوں کہ یہ سب سے بڑے علم والے اور حکیم کی کتاب ہے تو کم از کم اس کے پڑھنے کے لیے اپنا معیار عقل بھی بڑھانا پڑے گا۔ اپنے آپ کو کسی ایسے عالم ذہن میں تو لانا پڑے گا کہ خدا کی کوئی بات ہمیں پوری طرح سمجھ میں آجائے۔ اس کتاب کا عجب سافٹ ویئر ہے کہ اسے ان پڑھ بھی پڑھ لیتا ہے۔ درمیانی عقل والا بھی پڑھ لیتا ہے مگر وہ کتاب جن کو اپنا قاری سمجھتی ہے وہ ذرا مختلف ہے۔ وہ کوئی عبادت گزار لوگوں کو اپنا قاری نہیں سمجھتی۔ وہ روزہ داروں کو شب زندہ داروں کو اپنا قاری نہیں سمجھتی۔ وہ تو اپنا قاری ان لوگوں کو سمجھتی ہے جو اللہین یذکرون اللہ فیما وقعوداً وعلی جنوبہم ویتفکرون فی خلق السموات والارض (۳) آل عمران: (۱۹۱) کہ دن صبح رات لوگ اللہ کی یاد میں رہتے ہیں اور خدا کی ہر چیز پر غور و فکر کرتے ہیں اور خدا کی کتاب پر غور و فکر کرتے ہیں۔ عجائبات عالم سے وہ اللہ کی پہچان تک آتے ہیں۔

قرآن کو سمجھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تمام علوم پر ایک ایسی نظر ڈالنا پڑتی ہے جس میں ہم قرآن کے زمانے کا تعین کر سکیں۔ جیسے بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ قرآن نے فلاں فلاں سفر کی بات دہرائی ہے، فلاں فلاں سائنسدان کی بات دہرائی ہے۔ فلاں زمانے سے فلاں چیز اٹھا کے اس میں نقل کر دی تو کم از کم ایک ایماندار طالب علم کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کے ابتدائی علوم سے لے کر قرآن تک جتنا بھی علم و فراست اور تحقیق ہے اسے خوب اچھی طرح دیکھے اور پھر یہ دیکھنے کی کوشش کرے کہ ارسطو اور افلاطون کی کونسی بات قرآن نے نقل کی ہے۔ یہ تو ایک عجیب سی بات ہے۔ خدا اس وقت بھی تھا جب ارسطو اور افلاطون تھا۔ اس سے پہلے بھی موجود تھا۔ اگر انہوں نے خدا کی ویسی کوئی بات اختیار کر لی تو اور بات ہے مگر قرآن پہلے زمانوں کی تعلیمات نقل نہیں کرتا۔ اس کے بعد آپ آگے بڑھیے۔ قرآن سے آگے بھی زمانے گئے ہیں۔ بہت وقت گزرا تو آپ آج کے وقت تک تمام علوم کا احاطہ کر لیجیے۔ اگر آپ کو خدا کے بارے میں کوئی شرمندگی ہے، اگر آپ سمجھتے ہیں کہ خدا ایک مفروضہ ہے اور حقیقت سے بعید ہے تو آپ آج تک کے گزرے ہوئے بلکہ آج تک کے اس لمحے کو پہنچے ہوئے سائنسی علمی تحقیقی انکشافات کا اپنے سامنے ڈھیر کر لیجیے۔ اعداد و شمار جمع کر لیجیے اور دوبارہ قرآن کو پلٹنے۔ اس دعویٰ کے ساتھ کہ ہمیں اس میں شک نظر آئے گا، غلطی نظر آئے گی۔ قرآن ضرور ایک عام سی کتاب ہوگی، قرآن ضرور ایک وہم اور وسوسہ کے لوگوں نے ترتیب دیا ہوگا۔ آپ کم از کم اس دعویٰ تحقیق کے ساتھ تو ضرور قرآن کو پڑھیے۔

آج تک انسانی نتائج بدلتے رہے۔ آج تک خدا کی بات نہیں بدلی۔ پندرہ سو برس پہلے اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ تم گمان کرتے ہو کہ پہاڑ کھڑے ہیں، یہ تو نہیں کھڑے۔ ہی تَمُورُ مَرَّ السَّحَابِ (۲۷) (النمل: ۸۸) یہ تو اڑتے ہوئے بادلوں کی طرح گزر رہے ہیں۔ اگر اس نے پندرہ سو برس پہلے اپنی کتاب میں کہہ دیا وجعلنا من الماء کل شئیء حی (۲۱) (الانبیاء: ۳۰) ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔ تو یہ جذباتی حقائق نہیں یہ سائنسی حقائق ہیں۔ ایک مدت گزری ہے کہ پروردگار عالم نے انسان کی تکمیل علم تک کے تمام نتائج اپنی کتاب حکیم میں لکھ کر اسے بند کر دیا اور فرمایا وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها۔ زمین پر ایسا کوئی ذی حیات نہیں جس کے اسباب رزق ہم پر نہ ہوں۔

ويعلم مستقرها ومستودعها كل في كتب مبین (۱۱) (ہود: ۶۰) اور وہ جانتا ہے کہ کس شخص نے کس فرد نے کہاں رکنا ہے کہاں جانا ہے کہاں اٹھنا کہاں بیٹھنا ہے۔ کہاں اس کی زندگی ہے کہاں وہ سو نپا جائے گا۔ ایک ایک حرف ہم نے کتاب مبین میں لکھ دیا۔ کمال ہے حد و حساب سے گزرا ہوا حساب ہے۔ ابھی انسان وجود میں نہ آیا تھا اس خدا کا بھی تو دعویٰ دیکھیں کہ ابھی زمین بنی نہ تھی تو رسول گرامی مرتبت ﷺ سے اصحاب رسول ﷺ نے پوچھا کہ اللہ زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے کہاں تھا؟ فرمایا وہ جہاں تھا اس کے اوپر بھی ہوا تھی اس کے نیچے بھی ہوا تھی بادلوں میں تھا۔

پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ خدا زمین کی تخلیقات سے پہلے کہاں تھا۔ فرمایا اس کی بلندیاں پانیوں پر تھیں۔ وہ ہر چیز پانی سے تخلیق کر رہا تھا۔ پوچھا گیا اے پروردگار عالم! یہ زمین و آسمان اور کائنات بنی کیسے؟ فرمایا تم کو کیسے پتا لگ سکتا ہے؟ اولم یوالدین کفروا ۵۱ تم بھی اتنی جرأت رکھتے ہو کہ میرا انکار کرو۔ کیا تم بہت پڑھ لکھ کر دانشور ہو گئے ہو؟ اے دانا و بیانا! تمہیں پتہ ہے کہ سب سے پہلے یہ زمین و آسمان اور کائنات ایک تھی اولم یوالدین کفروا ان السموات والارض (۲۱) (الانبیاء: ۳۰) یہ زمین و آسمان سب اکٹھے تھے پھر ہم نے ان کو پھاڑ کر جدا کر دیا مگر تم پھر بھی ایمان لانے والے نہیں۔ ایمان تصور خدا نہیں ہے ایمان خدا ہے وہ اللہ جو آپ کی زندگی کے پہلے باب سے لے کر اس کتاب حیات کے آخری باب تک مسلسل مداخلت کرنا نظر آتا ہے وہ سب سے پہلے جو بات کہتا ہے کہ ذرا اپنا موازنہ کر کے دیکھو۔ ذرا خیال کرو حضرت انسان کیا تو اس قابل ہے کہ تو اکیلا وجود میں آسکتا؟ اگر میں پہلے سے تیرا تعین نہ کرتا تیرا گھر نہ بنانا تجھے ماں باپ نہ دیتا وہ کون سے لوگ ہیں جو اعتماد ذات رکھتے ہیں جو یہ دعویٰ رکھتے ہوں کہ کوئی بھی انسان زمین پر ایسا پیدا ہوا جس کے حالات پہلے سے متعین نہ تھے۔ اگر آپ ہی زندگی گزارتے ہو آپ ہی دعویٰ تکمیل رکھتے ہو۔ آپ ہی رزق کما تے ہو تو کبھی اپنی چیز سے باہر بھی آپ نے دیکھا۔ کیا باہر اور مخلوق نہیں ہے۔ ایک بلین مخلوق تو اس خطہ زمین پر ہے۔ جس کے شاید آپ کو نام ہی نہ آتے ہوں۔ پندرہ بیس کے بعد ہماری یادداشت ہی ختم ہو جاتی ہے مگر اس ایک بلین مخلوق کو رزق دینا کیا انسان کا کام ہے؟ کیا انسان اسے رزق دیتا ہے یا دے سکتا ہے؟

حضرت عیسیٰ نے کیا خوبصورت بات کہی کہ یوحنا قریب سے گزر رہے تھے تو پوچھا! یوحنا یہ تیری بغل میں کیا ہے؟ کہلایا نبی اللہ دوروٹیاں۔ کہا یوحنا دوروٹیاں کس لیے؟ کہا نبی اللہ ایک آج کے لیے ایک کل کے لیے۔ کہا یوحنا تم نے تو کل میں ہمیں پرندوں سے بھی نیچے گرا دیا۔ کبھی کسی پرندے کے گھونسلے میں بھی دو وقت کا کھانا دیکھا ہے؟ کیا تمہیں خدا پر یقین نہیں کہ کل تجھے رزق دے گا؟ ایک روٹی دریا کی مچھلیوں کو دے اور ایک روٹی میں سے آدھی اس وقت کھا اور آدھی کل کے لیے رکھ۔

بہت سارے سائنسی دعوے ایسے ہیں جو معیار حقیقت تک نہیں پہنچتے۔ تصوف میں اور دیگر علوم میں ایک بنیادی فرق ہے کہ یہ علوم آپ سے کردار کا تقاضا نہیں کرتے۔ علوم آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ جب تک آپ نیک اور پرہیزگار نہیں ہوں گے جب تک پانچ وقت نماز نہیں پڑھیں گے جب تک آپ روزہ نہیں رکھو گے اس وقت تک ہم آپ کو ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کی ڈگری نہیں دے سکتے۔ آپ پی۔ ایچ ڈی نہیں کر سکتے۔ دنیا کی کوئی یونیورسٹی یہ معیار نہیں رکھتی۔ کوئی کردار سازی کو علم کا حصہ نہیں بناتی اور دوسری بات آپ کے ذاتی جذبات کا اثر آپ کے تجربات پر نہیں ہوتا۔ آپ چاہے

آنکھوں سے آنسو گر رہے ہوں، ادا اس ہوں۔ مگر آپ کے اجزاء وہی نتیجہ دکھائیں گے جو انہوں نے دکھانا ہوتا ہے مگر تصوف ان تمام علوم کا علم ہے۔ ظاہر ہے۔ جب آپ موجودات کی حقیقت کے لیے اتنا تر و در فرما رہے ہوں تو حقیقت کبریٰ کے لیے آپ آگے بڑھو گے تو آپ کو بہت ساری پیچیدگیوں سے واسطہ پڑے گا۔ غور تو کیجیے کہ ایک ذرا سی لغزش خیال آپ کے نتیجے کو بدل دے گی۔ تصوف وہ علم ہے جس میں ایک ذرا سا جلی اور خنی تکبر آپ کے نتائج بدل دیتا ہے۔ ایک جھوٹ آپ کے نتائج مسخ کر دیتا ہے۔ قلب ویران کی ایک کیفیت زمین و آسمان کے نقشے بدل دیتی ہے۔ یہ کیسی سائنس ہے کہ جس میں تحقیق و جستجو کی بجائے غائبانوں کے باوجود آپ کو کچھ اور بھی ساتھ لے کر چلنا ہوتا ہے۔ اس سائنس میں انسان کے متغیر نفس کا وجود ناقابل برداشت ہے۔

تصوف جذبات کی سائنس ہے۔ نفسیات ایک بدتر نفس کو بہتر نفس میں ڈھال دیتی ہے۔ وہ آپ کو مشورے دیتے ہیں۔ اس ڈیٹا پر پرکھ کر کچھ علاج ہوتا ہے، کچھ شناخت ہوتی ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ یہ بدتر اور نا کارہ نفس معاشرے کا کارآمد نفس بن جائے مگر نفسیات کا یہ کوئی کام نہیں ہے کہ بندے کو خدا تک پہنچا دے۔ جہاں بھی نفسیات کی آخری حدود شروع ہوتی ہیں وہاں سے تصوف کا ابتدائی قدم اٹھتا ہے۔

مابعد الطبیعیات، طبیعیات کے بعد ہی شروع ہوتا ہے۔ مابعد النفسیات، نفسیات کے بعد ہی شروع ہوتا ہے۔ کتنی ایسی باتیں تھیں جو پہلے نفسیات ہوا کرتی تھیں۔ آج کے زمانے میں آپ دیکھیے کہ کتنے تصورات تھے جو مابعد الطبیعیات ہوا کرتے تھے جن کو ہم مابعد النفسیات کہتے تھے مگر آج کے علوم کی روشنی میں وہ تمام مابعد النفسیات ہی حقائق اب نفسیاتی ہو چکے ہیں۔ ہر نفس ایک جہلوں کا مجموعہ ہے۔ بہت ساری جہلتیں جو بظاہر ہمیں نظر آتی ہیں کہ کھانا ہے، تولید (Reproduction) ہے، جارحیت (Aggression) ہے، بقا (Survival) ہے مگر جب یہ جہلتیں ایک دوسرے پر اثر کرتی ہیں تو یہ شطرنج کی بازیوں سے بھی زیادہ چالیں چلتی ہیں اور اگر چھتیس مہروں کی چالیں ایک بلین تک چلی جاتی ہیں تو آپ کی جہلتیں جب ایسا عمل کرتی ہیں تو ہزار ہا پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ شاید اسی لیے تصوف میں مرشد کی ضرورت پڑتی ہے۔

اصل میں مابعد النفسیات کے ادارے کا کچھ علم اسلام کے تصوف میں گڈ مڈ کر دیا گیا ہے۔ جیسے عظیمیہ سلسلے کے ایک شخص نے بہت باہمی آمیزش کی ہے اور بہت سارے تبت کے لامائی تصورات اور اسی طرح افریقہ کے شامان کے تصورات تصوف میں ملائے ہیں جس سے اسلام کا عمومی تصوف کا تصور بہت مبہم ہو گیا ہے۔

مگر تصوف کے نام پر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ یہ وہ علم تھا جس میں کم علم گزر نہیں سکتا تھا۔ یہ وہ رستہ تھا جس کی نشاندہی کے لیے بھی انسانی علوم سے آگے گزرنے والے کو رستہ ملتا تھا مگر آپ ایک نظر دیکھیں تو جیسے سڑک کے کنارے ایک مداری میڈیکل سائنس کا منہ چڑا رہا ہوتا ہے۔ پورے معاشرے میں ہزار ہا بے تصور تصوف کو خراب تر کیے جا رہے ہیں۔ ان کی کوئی شناخت نہیں۔ ان کی کوئی پہچان نہیں۔ اگر آپ تصوف کے مستند ترین اصولوں پر کھیں تو آپ حیران ہوں گے کہ تصوف ایک طرف رہ گیا ہے اور متصوف دجل و فریب کے حقائق پیش کر کے آپ کی تمام توقعات کو پس پردہ کیے جا رہے ہیں۔ نہ علم رہا نہ آگہی رہی، نہ وہ روشنی جس سے علمائے فطرت خدا کے عالم لوگوں کے مصائب کے رخ جان لیتے تھے۔ خدا

کے عالم میں اور ایک عام عالم میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ ایک وہ شخص جسے آپ صوفی کہتے ہیں اور ایک وہ شخص جو ایک عام درس گاہ کا تعلیم یافتہ ہے، اس میں کچھ فرق تو ہونا چاہیے۔ اس میں شناخت کا فرق ہونا چاہیے۔ اس میں اتنا تو فرق ہونا چاہیے جو حدیث رسول ﷺ ہے کہ خدا جسے اپنا علم دینا چاہتا ہے، اس کی آنکھ اس کے اوپر کھول دیتا ہے۔ اتنا فرق تو ہونا چاہیے کہ وہ کچھ اپنے آپ کو جانتا ہو۔ کچھ آپ کو جانتا ہو۔ اس کا تشخیص صحیح ہونا چاہیے۔ وہ واہمہ اور وسوسے کی بات نہ کرے وہ خوابوں کی بات نہ کرے ہزاروں مقدسین ہمارے گلی گلی کوچے کوچے میں ہیں۔ ایسے لگتا ہے صوفیوں کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ ہر کونے میں ہر گوشے میں ایک معزز جو جو جو تعلیم سے بالکل ناواقف ہے، وہ تصوف کے ایسے نقوش ابھار رہا ہے جیسے ہندو دیومالائی قصوں کو عام کرتے ہیں۔ آج بھی اتنے تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اگر آپ کبھی ہندوؤں کا ٹیلیویشن دیکھیں تو کیا عجب بات ہے کہ ان کی عقل کو قطعاً کوئی شرمندگی نہیں ہوتی، دیوی دیوتاؤں کے قصے پیش کرتے ہوئے۔ اگر یہی علیست کا کمال ہے کہ نہ اپنے آپ سے سچ بولو نہ کسی سے سچ بولو، یہ آج کی بات نہیں ہے۔ ہر زمانے میں اتنے کذاب صوفی ہوئے، بے شمار جھوٹے لوگوں نے تصوف کا دعویٰ کیا ہے۔ حضرت دانیال کے زمانے میں ستر جھوٹے نبی تھے۔ شاید یہ کذب و افتراء جو اللہ کے اس بہترین شناخت کے علم پر جاری ہے، اس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس کا انس زیادہ ہو گیا۔

خداوند ایہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں:

کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

تصوف یقیناً ایمان کی ایک جہت ہے۔ تصوف ایک جذبہ ہے جس کو اس لیے ہم نے تصوف کا نام دے دیا کہ اگر اس کو دوسرا نام دیتے۔ اگر میں یہ کہتا کہ ولایت کی یہ تعریف ہے، اگر میں آپ سے یہ کہتا کہ مومن کی تعریف یہ ہے کہ وہ خدا کی جستجو سے اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے اور اس میں مسلسل آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور خدا کے عرفان اور ادراک تک پہنچنے کے لیے یہ زندگی صرف کر دیتا ہے کہ:

نشان مرد حق دیگر چہ گویم

چوں مرگ آید تبسم برب اوست

اور اس سے آخری بات کیا ہو سکتی ہے۔ کیا تصوف کے معیار واضح نہیں؟ کیا بیچارگی تصوف ہے؟ کیا اوٹ پناہ حرکتیں تصوف ہیں؟ کیا فاتح کو اللہ نے قرآن میں رد نہیں کیا؟ کیا بے اعتماد لوگوں کے بارے میں ایک جملہ نہیں فرمایا اور مسیحی رہبانیت کے بارے میں اللہ نے نہیں کہا کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے اتنی مشقتیں نکال لیں، ہم نے نہیں کہا تھا۔ اور ان کی داستانوں میں تڑکیہ باطن جو ہے وہ پانیوں میں بارہا کھڑے ہونے سے نکلتا ہے یا کسی قبر میں چلہ معکوس سے نکلتا ہے یا کنویں میں التالٹکنے سے نکلتا ہے۔ کیا یہ تصوف ہے؟ تصوف تو بالکل مضبوط ترین عقل کی راہ تھی۔ یہ تو اتنا یقینی راستہ ہے کہ اس کا پہلا قدم بھی آپ کو یقیناً خدا دلا دے۔ اس پر چلنے والے کا پہلا قدم بھی آپ کو خدا کا شعور دیتا ہے۔ خدا کی محبت سے آشنائی دیتا ہے مگر کیا بد قسمتی کی بات تھی کہ یہ کائنات کا اللہ کا انسانیت کا علم بھی اماڑی لوگوں کی نذر ہو گیا۔ گلی کوچوں کی نذر ہو گیا۔ اس سے مراد یہ تھی کہ ایک سادہ سا انسان خدا نہیں پا سکتا۔ ایک سادہ ترین

انسان بھی صوفی ہو سکتا ہے خدا کا شعور رکھ سکتا ہے۔

جب شیطان نے کہا کہ اے مالک! تو نے مجھے بہت رسوا کر دیا۔ تو نے میرا مقام، عزت انسان کو دے دی تو اب مجھے اتنی مہلت دے کہ انسان جس کی عقل فطرت پر تو نے بڑا دعویٰ کیا ہے، میں تجھے ثابت کر دوں کہ تیرا یہ دعویٰ انسان پر درست نہیں۔ میں ان کے آگے سے آؤں گا، پیچھے سے آؤں گا، اوپر سے آؤں گا، نیچے سے آؤں گا۔ میں ان کو ہر طرف سے گھیروں گا۔ میں ان کو راہ راست سے اغوا کروں گا۔ خدا نے کہا تو یہ کرے گا، بہت سے انسان ما کارہ اور ما کام ہو جائیں گے مگر اتنی بات یاد رکھنا چاہیے وہ آدمی پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ ہو یا سادہ ہو یا پیچیدہ ہو۔ تو اس شخص کو کبھی نہ بہکا سکے گا۔ الا عباد اللہ المخلصین (۳۷) (الصفۃ: ۴۰) جس کے دل میں میرے لیے ایک ذرہ برابر بھی خلوص ہوگا تو کبھی اس پر قابو نہیں پاسکے گا۔

تو یہ وہ اخلاص ہے جس کی بنیاد ہر دل میں ہے اور تصوف اسی سے آغاز کرتا ہے۔ شریعت بغیر طریقت کے ایک بے معنی کوشش ہے۔ جب تک اس کے پیچھے خدا کے حصول کی نیت نہ ہوگی۔ آپ کے اعمال کبھی رنگ نہ پائیں گے۔ آپ کے خیال کبھی رنگ نہ پائیں گے۔ طریقت شریعت سے جدا نہیں ہے، طریقت اور شریعت دراصل خیال، نیت اور عمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں ایک وجود ہیں اور عمل کی حیثیت رکھتے ہیں اور جب تک آپ اپنے خیالوں میں اپنے اعمال خیر میں خدا کے حصول کی نیت نہ رکھیں گے، آپ کے اعمال آپ کو کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ یہ وہ جنگ ہے جو دور حاضر میں اکیڈمک لوگوں میں اور اہل دل میں جاری ہے۔ اہل دل یہ قطعاً نہیں کہتے کہ وہ شخص جو کسی قیمت پر بھی شریعت کی اہمیت کو کم کرنا ہے، وہ اہل تصوف میں ہے۔ صرف وہ تین آدمی اللہ نے اس حساب سے نکال دیے۔ ایک تو وہ بچہ جس پر ابھی شرع لاگو نہیں ہے، ایک وہ مجنون جس کو کارزندگی کا علم نہیں ہے۔ ایک وہ سویا ہوا جس پر کوئی قانون لاگو نہیں۔ ان کے علاوہ کسی انسان پر شریعت سا تو نہیں اور یہ خیال قطعاً غلط ہے اور کوئی صوفی ایسا نہیں ہے، کوئی بھی اللہ کا ولی ایسا نہیں جس میں یہ مجال اور یہ طاقت ہو کہ وہ شرعی اعمال کی حیثیت کم کر سکے۔ شرع کسی حال میں بھی قابل استفسار نہیں ہے۔

تصوف آپ سے صرف ایک بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تمہارے قول و فعل کے باوجود تم منافق ہو سکتے ہو۔ آپ کی عملی زندگی کے انداز میں قول و فعل کی ہم آہنگی ضرور ہونی چاہیے مگر دل آپ کو کہہ رہا ہے کہ قول و فعل کے باوجود آپ کا دل تقسیم شدہ ہے۔ اس لیے کہ ایک بہت بڑی قوت اور بھی ہے جو قول اور فعل دونوں پر فیصلہ دیتی ہے اور وہ آپ کی فکر ہے۔

The only difference between the dogmatics and the people of heart is very simple.

صوفی یہ کہتا ہے کہ ان تینوں چیزوں میں یہ اتحاد و خلاصہ ہے، اتحاد ناہی نہیں ہے۔ یہ صرف قول و فعل کی ہم آہنگی نہیں ہے بلکہ قول و فعل اور فکر جب اکٹھے ہوتے ہیں اور خدا کی طرف رغبت فرماتے ہیں تو اس وقت ایک صوفی اپنی ابتداء کرتا ہے۔ اس وقت ایک صوفی اپنے سفر کا آغاز کرتا ہے اور یہ سفر ایمان کا سفر ہے۔ یہ سفر وصال خداوندی کا سفر ہے اور یہ معجزہ یہ دوسری تیسری باتیں یہ کشف قبور کے جو ڈھونگ رچے ہوئے ہیں، آپ یقین جانیے کہ کسی بڑے صوفی سے اس قسم کی احمقانہ

روایت جاری نہیں ہوئی۔ آپ کو یہ دیکھنا ہے یہ فرق کرنا ہے کہ وہ سند کیا ہے جو صدیوں سے کائناتی سند چلی آرہی ہے۔ یہ نہیں کہ صوفی آج پیدا ہوا۔ تمام محاورہ تمام انداز فکر صوفیاء کے تمام کارنامے ایک جیسے ہیں بالکل ایک جیسے ان میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔

میں آج بھی محسوس کر سکتا ہوں کہ اشراقیہ کے ولی کیجی سہروردی نے کیسے سوچا تھا۔ البتہ صفات کا فرق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ صوفیاء کا ایک گروہ کرم پر زیادہ زور دے۔ ایک صوفی خدمت خلق پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اس سے باقی چیزوں کی حیثیت کم نہیں ہوتی اور دور حاضر میں پوری اسلامی دنیا پر اتنا بڑا بحران ہو تو ایک سوال جو ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ مالک و کریم! کیا ہمارے گناہ ایسے حد و حساب سے گزر گئے کہ تیری ترجیحات اس قوم بے نصیب کی طرف نہیں پلٹیں مگر خواتین و حضرات! بات یہ ہے کہ پروردگار تو وعدے کر کے کتاب بند کر بیٹھا۔ اب اس سے گریز ہمارا گریز ہے۔ وہ تو کہہ بیٹھا ہے ولا تہنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (۳) (آل عمران: ۱۳۹) کہ سستی نہ کرنا، غم نہ کرنا میرے بارے میں۔ تم ہی غالب ہو اگر تم ایمان والے ہو۔ تو بار بار ذہن میں خیال آتا ہے یہ جو ذلت اور مرادی کے جو انداز بن رہے ہیں یہ جو امت مسلمہ انفرادیت اور مکمل ذہنی امتیاز میں مبتلا ہے جن کے حکمران بجائے قوم سے ہمدردی کرنے کے جان بوجھ کر اور سوچ سمجھ کر ان پر خوف کے سائے لاد دیتے ہیں۔ اگر کسی میں لڑنے کی ہمت ہے تو بھی نہ لڑے۔ تو خواتین و حضرات! خیال آتا ہے کہ کیا مسئلہ ہے۔ اللہ کیوں نہیں توجہ فرماتا۔ ایک ہی چیز جس کا یقین ہوتا ہے کہ شاید ہم ان کنتم مومنین کی تعریف میں نہیں آتے شاید ہم ایمان والے نہیں۔ اگر بظاہر ایمان والوں سے مراد عبادات والے ہیں تو اتنے سارے بے شمار لوگ پچیس لاکھ عبادات والے رانیونڈ میں جمع ہو جاتے ہیں پچیس لاکھ اسلام آباد میں جمع ہو جاتے ہیں۔

پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا کہ جب تک ایک بھی زمین پر اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے تو قیامت نہیں آئے گی۔ تو خواتین و حضرات! سوچنا پڑتا ہے کہ نقص کہاں آیا؟ مسئلہ کہاں آڑے آیا؟ یہ مسئلہ ہماری ترجیحات کے بحران میں ہے کیونکہ اب اللہ ہماری ترجیح نہیں رہا۔ اب اللہ صرف ایک تصوراتی وجود ہے۔ وہ ایک حقیقی وجود کی طرح ہمارے اذہان میں نہیں ہے۔ ہم خیال میں اس کو محاورہ بنا ضرور استعمال کرتے ہیں مگر ہمارے دل و دماغ میں کوئی مرکز جواب دہی اللہ کی جانب نہیں۔ جب رجعت نہیں رہی خدا کی شناخت نہیں رہی خدا کے عالم نہیں رہا اور وہ خدا کے عالم جو اللہ کے لبادہ علمی کے تحت ہیں جو اللہ کے علم سے اپنے علم کو روشن کرتے ہیں اور اگر ایسے سوالوں سے واسطہ پڑ جائے تو دیکھو اکیڈمک کے پاس کچھ نہیں ملے گا یہ تو تمہیں ان لوگوں کے پاس ملے گا۔ جو صبح و شام ہماری یاد میں رہتے ہیں۔ جو قرآن میں رہتے ہیں اور تسبیحات پروردگار میں رہتے ہیں۔

صرف اسلام میں آ کے اللہ ساتوں کائناتوں کا مالک ظاہر کرنا ہے اس لیے کہ پہلے انسان میں اس کی وسعت اور اس کے ادراک کی اتنی صلاحیت ہی نہ تھی۔ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جہاں معیار مستقل ہو رہے تھے۔ معیار زندگی قائم ہو رہے تھے۔ معیار حقانیت قائم ہو رہے تھے۔ اللہ اس ذات گرامی پر کشادہ ہو کے آیا۔ اللہ اس ذات گرامی میں اپنی پوری تعریف کے ساتھ آیا اور اپنے شخصی وجود سے گریز کرتے ہوئے اپنے اس کائناتی وجود کی جھلک دے دی ہے۔ اس کاملیت کی جھلک دی ہے۔ جب ہم Multiverses کے تصورات دیکھ رہے

ہیں۔ آج بھی قرآن ہی کا خدا حقیقی خدا نظر آتا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ پچھلے مذاہب مذاہب نہیں تھے یا پچھلے مذاہب میں خدا کا وجود جعلی اور غیر حقیقی تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ شخصی خدا کے تصورات تھے جو کبھی بنی اسرائیل کے تھے، کبھی قوم یہود کے تھے اور کبھی کسی قوم کے تھے۔

اگر آپ قرآن کو کھول کر دیکھیں تو پہلی مرتبہ اللہ رب العالمین کی حیثیت سے پہلی آیت قرآن میں نمودار ہوتا ہے اور اسی طرح وہ اپنے پیغمبر ﷺ کو رحمت اللعالمین فرماتا ہے۔ اب وہ شخصی خدا نہیں رہا، اب وہ اپنی کائنات کی ملکیتیں ظاہر کر رہا ہے۔ اپنی کائناتی حکمتوں کو ظاہر کر رہا ہے۔ اب وہ خدائے بحر و بر ہے۔ خدائے ہفت کائنات ہے اور اسی خدا کی تلاش اور جستجو میں تافلہ امل دل نکلتا ہے۔

کہیں تو ہوگا شب ست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینہ غم دل

ہمارا نقصان ہمیں صاف بتا رہا ہے کہ ہماری عبادت ہماری زندگیاں خدا سے خالی ہیں۔ اگر آپ اللہ کی عبادت دیکھو تو پہلے پارے میں اللہ کی کتنی خوبصورت آیت ہے جو نثار دہی کرتی ہے کہ ہم میں کیا چیز ہونی چاہیے جس سے اللہ ہمیں اپنے محبوب بندے بنا لے گا صبغة اللہ ومن احسن من اللہ صبغة ونحن له عبدون (۲) (البقرہ: ۱۲۸) اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے کون سا رنگ بہتر ہے اور ہم عبادت کرنے والے ہیں۔ عبادت انہی کا مقوم ہے۔ عبادت انہی کا مقدر ہے، عبادت انہی کی زندگی ہے جو اللہ کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ آپ اسے فنا فی اللہ کہو، فنا فی الرسول ﷺ کہو۔ آپ کچھ بھی اسے کہہ لو مگر جو صفات پروردگار کے لیے جدوجہد کرنا ہے جو محبت ذات خدا کے لیے جدوجہد کرنا ہے وہ کبھی بھی خدا کو فرضی نہیں سمجھ سکتا۔ چاہے کتنی ہی بڑی میٹرکس کی دنیا اس کے ارد گرد آبا د ہو، ہم جانتے ہیں کہ سراب میں بھی بڑی حقیقت ہوتی ہے۔

ایک شخص صحرا میں جاتا ہے سراب دیکھتا ہے بڑا عقلمند ہے۔ کہتا ہے یہ تو پانی ہے ہی نہیں۔ میں کتنا عقلمند ہوں کہ میں نے سراب کو سراب ہی سمجھا ہے تو شاعر کہتا ہے کہ:

زلفش تشہ لبی داں ز عقل خویش مناز

اے بیوقوف اپنی پیاس کا نقصان سمجھ۔ یہ سمجھ کہ تیری پیاس ابھی مکمل نہ تھی۔ بے عقل تو اپنی عقل پر ناز مت کر۔

دلت فریب گر از جلوہ سراب نہ خورد

اگر تیرے دل نے سراب سے فریب نہیں کھلایا تو یہ تیری عقل کی ناز کی بات نہیں ہے، تیری پیاس ہی ابھی پوری نہ تھی۔

مجھے امید ہے انشاء اللہ تعالیٰ العزیز کہ خدا ہمارے دلوں میں اپنی محبتوں کی لوزروردے گا۔ ویسے تو کچھ لوگ وہ بھی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ خدا کو اتنا یاد کر کہ تیرا دل ایک ویرانے کی طرح ہو جائے اور اس میں ایک چراغ جلتا ہو اور وہ خدا کی یاد کا چراغ ہو۔ پھر فرمایا کہ جب لوگ خدا کو اتنا یاد کریں گے تو خدا ان کے ساتھ ہو جائے گا۔ خدا ان کا انداز ہو جائے گا۔ خدا ان کی زبان ہو جائے گا۔ خدا ان کے اشاروں سے بادل برساتا ہے۔ خدا ان کے اشاروں سے حکومت بدلتا ہے۔ خدا ان کے اشاروں سے زندگی اور موت کے مسائل طے کرتا ہے۔

تصوف کا شریعت سے واسطہ

سوال: آپ نے فرمایا کہ تصوف اللہ کی طرف جانے کا راستہ ہے۔ اگر اللہ عشق سے ملتا ہے تو عشق پر تو کوئی شریعت نافذ نہیں ہوتی۔ پھر تصوف کا شریعت سے کیا واسطہ ہوا؟

جواب: بہت ساری غلط فہمیاں جو اس معاشرے میں ہیں ان میں یہ بھی ایک غلط فہمی ہے کہ عشق پر کوئی شریعت لاگو نہیں ہوتی۔ ایک آدمی رستے میں کھڑا تھا تو حضرت ابراہیم خواص گزرے تو وہ گلی سرئی حالت بڑی بری طرح کے آسیب کا شکار بیچارہ مردوں کی طرح پڑا تھا۔ تو حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں پاس سے گزرا تو میں نے کہا کہ اس بد بخت نے کون سا ایسا گناہ کیا کہ اللہ نے اس کی یہ حالت کی۔ میں نے سوچا دل میں مگر وہ شخص چونک کے اٹھا اور اٹھ کے کہا ابراہیم خواص تو اللہ کے بندوں کی دل میں غیبت کرتا ہے۔ تجھے معلوم نہیں یہ جو حالت ہے میری میں نے اللہ کے انعام کے طور پر قبول کی ہوئی ہے۔ اب جو عشق کی بات کرتے ہیں، آپ غور کریں کہ عشق کس حالت تک پہنچاتا ہے اور عاشقوں کے بارے میں اللہ میاں نے یہ کہا کہ کچھ لوگ میری چادر کے تلے چھپے ہوئے ہیں۔ ان کا نہ میرے کسی پیغمبر کو علم ہے نہ کسی ملک کو علم ہے۔ اب اگر ایسے ہی لوگ ہوں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ دنیا کی نظر سے بھی چھپے ہوئے ہوں گے اور دعویٰ عشق خرابی ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ ہم محبت کے قائل ہیں، عشق کے قائل نہیں ہیں۔

پروردگار عالم نے محبت کا ذکر کیا ہے اور جہاں بھی کسی چیز میں ہو جائے اسے مودت کہا جاتا ہے۔ محبت اور مودت میں بڑا فرق ہے۔ جہاں استحصال اجسام آجائے جہاں ملاوٹ آجائے جہاں جسم آجائے جہاں خواہشات نفس آجائیں اس کو اللہ نے مودت کہا ہے۔ خدا نے کہا کہ پتھروں سے محبت بھی ہے۔ سونے سے محبت بھی ہے اور بتوں سے محبت بھی ہے مگر محبت صرف اللہ کے لیے ہے۔ والذین امنوا آشد حبا لله (۲) (البقرہ: ۱۶۵) اور یہ صفاقی محبت ہے۔ اس محبت کا تعلق حصول دنیا سے نہیں ہے۔ یہ قطعاً ایک ذہنی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ ترین ذہنی سطح پر جا کر آپ خدا کی صفات کو محسوس کر کے اپنے اندر پیدا کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں، اس کو ہم عشق نہیں کہتے۔ ویسے تو اقبال محترم عشق کا بڑا ذکر کر گئے اور ایسے لگا کہ علم بڑی ناقص سی چیز ہے اور عشق کوئی بڑی پائیدار شے ہے مگر اقبال صرف فلسفاتی علوم کی ماہلیت کا قائل ہوا کیونکہ اس کا تسلسل آ رہا تھا ایک ایسی درسگاہوں کی طرف سے جہاں شکوک و شبہات منطقی تشکیک پڑھاتے پڑھاتے بالآخر وہ اس مقام پر پہنچا جب اس کو احساس ہوا کہ ان تمام تعلیمات سے میں اپنی ترجیح اول کو حاصل نہیں کر سکتا تو اس بیچارگی کے عالم میں اقبال نے مجاذیب کی تلاش شروع کر دی۔ اس کے باوجود وہ اپنے وقت کا بہت بڑا مجدد اور تفسیر قرآن کا ماہر تھا۔ ایک غلطی اس سے ہو گئی اور وہ غلطی یہ تھی کہ فلسفہ اور تشکیک کی راہوں سے گزرتے ہوئے اس کی ترجیحات بیچ میں تبدیل ہو گئیں اور خدا کی بجائے کبھی وہ سیاست ہو گئیں، کبھی امت مسلمہ ہو گئیں، کبھی فلسفہ ہو گیا۔ جب انہیں احساس ہوا کہ مجھ سے کیا غلطی ہو گئی تو آپ کو پتہ ہے وہ آخری زندگی میں کبھی ایک مجذوب کا سنتے تو اس کی طرف بھاگتے۔ اس مقام پر آ کر انہوں نے خیال کیا کہ علم شاید خدا کی طرف کا راستہ نہیں دیتا کیونکہ اقبال تصوف میں جن استادوں کی پیروی کر رہے تھے وہ بذات خود سلسلہ تصوف کے مستند لوگ نہیں تھے جن میں رومی بھی تھے، جن میں امام رازی بھی

تھے جن میں ابن سینا بھی تھے ابن رشد بھی تھے۔

ایک بہت بڑی غلط فہمی جو عالم اسلام میں جاری رہی کہ لوگوں نے بہت سے متصوف لوگوں کو صوفی بنا دیا۔ کسی نے خیام کو صوفی بنا دیا۔ کسی نے حافظ کو صوفی بنا دیا۔ کسی نے سعدی شیرازی کو صوفی بنا دیا۔ جیسے میں نے آپ سے عرض کیا کہ کسی چیز کی اعلیٰ اور کلدت کو ہم تصوف نہیں کہتے۔ تصوف نام ہے کانٹ چھانٹ کا۔ ایک قینچی جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر آپ کا شعر بھی آپ کو سرور دے رہا ہے۔ آپ کا خیال آپ کو سرور دے رہا ہے اور آپ کو لذت نفس میں ڈال رہا ہے اور وجود کی خوبصورتی کا تامل کر رہا ہے اور ایک مخصوص رویہ پیدا کر رہا ہے اور کہیں آپ کو اس طرز کے مناظر دکھا رہا ہے تو صوفی کے ہاتھ کی قینچی بڑی بے رحم ہوتی ہے۔ تصوف کا بنیادی قانون ہے کہ جس نے نفس کے ساتھ ہمدردی کی وہ تصوف کے علم کا ایک ذرہ بھی نہیں حاصل کر سکتا۔

دنیا میں بھینچنے کی وجہ

سوال: خاتون پوچھتی ہیں کہ رزق، زندگی، موت، عزت، ذلت یہ سب کچھ تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ تو ہمیں اس دنیا میں آخر کیوں بھیجا؟

جواب: جب ہم تخلیق کائنات کا مقصد دیکھتے ہیں تو میں اپنی اصطلاح میں کہوں گا میں خدا کی اصطلاح میں نہیں کہوں گا کہ اللہ ایک جبر مسلسل کے ذریعے اپنی مخلوقات سے عبادت کروا رہا ہے۔ جیسے اس نے آسمانوں کو کہا کہ میں نے تم میں یہ امر ڈال دیا ہے چاہو تو آؤ چاہو تو نہ آؤ۔ تو ایک جبر تھا جو اس کی بر مخلوق پر تھا چاہے وہ ملائکہ تھے چاہے زمین و آسمان تھے چاہے شجر و حجر تھے۔

کہتے ہیں کہ صفت شعر کو دو چیزیں خراب کرتی ہیں۔ تحسین ما شناس و خاموش سخن شناس کہ اگر کلام کی قدر و قیمت کو جاننے والا کلام سن کے چپ رہے گا تو کبھو کہ ما قدری ہو گئی اور اگر ایک ان پڑھ بیوقوف آدمی شعر سنتے ہی اچھل کود شروع کر دے اور داد دینی شروع کر دے تو وہ بھی شعر کی بربادی کا باعث بنتی ہے۔ یہی حال کچھ اللہ کے ساتھ ہوا کہ اتنا خوبصورت خدا اللہ جمیل و یحب الجمال خود حسن اور خالق حسن۔ ایسی ایسی خوبصورت تخلیقات یہاں حسن کہ:

ہر لمحہ شان حسن بدلتی رہی جگر

ہر آن ہم جہان دگر دیکھتے رہے

ایسی ایسی خوبصورت تخلیقات اور پھر تعریف کرنے والے۔ اللہ۔ الحمد للہ۔ الحمد للہ۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ نہ ان میں عقل، نہ معرفت، نہ چناؤ، نہ خصلت دید۔ ان کی آنکھوں میں وہ رنگ و روپ نہ اپنے محبوب کی مناسب قدر افزائی۔ یہ ایک انتہائی علیم حکیم رب کی جبریت۔ اب اللہ کو محسوس ہوا کہ اب میں کروں کیا۔ میں جو ایک چھپا ہوا خزانہ۔ بھئی اکیلے رہو۔

کار جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

تو آپ اکیلے نہیں رہ سکتے۔ اللہ نے سوچ سوچ کے ایک فیصلہ کیا۔ ایک بڑا عجیب و غریب فیصلہ کہ کسی میں حس

انتخاب پیدا کر کے دیکھوں۔ ایسی مخلوق پیدا کروں جسے چننے کا اختیار دوں اور دیکھوں بھلا پھر بھی مجھے کوئی چنتا ہے۔ بندوں پر تکیہ کر بیٹھا تو خیال کیا کہ میں انتخاب کا اختیار دیتا ہوں، چننے والا ذہن دیتا ہوں۔ میں کسی ایسی مخلوق کو یہ اختیار دیتا ہوں اور پھر دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے چنتا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، چاہا کہ آشکار ہو جاؤں۔ میں نے مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔ تعارف کے لیے حضرت انسان تشریف لائے۔ اب حضرت انسان نے بھی سوچا کیا۔ میں کہاں جاؤں گا جی، کہا زمین دوں گا۔ کہا جی وہاں مجھے پالے گا کون؟ کہا ذرا نفع رکھوں گا۔ پھر اس سوال و جواب میں پوری کی پوری ایک دنیا کے آخری مراحل تک تخلیق ہوئے۔ آنا رو باقیات تخلیق ہوئے۔ اس میں اس نے کہا کہ دیکھو میاں تیرا کوئی کام نہیں زمین پر۔ تو نے پیدا ہونا ہے اور زندگی گزارنا ہے تیرا رزق میرے ذمہ ہے۔ تیرے بیوی بچے میرے ذمہ ہیں، تیرا سفر میرے ذمہ ہے۔ تیری زندگی، موت میرے ذمہ ہے اور تیری شفاء اور مرض بھی میرے ذمہ ہے اور تیرا صرف ایک کام ہے تجھے جو عقل دی تو نے اس اختیار انتخاب کا استعمال کرنا ہے۔ چار ڈگری میں انسان کی وحشت خیال کو پورا کیا اور فرمایا۔ ہل اتی علی الانسان حین من المدھر لم یکن شیئا مذکوراً (۶۷) (الانسان: ۱) تو کوئی قابل ذکر شے نہ تھا۔ پھر میں نے خیال کیا، میں کچھ اس کو دیکھوں آزماؤں، چلو اس کو آگے بڑھاتا ہوں۔ انا خلقنا الانسان من نطفة (۶۷) (الانسان: ۲) میں نے انسان کو سنگل سیل سے ڈبل سیل میں بدل دیا، کہاں یہ ایسا تھا۔ اب اس نے ڈبل سیل ہونا شروع کر دیا۔ صدیاں گزر گئیں۔ حضرت میں کوئی جدت نہ دیکھی گئی۔ اب اس کو ذرا اور آگے بڑھاؤں۔ چاہا کہ اسے آزماؤں امشاج نبتلیہ فجعلنہ سمیعاً بصیراً (۶۷) (الانسان: ۲) اسے سماعت دی، اسے بصارت دی اور کوشش کی کہ یہ سمع و بصیر ہو جائے مگر ابھی بھی انتخاب کے قابل نہیں تھا۔ میں تو کہوں گا کہ شامت پروردگار حضرت انسان کو آخری سٹیج پر لائے اور فرمایا انا ہدینہ السبیل اما شاکراً واما کفوراً (۶۷) (الانسان: ۳) اب میں نے اسے عقل و معرفت روشنی اور چٹاؤ بخشا۔ چاہے تو مانے چاہے تو نہ مانے۔

مگر ہم اس پوری لیبارٹری کا اندازہ انتخاب دیکھتے ہیں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ پروردگار کی غرض و غایت ہر بندے سے نہیں ہے۔ وہی بات ہوئی کہ اگر ہزاروں تعریف کرنے والے سے ایک اچھے شعر کی شناخت کرنے والا ایک با ذوق انسان ہی شاعری کی مراد ہوتا ہے تو اسی طرح حضرت انسان زیادہ تر پیر و کار ہیں اور انسان کی تعریف اللہ کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح کی دوسری نعمی حدیث میں فرمایا کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، مجھے اس بات سے انس ہوا کہ میں پچھانا جاؤں تو میں نے محمد ﷺ کو تخلیق کیا۔ میری تو حسرت پہچان محمد ﷺ کی تعریف سے پوری ہو گئی۔ میرے بندے نے مجھے بڑی اچھی طرح چاہا، بڑی اچھی طرح پیار کیا۔ میں نے اس کا یہ صلہ دیا اپنے بندے کو کہ آسمانوں پر وہ میری تعریف کرنے والا احمد تھا تو میں نے اس کا صلہ یہ دیا کہ زمینوں پر وہ تعریف کیا گیا۔ میں نے پوری علمی، ادبی، فکری زندگی میں کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا کہ ایک لاکھ چھبیس ہزار حدیث اس سے منسوب ہوں اور ایک احادیث بھی اس کی ذاتی تعریف میں نہ ہو۔ یہ وہ محمد ﷺ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح رکھا اور پھر خدا کیوں نہ چاہے ان کو۔

یہ باقی کائنات اس تعریف کے عوض چل رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر نہ کوئی مطلوب و مقصود کائنات

ہے نہ کوئی مطلوب و مقصود پروردگار ہے۔

اسلام میں پردے کا حکم

سوال: قرآن میں پردے کا سختی سے حکم ہے۔ یہاں آپ نے مردوں عورتوں کو اکٹھے بیٹھایا ہوا ہے یہ کون

سادین ہے؟

جواب: قرآن میں پردے کا سختی سے حکم ہے، یہ لفظ سختی غلط ہے۔ قرآن میں پردے کا حکم ہے سختی سے نہیں۔

قرآن میں پردے کے حکم کا پس منظر بھی ہے اور اس کے واقعات بھی پیش آئے۔ جنگ یرموک میں اجنادین میں اور احد میں مسلمان عورتوں کی بہت ساری سرگرمیاں ہیں۔ ہر جگہ عورتوں کا چہرہ کھلا ہوا آیا ہے۔ یہ اس طرح کے نقاب، پراسرار قسم کی خواتین قدیم اہل عرب اسلام میں نہیں پائی جاتیں۔ اسلام میں اس قسم کا ورثہ نہیں پایا جاتا۔

مگر میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ اگر کوئی خاتون اتنی حجاب والی ہیں۔ اگر وہ اپنے آپ کو سختی سے ڈھانپتی ہیں تو اس پر ان کے لیے کوئی حرج بھی نہیں ہے مگر پردے کا حکم دو چار مثالوں سے شروع ہوا کہ بنو قریظہ کے بازار میں ایک مسلمان عورت ایک یہودی کی دکان پر گئی۔ اس یہودی کی نیت خراب ہوئی اور پھر اس مسلمان عورت نے شور و غوغا کیا تو قریب سے ایک مسلمان گزر رہے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودی نے مرتے مرتے اپنے لوگوں کو آواز دی اور یہودیوں نے مل کر اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی۔ آپ ﷺ نے ان کو طلب کیا اور جواب طلبی کی تو انہوں نے کہا کہ یا محمد ﷺ اوہ عورت بھی تو باقی عورتوں کی طرح تھی، ہم کیسے پہچانتے کہ یہ مسلمان عورت ہے؟ یہ ایک پہلا قدم بنا اور مسلمان عورت کو ایک جداگانہ نشان مل گیا۔

ام المؤمنین حضرت سوہہ رات کو باہر نکلیں۔ ان کا قد لمبا تھا تو سیدنا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو پہچان لیا۔ حضرت سوہہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ میں رات کو باہر گئی تھی۔ عمرؓ نے مجھ پر آواز لگائی۔ حضور ﷺ خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ کی نیت یہ تھی کہ خواتین محترماً اس طرح نہ نکلا کریں، یہ کچھ ڈھانپ کے نکلا کریں۔ یہ عمرؓ کی نیت تھی تو اس وقت قرآن کی آیات اتریں اور گریبان ڈھانپنے کا حکم ہوا اور چادر سر پر لینے کا حکم ہوا مگر یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ عورتوں نے وہ تمام تر خدمات سرانجام دیں جو آج کل کی باقاعدہ ملازمی سرور انجام دیتی ہیں۔ یرموک کی چوتھوں کی فتح کم از کم تین مرتبہ عورتوں کی استقامت کی ممنون ہے اسی لیے کہتوں میں کام کرنے والیاں اور اسی طرح بہت ساری معاشرتی عورتوں پر اس قسم کی کوئی قدغن موجود نہیں تھی مگر پردہ

It should have been natural with the women. It should have been general with the women.

امریکہ میں لیڈی ڈاکٹر نے مجھ سے پوچھا کہ قرآن میں پردے کا کتنا حکم ہے؟ میں نے کہا، اتنا ہے۔ تو مجھے کہنے لگی، یہاں تو سارے لوگ بڑے شریف ہیں، اتنے نیک ہیں۔ آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتے تو یہاں آدمی اگر کھلا ڈھلا پھرے تو کیا حرج ہے؟ میں نے کہا دیکھو خاتون بات یہ ہے، میں تمہاری بات سمجھتا ہوں، مانتا ہوں۔ بہت نیک لوگ ہیں بلکہ

ہمارے پاکستان کے لوگوں سے بھی زیادہ نیک اور شریف لوگ ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ اگر میں دور کھڑا ہوں اور بہت ساری خواتین اکٹھی کھڑی ہیں تو آپ کو میں ان میں سے ہی ایک سمجھوں گا۔ ہاں اگر آپ نے حجاب لیا ہوا ہے، تھوڑا بہت اسلام ہے، سینہ ڈھانپا ہوا ہے تو میں بہت دور سے یہ سمجھ جاؤں گا کہ یہ مسلمان عورت ہے اور خواتین و حضرات! پھر ایک عجیب و غریب سا واقعہ پیش آیا کہ ایک ہوٹل میں کچھ حبشیوں نے دھاوا بول دیا اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ایک عورت نے حجاب پہنا ہوا تھا۔ وہ اس کے قریب آئے اور کہا:

Sister you are a Muslim you be on one side.

اس سے کم از کم پردے نے اس خاتون کو ڈاکوؤں کی لوٹ مار سے بچالیا۔

قرآن اور سائنس

سوال: آپ اپنی تقریروں میں قرآن کو سائنس سے بہت زیادہ ملاتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی بہت سی آیتیں غیر سائنسی ہیں۔ آپ قرآن کو اس طرح ڈی ویلیو کیوں کرتے ہیں؟

جواب: مسئلہ یہ ہے کہ بعض سائنسدان کہتے ہیں کہ آپ قرآن کو سائنس میں نہ نکالو اور قرآن والے کہتے ہیں کہ آپ اس کو سائنس کی نگاہ سے نہ دیکھو۔ یہ تقسیم اللہ کے نزدیک نہیں ہے۔ یہ تقسیم ہمارے نزدیک ہے۔

قطعاً ایسا نہیں ہو سکتا۔ سائنسز کی کیا مجال کہ قرآن کو ثابت کرے۔ سائنسز تو ابھی اس درجہ کمال تک نہیں پہنچیں۔ ابھی تو پروردگار کے بے شمار فرامین ایسے ہیں کہ سائنسز کو پتہ نہیں کتنی محنت اور ہمت کرنی پڑے کہ وہ خدا کے احکام کی وضاحت کر سکیں۔ بہت سے قوانین قرآن پہلے متشابہات تھے اب محکمت ہیں انہی علوم کی ترقی اور ترقی کی وجہ سے بدل گئے۔ اللہ عظیم بھی ہے، اللہ حکیم بھی ہے اور خدا حکمت کو اتنا پسند کرتا ہے بیوتی الحکمت من یشاء (سورۃ البقرہ آیت ۲۶۹) کہ جسے چاہتا ہوں حکمت عطا کرتا ہوں۔

خدا کہتا ہے بہترین بندے وہ ہیں جو صبح، دوپہر، شام میرا ذکر کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی تخلیقات پر غور کرتے ہیں۔ اگر آپ ان سب کو آپس میں ملا دیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصول علم کی وضاحت صرف سائنسز سے ممکن ہے، آسپ اور وسوسہ سے نہیں۔ انسانی حکمتوں میں خدا کے اصولوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ پھر اگر پروردگار عالم نے یہ فرمایا ہو کہ میں نے والسماء بنینہا باید وانا لموسعون (۵۱) (الذریات: ۴۷) ہم نے آسمانوں کو اپنے زور قوت سے بنایا۔ بازوؤں سے بنایا اور ہم انہیں وسیع کرتے جاتے ہیں۔ جب میں یہ آیت پڑھتا ہوں تو قرون وسطیٰ کی ساری سفارشات اور وضاحتیں پڑھتا ہوں۔ تو یہاں آیت کا مطلب لکھا ہوا ہے رزق کی کشائش۔ جب میں ”نائمغز“ کا ایک رسالہ دیکھ رہا ہوں جو آئن سٹائن کی صد سالہ برسی پر شائع ہوا تو اوپر لکھا ہوا ہے Expanding Universe of Einstein۔ کائنات اگر وسیع تر ہو رہی ہے اور قرآن اگر یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے کائنات بنائی اور اسے وسیع تر کر رہے ہیں تو اس کی وضاحت مجھے کوئی مولوی نہیں دے گا۔ اس کی وضاحت مجھے حکیم دے گا، اس کی وضاحت مجھے آج کا سائنس دان دے گا۔ قرآن کی جو اطلاع ہے اور قرآن کا جو سائنسی اور عملی اظہار ہے اس سے آج تک کسی بڑے سے بڑے فلسفی

سائنسدان اور دانشور نے انکار نہیں کیا۔ اگر قرآن نے یہ کہا وجعلنا من الماء كل شئی حی (سورۃ الانبیاء آیت ۳۰)۔ آج بھی اس کی تردید نہیں ہو سکتی۔

اگر قرآن نے یہ کہا کہ وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی (سورۃ فاطر آیت ۱۳) ہم نے چاند اور سورج مسخر کئے اور یہ تمام وقت مقررہ تک چل رہے ہیں تو آج بھی کوئی سائنسدان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو بات قرآن نے پندرہ سو سال پہلے بغیر کسی سائنسی تجربے کے کہی، وہ بالکل درست ہے۔

ہمارا حال برا کیوں ہے؟

سوال: احکام قرآن مجید اور سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں ہمارا حال بُرا کیوں ہو رہا ہے اور جو مسلمان نہیں ہیں وہ اوپر جا رہے ہیں اور ہم جو مسلمان ہیں وہ نیچے جا رہے ہیں؟

جواب: اصولاً اس زمانے میں شکوک و شبہات اور جدید میٹریکس کا اتنا دباؤ ہے کہ ہر مسلمان اس شک کا شکار ہو جاتا ہے کہ خدا محض ایک تصور ہے جب میں نے کہا کہ جواب دہی کا محور و مرکز اللہ نہ ہونے کی وجہ سے ہر وہ مسلمان جو بظاہر مسلمان ہے، ہم اس کو اس لیے مسلمان نہیں کہہ سکتے کہ اس کا نام مسلمانوں کا سا ہے بلکہ جب بھی ہم تفسیلات میں جائیں گے تو پتہ چلے گا کہ جیسے کمیونزم یا سوشلزم کی تحریکیں اس معاشرے میں آئی ہیں اور دیکھتے دیکھتے دو کروڑ مسلمان سوشلسٹ یا کمیونسٹ ہو گئے تو اس لحاظ سے جو اعتبار وہ اللہ پر رکھیں گے وہ فرضی اور تصوراتی ہوگا، حقیقی اور اصل نہیں ہوگا۔ میں نے آپ سے یہ بات کہنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کسی شک و شبہ فریب اور بلا کا شکار رہوں۔ آپ کو اتنی تحقیق ضرور کرنی چاہیے کہ آپ اللہ کے بارے میں غور و فکر کریں۔ سوچیں سمجھیں۔ یہ اعتراضات مشرق و مغرب دونوں طرف سے اٹھتے ہیں۔ آپ ان کا جواب تلاش کریں، آپ ان کی سچائی کی جھلک دیکھیں پھر جو آپ کا اعتبار ایک ایسے ایمان پر ہوگا جس کا آپ دفاع کر سکیں گے، اس لئے کہ قرآن حکیم میں اللہ نے خود ایک بند ذہن کے ایمان کی انتہائی مذمت کی ہے اور فرمایا ہے کہ ان شر اللہ اب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون (۸) (الانفال: ۲۴) کہ بدترین انسان میرے نزدیک وہ ہے جو غور و فکر نہیں کرتے، اندھے اور بہرے لوگوں کی طرح دین کو قبول کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ فرمایا کہ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے میری تسلیم کی تو یہ سن لو لیلہک من ہلک عن بینة و یحیی من حی عن م بینة ط وان اللہ لسمیع علیم (۸) (الانفال: ۲۴) کہ جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا، جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اب یہ سوال کہ آپ غریب ہیں اور اقوام عالم میں آپ کا درجہ کم ہے تو اس سے قطعاً مذہب کی غیر افادیت یا افادیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ وقت بہت پہلے بھی آچکا ہے جب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حضور ﷺ کفار مکہ کے بازاروں سے گزرتے تھے تو ریشم و کھواب اور بنات کی چادریں تنی ہوئی ہوتی تھیں اور گلہ بھی فرمایا حضور ﷺ نے کہ اے میرے پروردگار! کافروں کے تو بازار ساز و سامان سے بھرے ہیں اور محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لیے ایک وقت کا کھانا بھی نہیں تو حضور ﷺ پر قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ اے پیغمبر! اگر ایک مصلحت مانع نہ ہوتی تو ہم اہل کفر و شرک

کے درود یوار چاندی کے کر دیتے ہیں ان کی سیرھیاں چاندی کی کر دیتے اس لیے کہ اللہ نے اہل کفر سے کوئی وعدہ نہیں کیا مگر اس نے ایک جگہ پر فرمایا ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ جب مجھے نہ ماننے والے حشر کے میدان اور روز حساب تک پہنچیں تو مجھ سے گلہ کریں کہ ہم نے تجھ کو نہ مانا تھا تو انتقاماً تو نے ہمیں دولت دنیا سے بھی محروم کر دیا۔

شیخ کے بغیر تصوف میں کامیابی

سوال: کیا شیخ کے بغیر تصوف میں کامیابی ہو سکتی ہے؟

جواب: شیخ کا جو بنیادی تصور ہے وہ ایک قسم کا چرچا ہے۔ جیسے باقی مسلمانوں میں چرچا بنے ہوئے ہیں تو تصوف میں بھی چرچا پیدا ہوئے۔ سلاسل کی صورت میں۔ پیروں کی صورت میں۔ گدی نشینوں کی صورت میں۔ اور چونکہ اسلام میں کسی چرچا کا وجود نہیں اس لیے جذبہ خالص کے عروج میں اس کی حرکت میں اور وصال پروردگار میں کسی قسم کا کوئی چرچا حائل نہیں ہے۔ ابتدائے اسلام میں جب تصوف تبع تابعین سے شروع ہوا اور جو تبع تابعین کے تمام مقتدر صوفیاء تھے ان کے کوئی مرشدین نہیں تھے بلکہ ایک اصطلاح جو ان کے لیے استعمال کی جاتی ہے وہ صوفیائے الہیاء تھی۔ جیسے رابعہ بصری کا کوئی مرشد نہیں ہے۔ حسن بصری نے اگرچہ حضرت حسن ابن علیؑ سے ہدایات لیں مگر اس کے باوجود بیعت و رشد کا کوئی سلسلہ نہ تھا۔ اسی طرح حبیب عجمیؒ ہیں۔ جنید بغدادیؒ نے براہ راست کچھ درس حضرت سری سقطیؒ سے لیے تو پہلی مرتبہ ہمیں پیر و مرشد کا ایک تعلق نظر آیا۔ بایزید بسطامیؒ کا کوئی مرشد نہیں۔ تو مرشد کا ہونا لازم نہیں ہے مگر جہاں علم میں کمی ہو اور معاملات نفس پیچیدہ ہوں اور شدتِ حواس غالب ہوں وہاں استادوں کی ضرورت اعتدال کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

مصروفیات دنیا میں اللہ کیسے ترجیح اول ہو؟

سوال: آج کی اس مصروف دنیا میں سونے کا وقت ہمیں مکمل نہیں ملتا اتنی محنت درکار ہے۔ آپ نے جو

اللہ کو ترجیح اولیٰ بنانے کے لیے کہا فی زمانہ اس کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں ایک پارہ جب شروع ہوا تو فرمایا کہ اقل ما اوحی الیک من الکتب و

اقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر ط ولذکر اللہ اکبر (۲۹) (العنکبوت) (۴۵) کتاب کی تلاوت کرو اور امر اور نہی سے آگاہی حاصل کرو۔ دس منٹ گنتے ہوں گے۔ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ایک وقت اور ایک دن میں قرآن ختم کرو۔ اللہ نے کہا کہ چلو تھوڑا سا وقت۔ اگر دن میں تمہیں کام بہت ہیں تو رات کو مجھے یاد کر لیا کرو۔ اب زمانے ہی تبدیل ہو گئے ہیں۔ دن ہی بارہ بجے شروع ہوں گے تو پھر آپ کیا کرو گے۔ مگر اس کے باوجود میں یہ کہوں گا کہ اگر دن کا آغاز سورج طلوع ہونے سے نہ ہو۔ تو دو ہی صورتیں ہیں دن کے طلوع ہونے کی۔ ایک تو آپ سورج کو طلوع ہونا دیکھیں اور ایک اپنی آنکھ کو کھلتا ہوا دیکھیں۔ فرض کرو کہ آپ کی آنکھ ہی گیا رہ بارہ بجے کھلتی ہے تو اس وقت بھی آپ اس تھوڑے سے عرصے میں دس پندرہ منٹ اللہ کی کتاب کے لیے مخصوص کر لو۔ ایک صفحہ نہ سہی خواہ آدھا

ورق کرلو۔ ایک قول مبارک۔ اصحاب رسول کی عادت مبارک یہ تھی کہ کبھی کبھی ایک ایک کو سارا سارا دن پڑھا کرتے تھے۔ اس پر غور کیا کرتے تھے۔

یہ سٹم کی بات ہے۔ آپ دنیا کے کسی بھی مہذب ترین نظام کو دیکھیں تو کوئی بھی نظام ایسا نہیں جو اپنے اندر کچھ نہ کچھ پابندیاں نہ رکھتا ہو۔ چاہے وہ قطار میں کھڑا ہوا ہے۔ ان میں وقت بھی لگتا ہے۔ اگر آپ اللہ کو مانتے ہوں تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ اللہ کے قوانین سے بیک وقت اتفاق کر رہے ہوں۔ کوئی سٹم ایسا نہیں کہ جس سے لوگ اتفاق کر رہے ہوں۔ میں نے ایک امریکی سے پوچھا بھی تمہیں آج کا اپنا نظام بڑا پسند ہے، کہا نہیں یہ انتہائی واہیات ہے۔ ہم نے تو انگریز کے خلاف اس لیے بغاوت کی تھی کہ انہوں نے بہت ٹیکس لگائے ہوئے تھے۔ آج ان لوگوں نے ہم پر وہی ٹیکس لگائے ہوئے ہیں۔

تو تمام سٹم کو پسند نہیں کیا جا سکتا۔ نہ کوئی بندہ اس سارے سٹم کو پسند کرتا ہے لیکن اگر ہم اللہ کے بندے ہیں، اللہ کا کلمہ پڑھنے والے ہیں اور خداوند کریم کو اپنا رب تسلیم کرتے ہیں تو اس سٹم میں جو واحد چیز ہماری زندگیوں میں مداخلت کرتی ہے وہ نماز ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ نماز ہر حالت میں ہر انداز میں پڑھی جا سکتی ہے۔ آپ اندازہ کرو کہ اس لازم ترین نماز میں بتیس رخصتیں ہیں۔

بعض اصحاب کے نزدیک بعض مسائل ایسے ہیں کہ جن میں ہم اس لیے ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ایک فقہیہ کہتا ہے کہ اڑنا لیس میل پر کسر ہے۔ ایک فقہیہ کہتا ہے اٹھارہ میل پر کسر ہے۔ مگر جب ہم قرآن و حدیث کو براہ راست پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہر سے باہر نکلے تو حکم آگیا، واپس آ جاؤ تو آپ نے کہا ٹھہرو میں کسر پڑھ لوں۔ تو اصحاب نے عرض کیا کہ علیؑ ابھی تو یہ مدینہ کے مکان نظر آ رہے ہیں، فرمایا ابھی ہم داخل تو نہیں ہوئے۔ اور اگر آپ فقہ عمرؓ کو اٹھا کر دیکھو تو حضرت عمرؓ ہر تین میل پر کسر کرتے تھے۔ اب اگر آپ کے ذہن میں ایک سادہ سا سوال ہو، سوچنے سمجھنے اور دین کی فہم کا اور اگر میں آپ سے سوال کروں کہ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اٹھارہ میل پر کسر ہے اور ایک صاحب فرماتے ہیں نہیں، اڑنا لیس میل پر کسر ہے تو سترہویں میل پر آپ کس حال میں تھے۔ سفر میں ہی تھا بھی۔ بارہویں پر بھی سفر ہی میں تھا اور مجھے یہ بتانے کا ایک عام فہم سا سوال ہے کہ کسر سفر پر آئی ہے کہ میل پر آئی ہے تو پھر آپ کے بہت سارے مسائل جو ہیں غور و فکر سے اتنے آسان ہو جائیں گے کہ دین کبھی بھی آپ کو مشکل نہیں لگے گا۔

خداوند کریم نے قرآن حکیم میں فرمایا مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى (طہ: ۲۰) ہم نے قرآن کو مشقت کے لیے نہیں اتارا۔ اس چھوٹے سے دعویٰ کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں اگر تمام سٹم بھی سہولتیں پیش کریں تو قرآن زندگی گزارنے کے لیے اس سے زیادہ سہولتیں پیش کرتا ہے لیکن اگر آپ کو اس دور حاضر میں قرآن کا عذاب پہنچ رہا ہے، تکالیف پہنچ رہی ہیں، سزائیں پہنچ رہی ہیں۔ اس کی آسانیاں نہیں پہنچ رہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی فقہ ناقص ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ فہم فراست جو آپ کو قرآن کی تفہیم کے لیے چاہیے وہ ابھی پوری نہیں ہوئی۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آج تو آپ زندہ ہو، ہمیں قرآن میں مشکلات ہوتی ہیں تو ہم تمہارے پاس چلے آتے ہیں اور تم سے پوچھ لیتے ہیں۔ کل جب تم نہیں ہو گے تو ہم قرآن کیسے سمجھیں گے۔ ذرا ملاحظہ

فرمائیے یہ سوال کہ ہم قرآن کیسے سمجھیں گے؟ کیا قرآن کو سمجھنا مشکل ہے؟ تراجم پڑے ہیں اور پھر ساری زندگی پڑی ہیں۔ پھر بھی وہ شخص سوال کر رہا ہے کہ آج تو تم زندہ ہو۔ تم فقیر ہو اور اگر تم کل کو نہ ہوئے تو ہم قرآن کو کیسے سمجھیں گے۔ فرمایا اللہ قرآن یفسر الزمان ہر زمانہ قرآن کی اپنی تفسیر کرتا ہے۔ اس لیے کہ مسائل جدا ہوں گے۔

مسائل یہ کہ آپ جہاز میں بیٹھے ہوں۔ اگر فرض کرو کہ فقیر یہ کہتا ہے کہ فرائض نیچے اتر کے پڑھنے ہیں تو میرا خیال ہے کہ آپ جہاز سے بڑی آسانی سے نیچے اتر سکتے ہو اور ہمیشہ کے لیے نماز سے فارغ ہو سکتے ہیں۔ تو یہ ضروری ہے کہ ہم فقیروں کو بطور فقیر ہی سمجھیں۔ پہلے ایک فقیر ایک قوم کا ہوتا تھا۔ ایک شہر کا ہوتا تھا۔ کیا عجیب بات ہے کہ اہل سنت فرماتے ہیں ہمارے چار امام ہیں۔ اثنا عشری اپنا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اگر چار امام اہل سنت ہی کے ہیں تو ایک سنی دوسرے امام کی بات کیوں نہیں مانتا؟ حنفی جو ہے شافعی کی بات کیوں نہیں مانتا؟ شافعی جو ہے حنابلہ کی بات کیوں نہیں مانتا؟ مالکیہ کی کیوں نہیں مانتا؟ اس لیے کہ ہم نے آسانیاں حاصل کرنا نہیں سیکھا۔ ہم مذہب کو جنون کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔ اگر اللہ مجھے ایک سہولت بخش رہا ہے میں کتنا متکبر ہوں گا کہ اس سہولت کا انکار کروں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ یہ جو قضا آئی ہے یہ جو سفر آیا ہے جس میں کمی بھی اللہ کے صدقات ہیں۔ میرا تجاہل دیکھو میں اللہ سے کہتا ہوں تیرا صدقہ مجھے قبول نہیں۔ ادھر ادھر سے اپنے تقویٰ و طہارت کا ثبوت دینے کے لیے حضرت پوری نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح کی حماقتیں مذہب کو پیچیدہ کرتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا زمانہ جب گزر گیا تو حضرت عمر فاروقؓ بقید حیات تھے تو کسی نے پوچھا حرج کیا ہوتا ہے۔ تو فرمایا کہ یمن کے کسی چرواہے کو بلاؤ اور پوچھو کہ حرج کیا ہوتا ہے اور جب اسے بلا یا گیا اور پوچھا گیا کہ حرج کیا ہوتا ہے تو اس نے کہا ہمارے ہاں جانور ایک جھاڑی کھاتے ہیں اور وہ جھاڑی کھانے چنگنے کے قابل ہوتی ہے مگر اس کے ارد گرد کانٹے اتنے آگ آتے ہیں کہ جانور کی زبان اس کے دانت اس ٹہنی تک نہیں پہنچتے۔ ہم اسے حرج کہتے ہیں۔ اس کا مطلب بڑا واضح ہے کہ جب آپ کا دل علم کی بات قبول نہ کرے گا اور اس کے ارد گرد مقامی علاقائی طبقہ ہائے فکر کے تعصبات کے انبار لگے ہوں گے تو رب کعبہ کی قسم ہے آپ کبھی علم حاصل نہیں کر سکتے۔

دنیا میں جن گناہوں سے ممانعت ہے جنت میں انہی کی ترغیب

سوال: خدا تعالیٰ کی یہ کیا حکمت ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ جن گناہوں سے روکتا ہے جنت میں انہی کا لالچ

دے رہا ہے؟

جواب: ماشاء اللہ سوال بڑا خوبصورت اور فطری ہے مگر آپ کا سوال ہی آپ کا جواب ہے کہ اگر ایک شخص نے بدکاری کا دھیان آتے ہوئے اور موقع ملتے ہوئے اپنے آپ سے یہ کہا کہ اے اللہ! یہ فریضہ مجھے بے پناہ مرغوب ہے مگر چونکہ تو نے دنیا میں ممانعت قرار دی ہے میں اس کے بدلے جنت میں تجھ سے فراغت اسی عمل کی حاصل کروں گا۔ آپ کے تمام اعمال ترغیب وار ہیں جیسے تین بڑی کہشائیں ہیں۔ ان میں سے ایک ایک جنت کی چوڑائی زمینوں اور آسمانوں کی طوالت سے زیادہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ساتوں کائناتیں جب ختم ہوتی ہیں تو ان کے اوپر

ایک ما قابل تصور حسن ہے۔ ایک بے مثال خوبصورتی ہے اور اس میں خواہشات کے توازن کو اس طرح رکھا گیا ہے۔ اب مجھے یہ بتائیے کہ زمین پر اگر طریقہ تولید یہ ہو جو ہم میں ہے تو جنت میں طریقہ تولید کچھ اور بھی تو ہو سکتا ہے۔ یہ جو ہماری دنیا ہے اس قسم کی دنیا ہماری اس پوری گلیکسی میں وجود نہیں رکھتی۔ اس دنیا کو بنانے کے لیے غیر فطری قوانین بنائے گئے۔ یہ فطری قوانین نہیں ہیں۔ آپ کی زندگی کے لیے پروردگار عالم نے باقی گلیکسی آرڈر سے ہٹ کر قوانین بنائے۔ اگر ایک لاکھ میل سورج ادھر ہو جائے اور ایک لاکھ میل سورج ادھر ہو جائے تو ادھر زندگی جل جائے گی، ادھر منجمد ہو جائے گی۔ اگر چاند نہ ہو تو بہت سارے انسانی اعمال منفعیل ہو جائیں۔ اگر خداوند کریم نے انہی اطراف سے انہی شعاعوں سے پہاڑوں میں دو ارب سال پہلے سیسہ کو بلور (Crystal) میں نہ بدلا ہوتا تو آج آپ یورینیم نہیں نکال سکتے تھے۔ تو یہ سارے حالات مصنوعی ہیں۔ اب سوال کا گمان اس چیز پر ہے کہ شاید یہی طرز حیات وہاں موجود ہوگا۔

جنت میں آپ قدیر ہوں گے۔ آپ نے خیال کیا، آپ کو چیز مل گئی۔ آپ نے پھلوں کا سوچا، پھل آپ کے پاس آگئے۔ یہ تصرف فی الوجود آپ کو جنت میں عطا ہوگا کہ چاہوں تو درخت اگالوں، چاہوں تو ستر حوریں بنا لوں۔ جو چاہے کر لوں۔ جس طرح کی چاہے زندگی گزار لوں۔ تمہیں اب تصرف فی الوجود عطا ہوا ہے اور اتنی بڑی کہکشاؤں میں اس تصرف کے بغیر گزارہ بھی نہیں ہو سکتا۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے زندگی میں زبان سے ایک مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کہا، اس نے جنت میں اپنے گھر میں ایک درخت لگایا۔ تو یہ تسبیحات یہ ذکر الہی جو اب آپ کرتے ہو اور جن سے آپ صلہ مانگتے ہو، اگر آپ نے اس دنیا کو نہیں چھوڑنا اور وہاں بھی آپ نے اسی قسم کے صلے مانگنا ہیں تو سو بسم اللہ۔ پھر جنت میں اللہ میاں آپ کو آزر دہ تو نہیں رہنے دے گا۔

خدا شناس، صوفی یا ولی کیسے پہچانا جائے؟

سوال: آج کے زمانے میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جن کی بہت سی تہنیفات ہیں اور ہزاروں لوگ جن کے پاس صبح و شام حاضر ہوتے ہیں۔ وہ کیا طریقہ ہے جس سے پہچانا جاسکے کہ یہ شخص خدا شناس ہے، صوفی یا ولی ہے؟

جواب: یہ دراصل بڑا مشکل سوال ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے بھی پوچھا تھا کہ کچھ تو پڑھے لکھے لوگ ہیں، بڑا غور و فکر کرتے ہیں، خدا کے رستے کو پہنچ جاتے ہیں۔ پھر وہ شناخت کے قابل ہو جاتے ہیں اور اللہ تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے:

ان کی حریم ناز کہاں اور ہم کہاں
نقش و نگار پردہ در دیکھتے رہے

مگر جس شخص کو اتنی اہلیت حاصل نہ ہو، اتنی شناخت حاصل نہ ہو تو وہ کیا کرے گا تو میں نے کہا کہ دیکھو اخلاص تجسس و جدان کے رستوں کو کشادہ کرنا ہے اور حریم ناز تک پہنچانا ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ خیال ہو کہ میں اس قابل نہیں ہوں تو پھر اس کو کوئی نہ کوئی خدا شناس تلاش کرنا پڑتا ہے مگر مقاصد تو دونوں کے ایک ہیں۔ جب آپ کا دل

مضمین ہو کہ اس استاد سے ملی ہوئی راہ مجھے خدا کے قریب پہنچا رہی ہے تو وہ استاد ٹھیک ہے مگر جس استاد کو ملنے کے بعد یہ خیال ہو کہ میں اس استاد سے برسوں آگے کبھی بڑھ ہی نہیں سکتا اور اگر یہ تصور شیخ کی خرافات جو اگر آپ کے ذہن میں شامل ہو گئیں تو پھر لامحالہ آپ اپنے مقام سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ان تمام باتوں کا فیصلہ وہ آرزو کرتی ہے جو آپ کے دل میں ہے۔ وہ آپ کی قوت فیصلہ کو متحرک کرتی ہے۔ فرض کرو آپ بیس برس ایک استاد علم و فکر کے ساتھ رہے اور بیس سال کے بعد آپ نے محسوس کیا کہ میں تو خدا کے کہیں پاس بھی نہیں پہنچا۔ زیادہ سے زیادہ انہیں حضرت کے پاس ہوں تو پھر میرا خیال ہے کہ آپ کو یہ یقین ہو جائے گا کہ میرا یہ رسمتہ مناسب نہیں تھا۔

مجھے ایک صاحب ملے جو ایک بہت بڑے بزرگ اور دعویٰ کنناں بزرگ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ مجھے دیکھیے جی کہ مجھ میں اہلیت شناخت موجود ہے۔ فرمایا کہ تم تو قطب کے مقام سے گزرنے والے ہو۔ حضرت فوراً بیعت ہوئے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے قطب کی پہچان کی تو وہ صاحب قطب الاقطاب تھے۔ پھر آٹھ سال گزر گئے فرمایا حضرت وہ قطب والی بات تو میں نے اپنے میں کوئی بھی نہیں دیکھی۔ آپ نے تو فرمایا تھا کہ میں قطب کے مقام سے گزروں گا۔ انہوں نے کہا کہ بھی ہم تو عطا کرتے تھے تم میں اہلیت ہی نہ تھی۔ اگر ہر مرشد گرامی نے آٹھ دس سال کے بعد آپ کو یہی کہہ دینا ہے تو میں آپ کو ایک بات بتا دوں اس میں سال نہیں گتے، مہینے نہیں گتے۔ میں خدا کی طرف سے بڑی آسانی سے قسم اٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ جس کا پہلا قدم اللہ کی راہ میں اٹھتا ہے خدا سے پہلے قدم سے پہلے آن لیتا ہے۔

عالم دین کا انداز

سوال: ننو آپ نے واڑھی رکھی ہے نہ آپ کا لباس ویسا ہے۔ آپ کس طرح کے عالم دین ہیں؟
 جواب: لاہور شہر کو میں اپنے لیے بڑا محترم جانتا ہوں کہ اس شہر میں ہمیں ابتدائی طالب علمی کی حالت میں تھا۔ بڑا گھومتا تھا، بہت پیدل چلا۔ بہت ساری جماعتوں سے گزرے۔ بہت ساری تعلیمات سے مستفید ہوئے۔ تو میں نے اکثر خیال کیا کہ اللہ کو اس وقت میری کون سی چیز پسند آئی۔ میں نے پورے اٹھارہ سال لاہور میں کبھی شلوار قمیض نہیں پہنی۔ پتلون ہی میں رہے۔ جیکٹس ہی میں رہے سوٹ میں رہے۔ اب میرا اعتبار اس چیز سے اٹھ گیا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر ان اٹھارہ برسوں میں جہاں میں پروردگار کے حضور میں استعداد کرنا رہا اور میں نے علم و حکمت کا جو کچھ میرا حصہ تھا، میں نے اللہ کے حضور سے وصول کیا تو کیا وہ میرے شلوار قمیض اور میرے کوٹ پتلون پہننے سے ماریاں ہو جائے گا یا میرے لباس کی تبدیلی سے وہ ماریاں ہو جائے گا؟ یہ میرے ذہن میں آج تک نہیں آیا کہ کسی لباس کی قید میں تصوف بھی چھپا ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کی نیتیں اور اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

معاف کیجیے گا میں آپ کی توہین نہیں کرنا چاہتا۔ نہ آپ میں سے کسی بزرگ کے مراتب کم کرنا چاہتا ہوں مگر میں آپ سے اتنا ضرور کہوں گا کہ میں انتہائی کٹر مسلمان ہوں اور یہ میں اس لحاظ سے کہتا ہوں کہ میں نے اتنا سوچ سمجھ کے اسلام قبول کیا ہے اور اتنے متضاد خیالات کے درمیان ایک سخت ترین چناؤ سے میں نے اسلام قبول کیا ہے کہ میں خدا کی قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اپنے مسلمان ہونے پر کسی طبقہ خیال کی معمولی سی آمیزش بھی گوارا نہیں۔ میں نہ دیوبندی نہ

بریلوی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں اپنی قبر تک صرف مسلمان کی حیثیت سے پہنچ جاؤں تو میں حضرت علیؓ کی طرح موت کے وقت یہ کہنے میں کامیاب ہوں گا کہ خدا کی قسم میں آج کامیاب ہوا۔ اگر میں ایک مسلمان ہونے کے تشخص سے اپنی قبر تک پہنچ جاؤں۔

اللہ کے دوست صرف اسلام میں ہی کیوں؟

سوال: لوگوں نے آج کل اللہ کو ڈھونڈنے کے بہت سارے طریقے نکال رکھے ہیں جس میں یوگا وغیرہ شامل ہیں۔ اگر یہ سب خدا شناس ہیں تو مسلمانوں کا اس میں کیا درجہ ہے؟

جواب: میں قرآن کو مانتا ہوں۔ میں عیسائیت کو مانتا ہوں، میں بدھ ازم کو مانتا ہوں۔ میں ان سارے مذاہب کو مانتا ہوں۔ میرے پاس کوئی وجہ نہیں ہے کہ میں توریت مانوں اور انجیل نہ مانوں۔ انجیل مانوں اور قرآن نہ مانوں۔ میرے پاس کوئی ایسی وجہ نہیں ہے کہ میں قرآن کے بغیر مذہب کی تاریخ مکمل کر دوں۔ جب مجھے قرآن کو شامل کرنا ہے تو مجھے اس بات کی تصدیق حاصل کرنی ہے کہ قرآن ان آیات کو اپناتا ہے یا نہیں۔ قرآن کہتا ہے میں نہیں کہتا۔ ثم بحرفونہ من بعد ما عقلوہ و ہم یعلمون (۲) (البقرہ: ۷۵) ان میں کچھ سچ ہے، کچھ غلط ہے۔ ان کم سختوں نے دنیاوی وجاہتوں اور مال و عزت کی خاطر میری آیات بدل دی ہیں۔ اب میں ان کو نہیں اپناتا۔ میں اسی کتاب کو اپناؤں گا جس کے ایک ایک لفظ کی میں نے خود حفاظت کی ہے۔ انا نحن الذکر وانا له لحفظون (۱۵) (الحجر: ۹) یہ قرآن ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

آپ باقی مذہبوں میں مسیحائی کی کوئی گنجائش ڈھونڈتے ہیں کہ چلو یا رکسی تبت کے لامہ کو ولی سمجھ لو۔ چلو کسی افریقہ کے شامان کو ولی سمجھ لیں مگر ایک چیز کے بارے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے بعد کسی مذہب میں کوئی اللہ کا دوست نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس لیے کہ پہلی مرتبہ اللہ کریم نے کہا ان الدین عند اللہ الاسلام (سورۃ آل عمران آیت ۱۹) کہ اب ہمارے نزدیک صرف ایک دین ہے اور وہ اسلام ہے۔ آگے جا کے اس کی مزید وضاحت فرمائی اور کہا ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه (۱۳) (آل عمران: ۸۵) اگر اب تم میرے پاس اسلام کے علاوہ کوئی دین لے کے آئے تو میں اسے قبول نہیں کروں گا۔

ایک شاعر کتنا ہی پھلپچر ہو مدتیں گزر جائیں، طبع آزمائی کرنا کرنا کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی خوبصورت شعر کو تخلیق کر لیتا ہے۔

تیرے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا

کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

تو کہیں نہ کہیں کوئی ایسا شعر تخلیق کر لیتا ہے۔ ہر علم کا ایک تصوف ہے۔ وہ چاہے سائنس ہو۔ اس کا ایک سلسلہ مدارج ہے جس کا ایک اپنا مقام ہے۔ تمام علوم کی ایک ایسی ہی مخصوص حیثیت ہے۔ جب ہم تزکیہ نفس کرتے ہوئے تبت کے ایک لامہ کو دیکھتے ہیں کہ بیس ہزار فٹ کی اترائی پر استغراق حاصل کر رہا ہے شراق (Telepathy) کے لیے تو

ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے نفس کے ارتقاء سے اتنا بلند ضرور ہو جائے گا کہ کوئی نہ کوئی صفت اس میں پیدا ہو جائے مگر تصوف نہیں ہے۔ تصوف میں اور ان تمام علوم میں ایک بنیادی فرق ہے۔ صوفی خدا کے لیے ہے، خدا کی خاطر اپنے نفس کے تمام ارتکازات کو ختم کرنا ہے اور باقی تمام جگہ میں جس کو آپ صوفی اشرافیہ کہتے ہیں، ایک تصوف ہے اور ایک صوفیانہ رویہ ہے۔ پُراسراریت جس کا ہر ذہن تمنا کرتا ہے، وہ چاہے یوگا میں ہو، لامائی اداروں میں ہو۔ وہاں لوگ کچھ قوتوں کے حصول کے لیے نفس کے حق میں ارتکاز کرتے ہیں اور تصوف میں واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الہوی (سورۃ النزعۃ، آیت ۴۰) خدا کی حمایت میں نفس کے خلاف ارتکاز ہوتا ہے۔

یہ بہت بڑا فرق ہے جو آپ کے ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ صوفی خدا کے حق میں نفس کے خلاف جدوجہد کرتا ہے اور باقی تمام علوم کے ارتکاز میں لوگ اپنے حق میں نفس کے ارتکاز میں جاتے ہیں۔ اس لیے ان میں سے کوئی صوفی نہیں ہو سکتا۔ مجھے ایسے ہی سلسلے کے ایک شخص سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم بڑی بڑی روحوں کو جمع کرتے ہیں۔ پھر ایک دن تشریف لائے، فرمایا کہ کل ہم نے آپ کے حضور ﷺ کو بلایا تھا۔ میں نے کہا، سبحان اللہ ہمارے رسول ﷺ کو بلایا تھا؟ یہ ارواح کو جمع کرنے کے اس قسم کے تمام چبکرا اس بکھرے ہوئے ذہن کی پیداوار ہیں کہ جب وہ سچائی کو نہیں پاتا تو جب ایک شخص اپنے مرشد کی باتیں برسرِ ریاضت کرتا ہے عبادت کرتا ہے اور آخر میں اس کو انکشاف ہوتا ہے کہ مرشد تو بالکل خالی ہے۔ میں تو بالکل ہی جھک مارنا رہا تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ میرا مرشد خالی ہے، وہ یہ نہیں کہے گا کہ میرا مرشد خالی ہے، وہ یہ نہیں کہے گا کہ میرا مرشد بے کار نکلا، احمق نکلا بلکہ وہی لبادہ مکروفریب جو اس کے استاد نے پہنا ہوا ہے، وہ اپنے اوپر پہن لیتا ہے تاکہ رسم مکروفریب آگے چل سکے۔

کیا مذہب بنیادی طور پر Impractical ہے؟

سوال: ایک شخص ایمانداری سے اپنی زندگی میں نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے اور پوری ایمانداری سے قرآن سمجھنے کی بھی کوشش کرتا ہے، لیکن جب اس کی زندگی میں فیصلے کا کوئی وقت آتا ہے جیسے بیٹی کی شادی، دوسری شادی، تقسیم جائیداد جہاں پر وہ اپنے خاندان کو یا اپنے معاشرے کی پیروی کرتا ہے تو کیا آپ کو ایسا نہیں لگتا کہ مذہب بنیادی طور پر Impractical ہے؟

جواب: میں نے لیکچر بھی اسی بات پر دیا ہے کہ سارا سلام Literal ہے، پر یکینکل نہیں ہے۔ بلکہ کلمہ پڑھنے کے بعد مسلمان کی جدوجہد یہی ہوتی ہے کہ میں Literal سے پر یکینکل کو آؤں۔ جو میرا ایمان ہے۔ اگر میں اپنے اللہ پر یقین رکھتا ہوں تو پھر اسے میرے جھوٹ میں مداخلت کرنی چاہیے۔ میرے قبضہ غاصبانہ میں اسے مداخلت کرنی چاہیے۔ میں اگر اللہ کو جو ابدا ہوں تو میرے رشتوں، ماطوں میں اللہ کو مداخلت کرنی چاہیے۔

یہ میرے ایمان کی بات ہے کہ ایک دفعہ ایسے ہی ہوا۔ میری بہن کی شادی تھی اور ایک مجلس بیٹھی ہوئی تھی تو مجھے کسی نے آکے کہا کہ میری بہن اس شادی پر ناخوش ہے اور اس میں اس کی مرضی شامل نہیں۔

ادھر تین سو چار سو مہمان آئے ہوئے تھے۔ میں نے کہا کیا تمہیں پورا یقین ہے؟ تو اس نے پھر کہا، وہ راضی

نہیں۔ یہ سن کر میں بہن کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم اس شادی پر راضی نہیں، لیکن خدا نے تمہیں یہ حق بخشا ہے اور میں تمہیں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ یہ تین سو مہمان میری نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، یہ کھائیں پیئیں گے۔ وہ میرے مہمان ہیں۔ وہ کھاپی کر چلے جائیں گے مگر تیرے بارے میں میں زیادتی نہیں کر سکتا۔ تو میرے بڑے بزرگ آگئے اور ان سب نے کہا، ”جی نہیں، نہیں جی! ایسی طرح ہوندا ای اے۔“ میں نے کہا دیکھیں۔ ایک بات آپ کو بتا دوں۔ تمہاری بزرگیاں وجل و فریب پر مشتمل ہیں۔ اب ایک طرف خدا کا قانون کھڑا ہے اور ایک طرف تمہاری بزرگیاں۔ اور قرآن میں اللہ نے مجھے وضاحت سے حکم دیا اور میں اس وقت اس کا پیٹن ہوں اور مجھے اللہ نے کہا کہ اگر تمہارا باپ اور بھائی بھی غلط بات کرنے کو کہیں تو اللہ کی ماننا، ان کی نہ ماننا۔ یہ سن کر سب چپ ہو گئے۔

اگر آپ اتنا فیصلہ کر لو کہ دن میں ایک ہی بات اللہ کی ماننا ہے تو آپ اچھے مسلمان بن جاؤ گے۔ صرف ایک بات۔ ایک صدقہ ایک خیرات۔ ایک اچھی بات۔ آپ اگر اتنا ہی فیصلہ کر لیں۔ ابتداء میں تو اتنا ہی بڑا ہوتا ہے کہ میں نے تو صرف ایک مسئلے پر اللہ کی بات ماننا ہے۔

جہاد

سوال: جہاد اور تشدد میں کیا فرق ہے؟

جواب: جہاد کی اسباب کے ساتھ اپنے سے بالاتر قوتوں سے جنگ کرنا اور اپنی کمی اسباب کو خدا کی مدد سے پورا کرنے کا نام ہے اور جو دہشت گردی ہے یہ انسانوں کا اپنی جہنموں کے تحت انسانوں کو جواب ہے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ حق بجانب ہے مگر اسلام کے نقطہ نظر سے نہیں۔

جب آپ ایک گھر کو لوٹتے ہو، اسے تباہ کرتے ہو، اسے برباد کرتے ہو۔ ان کے غم و غصہ کی پروا نہیں کرتے ہو تو پھر ان میں سے کوئی چنگاری آپ کے خرمن کو بھسم کر جائے تو عین ممکن اور جائز ہے۔ آپ تھوڑے سے عرصے کے لیے تو کسی کو ذلیل و رسوا کر سکتے ہو مگر ایک طویل عرصے کے لیے کسی بھی قوم کو ذلیل و رسوا نہیں کر سکتے۔ اس کا رد عمل آپ سے زیادہ خوفناک صورت میں سامنے آ سکتا ہے مگر اسلام اس قسم کی کسی بھی چیز کی حمایت نہیں کرتا۔ اسلام انقلاب نہیں ارتقاء ہے۔ اسلام دہشت گرد نہیں تیار کرتا ایک پوری قوم جہاد کے لیے تیار کرتا ہے۔ اسلام میں فرد کی اس طرح کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات ایک پوری قوم کو ایک ایسی جدوجہد کے لیے تیار کرتی ہے جو بالآخر فاتح عالم ہوتے ہیں۔

میں آپ کو جزل ٹومی فرینکس کا اقرار سنا رہا ہوں کہ ہم نے عراق جنگ پیسے دے کے جیتی۔ ہم نے عراقی فوجیوں اور جرنیلوں کو رشوتیں دیں اور ان سے گارنٹی طلب کی ہے کہ جنگ کی صورت میں آپ کس کا ساتھ دو گے تو انہوں نے پیسے لے کے ہمیں عہد دیا ہے کہ ہم آپ لوگوں کا ساتھ دیں گے۔ اس کے نمائندے جو ہیں ہم انہیں مسلمان کہتے ہیں۔

اسلام تو اس چیز کا قائل ہے کہ آپ کے اندر خدائی شعور ایک خدائی محبت پیدا ہو۔ ایمان کی دو بڑی علامات یہ ہیں کہ اگر جنگ لڑو تو اللہ کے لیے۔ دشمنی رکھو تو اللہ کے لیے۔ اور دوستی رکھو تو اللہ کے لیے۔ اور دوسری علامت یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت اپنی جان سے اپنے مال و دولت سے اپنے اناٹوں سے اپنی آل و اولاد سے زیادہ ہو۔ میرا خیال ہے ہمیں

بھی دیکھنا چاہیے کہ ہم ایمان کی ان دو قسموں کے ساتھ کہیں موجود ہیں یا نہیں۔ خدا کے انتخاب کڑے ہوتے ہیں۔

تفسیر قرآن

سوال: میں مذہب کو جہاں آج سے سو سال پہلے دیکھتا ہوں تفرقے کے لحاظ سے جماعتوں کے لحاظ سے مکتب اور مسلک کے لحاظ سے۔ آج بھی اس کو وہیں دیکھتا ہوں۔ کیا کوئی ایسی تفسیر قرآن موجود ہے جس سے سب استفادہ کر سکیں؟

جواب: موصوف نے بڑا صحیح مسئلہ پیش کیا ہے اور چونکہ فرقے بھی اتنے زیادہ ہو گئے ہیں۔ مگر باتیں اتنی زیادہ ہو گئیں کہ جب ہم کسی تفسیر کو پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تو بڑی مشکل پڑتی ہے۔ اس کا ایک بہت سادہ ساحل جو میں نے اپنی زندگی کی ابتداء میں ڈھونڈا تھا وہ یہ ہے کہ میں نے قرآن کو اس طرح دیکھنے کی کوشش کی کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ دیکھا کرتے تھے۔

خوش قسمتی سے ہمارے پاس احادیث موجود ہیں۔ اصحاب رسول ﷺ کے روئے موجود ہیں اور وہ اتنے مکمل ہیں کہ اس کے بعد قرآن حکیم میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ قرآن اب بھی موجود ہے جس کو تفسیر بالحدیث کہتے ہیں۔ یہ ”فوائد سلفیہ“ کے نام سے بھی مشہور ہیں اور ”اشرف لخواشی“ بھی اسے کہتے ہیں۔ اس میں قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کے ساتھ بالکل اسی طرح تفسیر تھی جس طرح رسول اللہ ﷺ سے اصحاب نے سیکھی، لیکن جب اس کے نیچے آیا تو وحید الزمان وحیدی کی تفسیر تھی۔ میں نے کوشش یہ کی کہ صرف اس تفسیر تک رہوں جیسے اصحاب رسول ﷺ نے قرآن کو سمجھا تھا تو میرا خیال ہے کہ مجھے اس کے بعد سے ابھی تک کوئی قرآن کی تفسیر میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ آپ اس تفسیر کو دیکھ لیں تو بہت سارے آپ کے شکوک و شبہات انشاء اللہ تعالیٰ دور ہو جائیں گے۔ آپ فرقہ وارانہ تقاسیر نہ پڑھو۔ آپ صرف وہاں تک رہو جیسے اصحاب اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر بیان کی ہے تو آپ کو خاصی وضاحتیں نصیب ہو جاتی ہیں۔

غیبت

سوال: غیبت کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے؟

جواب: غیبت غیاب سے ہے۔ پورے کے پورے غیبت کے باب میں صرف ایک معافی ہے کہ اگر کوئی مظلوم کسی ظالم کی غیبت کرے تو اس کی اجازت ہے اور کسی کو نہیں۔ وہ اگر پکار کر کہے یا چھپا کے کہے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی نے ایک اور گنجائش کی ہے۔ اس سے کم از کم صحافیوں کے لیے گنجائش موجود ہے کہ حاکم وقت کی خطا کاریوں کا تذکرہ کرنا اور ان پر ناراضگی کا اظہار کرنا۔ یہ غیبت بھی معاف ہے۔

اصل میں غیبت ان گناہوں میں سے ہے کہ جو باطنی رجحانات کو مسخ کر دیتے ہیں۔ غیبت مقدر پر شکوہ طرازی کا نام ہے۔ غیبت مقابلتا اس تقدیر پر اعتراض کرنا ہے جو آپ کی بجائے کسی اور کے نصیب میں ہے۔ صفاتی اور عددی اعتبار

سے غیبت ظاہر گناہوں سے بہت بڑا گناہ ہے۔ غیبت والا ہمیشہ خدا سے غیاب میں رہتا ہے اور کبھی اس کی حضوری کی صفات نہیں پاتا اس لیے یہ بڑے گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔

لوگ بعض اوقات تفسن کی خاطر غیبت کی نشستیں جمالیتے ہیں مگر ایک بات یاد رکھیے گا کہ آٹھ ماہ سے بیٹھ کے ایک دوسرے کو تفسن کی خاطر صفات گنوا دیں یا خرابیاں بتا دیں اس کو غیبت نہیں کہا جائے گا۔ ایسی غیبت جس کا اس کو پتہ ہے کہ میری غیبت اس ضمن میں ہو رہی ہے اس کو غیبت نہیں کہتے، لیکن معاملہ نازک ہے۔ اس میں اصل نقصان یہ ہے کہ غیبت کرنے والا دوسرے بندے سے اس چیز کا گلہ کر رہا ہوتا ہے جو خدا نے اسے عطا کی ہوتی ہے اور یہاں شکرگزاری اور تقدیر کا گلہ ہوتا ہے اس لیے یہ بدترین قسم کے گناہوں میں آتا ہے۔

مہدی اور دجال

سوال: مہدی اور دجال کا کیا تصور ہے؟ کیا زمانہ حاضر میں امریکہ اور انگلینڈ کو دجال کہا جاسکتا ہے؟
 جواب: اگر آپ اجازت دیں میں دوبارہ آؤں گا۔ یہ اتنا بڑا موضوع ہے کہ اس پر معمولی سی گفتگو نہیں ہو سکتی۔ مختصراً آپ کو بتا سکتا ہوں۔ امریکہ میں ایک ڈاکٹر تھے۔ ان کا نام شریف یا شبیر تھا۔ انہوں نے جملہ احادیث متعلقہ مہدی سے انکار کر دیا کہ اس قسم کی احادیث موجود ہی نہیں۔ احادیث میں مہدی کا جو تصور موجود ہے وہ غلط ہے۔ اصولاً دیکھا جائے تو شاید ڈاکٹر صاحب کے علم میں بھی یہ بات ہو کہ تاریخ بھی اپنے اعمال مسلسل دہراتی ہے اور مسلمانوں کی تاریخ میں بھی اور باقی تاریخ عالم میں بھی جب بحران بڑھ جائے، قحط الرجال ہو جائے معاشرے برباد ہونا شروع ہو جائیں تو لازماً کسی ایسی شخصیت کا ظہور پذیر ہونا جو معاملات کو درستگی کی طرف لے جائے، ایک قدرتی امر ہے۔ مہدی قومیتوں کا قائل نہیں ہے۔ اگر آپ غور کریں تو مہدی امت محمد ﷺ میں ہیں۔ مصر، روم، یونان، پاکستان اور بھارت میں نہیں ہیں۔ مہدی امت محمد ﷺ میں سے ہیں اور جب امت محمد ﷺ کو اپنی رسوائی کا احساس ہوگا، بربادیوں کا احساس ہوگا تو مہدی کا ظہور ہو سکتا ہے۔ فی الحال تو امت محمد ﷺ کا ایک حصہ دوسرے کی بربادی پر خوش ہے۔ فی الحال تو وہ احساس پیدا ہی نہیں ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابھی مہدی کے آنے میں کچھ وقت ہو سکتا ہے مگر جب امت محمد ﷺ اس افسوسناک مراحل سے گزرے گی اور مہدی کی آرزو کرے گی تو ایسا ممکن ہے۔

حضرت علیؑ سے پوچھا گیا کہ مہدی کب آئیں گے؟ تو انہوں نے ایک بڑی خوبصورت مثال دی، فرمایا اس لہن کی طرح جو شب زفاف اپنے خاوند کا انتظار کرتی ہے اور بے شمار آرزوؤں سے گزرتی ہے کہ پتہ نہیں میرا خاوند کیسا نکلے۔ جب مسلمان اتنی آرزو لے کر مہدی کی آرزو کریں گے وہ تب آئیں گے۔ اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے نہیں آئیں گے۔ اور ویسے بھی ایران کے مہدی کو پاکستانی نہیں مانیں گے اور سعودی والے پاکستانی مہدی کو نہیں مانیں گے۔ ابھی کچھ زوال اور باقی ہے اور ابھی مہدی کا جمال باقی ہے۔

(۱) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ آخر میں اس جدوجہد میں مسلمانوں کا سردار ایک نیک مسلمان ہوگا۔ اس

وقت تو شاید بدترین حاکم ہیں اور جو آخری ہو گا تو وہ ٹھیک ہو گا۔ خدا اس آخری مسلمان کو چھپائے گا۔ ظاہر ہے اللہ کو چھپانا تو پرانا ہے۔ فرض کریں ایف۔بی۔آئی کو پتہ چل جائے تو وہ پاکستان میں کسی بھی مسلمان کو اٹھا کر لے جاسکتے ہیں تو مہدی بیچارہ بھی مارا جائے گا مگر خدا کی مخبری کا نظام بالکل مکمل ہے۔ وہ وقت سے پہلے اس آدمی کو دنیا سے اسلام میں رسوا نہیں ہونے دے گا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ اور دجال کی باتیں ہیں مگر یہ بہت بڑا موضوع ہے اور میں تھوڑے عرصے میں اس کے ساتھ انصاف نہیں کر سکوں گا۔

تصویر کشی

سوال: تصویر کشی اور سنگ تراشی پر دور حاضر کے مطابق وضاحت فرمائیے کہ کیا یہ اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟
 جواب: شروع شروع میں تصویر کشی اس لیے حرام ہوئی کہ عرب کا ایک شخص صحرا سے گزر رہا تھا تو اسے ایک خوبصورت منقش پتھر نظر آیا۔ اس کا نام عمرو بن لہی تھا تو اس نے وہ پتھر اٹھایا۔ اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر اسے معزز ترین پتھر سمجھا۔ پھر رفتہ رفتہ اسے کعبہ میں نصب کر دیا۔ جب لوگوں نے وہ خوبصورت پتھر دیکھا تو اس کی پرستش شروع کر دی۔ پھر جس قسم کے پتھران کی رغبتوں میں آتے تھے کوئی جبل بنا، کوئی لات، کوئی منات اور اس طرح یہ سلسلہ ہائے احنام شروع ہو گیا۔

ایک تو انسان آج اتنا بالغ نظر ہو چکا ہے کہ شاید پتھروں سے خدا اس نے بنا کر بند کر دیے ہیں مگر میں جیسے آپ سے کہہ رہا ہوں کہ ساتھ کا ملک دیکھتے ہیں تو اتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو اتنی خوفناک صورتوں کے سامنے سجدہ ریز دیکھتے ہیں تو خیال آتا ہے کہ انسانوں میں ابھی بت پرستی کا رجحان ختم نہیں ہوئے۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں ”انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن“ کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

There is such a geometrical precision about the oneness of God in Islam that no mythology is possible. If no mythology is possible, you cannot draw.

حضور ﷺ کے زمانے میں بھی منقش تصویروں والے پردے تھے۔ پھر وہ پردے ہٹا دیے گئے کیونکہ ان سے شرک کی بُرائی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک ایسا وقت تھا کہ پورا عرب قدیم بت پرستی سے اسلام کی جانب مڑا تھا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس صورتحال میں بڑے محتاط تھے کہ ایسی کوئی بھی صورت نہ ہو کہ یہ لوگ کسی بھی چیز کا سہارا لے کر دوبارہ بت پرستی کو پلٹ جائیں۔ بعد میں عباسیوں اور امویوں کے ادوار میں تصویر کشی کی اجازت دے دی گئی۔

آپ کی دوسری بات یہ کہ Body Vision لینا درست ہے یا نہیں ہے۔ ایک عام انسان کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ

اگر تو ایک Objectivity کسی بھی چیز میں ایسی پہنچ سکتی ہے کہ جس جسم کو آپ Draw کر رہے ہو اس کا

معمولی یا غیر معمولی اثر آرٹس پر نہ آئے۔ تو پھر میرا خیال ہے بات مناسب لگتی ہے لیکن اگر دنیاوی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بات غیر ممکن بھی لگتی ہے۔ اگر کسی قسم کا تعلق تصویر میں اور تصویر کش میں موجود ہے کوئی رغبت، محبت، کوئی انس ہے جس کی وجہ سے وہ تصویر کھینچ رہا ہے اور وہ شرعاً اور اخلاقاً ایک دوسرے کے مخالف ہیں تو پھر اتنی احتیاط تو کرنی پڑے گی جتنی اللہ آپ کو بتاتا ہے۔ ان پر کوئی اتنے بڑے التزام نہیں لگتے۔ آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ فقہ اسلامی میں اگر دو غیر محرم اس درجہ بھی قریب ہوں کہ وہ یکجا ہوں تو بھی ان پر وہ التزام نہیں لگتا جو عام طور پر کسی بڑی سزا کا ہوتا ہے۔ اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ فرد سے فرد تک، آدمی سے آدمی تک اور Situation سے Situation تک اس حکم کا اطلاق مختلف انداز سے ہوگا۔

حضور ﷺ سے پہلے بھی تصاویر تھیں۔ ان کو تصاویر نہیں، تماثیل کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان جنوں سے اپنی تماثیل بنوایا کرتے تھے اور قرآن حکیم ان کا منقہ طریقے سے ذکر نہیں کرتا۔ حکومت سلیمان اور شوکت سلیمان ظاہر کرنے میں قرآن کی آیت موجود ہے کہ اللہ کے وہ نبی جنوں سے کام لیتے تھے اور تماثیل بنوایا کرتے تھے۔ ایسی تصاویر کشی کرایا کرتے تھے تو اس میں اس قسم کی کوئی ممانعت نہیں۔ واحد ممانعت جو موجود ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہے اور وہ اس وجہ سے کہ عرب بڑے تازہ تازہ بت پرستی سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور خدا کے رسول ﷺ اس بات میں محتاط تھے کہ ان کو کوئی چیز دوبارہ بت پرستی پر مائل نہ کرے اس لیے ہر قسم کے ایسے آثار کی ممانعت فرمائی۔

اسلام اور عصر حاضر، عروج یا زوال؟

- ☆ لیکچر
- ☆ سوالات و جوابات
- ☆ مذہب اور اخلاقیات
- ☆ دعا
- ☆ قرآن کے تلفظ کی ادائیگی
- ☆ پاکستان اور اسلام
- ☆ مسلمانوں کے زوال کی وجوہات
- ☆ خدا سے محبت یا ڈر

اسلام اور عصر حاضر، عروج یا زوال؟

خواتین و حضرات! سیالکوٹ آنے کا یہ تیسرا ایسا چوتھا موقع ہے۔ اپنی طرف سے جو بہترین خیال میں نے پائے بہترین بات اور بہترین مشورے جو ممکن تھے آئندہ آنے والے وقتوں کے لیے آپ کی نذر کیے۔ یہ اتفاق کی بات نہیں ہے بلکہ جب میں آخری مرتبہ متقابل نظریات پر گفتگو کر رہا تھا تو اُس وقت میں نے حضرات سے عرض کیا تھا کہ جس دن اہل مغرب میں سے کوئی ملک، کوئی فرد انسان کی ہو، ہو نقل بنانے کے قابل ہو گیا تو آپ یہ سمجھئے گا کہ عصرِ دہ ل شروع ہو گیا۔ اس کے پورے نو مہینے کے بعد کلوننگ آگئی۔ اسی موقع پر قرآن حکیم ہی کے مطالعے سے وہ تمام باتیں وقوع پذیر ہو سکتی ہیں۔ اس کے لیے کسی اہل دل یا اہل نظر کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ ذرا سا غور و فکر، ذرا سا مطالعہ، ذرا سی جانچ پرکھ آپ کو بڑی آسانی سے اس ہنگامہ کبریٰ تک، جہاں تک انسان نے جانا ہے۔ ایک ایک واقعہ، ایک ایک حادثہ، ایک ایک ترقی، ایک ایک کمی، ایک ایک بیشی، اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے ہم پر واضح کر دی۔ مگر ہوتا یہ ہے جیسے ایک مغربی مفکر نے کہا کہ عجیب سی بات ہے کہ:

Where there is oil, there is Muslim, and where is Muslim, there is oil.

بڑی حسرت سے اس نے کہا کہ یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ جہاں مسلمان ہے وہاں تیل ہے اور جہاں تیل ہے وہاں مسلمان ہے۔ برمانہ منائیے گا۔ میں تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ آپ کی توجہ اس سے بالکل الگ حقیقت کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ جہاں جہاں مسلمان ہے وہاں وہاں اسلام کوئی نہیں اور جہاں جہاں اسلام ہے وہاں مسلمان کوئی نہیں۔ یہ تفاوت یہ دوری اس وجہ سے زیادہ پیدا ہو گئی کہ وہ مذہب جو عروج و زوال سے بے نیاز تھا۔ وہ مذہب جس کو اپنے زوال کے وقت اتنی عزتیں اور عظمتیں حاصل تھیں کہ اس کے اعداء اور اس کے دشمن اس مازک وقت میں بھی مسلمانوں سے مقابلہ کرتے گھبراتے تھے۔ ایک چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں کہ ابن ابی عامر جو اسپین کی جھاڑیوں پر جا رہا تھا۔ مورخین اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ دو سو سال کے بعد بھی کسی قسطلہ کے مات کسی شہزادے اور کسی طلیطلہ کے عیسائی بادشاہ کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ جھنڈا اتارے مگر پھر خواتین و حضرات! کہتے ہیں کہ یہ ہمارے آباؤ اجداد تھے اور یہ ہم ہیں کہ سوچے سمجھے طریقے سے انتہائی غور و فکر کے ساتھ ایک مسلسل حوصلہ شکن پر و پیٹنڈہ تمام مسلم امہ میں جاری ہے اور وہ اس لیے ہے کہ یہ وہ فاتحہ کش جو کبھی کبھی روح محمد ﷺ کی وجہ سے جاگ جاتے ہیں، وہ فاتحہ کش کہ شاید کسی وقت حمیتِ اسلامیہ کی وجہ سے جاگ پڑیں۔ ان کو اتنا ڈراؤ، ان کو اتنا مغلوب کر دو کہ یہ کبھی غالب آنے کا نہ سوچیں۔ یہ کبھی اپنے عروج کی داستان نہ

دہرائیں مگر خواتین و حضرات! چاہے کچھ ہو تاریخ اپنے ادوار سے گزرتی ہے۔ زمانہ پھر اسی مقام پر آ جاتا ہے جہاں سے وہ پہلے کبھی گزرا ہوتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس قسم کی عظمت کی داستانیں جو ہماری طرف یورپ اور دوسرے ممالک کی یا امریکہ کی بکھری ہوئی ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود وہ ممالک عروج اسلام سے بہت خوفزدہ ہیں اور تمام تر کوشش کی جاتی ہے کہ مسلمانوں میں جو چند ایک ایسے تصورات ہیں جیسے تصور مہدی اور تصور ظہور مسیح۔ یہ تمام تصورات غلط ثابت کر کے خوش کن خواہش کا سراپا بنا کر کے ان کو ایک آرزوئے معطل ثابت کر دیا جائے تاکہ مسلمان کسی بھی قسم کے عروج کو ترک کر کے اس وقت غلامی کی وہ سند بخوشی قبول کر لیں جو امریکہ، یورپ اور بڑے ممالک اسلام کی گردن میں ڈالنا چاہتے ہیں۔

مگر میں اب آپ کو بڑے نئے انداز سے ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ یہ قانون فطرت ہے کہ جو آدمی ابنارٹل یا ”سب نارٹل“ ہے وہ نارٹل نہیں ہے تو ہم سب نارٹل اس کو کہیں گے جس کو آپ معذوری کہتے ہیں جو معمولی سا بھی اپنی حرکات و سکنات کو قابو نہیں رکھ سکتا اور جس کا مریں کنٹرول ہمیشہ خراب رہتا ہے۔ دوسری طرف ایک ابنارٹل ہے کہ جس کی رفتار ذہن تیز نہیں ہوتی اور جب اس کی رفتار ذہن تیز ہو جائے تو اس کے عملی Incidence آہستہ ہو جاتے ہیں اور وہ ایک ایسے مرض کا شکار ہو جاتا ہے جسے آپ پراگندہ ذہنی (Schizophrenia) کہتے ہیں اور یہ پراگندہ ذہنی اس کی زندگی تبادلات سے بھر دیتی ہے اور وہ الگ تھلگ ہو جاتا ہے۔ وہ عام انسانوں میں زندہ رہنے کے قابل نہیں رہتا اور خواتین و حضرات! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے علاج کتنے مخصوص اور متعین ہیں۔ کسی مریض کو پرانے زمانے میں التانیکا کے مریضوں کی دھونی دی جاتی تھی اور آج کے زمانے میں اسے بجلی کے جھٹکے دیے جاتے ہیں۔ اگر سچ پوچھئے تو پرانے پیر فقیر اور آج کا ڈاکٹر ایک ہی کام کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس تیز رفتار دماغ کو کسی بھی طریقے سے آہستہ کیا جائے تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اسے سلا دیا جائے اور اتنا سلا دیا جائے کہ اس نیند میں اس کے تخیل کا نظام رک جائے اور شاید وہ واپس پلٹنا شروع کر دے۔ جب وہ بے قابو ہو جائے تو اسے بجلی کے جھٹکے دیے جائیں۔ خواتین و حضرات! اس بے قاعدگی (Anomaly) کو یاد رکھیے گا۔ اب آپ دیکھیے کہ دو ارب سال سے انسان زمین پر موجود ہے مگر اس کا جو تشخص بحیثیت آدم کے ہے وہ صرف چالیس ہزار برس کا ہے۔ پتھر کے نئے زمانے سے پہلے ہم آدمی کو اس طرح نہیں جانتے۔

ہمیں بڑی مشکل ہے اس آدمی کو آدمی کہنا۔ وہ انسان ضرور ہے مگر اسے آدمی کہنا بڑا مشکل لگتا ہے اور چالیس ہزار برس ادھر ہم دیکھتے ہیں کہ اچانک یہی انسان آدمی بن کے بستیاں بنا رہا ہے۔ بچے پال رہا ہے۔ طریقے سے حکومت چلا رہا ہے اور وہ ایک ایسی قسم کا اجراء کر رہا ہے اور ایسے انسان تخلیق ہو رہے ہیں جو مسلسل با شعور سوچنے والے اور جن میں عقل کی نمائندگی جاری ہے مگر خواتین و حضرات! اس چالیس ہزار سال پرانے انسان کو اس نسل آدم کو اللہ نے آہستہ آہستہ اسی طرح بالغ کیا جس طرح آج آپ اپنے بچے کو بالغ کرتے ہیں۔ جب یہ پیدا ہوا، معصوم ہوا، حد شعور تک پہنچا جس طرح آپ کسی بھی بے شعور بچے پر وہ بوجھ نہیں ڈالتے جو اس کی شعوری کاوشوں کا ہونا ہے اسی لیے چودہ برس تک شرع ساکت ہوگی کہ یہ معصوم جان ابھی اچھے برے کی تمیز نہیں کر پایا۔ اس کا دماغ ابھی اتنا ترقی یافتہ نہیں ہوا کہ وہ اپنے مسائل اپنے گناہ و ثواب اور اپنے اخلاق و کردار کا کوئی اچھا تعین کر سکے۔ اسی طرح نسل انسان بھی ابتدائے حال سے گزری اور

رفتہ رفتہ کبھی ایک، کبھی دو اور کبھی تین اس کو ایک ایک قانون خداوند دیا گیا حتیٰ کہ انسان کا ذہن اس قابل ہو گیا کہ وہ پورے قانون کو برداشت کر سکتا۔ یہ وہ وقت ہے کہ جب انسان جو ہے معجزات کے شوق سے آگے گزرتا ہوا حیرت کے انکشافات سے آگے گزرتا ہوا نہ ہمیں موسیٰ کی طرح نئے معجزات دکھا رہا ہے نہ حضرت عیسیٰ کی طرح غیر عقلی مظاہرات دکھائے جا رہے ہیں بلکہ اب اس کو اس قابل سمجھا گیا کہ یا اپنے معاملات زندگی پر اپنی شعوری کاوشوں کے ذریعے بڑا سوچ سمجھ کے فیصلہ دے سکتا ہے تو اس موقع پر اللہ کی طرف سے پورا پیغام اسے دے دیا گیا۔ اسے قرآن دے دیا گیا اور اسے محمد رسول اللہ ﷺ عطا کر دیے گئے۔

پہلے تو یہ تھا کہ جبلت عقل پر حکمران تھی، اب یہ ہوا کہ عقل جبلت پر حکمران ہو گئی اور انسانی ذہنوں نے بڑی تیزی سے سوچنا شروع کر دیا مگر اس کے باوجود اگر آپ اچھے طالب علم ہیں تو آپ کو پتہ ہوگا کہ چالیس ہزار برس میں بھی دوسو برس پہلے تک کا انسان ست، کامل الوجود اور کسی قسم کی اخلاقیات سے عاری لگتا ہے۔ اگرچہ وہ بہت بڑا فلسفی ہے، دانشور ہے، اگرچہ ان میں ابن الہیشم جیسے لوگ بھی ہیں۔ ابن حیان جیسے لوگ بھی ہیں اور افلاطون، ارسطو بھی ہیں مگر مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو ایجادات کی بھرمار کی یہ دنیا وہاں پائی نہیں جاتی۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد یہ پوری نسل انسان ذہنی پراگندگی میں مبتلا ہو گئی۔ ایسی تیزی سے اس کے دماغ نے سوچنا شروع کیا اتنی سرعت آگئی اس کے فکر کے اعجاز میں اتنی برق رفتاری آگئی انسانی ذہن کی ترقیاتی سکیموں میں کہ یہ انسان ان تمام انسانوں سے انوکھا، علیحدہ اور مختلف ہو گیا۔

جس ہستی کو بھی خواب عظمت کا المیہ ہو جائے وہ دوسروں کی عظمت پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے اور آج کے انسان کو بھی یہ بہت بڑا المیہ درپیش ہے کہ وہ اس عقل و معرفت کی وجہ سے جو اس کے ذہن میں آئی مارل نہیں ہے۔ اب بھی انسان کی یہ ترقی مارل نہیں ہے۔ اتنی تیزی سے آگے بڑھتا ہوا انسان کچھلی صدیوں کے توازن کھو چکا ہے۔ کچھلی صدیوں کے اخلاقی، علمی، ذہنی توازن ضائع کر چکا اور یہ ایک ایسا انسان نظر آ رہا ہے جو بڑی سرعت کے ساتھ آخری ہلاکت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہی علاج جو آپ پراگندہ ذہنی کا کرتے ہو، ایک شدید جھٹکا، بہت بڑا جھٹکا یا التالٹا کے مرچوں کی دھونی یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک طویل نیند۔ ایک بات جو بڑی جنگ کے حادثے کے نتیجے میں کہی جاتی ہے کہ انسان کا ذہن ایٹمی دھماکے سے بالکل شل ہو کے رہ جائے گا اور بڑے مزے کی بات ایک حادثے نے انسان کو سوچ دی اور ایک حادثہ انسان سے وہ سوچ چھین لے گا۔ آج تک کوئی بھی دنیا کا چھوٹا بڑا سائنس دان حتمی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ انسان نے کب اور کیسے سوچنا شروع کیا۔

ہاں ایک بات شیخ محی الدین ابن عربی نے کہی۔ ایک بات ول ڈیورانٹ نے کہی۔ دونوں ایک جیسی ہیں۔ ابن عربی نے کہا کہ اللہ نے انسان کو بنایا اور پچاس ہزار سال اس پر نظر کرتا رہا۔ ول ڈیورانٹ نے کہا کہ ایسے لگتا ہے کہ خوابیدہ اور سست الوجود دور میں انسان پر کہیں باہر سے ایک بہت بڑا بجلی کا جھٹکا لگا ہے جس سے اس کی ذہنی صلاحیت بڑھ گئی ہے اور یہ چیمپزی سے انسان بن گیا اور اس نے سوچنا شروع کر دیا۔ ایک حادثے نے اس کو عقل دی اور ایک حادثہ اس کی عقل چھین لے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسانوں نے پھر ادھر واپس جانا ہے، پھر اسی کچھ کو واپس جانا ہے، پھر اسی انداز

ہے دیا ر غیر میں۔ نہ اس کی وجہ سے کوئی گناہ کرتا ہے نہ اس کی وجہ سے کوئی خاصا نہ قبضہ چھوڑتا ہے نہ اس کی وجہ سے کوئی اپنے گھر والوں سے محبت کی آرزو کرتا ہے نہ کوئی بچوں سے شفقت کرتا ہے۔ یہ کونسا خدا ہے؟ میٹھے نے ایک دفعہ کہا تھا! اس نے تو شاید اپنی قوم کے بارے میں کہا تھا مگر میں کہتا ہوں کہ آج کل وہ ہم پر زیادہ سچ اترتا ہے۔

The mankind has become so mature now they have thrown God out of their kingdoms.

اب انسان اتنا بالغ نظر، اتنا سمجھدار ہو گیا ہے جیسے کیرن آرمسٹرونگ (Prof. Karen Armstrong) نے کہا کہ اب اگر اللہ کو زمین پر آنا ہوگا تو اسے کچھ مسخکتیں اختیار کرنی ہوں گی۔ اب دیکھو میں کہتا ہوں کہ امریکہ میں میں نے ہم جنسیت کا قانون بنایا ہوا ہے۔ اب اگر اللہ کو مجھ سے داد لینا ہے تو اسے یہ قانون قبول کرنا ہوگا۔ پہلے قوم عا دو شمود کے ساتھ جو ہوا تھا وہ ہو گیا۔ اب میں اتنا ترقی یافتہ، اتنا متمدن انسان ہوں میں آخر کم از کم پراگندہ ذہن انسان ہوں میں اتنا دانشور ہو گیا ہوں، صبح و شام نئی سے نئی ایجادات کر رہا ہوں، اختراعات مرتب کر رہا ہوں۔ اب میرا یہ حق ہے کہ میں اللہ سے کہوں!

ع کار جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

اب بہت وقت ہو گیا۔ اب مجھے موقع دے کہ میں اپنے قوانین خود بناؤں، اپنے اصول خود مرتب کروں۔ یہ وہ واحد فرق ہے جو یورپ اور ایشیا میں ہے۔ میں آپ سے ایک چھوٹا سا سوال کرتا ہوں کہ ہمیں کس بات کی شرمندگی ہے۔ امریکہ کے سامنے سر نہ اٹھانے کی۔ بہت بڑی طاقت ہے۔ نام نہاد سپر پاور ہے۔ میں اسے سپر پاور کہنا دین کے خلاف سمجھتا ہوں۔ بہر حال آپ سپر پاور کہہ لیجیے۔ کتنی گہری شناسائی ہے۔ بات بات پر اس کی مثال دی جاتی ہے۔ بات بات پر امریکہ کو سراہا جاتا ہے۔ اب اگر دنیاوی طریق تمدن ہی دیکھا جائے تو اتنی بڑی قوت کے ساتھ آپ کی اتنی بڑی محبت ہی کافی ہے۔ آپ کی ترقی اور عظمت خیال کے لیے پھر آپ کو برا کیوں لگتا ہے کیوں آپ دن رات امریکہ کو کوستے ہیں۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ مذہب کے خلاف ہے۔ اگر وہ آپ کے مذہب کے خلاف بھی ہے تو آپ اپنے مذہب سے کتنا انس رکھتے ہو۔ آپ نے اپنے مذہب سے کتنی شناسائی رکھی ہوئی ہے۔

جب چنگیز خان کی افواج بغداد کو تاخت و تاراج کر رہی تھیں تو شیخ نجم الدین کبریٰ اس وقت زندہ تھے تو ان سے کسی نے کہا کہ دعا کیوں نہیں کرتے؟ جیسے آج سخت گیر مسلمان کم ظرف مسلمانوں کو کہتے ہیں۔ اب شیخ عبدالقادر سے کہو کہ بغداد بچالیں۔ اس وقت بھی یہ واقعہ پیش ہوا جب چند لوگ شیخ نجم الدین کبریٰ کے پاس گئے۔ اے ولی عصر! آپ دعا تو کریں۔ کم از کم یہ نکتہ تار بغداد سے مل جائے۔ تو خواتین و حضرات! حضرات شیخ نجم الدین کبریٰ نے کہا کہ میں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے تو مجھے ہاتف کی صدا آئی، اے کافر و ماروان منافق مسلمانوں کو۔ اگر درجہ بندی کافر ہو تو ایک سچ بولنے والا کافر ایک منافق مسلمان سے بہتر ہے لہذا جب ہم مقابلاً خدا کی مدد چاہیں۔ اس کی اعانت طلب کریں یا اس کی امداد کا کوئی دعویٰ ہمیں چاہیے یا کوئی معجزہ چاہیے تو ہمیں کم از کم ایک ایسا مسلمان ہونا چاہیے جس کی زندگی کا خیال جس کی محبتیں، جس کی رغبتیں، جس کی نافر تیں سب اللہ کے لیے وقف ہوں۔ ہر زمانے میں معجزات ہوتے رہے۔ پین میں جب حکومتیں الٹیں تو الغزالی پیدا ہوئے اور پھر دوسو برس کے لیے پین میں اسلام قائم ہو گیا۔

سلطنت بغداد و اجڑی توشیح عبدالقادر جیلانی پیدا ہوئے اور پھر اسلام دوسو برس راہ شوکت پر گامزن ہوا۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ عروج و زوال کا دور ہے۔ قرآن کی حکمت سے ذرا دیکھیے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ کس کا عروج ہے اور کس کا زوال ہے؟ خدا کہتا ہے کہ ہم نے سرکشوں کی قوم کو اس وقت پکڑا جب وہ اپنی معیشت پر ماز کر رہے تھے۔ غریب آدمیوں کو اللہ نہیں مارتا۔ کم از کم مرے کو مارے شاہ مدار و الامحاورہ اللہ پہ صادق نہیں آتا۔ اللہ تو قوموں کو اس وقت پکڑتا ہے کہ جب ان کی معیشتیں اتنی مضبوط ہوتی ہیں کہ کبھی Hanging gardens of Babel اور کبھی اتنے اتنے بڑے Palaces جیسے بنوسبا کے Palaces تھے۔ ویسے نظر آتے ہیں اور کبھی

Temple of the Goddess of Astarthe.

نظر آتے ہیں۔ جب انتہائی متمدن شاندار Riches تک تو میں پہنچتی ہیں تو خدا پھر ان کو تباہ کرنا ہے پہلے نہیں کرتا۔ یا اصول پروردگار ہے۔

اب اگر آپ دیکھیں تو دنیا کی وہ بڑی قومیں جو اپنی معیشتوں میں مازاں اور جو اس کو As Example پیش کرتی ہیں۔ اپنے تفاخر اپنے تمدن اور اپنی Achievements کی مثال Quote کرتی ہیں اور ہمیں یہ بتاتی ہیں یا باقی دنیا کو یہ بتاتی ہیں کہ یہ انتہائی ترقی یافتہ تمدن ہے۔ یہ انتہائی ترقی یافتہ سائنٹیفک دور ہے اور اس میں We are the leaders of all the world اس لیے باقی قوموں پہ حکمرانی کرنے کا ہمارا استحقاق بنتا ہے۔ اس کے برعکس اب مسلمان ہیں۔ مسلمان کا Basic فریضہ تو یہ تھا کہ ان میں سے بھی کوئی اٹھتا۔ البیرونی کی طرح بارہ سال ہندو بن کے ان کے ٹمپل میں وقت گزارنا اور مکمل انفارمیشن لے کے پھر اخبار ہند جیسی کتاب لکھتا۔ ہم میں سے صرف دو چار ہی ایسے نکلے کہ جنہوں نے یورپ اور دوسری جگہ جا کے ایک ریگولر Espionage کی اور بڑے Thrilling رزلٹ نکالے۔

جیسے آپ کے سائنس دانوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ It is recommendable.

دیکھیے آپ تمدن میں ان کے برابر نہیں ہو سکتے ہو۔ اگر آپ چاہو کہ آپ بھی ایک نیویارک تعمیر کرو تو شاید نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جس ملک کی آپ بات کرتے ہو اس کے پاس تیرہ فیصد دنیا کے ذرائع پیداوار اور آپ کے پاس 0.013 بھی نہیں۔ اب اتنے ذرائع پیداوار میں ہو سکتا ہے کہ آپ آسانٹا میں شاید وہ ایک بڑا درجہ حاصل نہ کر سکیا شاید ہمیں کچھ دیر ہو گئی ہے یا ہم کمزور پڑ گئے ہیں مگر بلاکت کے سامان میں برابر ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اگر ایک ملک بائیس سو ایٹمی ہتھیار لیے بیٹھا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ آپ کے پاس بھی پورے بائیس سو ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے بائیس کارآمد نکلیں۔ اس طرح ہلاکتوں میں ملک برابر ہو جاتے ہیں اور کسی بھی قوم کے عروج و زوال کے قوانین وہ نہیں ہیں جو بظاہر نظر آتے ہیں۔

اسباب معیشت نہیں ہیں اسباب جنگ نہیں ہیں اب اوسط وہی ہے۔ اگر غز وہ بدر میں دو گھڑ سوار اور ایک تلوار والا۔ اور باقی کچھ لوگوں کی چھڑیاں جو آگے لگی ہوتی تھیں غز وہ بدر کی تمام قوت جو تین سو تیرہ پر تھی ان کا مقابلہ اگر اعداء اسلام کی ان قوتوں سے کیا جائے تو اوسط وہی بنے گی جو آج عراق اور امریکہ کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج کا دانشور کہے کہ آسمان سے برستی اس آگ کا کیا علاج ہے مگر یہ بھی تو بتائیے کہ عالم اسلام کے اتنے دانشور بچے اتنے بزرگ اتنے علم

والے آدمی ہیں۔ ان کے ذہن میں کیوں نہ اس کا ایک حل نکلا کہ ہم آسمان سے برستی اس آگ کا کچھ علاج کر سکتے ہیں۔ یہ سستی کیوں کیوں نہیں ہم نے اس کا حل نکالا۔ اگر ایئر فورس ہی تباہی کا باعث ہے۔ اگر یہی ایک خوفناک ترین حربہ ہے تو ہماری اتنی بڑی امت میں سے ایک دو آدمیوں کو غور و فکر کر کے اس کا علاج ڈھونڈ لینا چاہیے تھا۔

کیا خوف کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ایک مستقل آفت تسلیم کرتے ہوئے اپنے تحفظات کو بالکل معطل کر دیں اور ہمارے پاس جو عقل و ذہن موجود ہے اس میں ایک شتمہ برابر بھی امت مسلمہ کو نصیب نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عصر و نہل میں زمانے بہت تیزی سے گزریں گے۔ آپ دیکھیے وہ دریا فتنیں وہ ایجاد جو پہلے برسوں میں ہوتی تھیں مہینوں میں ہوتی تھیں۔ اب ہم ہر روز جب اخبار اٹھاتے ہیں تو کسی نئے کرشمہ عقل کا اظہار ہو رہا ہوتا ہے۔ اب زمانے مختصر ہو گئے ہیں اور ان زمانوں کے اختصار کا مطلب یہ ہے کہ پراگندہ ذہنی اور تصویریت پسندانہ انسان کو اب بہت جلد بجلی کے جھٹکے سے گزرنا ہے یا اس کو طویل تر خواب سے گزرنا ہے یا پھر اس کو ان بڑے دھماکوں سے گزرنا ہے۔ اور یہ سب کچھ زیادہ دور کی بات نہیں۔ اس سے اب عروج و زوال کی توضیح اس طرح نہیں ہو سکتی جیسے تاریخ کے پچھلے ادوار میں ہوئی۔ باقی رہے مسلمان کوئی تنظیم اسلامیہ جو ستر سال یا سو سال سے اس ملک میں قائم ہے اس نے کسی قسم کے خصوصی مقاصد میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا بلکہ اگر آپ تھوڑا سا تکنیکی مطالعہ فرمائیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ وہ جماعتیں جو بڑے جوش و خروش سے منظر عام پر آئیں اور جنہوں نے بڑی جلدی پذیرائی حاصل کرنے کی کوشش کی اس وقت وہ زوال پذیر ہیں اور لوگ ان سے گریز کرتے ہیں۔

ایک اور بڑی بات۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ امت محمد ﷺ چند لاکھ جماعت کے لوگ ہوں گے چند لاکھ تبلیغ کرنے والے لوگ ہوں گے۔ کیا امت محمد ﷺ چند لاکھ اہل حدیث ہوں گے اور چند لاکھ دیوبندی ہوں گے۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔ اگر آپ احادیث رسول اللہ ﷺ پر اٹھیں تو پتہ چلتا ہے کہ خدا کے رسول کی امت وہ ہے جو بنام و نشان ہے جس کا کسی جماعت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ پہلے تو اللہ نے قرآن میں حضور ﷺ کو تنبیہ کی اور پھر یہ کہا کہ اے پیغمبر! تو ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو علیحدہ گروہ بناتے ہیں شناخت بناتے ہیں جو دین میں فرق کرتے ہیں کہ پیغمبر کسی گروہی عبادات کے مسلک میں نہیں ہے۔ پیغمبر آفاقی ہے کائناتی ہے ہر بندے کا ہے ہر عورت کا ہے ہر مرد کا ہے پیغمبر کسی گروہ کا نہیں ہے۔ یہ واحد علامات قرآن حکیم ہیں جو ہمیں تنبیہ کرتی ہیں کہ اگر تم نے قبروں تک پہنچنا ہے تو کوئی امتیازی نشان لگا کے نہ پہنچنا۔ کوشش کرنا کہ مسلمان ہو کے پہنچو۔ تمہارا واحد تشخص مسلمان ہونے کا تشخص ہے۔

حضور گرامی مرتبت ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ آخر میں بنو عفرہ (نبلی آنکھوں والے لوگ) کی حکومت ہوگی۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس وقت مسلمان بڑے کم ہوں گے؟ فرمایا نہیں مورو ملخ کی طرح ہوں گے مگر یہ کہ ان پر دنیا غالب ہوگی۔ خواتین و حضرات! یہ ہم ہیں یہ آپ ہیں جو مورو ملخ کی طرح گروہوں میں قید ہیں جو گنہگار ہیں جو بے ایمان ہیں جو جلساز ہیں مگر ہم میں شاید یہ وصف باقی ہے کہ ہم گنہگار ہیں تو بہ کرنے والے ہیں خدا کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ اگر کسی وقت بھی اسلام میں کوئی بڑی تہدیلی آئی تو کسی مذہبی جماعت کی طرف سے نہیں آئے گی۔ یہ ان لوگوں کی طرف سے آئے گی جو منزل ڈھونڈ رہے ہیں۔ وہ لوگ جو اردگرد کے ان مذہبی کیساؤں سے تنگ ہیں جو مختلف مسالک سے تنگ

ہیں۔ جو بڑی سادہ دلی کے ساتھ محبت رسول اللہ ﷺ کو اپنے دل میں نہیں رکھتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو تقدیر اسلام کو بدلنے کا باعث بنیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو زمین و آسمان کو بدلیں گے مگر ان کو کوئی فوجی آمر نہیں بدل سکتا۔ ان کو کوئی سیاسی نظام نہیں بدل سکتا۔ امت مسلمہ کی بنیادی تبدیلی اداروں سے نہیں آتی۔ ہمیشہ استادوں سے آتی ہے۔ یہ ایک واحد امت ہے جو استادوں کی وجہ سے بدلتی ہے یہ جامہ وں کی وجہ سے نہیں بدلتی، یہ علم کی وجہ سے بدلتی ہے۔ جب تک ان کو ان کی شناخت نہ دی جائے گی، جب تک ان کو یہ نہ بتایا جائے گا بقول اقبال کے:

سبق پھر پڑھ عدالت کا، صداقت کا، شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

انہوں نے دو بڑی خوبصورت رباعیات کہیں۔ لوگ کہتے ہیں وہ مہدی کو نہیں مانتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کے آنے کے قائل نہیں تھے مگر جو شعرا میں آپ کو سنا رہا ہوں، یہ ان کے آخری ہیں اور اس میں ایک بڑی خوبصورت بات کہتے ہیں، وہ اپنے احساس کو جاگر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ:

سرورِ رفتہ باز آید کہ ناید؟

نسیبے از حجاز آید کہ ناید؟

کہ کیا وہ وقت ہوگا کہ وہ بھولا ہوا سبق ہمیں یاد آئے گا کہ وہ پرانا سرور ہمارے ذہنوں کو پھر سرور کرے گا۔

سرآمد روزگار ایں فقیرے

اس فقیر کی تو عمر تمام ہو چکی۔ اقبال کہتے ہیں کہ میری موت تو اب قریب آچکی ہے۔

دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

مگر وہ دانائے راز کب آئے گا، وہ راز کی بات کب بتائے گا۔ وہ کیا بتائے گا مسلمانوں کو۔ میں نے تو عمر تمام کی۔ میں تو زور لگا چکا مگر میں وہ نہیں ہوں کیونکہ جو بات اس نے کہنی ہے وہ میں نہیں کہہ سکتا اور وہ بات بڑی سادہ ہی ہے:

اگر می آید آں دانائے رازے

بدہ او را نوائے دل گدازے

ضمیر امتاں را می کند پاک

کلیمیے یا حکیمیے نئے نوازے

اگر وہ وقت حال آئے تو میرا یہ غمگین سا پیغام اسے سنا دینا کہ امتوں کے ضمیر کو جنگ و جدل نہیں صاف کرتیں، امتوں کے ضمیر کو حادثے نہیں صاف کرتے، امتوں کے ضمیر کو یا کوئی کلیم بدلتا ہے یا پھر اچھے انداز گفتگو والا حکیم بدلتا ہے۔ اچھی بات کہنے والا دانشور بدلتا ہے۔ اچھی بات کہنے والا مفکر قوموں کے ضمیر کو بدلتا ہے۔ اب اگر آپ دیکھیے تو آج سے سو برس پہلے آج کے ہونے والے واقعات کے بارے میں جو علامہ کہہ گئے تھے کہ:

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے مخراب مسجد پر

یہ نادان گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا

یہی حال افغانستان کا ہوا۔ یہی حال عراق کا ہوا۔ یہی حال اب کچھ عرصے کے بعد سعودی عرب کا ہونے والا ہے۔ یہاں سجدے میں گرتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ خدا سے حفاظت کی توقع رکھتے ہی نہیں۔ اللہ بہت دور ہے۔ آسمان بہت دور ہے اور یہ یقین رکھنا۔ تمام امت اس وقت لکھے ہوئے ایمان پر قائم ہے۔ لفظی اعتقاد پر قائم ہے اور تمام مذہب لفظی اعتقاد سے عملی اعتقاد کو آنے کا نام ہے۔ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے خدا پر بھروسہ ہے یہ صرف لفظ ہے اور جب زندگی کے حادثات میں واقعات میں تسلسل میں جب تک وہ صورت حال پیدا نہیں ہوتی جہاں میرا مقابلہ ہوگا سب اور اللہ کے ساتھ۔ تب آپ کہنے کے قابل ہوں گے کہ میں نے اللہ پر توکل کیا۔ جب تک یہ صورت حال نہیں آئے گی آپ کا تمام تر اعتقاد لفظی ہوگا۔ تمام امت اس وقت لفظی اعتقادات کے لیے سے گزر رہی ہے۔ ہم صرف خدا کا حوالہ دے رہے ہیں۔ ہر جگہ ہر کتاب ہر صفحے پر ہم نے خدا کا اتنا حوالہ دیا ہے کہ میرا خیال یہ ہے کہ

We are most vocal about the existence of God.

مگر تمام تر تصور خدا عادلانہ ہے۔ کل کی بات ہے کہ سعودی شہزادے سے جب کسی نے پوچھا کہ آپ کی حفاظت کون کرے گا؟ اس بیچارے نے ایک لوج بھی نہیں سوچا کہ لفظاً کہہ دوں کہ اللہ۔ اس نے کہا امریکہ۔ وہ عرب قوم پرستی جس نے مشرق وسطیٰ کی بنیاد میں اتنی خود غرضی اتنی ذاتیات بھردی ہے کہ عراق کے ستون گرنے سے مصر اور اردن کو خوشی ہوتی ہے۔ یہ وہ امت مسلمہ نہیں ہے جس کے عروج و زوال کے لیے کسی کی داستان آپ سوچ رہے ہو۔

May be its you.

میں کہتا ہوں کیا ضرورت پڑی ہے مسلمان ہونے کی۔ کیا تعصب ہے آپ کو اسلام کے ساتھ۔ ایک لفظی اعتبار کے لیے کیوں آپ اتنی جان سپاری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کیوں اتنے جلوس نکالتے ہو خدا کے لیے۔ کیا وہ خدا جو آپ کے جلوس میں اور بیہرز میں ہوتا ہے جو آپ کی باتوں میں ہوتا ہے۔ کبھی اس خدا نے آپ کو جھوٹ بولنے سے روکا۔ کبھی مفاد حاصل کرنے سے روکا۔ کبھی کسی کارشر سے روکا۔

I don't think any thing happens because of God. I am not talking of individuals or a few people.

جب تک اللہ ہر مسلمان کی جواب دہی کا مرکز نہیں بنتا آپ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ یہ نام کی مسلمانی جو ہے اس سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں۔ خدا اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ ام حسبکم ان تدخلوا الجنة ولما یا تکم مثل الذین خلوا من قبلکم ط مستہم الباساء والضرآء وزلزلو حتی یقول الرسول والذین امنو معہ متی نصر اللہ ط الا ان نصر اللہ قریب (۲) (البقرہ: ۲۱۴) تم خیال کرتے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے جبکہ تمہیں ابھی وہ مصائب پیش ہی نہیں آئے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں کو پیش آئے۔ ان پر اس قدر سختیاں اور مصیبتیں آئیں جنہوں نے انہیں ہلا کے رکھ دیا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ خود اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے سب پکاراٹھے کہ اللہ کی نصرت کب آئے گی؟ سن لو! اللہ کی نصرت قریب ہی ہے۔

تم سمجھتے ہو تمہیں یونہی جنت میں داخل کر دیا جائے گا، ٹھنڈی سڑک ہے۔ مال روڈ پر آئے جنت میں داخل ہو

گئے مگر جب آپ آزمائش کے مراحل میں کچھ کامیابی حاصل کرو گے تو ملے گی نا۔ آپ صرف نعرے بازی سے اللہ کو قائل نہیں کر سکتے۔ دو ہی تو چیزیں ہیں جو مذہب کو خراب کرتی ہیں۔ ادھر سیکولر ازم خراب کر گیا۔ ادھر علمائے دین خراب کر گئے۔ انہوں نے دین کی اپنی تشریح کی اور انہوں نے مذہب کے خلاف ابھارنے میں ان لوگوں کی مثال دی۔ مذہب یہ بھی نہیں مذہب وہ بھی نہیں۔ مذہب بنیادی طور پر معاملہ دل بے معاملہ محبت ہے یہ دوسری ہے یہ خیال ربو بیت ہے یہ کرشمہ انس ہے محبت سب سے پہلے احساس ہے ایک شدید فطری احساس۔ اس احساس کے بعد اعمال کو آپ شرع کہتے ہیں۔ جب تک کسی انسان کے سینے میں قربت الہی کی طلب پیدا نہیں ہوتی تو وہ اس کو لہو کے تیل کی طرح ہے جو رسوم مذہب میں دن رات مصروف ہے اور اسے ان رسوم کے مقاصد کا بھی علم نہیں۔ خداوند کریم نے جہاں بھی ذکر کیا اس نے کہا دیکھو محبتوں کے مقابلہ کو مذہب کہتے ہیں لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون (۳) (آل عمران: ۹۲)

It's a match of possession.

اگر میرے دل میں باقی ساری محبتیں سلامت ہیں تو خدا نہیں آسکتا مگر خدا کوئی یہ بھی نہیں کہہ رہا کہ تم رہبانیت اختیار کرو۔ فاقہ کسی اختیار کرو۔ یہ تو نہیں کہتا۔ نہ تو مذہب میں فاقہ ہے نہ رہبانیت ہے۔ اللہ صرف ایک چیز چاہتا ہے صرف ایک چیز آپ کا انس آپ کی محبت۔ اے لوگو! مجھے حسرت ہے کہ تم میں سے کوئی میرا بھی سوچتا۔ میرا بھی خیال کرنا۔ میں جو تمہیں پیدا کرنے والا تھا۔ میں جو تمہیں سکھ دینے والا تھا۔ میں نے تمہیں اتنے آرام سے بسایا تمہارے آنے سے پہلے دنیا و مافیہا میں ہر چیز میں نے پیدا کی۔ تمہیں پانی کی ضرورت تھی۔ میں نے پانی پیدا کیا اور تمہارے زمین پر آنے سے پہلے تمہیں ماں باپ دیے۔

آج کا انسان اسی قسم کے طلسم ہو شرابا میں کھویا ہوا ہے۔ جدھر دیکھتا ہے اُسے اپنی آب و تاب نظر آتی ہے۔ وہ گریز کرتا ہے عقل و معرفت کا کریڈٹ اللہ کو دینے سے۔ وہ یہ تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے کہ میری یہ عقل و معرفت کسی کی عطا کردہ ہے۔ وہ ادھار کی چیز کو اپنی سمجھتا ہے۔ وہ ادھار کی زندگی کو اپنا سمجھتا ہے۔ ایسا شکر گزار انسان پہلی صدیوں میں کم ہوا کرتا تھا۔ آج زیادہ ہے۔ چاہے مغرب کا ہو چاہے شرق کا۔ اور عروج و زوال بھی ایک جیسا ہے، شرق کا اور مغرب کا۔

There are not two parties.

عروج و زوال میں ہم شرق و مغرب کو جدا نہیں کرتے۔ عروج و زوال میں ہم صرف یقین کو بے یقینی سے علیحدہ کرتے ہیں چاہے آپ میں ہو چاہے کسی اور میں ہو۔ اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ مغرب میں دجال موجود ہے تو کیا آپ کے ملک میں نہیں ہے؟ کیا اس کی بیروی کرنے والے موجود نہیں ہیں؟ کیا تعریف اور توصیف کرنے والے آپ کے ملک میں موجود نہیں ہیں؟ کیا امریکہ کو خدا سمجھنے والے آپ کے ملک میں موجود نہیں ہیں؟ کیا یورپی تمدن کو آسائش و زندگی کا قرینہ سمجھنے والے آپ کے ملک میں موجود نہیں ہیں؟ بہت ہیں۔ آج کا مقابلہ حضرت انسان کا حضرت انسان سے ہے۔ آج کی کتاب حقیقت یہ بتاتی ہے کہ تمام انسان بلاکتوں کے گڑھے پر پہنچے ہوئے ہیں۔ جب کسی نے ایک دفعہ مجھ سے سوال

پوچھا تھا کہ What is so particular about Islam

تمہاری اپنی طرز عبادت، ہماری اپنی طرز عبادت۔ ہماری نمازیں ہمارے ساتھ۔ تبت کا دلائی لامہ بیچارہ بیس ہزار فت

ہا یہ کی ترائی پر غور و خوض میں مصروف ہے۔ ہوا میں معلق ہونے کے عمل سے گزر رہا ہے۔ افریقہ کا شامان کہیں بیٹھا ہوا اپنی زندگی میں مصروف ہے۔ آپ کو کیا فرق پڑا۔ آپ کہاں سے لاڈ لے ہو گئے۔ سب کی اپنی اپنی عبادات ہیں تو میں نے کہا، آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ میں رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ عبادات کے رنگ سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا مگر مصیبت یہ ہے کہ اب خدا کسی اور مذہب سے نہیں ملتا۔ اب اللہ عیسائیت سے نہیں ملے گا نہ ملتا ہے۔ اب اللہ بدھازم سے نہیں ملے گا۔ اب اللہ ان مذاہب سے نہیں ملے گا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا۔ ایک تو کہتا ہے کہ میں نے تمہیں علم کی پختگی بخشی ہے علم میں نے ختم کر دیا ہے۔ اب تم اگر یہ چاہو کہ پوسٹ گریجویٹ ہونے کے بعد اپنے نام کی تختی لگاؤ اور اس پر لکھا ہوا ہو کہ فلاں سکول سے پرائمری پاس کی تو بڑی عجیب سی بات ہوگی۔ تمام مذہب اپنے ارتقا کو پورا کرتے ہوئے اسلام پر آ کے ختم ہو گئے۔ اب پچھلی طرف رجعت کرنا اپنے علم کو کم کرنے کے برابر ہے۔

اب اگر اسلام اور قرآن کے ہوتے ہوئے واپس جاؤ گے انجیل کو یا اساطیر الاولین کو واپس جاؤ گے یا تورات کو واپس جاؤ گے یا نعمات سلیمان کو واپس جاؤ گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ایک ترقی یافتہ ذہنی حالت سے زوال پذیر عقل کو جا رہے ہیں اور خدا یہ کہتا ہے کہ اب میں ایک عقل کے ایک خاص درجے پر نصیب ہونا ہوں۔ ایک کتاب کے معیار پر نصیب ہونا ہوں اور وہ معیار کتاب قرآن ہے اور اس کتاب کا ٹیچر تمہارا رسول اللہ ﷺ ہے۔ اب اس کے بغیر میں تمہیں کسی اور رستے سے نہیں ملوں گا۔ ان الدین عند اللہ الاسلام (سورۃ آل عمران، آیت ۱۹) مگر ہو سکتا ہے کہ ایک ارب مسلمانوں میں ایک بھی خدا رسیدہ نہ ہو لیکن اگر کہیں ایک خدا رسیدہ ہے تو وہ مسلمان ہوگا۔ اسلام سے باہر نہیں ہو سکتا۔ ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه (سورۃ آل عمران، آیت ۸۵) تو خواتین و حضرات! اتنے بڑے کائناتی بحران میں تہذیب کے بحران میں بڑا مسئلہ وہی رہے گا کہ خدا صرف پاکستان کے لیے تہذیبی نہیں لائے گا۔ خدا امت مسلمہ کے لیے تہذیبی نہیں لائے گا۔ خدا اپنے مخلص بندوں کے لیے تہذیبی نہیں لائے گا۔ جنہیں ان سے محبت ہے۔ جس سے ان کو محبت ہے اور ایک آدمی بھی اگر دنیا میں ایسا موجود ہے تو خدا اس کے لیے بھی تہذیبی ضرور لائے گا۔ پوچھا گیا رسول اللہ ﷺ! کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ فرمایا: جب زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہا تو قیامت آئے گی۔ اس میں مذہب کی کوئی تخصیص نہیں اور نہ نظریاتی اختلافات کی کوئی تخصیص ہے۔ اللہ کو اپنے مقصد کا اگر ایک آدمی بھی مل گیا تو آپ کی دنیا آباد رہے گی۔ اب بھی اگر مہدی اور عیسیٰ آخرا زمان آئیں گے تو وہ یقیناً ایک اصول کے تحت آئیں گے۔ ایک بہت بڑے اصول کے تحت کہ جب تمام انسانیت انحراف ذات پروردگار پر ہوگی تو وہ چند لوگ جو اپنے لیے آرزو کریں گے اخلاص کی:

برات عاشقان در دل

جو محبت پروردگار اور ہمسائیگی پروردگار کی آرزو کریں گے تو خدا ان کے لیے ضرور انقلاب لائے گا۔ خدا ان کے لیے ضرور عروج کی وہ ساعتیں لائے گا جو ان کے زوال کے غموں کو دور کر دے گا۔ مختصراً میں آپ سے عرض کر رہا ہوں کہ بہت سارے ڈینا پرست لوگ بہت سارے اعداد و شمار کی پرستش کرنے والے لوگ جب یورپ جاتے ہیں ان کی ثروت مندی دیکھتے ہیں:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے گلوں کی ریزہ کاری ہے

تو ہم اس سے متاثر ہیں۔ ترقیوں کا کریڈٹ تو جانا چاہیے مگر ان کو کریڈٹ دینا اور ذہنی طور پر مرعوب ہو جانا دو بڑی علیحدہ سی چیزیں ہیں۔ اور چاہے امریکہ یا کوئی بھی بندہ کسی وقت بھی مزاحمت اور مدافعت کر سکتا ہے اور کرتے رہتے ہیں لیکن اگر آپ غور کریں تو جدید ٹیکنیک ایسی ہے جیسے امریکہ نے بہت پہلے سوچ لیا تھا کہ افغانستان کے پاس کوئی جوانی دفاعی کارروائی نہیں ہے اور یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ عراق کے پاس بھی کوئی جوانی دفاعی کارروائی نہیں ہے اس لیے اس نے کشادہ دلی سے ہتھیار نہ کارروائیاں کیں۔ مگر خواتین و حضرات! اس تمام ڈیٹا کے باوجود ایک چھوٹا سا نقطہ آپ کو نظر آئے گا۔ عراق کی اس جنگ میں جب گر موصل میں داخل ہو رہے تھے تو ترکی نے دھمکی دی بلکہ اس نے اپنی فوج عراقی علاقے میں داخل کر دی تو ترکی کے خلاف عالمی قوت کا کیا جواب تھا کہ نہ صرف دوڑتے ہوئے ان کے پاس گئے، منت سماجت کی بلکہ ان سے عرض کی کہ آپ موصل میں اپنے نمائندے بھیج دیں، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں وہاں کوئی گرنہیں۔ تو جو یہ سارے دھمکی آمیز ڈیٹا چل رہے تھے یہ بڑے غرق ہوئے تھے مگر پہلی دفعہ شاید امریکہ کو یہ شبہہ ہوا کہ واقعی ایک خاص فوج میرے مقابلے میں آئی جیسے ترکی کی ہے تو اس صورت کے ساتھ انہوں نے گریز کیا جنگ کے ساتھ۔ اور کیا کچھ نہ کیا انہیں یقین دلانے کے لیے تو بات یہ ہے کہ

پس پردہ ہیں یہ فریب کار کیا کیا

بجائے اس کے کہ ہم خوفزدگی کے عالم میں رہیں۔ آپ تھوڑی سی تیاری تو کرو۔ تھوڑا سا حوصلہ تو پکڑو۔ لڑنے کا نہیں۔ یہ بہت دیر کی بات ہے اور ایک بات یاد رکھو مسلمان ویسے ہی لڑائی میں کبھی پہل نہیں کرتا مگر اپنے تحفظات کو خوف کی نظر تو نہیں کرنا چاہیے۔ مایوسی کی نظر تو نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کہاں کی غفلت ہے کہ میں دوسروں کے گن گانا پھروں اور اپنے لوگوں کی اخلاقی اور نفسیاتی ہمتیں ہی پست کرنا پھروں۔ یہ جو سوچی سمجھی کوششیں ہو رہی ہیں امت مسلمہ کو شکست کے صدمے دینے کی جو کوشش کر رہے ہیں یہ قطعاً غیر منطقی ہیں۔ میں دو احادیث پر اپنی بات ختم کروں گا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میری امت کسریٰ سے جہاد کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ میری امت قیصر سے جنگ لڑے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ میری امت چھٹے چہرے ڈھال والے لشعے کے جوتوں والوں کے ساتھ جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی اور زمانہ آخر میں میری امت دجال سے جنگ کرے گی اور اس پر بھی غالب آئے گی۔ یہ کمال امت ہے جو صادق اور امین کی بات پر یقین ہی نہیں رکھتی مگر ایک بات انہی احادیث کی روشنی میں کہ اب اس امت کے لیے آدھی شکست اور پوری فتح ہے۔ اب ہمارے نصیب میں ایک آدھی شکست اور لکھی ہوئی ہے مگر اس آدھی شکست کے بعد آپ کو ایک انتہائی مکمل فتح نصیب ہوگی اور اس کے بعد یہ جنگ وجدل کے فسانے ختم ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ العزیز اللہ چاہے گا اور آپ لوگوں کا اخلاص خدا سے یہ رعایت طلب کر کے رہے گا، آپ کی محبتیں روئے یزداں پر کچھ نہ کچھ رنگ تو بکھیریں گی، اس عمل کے پیچھے بھی کوئی حرکت تو ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ اس کے روئے زیبا سے نقاب اٹھ جائیں گے اور آپ کے دل بھی ایمان کی روشنی سے منور ہوں گے اور اللہ کی یہ بات سچی ہوگی۔ ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم لا علون ان کنتم

مومنین (سورۃ آل عمران، آیت ۱۳۹) کہ تم ہی غالب ہو اگر ایمان والے ہو لیکن اگر کبھی غالب نہیں آئے ہو تو یہ ضرور پیچھے پلٹ کے دیکھنا کہ ہم میں کوئی ایمان والا تھا کہ نہیں۔

مذہب اور اخلاقیات

سوال: ہمارے ہاں نمازی اور مساجد بڑھ گئی ہیں لیکن اخلاقی اقدار شدید انحطاط کا شکار ہیں۔ مغرب میں مذہب نہیں ہے مگر ان کی اخلاقی اقدار ہم سے بہتر ہیں۔ تو یہ صورتحال دو سوال پیدا کرتی ہے کہ:

☆ ہمارے مذہب میں ہماری جو اقدار ہیں ان کو نمایاں کرنے میں یا ان کو عملی صورت دینے میں کیا ہمارا مذہب ناکام ہو چکا ہے؟

☆ کیا حقوق اللہ کی زیادہ متابعت حقوق العباد کی طرف سے توجہ کم کر رہی ہے؟

جواب: یہاں آپ نے جو لفظ ”مورل“ استعمال کیا ہے وہ محل نظر ہے کیونکہ آج تک دنیا کے کسی بھی دنیاوی سسٹم نے اخلاقی نظام نہیں دیا۔ کوئی بھی دنیا کا ایسا نظام نہیں ہے جو زمین پر انسانوں کے ہاتھوں سے بنا اور پروان چڑھا ہو اور اس نے کوئی اخلاقی نظام دیا ہو۔ دوسری طرف اللہ نے کوئی اخلاقی نظام کا اختیار انسان کے ہاتھ میں نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ کہ آج کا جو نمائندہ ترین نظام سیکولرازم ہے اور سیکولرازم کی تعریف انسائیکلو پیڈیا میں درج ہے کہ مذہب کو ہر اس اقتدار کی مسند سے ہٹا دینا جہاں وہ دنیاوی معاملات میں دخل دے سکے۔ یہ بہت پہلے کی بات ہے کہ جب انگوٹزی کا دور شروع ہوا تو انہوں نے یہ محسوس کیا کہ مذہب دنیاوی معاملات میں مداخلت کر کے ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ یہ اس لیے ہوا کہ:

Christianity has no practical morality. Christianity is a religion of intention.

اور اس میں نیتوں پر اس قدر زور دیا گیا کہ اس کی جوتیوں عملی پہلو تھا وہ بالکل سامنے نہیں آتا۔ جیسے اگر کسی نے ایک تھپڑ تمہارے ایک گال پر مارا ہے تو بجائے بدلے کے تم اسے دوسرا گال بھی پیش کر دو تا کہ وہ حسرت و ظلم منالے اور مظلومیت کی وجہ سے آپ خدا کے قریب تر ہو جائیں۔

دوسری بات آپ جن ملکوں کی کر رہے ہیں وہاں غیر عملی مسیحی فلاسفی تھی۔ اس کے نتیجے میں خود انجیل کے ایک سو چھتیس متن ہیں اور پاپائے روم نے ان کو اکٹھا کرنے کے بعد ایک واحد متن تیار کیا جسے Black Bible کہتے ہیں۔ اب اگر دیکھا جائے تو ہم میں سے بڑے لوگ انجیل اور قرآن کا موازنہ کرتے ہیں جو بالکل غلط ہے کیونکہ موازنہ میں اس وقت کروں جب وہ یہ نہ مانتا ہو کہ میری کتاب میں کوئی نقص نہیں ہے۔ جب وہ خود اس کو اچھی طرح تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری انجیل کے ایک سو چھتیس متن ہیں اور پھر ان کو اکٹھا کرنے کے بعد ایک بلیک بائبل بنائی گئی تو اس کے بعد میرا خیال ہے کہ ہم پر لاگو نہیں ہوتا کہ ہم ان کے موازنہ اور قرآن کی حقانیت ثابت کرتے پھر اسے قرآن اور انجیل میں بہت فرق ہے۔

مگر آپ اندازہ کیجئے کہ جب بہت بڑے فلاسفر اور دانشور لارڈ رسل سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ

Why should I? All gospel truth is alike.

انجیل اور قرآن میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس کی ایک وجہ ہے کہ خداوند کریم نے بڑی وضاحت سے کہا کہ میں ان کتابوں کو اب تسلیم نہیں کرتا۔ جب وہ پیغمبر تھے تو میں ان کتابوں کو تسلیم کرتا تھا اور اب ان میں بنیادی تحریفات ہو چکی ہیں۔ قرآن میں بڑی وضاحت سے اللہ نے کہا تم بحر فونہ من بعد ما عقلوہ و ہم یعلمون (سورۃ البقرہ آیت ۷۵) اس لیے اب میں انہیں تسلیم نہیں کروں گا یہ میری نہیں ہیں اور اگر آج کسی کو خدا سے کوئی نبوت درکار ہو گیا اس کو خدا سے کوئی بحث کرنا ہے یا خدا کو غلط یا صحیح ثابت کرنا ہے تو اس کے لیے جو حوالے کی کتاب ہوگی وہ نہ تورات ہوگی نہ نعمات سلیمان ہوں گے نہ انجیل ہوگی نہ عہد نامہ قدیم و جدید ہوگا بلکہ صرف اور صرف قرآن ہوگا اور قرآن اس چیلنج کا ہر طرح سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہے۔

دوسرے یہ کہ مسیحی اخلاقیات اس وقت اس قدر خراب ہو چکی تھی جو اب شاید ہمارا حال ہے بلکہ اس وقت شاید کہیں اس سے بھی بدتر حال تھا کیونکہ اس وقت عیسائی سند جاری کیا کرتے تھے جسے سند نجات (Certificate of Redemption) کہتے تھے۔ پانچ پونڈ کا، دس پونڈ کا، پچاس پونڈ کا۔ جنت کے بہت سارے حصے بنائے ہوئے تھے اور پادری حضرات فرماتے تھے کہ تم نے کونسی جنت کو جانا ہے۔ بڑی جنت کو جانا ہے پچاس پونڈ کیسا کو دو چھوٹی جنت میں جانا ہے تو دس پونڈ۔ میں دیکھتا ہوں کہ اتنے سالوں کے بعد ماشاء اللہ مسلمانوں میں بھی اب یہ عادات آگئی ہیں کہ بڑی بڑی تنظیمیں چندہ دینے والوں کی رشوتیں معاف کر دیتی ہیں تو منطقی طور پر یہ ایک جیسا طریق کار ہے۔ وہ مذہب اس وقت بھی عملی نہیں تھا۔ پھر یورپ میں بہت عرصے تک پاپائے روم کا ریڈنیل کی وجہ سے اور ان کے مذہبی رہنماؤں کی وجہ سے ہمیشہ سیاسیات میں بھی پورا عمل دخل رکھتا تھا۔

مذہب ایک عملی طاقت کی طرح یورپ کی رہنمائی کرتا رہا حتیٰ کہ یورپی لوگ انتہائی سنجیدگی سے سوچنے لگے کہ مذہب اب آنت الہی بن گیا ہے اور ہمارے لیے عذاب و مصیبت بن چکا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس کی مخالفت شروع کر دی اور جب روشن خیالی کا دور آیا، جب مسلمانوں کی کتابیں وہاں پہنچیں، جب الغزالی اور ابن رشد پہنچے تو اس کے بعد آکسفورڈ میں جب الغزالی، ابن رشد اور ابن سینا پڑھائے گئے تو یہ فیصلہ ہوا کہ وہ اب مسیحیت کا دفاع نہیں کر سکتے۔

میں پھر زور دوں گا کہ اس وقت کے دانشوروں نے دیکھا کہ علمی اور تحقیقی تجسس کے معیار پر انجیل پوری نہیں اترتی تو انہوں نے دین کو دنیا سے خارج کرنے کا فیصلہ کیا اور فرانس، یکنس جو ایک بڑا تاریخ ساز مفکر ہے، اس نے یہ بڑا مشہور جملہ بولا جو آج بھی ہماری تمام سیکولر فلسفہ اور تمام سیکولر لازم ذہن کی بنیاد ہے اور وہ یہ ہے کہ:

Religion is a private matter. Even today most of us think that religion

is a private matter.

اور انہی کے اثرات جب برصغیر میں آتے گئے تو انگریزوں نے جس فلسفہ کا سب سے پہلے اضافہ کیا وہ مذہب اور اس کی

Dogmatic Approach سے متعلق تھا۔ ایک Dogma ہے اور ایک Theme ہے۔ Dogma سوال برداشت نہیں کر سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب انگریزی تعلیم برصغیر میں آئی تو ماشاء اللہ بڑے بڑے نیک اور عبادت گزار دہریے ہو گئے۔ حتیٰ کہ اب اگر کسی کو وہی کوفت نہ ہو تو میں آپ کو ان بڑے بڑے بڑے بڑے بڑے نیک اور عبادت گزار دہریے ہو گئے۔ ان میں بڑے مشہور مفسر قرآن حضرت قبلہ عبدالماجد دریا بادی بھی تھے۔ یہ سارا سوال اس لیے پیدا ہوا کہ اس وقت سیکولرزم کے اس حملے کو اسلام نے روک دیا۔ صرف ایک وجہ سے اور وہ وجہ یہ تھی کہ قرآن کی جو معلومات تھیں اور قرآن کا جو سائنسی اور عملی پہلو تھا وہ آج تک کسی بڑے سے بڑے فلسفی سائنسدان اور دانشور سے غلط ثابت نہیں ہو سکا۔ اگر قرآن نے یہ کہا وجعلنا من الماء کل شیء حی (سورۃ الانبیاء آیت ۳۰) اس سے آج بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اگر قرآن نے یہ کہا کہ وسخر الشمس والقمر کل یجری لا یجل مسمی (سورۃ فاطر آیت ۱۳) ہم نے چاند اور سورج مٹھ کر رکھے اور یہ تمام وقت مقررہ تک چل رہے ہیں۔ تو آج بھی کوئی سائنسدان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو بات قرآن نے پندرہ سو سال پہلے بغیر کسی سائنسی تجربے کے کہی وہ بالکل درست ہے۔

ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے امریکہ سے ایک دانشور تشریف لائے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی تھے اور اسلام پر نئی کتاب لکھ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے آ کر کہا کہ ایک سوال کی تلاش میں بڑی دور گیا ہوں اور یہی سوال میں آپ سے کر رہا ہوں تو انہوں نے کہا کہ مسیحیت میں ابتدائے کائنات کا عرصہ چھ ہزار سال کا ہے اور ہندو مت میں کوئی اٹھارہ ہزار سال کا ہے۔ اسلام اس کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ میں نے اسے کہا کہ بات یہ ہے کہ میں کوئی وضاحت نہیں کروں گا۔ ایک سادہ سی قرآنی آیت سناؤں گا اور اس کا ترجمہ بھی سادہ سی انگریزی میں کروں گا۔ اگر آپ کو سمجھ آ جائے تو ٹھیک ہے۔ آپ ابتدائے کائنات کے مسئلہ کو خدا کے حوالے سے سمجھ جائیں گے۔ میں نے اسے یہ آیت سنائی اولم یواللین کفروا ان السموات والارض کاننا رتقا ففتقنہما (سورۃ الانبیاء آیت ۳۰)

In the beginning heavens and earth all were one mass. Then we (Allah) forceably tore them apart.

تو میں نے کہا کہ قرآن میں ابتدائے آفرینش کے بارے میں یہ مذکور ہے۔

He said its classic, its big bang.

آج ہمارے پاس چھپن یا چھتیس کے درمیان جو بھی تھیمز ہیں جو کائنات کی ابتدا کے بارے میں گردش کر

رہے ہیں۔

They all say one and the same thing that in the beginning, heavens and earth were one mass and then they were torn apart by some centrifugal force.

اب اگر غور کیجیے تو ان حقائق کی وجہ سے قرآن اپنے خلاف ہونے والے حملے کو برداشت کر گیا اس لیے قرآن کو غلط کہہ کر اسے لوگوں کے سینوں، دلوں اور دماغوں سے نکالنا نہیں جا سکتا جیسے مسیحیت میں بڑا آسان تھا کہ سائنسدان کہتے تھے کہ ہماری تحقیق یہ ہے۔ ہم یہ فکر کر رہے ہیں لیکن آپ کی عیسائیت یہ کہہ رہی ہے۔ جب بات عملی زندگی کی آئی تو دوبارہ

قرآن عادتاً زندگی کے ہر شعبے میں مثبت مداخلت کرتا تھا۔ قرآن بتاتا ہے کہ ایک قوم کو اس لئے تباہ کر دیا کہ یہ کم تولتے تھے۔ واقیمو الوزن بالقسط ولا تخسرو المیزان (سورۃ الرحمن، آیت ۹) اور وزن کو انصاف سے تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔ وہ طرز حیات بتا رہا ہے اخلاق بتا رہا ہے اور طریق زندگی بھی بتا رہا ہے اور

All those decencies, which are now being practiced in the West are simply a part of Islamic civilization, which passed from the East to the West.

تہذیبوں کا اس طرح تبادلہ ہوتا رہتا ہے جیسے زبانوں کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ مغرب نے ہم سے قریباً قریباً تمام اچھی اقدار لے لی ہیں۔

اب آپ اس وقت پاکستان میں دیکھ لو، یورپ میں دیکھ لو، کہیں بھی دیکھ لو۔ جمہوریت کا سب سے بڑا ہتھیار چونکہ اکثریت ہے اور

Majority of the people is never Immoral. You must remember this.....

لہذا جمہوریت میں اکثریت فیصلہ ساز ہوتی ہے جیسے برطانیہ میں ایک ہاؤس آف لارڈز ہے جو نام نہاد تعلیم یافتہ طبقہ ہے اور ایک دارالعوام ہے جو ان پڑھوں یا عام لوگوں کے لیے ہے۔ اب دارالعوام نے ایک قانون ہم جنسیت تین مرتبہ ہاؤس آف لارڈز کو پیش کیا۔ اصولاً تین مرتبہ انگریزی قانون کسی ترمیم سے انکار نہیں کر سکتا، لہذا ان کو قبول کرنا پڑا یعنی جو جبلی اکثریت تھی بالآخر اس نے عقل والی لارڈ شپ کو بھی متاثر کیا اور قانون بن گیا۔ اگر آپ دیکھیں تو دنیا کے جتنے اخلاقی جرائم کو قبولیت کی سند دی گئی وہ جمہوری ممالک میں دی گئی۔ ان تمام اخلاقی جرائم کی اجازت ایک مذہب کے نزدیک یا مہذب معاشروں میں ہمیشہ سے جرائم سمجھے جاتے رہے ہیں۔ ایک جمہوری ملک ہی ایسی اجازت دے سکتا ہے۔ کوئی بھی مذہب یا کلاسیکل معاشرہ نہیں دے سکتا۔

They would call it liberties.....

Last time when I was in U.S.A, I saw a big procession, which was almost comprising of all these people.

اور اس میں انہوں نے یہی مطالبہ کیا اور اسی شام مجھے پتہ چلا کہ وہ مطالبہ بھی تسلیم کر لیا گیا کہ آدمی کی آدمی سے شادی کی اجازت ہے اور یہ کہ ایسے جوڑوں کو کم از کم نیویارک میں حقوق ملکیت بھی دیے جائیں۔ جب میں امریکہ سے واپس آ رہا تھا تو میں سوچ رہا تھا کہ اسی لیے اخلاقیات کبھی بھی اللہ نے دنیاوی لوگوں کو نہیں دی کیونکہ یہ اپنی مرضی سے ان اخلاقی اقدار کو تشکیل دیتے ہیں انہیں خراب کرتے ہیں۔ چونکہ اکثریت ہمیشہ جبلی اقدار کے قریب ہوتی ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ اکثریت مل کے فیصلہ کر لے کہ چوری ٹھیک ہے تو چوری ٹھیک ہوگی۔ اس میں اخلاقیات کا جو فیصلہ ہے وہ اکثریت کے پاس ہے۔ عقل و فہم و فراست کے پاس نہیں۔

ہم لوگ عبادات زیادہ کرتے ہیں اور یورپ عبادات سے فارغ ہے۔ یورپ عبادات سے فارغ ہونے کے بعد ترقی پذیر ہے اور مشرق عبادات کے ساتھ زوال پذیر ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ اہل کفر کی ثروت اور امارت سے پریشان ہوتے تھے اور بعض اوقات دعا کرتے تھے کہ محمد ﷺ و آل محمد کے لیے دو وقت کی روٹی بھی نہیں ہے اور دشمنوں کے کاروبار بچے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اگر ایک مصلحت مانع نہ ہوتی تو ہم اہل کفر کے درو دیار سونے چاندی کے کر دیتے، ان کی سیڑھیاں بھی سونے چاندی کی کر دیتے مگر مصلحت جو مانع تھی وہ یہ کہ پھر اس دنیا میں کوئی مسلمان ہی نہ رہتا۔ ظاہر ہے جب تمام نعمتیں اہل کفر کو ملتی ہیں تو ایک بڑی غلط قسم کی توجیہ کی جاتی ہے کہ وہ دین کو چھوڑ کر آسودہ حال ہیں اور ہم دین کو اختیار کر کے غریب ہیں۔ حالانکہ منطقی طور پر یہ بات بڑی غلط ہے۔ اگر ہم پاکستان والے یا شرقی دین چھوڑ بھی دیں تو بھی شاید ہم اسی طرح غریب رہیں۔ جیسے اقبال نے کہا کہ اگر کوئی کالا جیشی بھی اسلام قبول کرے تو رہے گا وہ کالا جیشی ہی۔ اس کو فرق کوئی نہیں پڑتا۔ وچہ صرف یہ ہے کہ ہماری اقدار خوبصورت ہیں، شاندار ترین الفاظ اور لباس میں ملفوف ہیں اور ہم ان پر فخر کرتے ہیں، نمازاں ہیں مگر ہم میں کوئی معاشرتی اور سماجی شعور نہیں ہے۔ ہم ان اقدار کو اپنی عملی زندگی میں کبھی بھی استعمال نہیں کرتے۔

اب ایک سوال کرنے والے نے تو بہت سمجھ کر سوال کیا کہ جس ملک میں تین سو تیرہ اللہ کا نام لینے والے پیدا ہوئے یا تین ہزار مسلمان بیعت شجرہ و رضوان کے وقت موجود تھے۔ انہوں نے تو وقت کی دو بڑی انتہائی طاقتور سلطنتوں کا تختہ کر دیا اور ہمارے اخبار میں بڑے اعلیٰ بیانات آتے ہیں کہ بیس لاکھ فرزند ان تو حید کا اجتماع۔ اور ایک صاحب سے میں نے سنا کہ پانچ لاکھ فرزند ان تو حید یہاں جمع ہیں اور ہمارے پیچھے پانچ کروڑ فرزند ان تو حید اور بیٹھے ہیں۔ اب اتنے سارے فرزند ان تو حید جب جلسوں سے فارغ ہوتے ہیں تو پاکستان کے نصیب میں کوئی اور ذلت شامل ہو جاتی ہے۔ اتنے لوگ مل کے دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں اور دیکھا یہ جاتا ہے کہ اس کے بعد کوئی بڑا فاسق تخت پر آ کر بیٹھ جاتا ہے اور کوئی زیادہ بڑا ظلم ملک کے ساتھ ہو جاتا ہے اور کوئی زیادہ بڑی ذلت نصیب دشمنان نہیں نصیب دوستاں ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے خدا اس پر خوش نہیں۔ آپ خدا کو کیا الزام دے سکتے ہیں۔ آپ اللہ کی بد قسمتی سمجھو یا اللہ کی خوش قسمتی۔ وہ دلوں کے حال جانتا ہے۔

واعلم متبذون و ماکنتم نکتمون (سورۃ البقرہ آیت ۳۳) اور قول و فعل میں ہم آہنگی کے باوجود آدمی منافق ہو سکتا ہے۔ ہاں قول و فعل اور فکر جب تینوں ایک جگہ ہوتے ہیں تو پھر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ آدمی مخلص ہے۔

As for as the progress of the West is concerned, they had not built any moral philosophy, no moral fabric is there, but they have definitely created a commercial morality.

مثال کے طور پر جب آپ امریکہ یا یورپ میں کسی پل سے گزرتے ہیں تو آپ اس کو سکھ دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے Thank you, have a nice day, enjoy!! اور اگر سکھ نہیں دیتے تو ساتھ ہی بڑی انگریزی گالی آپ کو سننے کو ملتی ہے۔ عملاً یہ ایک تجارتی انداز کی اخلاقیات ہے کیونکہ انہوں نے کسی بھی معاشرے کو تجارتی نقصان سے بچانے کے لیے جن سہولتوں کا تعین کیا ہے اس کو ہم فلاسفی نہیں کہہ سکتے۔ اگر آپ مہذب ہو جائیں۔ آپ کے ملک میں سہولتیں مہیا ہوں۔ آپ کے ملک میں بھی طرز زندگی بہتر ہو جائے تو آپ بھی خوشحال ہو جائیں۔ آپ کی جو فلاسفی ابھرے ہوگی۔ وہ کمرشل نہیں ہوگی۔

نیچرل اور اسلامک ہوگی۔ اگر ایک گھر کو آگ لگی ہوئی ہے تو ہر آدمی کو شش کرنا ہے کہ سب سے پہلے قیمتی چیز بچائے۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ آج اسلام کے ہر گھر میں ایک ایسی آگ لگی ہوئی ہے کہ ہم اگر خدا کے تصور اور ترجیح کو بچا جائیں تو یہی سب سے بڑا کارِ ثواب ہے۔ خدا نے قرآن میں ہر جگہ گناہ کو خسارہ کہا۔ ایک خسارے کا پہلو ہے ایک نفع کا۔ گناہ تمام تر خسارے میں آتا ہے۔ ایک چیز اللہ نے آپ کو بہتر مقاصد کے لیے دی ہے اور وہ چیز آپ اچھے اور صاف سحرے مقاصد کے لیے استعمال کریں گے تو وہ دیر پا ثابت ہوگی، تسکین بخش بھی ہوگی اور وہ زندگی بھر آپ کا ساتھ بھی دے گی۔ اگر آپ اس کو غیر منطقی چیز کے طور پر استعمال کریں گے تو وہ جلدی ضائع ہو جائے گی۔ فرض کیجیے کہ انسان اور عورت میں ایک تولیدی قوت ہے جس کو آپ ایک جگہ جوڑتے ہیں ایک ملاپ کا سلسلہ ہوتا ہے اور اس سے بچے پیدا ہوتے ہیں اور اس سے ہر کوئی راضی ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ اسے غیر قانونی طور پر استعمال کرنا شروع کر دیں تو اللہ اس کو اس لیے خسارہ کہے گا کہ اس کے پیچھے جو اخلاقی ضمیر ہے وہ آپ کو اتنے کچھ کے لگائے گا کہ نہ آپ کو چین لینے دے گا اور نہ اس قوت کے زوال پذیر ہونے کا سبب بنے گا۔ تمام گناہ ایک خسارہ ہیں جو آپ کے توازن کو خراب کرے گا اور ثواب اسی طرح عملاً آپ کے فوائد میں سے ہے۔ اللہ کو آپ کے گناہ و ثواب سے کوئی غرض نہیں ہے۔ شریعت اس لیے ہے کہ بہت سارے خسارے بہت تھوڑی سزا سے زمین پر پورے ہو جائیں۔ اللہ کی بنیادی غرض انسان کی نیت اور خیال کی کمنٹ سے ہے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ جو چیز کسی نے دی ہے اس کا عوض اس نے قبول کرنا ہے۔ اللہ نے اگر انسان کو کوئی خاص چیز دی ہے تو وہ عقل دی ہے۔ فہم و فراست دی ہے اور اس کا مقصد یہ بتا دیا کہ تجھے یہ عقل اس لیے دی ہے کہ تو غور و فکر کرنے کے بعد مجھے ماننے اور پہچاننے کے قابل ہو جائے۔ اگر انسان اس میں ناکام ہو گیا تو اس نے اپنی پیدائش، تخلیق اور خدا کی تخلیق کے مقاصد پورے نہیں کیے۔

اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ گناہ اکتساب کا سبب بنتا ہے۔ بعض اوقات توبہ آپ کی آسودگی کا سبب بنتی ہے کیونکہ حضرت آدمؑ نے جو پہلا کام خدا کے حضور کیا وہ خطا تھی اور خداوند کریم نے سب سے پہلا کام جو انسان کے حق میں کیا وہ توبہ قبول کی۔ عبادات تو بہت بعد میں آئی ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو تافلدا انسان خطا اور توبہ سے شروع ہوا ہے۔ ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ توبہ آپ کا خسارہ پورا کر دیتی ہے۔ توبہ ایک ایسی چیز ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے توبہ کی وہ ماں کے پیٹ سے تازہ جنا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا توبہ ایک ایسی چیز ہے جو ایک مرتبہ سے حتمی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بعض اوقات جہلت اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ وہ ایک توبہ سے پوری طرح اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی۔ پھر جب تھوڑی دیر یہ قائم رہے گی پھر آپ گناہ کریں گے پھر اس پر گناہ کی سرزنش آئے گی پھر آپ توبہ کرو گے تو بسا اوقات حدیث مبارکہ کی رو سے اگر ساری زندگی انسان خلوص دل سے توبہ کرتا رہے تو اس کی توبہ قبول کی جاتی رہے گی۔ اس کی ایک وجہ ہے کہ

Toba is not a fixation---man is variable unit.

آدمی ہر وقت ایک بدلتا ہوا یونٹ ہے۔ اس کا اخلاق ایک وقت میں بہت اچھا، ایک وقت میں کم اچھا، ایک وقت میں سرے سے ہونا ہی نہیں۔ ایک دن میں انسان پر اتنے مراحل آتے ہیں کہ وہ کسی چیز پر نکتا ہی نہیں۔ آپ کی کوئی

دوسری نماز پہلی جیسی نہیں ہوتی اور آپ کے مراحل آپ کے خیال آپ کی فکریں ہر جگہ آپ کو تبدیل کرتی رہتی ہیں۔ پھر اگر انہی خطا کاریوں میں آپ کسی خطا کے مرتکب ہو جائیں تو مسئلہ یہ نہیں کہ آپ توبہ کے بعد پھر توبہ کیوں کریں گے یا توبہ کے بعد توبہ کرنے کا مقصد نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب بھی خطا ہو، خلوص دل سے توبہ کرنی چاہیے۔ چاہے آپ کو ستر مرتبہ توبہ کرنی پڑے۔ جب جہلت کمزور ہوگی تو توبہ غالب ہو جائے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن ضرور آئے گا کہ حضرت انسان اپنی خطا کاریوں کی روش سے انکار کرنے کے قابل ہو جائے گا۔

دعا

سوال: دعا کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: میرا یہ خیال ہے کہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پر واز مگر رکھتی ہے

بندے اور خدا کے درمیان دعا انتہائی ذاتی تعلق رکھتی ہے۔ دعا ایک خصوصی تعلق ہے۔ یہ ایک برآمدہ ہے۔ مجھے ایک بہت بڑے اور مشہور نجومی سے بات چیت کا اتفاق ہوا تو میں ان سے کہہ رہا تھا کہ اللہ نے زمین و آسمان میں کچھ برآمدے ضرور رکھے ہیں کہ

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

تو اس نے کہا نہیں پروفیسر! سیزھیاں۔ تو جب اس نے سیزھیاں کہا تو میں بڑا چونکا ہوا اور اس سے کہا کہ میں غلط لفظ استعمال کر رہا ہوں۔ اصل میں قرآن میں لفظ ہی معارج استعمال ہوا ہے تو میں بڑا حیران ہوا کہ میں قرآن کی ذرا اپنے انداز سے غلط تشریح کر رہا تھا اور اس نے سائنسی طور پر صحیح تشریح کر کے بتایا کہ اس کائنات میں کچھ سیزھیاں ہیں اور ان سیزھیوں کے ذریعے آپ بڑی آسانی سے یہاں انتہا پھیلے ہوئے سراب کے فاصلے وصل کے حقائق میں بدل سکتے ہیں اور کوئی بھی شخص ایک خاص فریکوئنسی پر ان سیزھیوں سے گزرتا ہے تو خدا کے قرب و جوار میں جا رہتا ہے۔ دُعا اس فاصلے کی وہی سیزھی ہے۔ دُعا بھی ایک ایسی سیزھی ہے جو تمام فاصلوں کو ختم کر دیتی ہے۔

اسی لیے جب دعا کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ اتنی ساری دعاؤں کے باوجود کیوں دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟ تو فرمایا یہ مت کہو۔ ان ربی لسمع الدعاء (۱۴) (ابراہیم: ۳۹) بلاشبہ میرا رب دُعا سنتا ہے۔ اللہ اس لیے جواب نہیں دیتا کیونکہ اللہ کے نزدیک وژن اور تعلیم آپ کے پورے احاطہ زندگی کو لیے بیٹھی ہے۔ اس کو یہ معلوم ہے کہ اگر میں اس کو بیرون ملک میں داخلہ دے دوں جیسے اس کے ماں باپ چاہتے ہیں اور یہ بیرون ملک چلا جائے اور یہ وہاں تعلیم یافتہ ہو تو یہ کبھی گھر نہیں پلے گا۔ اس کو یہ اچھی طرح علم ہے کہ یہ ہمیشہ کے لیے دین سے جائے گا مگر نیک ماں باپ یہ آرزو کرتے ہیں کہ بچہ پڑھ جائے نیک بن جائے اس کو کہیں وظیفہ مل جائے یا باہر چلا جائے مگر اس بچے

کو باہر داخلہ نہیں ملتا کیونکہ خدا کہتا ہے کہ مجھے یہ علم ہے کہ اگر یہ باہر چلا گیا تو پھر یہ تمہارے کام کا نہیں رہے گا۔ اگر تم اس کے لیے نیکی کی دعا میں مانگ رہے ہو تو پھر نیک نہیں رہے گا۔ پھر یہ اسی طرح گوسفندانِ قدیم میں سے ایک گوسفند ہوگا۔ اسی کی طرح کا آدمی ہوگا۔ اس کا حشر بھی وہی ہوگا اور کم از کم یہ دعا نہیں ہے جو تم اس کے لیے کر رہے ہو یہ بد دعا ہے۔ اس لیے بعض اوقات ہمیں غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ اس کا بڑا سادہ سا قانون ہے وہو کبرہ لکم وعسی ان تکرھوا شیئاً وهو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیئاً وهو شر لکم واللہ یعلم وانتم لاتعلمون (۲) (البقرہ: ۲۱۶) اور یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو مانگا اور سمجھا اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور یہ کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو بے شک اللہ ہی خوب جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

قرآن کے تلفظ کی ادائیگی

سوال: آیت کے تلفظ کی ادائیگی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کئی دفعہ ہم قرآنی آیات گفتگو کے انداز میں پڑھ جاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

جواب: اگر آپ اس کی ادائیگی کو جان بوجھ کر غلط نہیں پڑھ رہے، بعض اوقات روانی میں، بعض اوقات یادداشت کی غلطی کی وجہ سے، بعض اوقات ذہنی جھکن کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ آپ کسی قرآنی آیت کو غلط پڑھ دیں مگر اللہ آپ کی نیت جانتا ہے اور آپ کو اس کی پریشانی نہیں ہوتی۔ جان بوجھ کر غلط آیت پڑھنے والا یقیناً گنہگار ہے۔

پاکستان اور اسلام

سوال: مسلمانوں کے زوال اور بزدلی کے زمانے میں تمام مسلمان حکمرانوں میں سے صرف ایک مسلمان لیڈر مہاتیر محمد جس طرح بیانات دے رہے ہیں، کیا آنے والے وقتوں میں مہاتیر محمد کوئی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں؟ (اس وقت مہاتیر منصب اقتدار پر نہیں ہیں)۔

جواب: مہاتیر محمد کا لہجہ کم از کم مسلمانوں کا سا ہے، حالانکہ اس کے پاس وہ آلات بھی نہیں ہیں مگر میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ اسلام کی بنیاد اس کی اساس پاکستان پر ہے۔ دنیا میں دو ملک ہیں جو اللہ کے لیے بنے یا دین کے لیے بنے۔ ایک اسرائیل اور ایک پاکستان۔ دونوں میں ایک بڑا فرق یہ رہا ہے کہ اسرائیل اپنے وجود میں آنے کے بعد اب تک اپنے وجود کو مستحکم کرنے میں یا اپنی ندھی اپروچ کو مستحکم کرنے میں لگا رہا اور پاکستان کے ساتھ یہ بد قسمتی ہوئی کہ پاکستان بننے کے فوراً بعد ہی پاکستان کے جملہ حکمران اس کی بنیاد کو غیر مستحکم کرنے میں لگے رہے مگر ایک بڑا فرق یہ رہ گیا کہ اسرائیل مستحکم ہونے کے باوجود اور پاکستان غیر مستحکم ہونے کے باوجود اپنے مراتب میں برابر چلتے گئے۔ اگر ادھر وہ ایٹمی پاور ہے تو ادھر پاکستان بھی ایٹمی پاور ہے۔ جملہ مکر و فریب جو اس ملت اسلامیہ میں جاری ہے اور تمام مکر و فریب جو ہمارے حکمرانوں میں جاری ہے، اللہ کے فضل و کرم سے دو بڑی بنیاد پرستیاں اس پاکستان کی زمین میں دھڑکتی ہیں۔ ایک اللہ کو ماننا اور ایک محمد رسول اللہ ﷺ سے پیار کرنا اور یہی ایمان ہے۔

مسلمانوں کے زوال کی وجوہات

سوال: مسلمانوں کے زوال کی وجہ یہ تو نہیں کہ ہم نے اسلام کے قوم پرستی کے تصور کو بھلا دیا ہے اور مغربی قوم پرستی کو اپنا لیا ہے جو کہ علاقے کو بڑھاتا ہے۔ ہم نے نبی کریم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کو فراموش کر دیا جہاں انہوں نے فرمایا کہ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ آج عربی اپنے آپ کو برتر سمجھتا ہے جبکہ عجمی بھی۔ کیا یہ نظر یہ پاکستان کی بھی نفی ہے؟

جواب: ایک تو آپ عربوں کی بدسلوکی سے شاکہ نظر آتے ہیں مگر بات یہ ہے کہ ہر نودو لئیے کا یہی رویہ ہے بلکہ آپ دیکھیے جواب کیسے مختلف ہو جاتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ جب رستم بہارا رمنی کے دربار میں گئے تو بڑے پیش قیمت قالین پڑے ہوئے تھے تو حضرت مغیرہ نے نیزے کی نوک سے انہیں چھیدا تو اس نے کہا، یہ کبخت کہاں سے آگئے ہیں جن کو قالینوں کا نہیں پتا۔ تو اس نے حضرت مغیرہ سے پوچھا کہ آپ عرب سے سفیر آئے ہو تمہیں سلطنت کی کیا سوجھی کیونکہ تم لوگ تو سوسمار اور گوہ کھانے والے ہو۔ اگر تم مناسب سمجھو تو ہم تمہیں پیسے دیتے ہیں اور تم واپس چلے جاؤ ورنہ تمہارے پاس ہے کیا جو تم ہم سے لڑو گے۔ تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اس سے کہا کہ تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ ہم ایسے ہی تھے جیسے تم کہتے ہو۔ ہم باہمی اشتقاق و افتراق میں الجھے ہوئے تھے۔ آپس میں لڑتے تھے قتل و غارت میں مصروف تھے۔ پھر اللہ نے ہم پر کرم فرمایا، پھر ہم میں محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ پھر ہمیں رحمت دو عالم نے طریق زندگی بتایا۔ پھر ہمیں خدا کی وحدانیت کا سبق دیا۔ پھر ہم جمع ہوئے ایک امت بنے اور اب ہم آپ کو کچھ کہنے آئے ہیں۔ یہ پیغام اچھی طرح سن لو یا جز یہ دینا قبول کرو۔ یہ ہمارے مقام اور چیزیں چھوڑ دو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، تو وہ بھڑک کے کہنے لگا کہ تم لوگوں کے پاس چیتھڑوں کے سوا ہے کیا کہ جس کے بل بوتے پر تم جنگ کرنے آئے ہو تو حضرت مغیرہ نے اپنے چیتھڑوں سے تلوار بے نیام کی تو وہ سورج کی کرنوں کی طرح چمک رہی تھی اور کہا چیتھڑے تو ضرور ہیں نیام کی جگہ مگر تلوار کی کاٹ بڑی تیز ہے۔

اب فرض کرو کہ دیہات میں بیچاری خواتین کو مزدوری کرنا پڑتی ہے اس لیے انہیں پانچھ اٹھا کے چلنے کی عادت ہوتی ہے۔ ان کے پاس اتنے طور طریقے تو نہیں ہوتے۔ فرض کرو اگر ایک خاتون امیر ہو جائے تو وہ عادتاً کچھ دیکھ کر اتنے ہی پانچھ اٹھائے گی جتنے ادھر خشک زمین پر اٹھاتی تھی۔ تو یہ جو نودو لئیے پن ہوتا ہے یہ عربوں بیچاروں میں بھی آیا اور ہمارے ساندربھی موجود ہے اور میرا خیال ہے کہ کوئی بندہ بھی اتنا مصلحت پسند اور اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوتا۔ اگر آپ نے منگلبر میں کوئی بڑی نشانی دیکھنا ہو تو یہ لازماً ہوگا کہ منگلبر کہیں احمق ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ احمق نہ ہو تو ہر وہ چیز جو اسے خدا کے فضل و کرم سے نصیب ہو رہی ہے اس میں کس چیز کا کریڈٹ وہ اپنی طرف لیتا ہے۔ زندگی ادھار کی مال و اسباب ادھار کے رزق ادھار کا بچے ادھار کے حال ادھار کا، مستقبل ادھار کا، کون ایسا احمق شخص ہے جو خدا کو مانے اور پھر کسی چیز کا کریڈٹ خود لے اس لیے جس کو آپ خود کریڈٹ لیتا دیکھو وہ ضرور بیوقوف ہوتا ہے۔ ماشاء اللہ عربوں نے تو حماقتوں کی انتہا کی ہے۔

خدا سے محبت یا ڈر

سوال: میں خدا سے محبت کرتا ہوں اور بچپن سے مجھے یہ بتایا جاتا ہے کہ خدا ایک ایسا سخت گیر ہے جو ذرا ذرا سی بات پہ خفا ہو جاتا ہے جس کی فرشتوں کی ایک فوج ہے جو انسان ذرا سا گناہ کرتا ہے اس کو یہ فوج ڈنڈے مارنا شروع کر دیتی ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ خدا محبت کرنے والا ہے یا ڈرانے والا؟

جواب: اصل میں مصیبت یہ ہے کہ ہر آدمی خدا کی ذات کا گمان اپنی طرح کر لیتا ہے تو مولوی عبدالغفور نے بھی یہی سمجھا کہ خدا میری طرح کا ہوگا مگر خدا اس کی طرح کا ہے نہیں۔ خدا بات بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرتا ہے۔ ایک شخص فوت ہو گیا ڈرتے ڈرتے جب خدا کے حضور پہنچا تو اللہ نے کہا میں نے تو تجھے ڈرنے کے لیے نہیں کہا۔ اگر تو پیچھے سے ڈرنا آیا ہے تو ادھر بھی ڈرنا رہ۔ تو اس کو سکون و فرحت نصیب نہیں ہوئی۔ مختصراً میں سمجھتا ہوں کہ خدا کو صرف محبت عزیز ہے کہ فا ذکر و اللہ کذکر کم ابا کم او اللہ ذکر (۲) (البقرہ: ۲۰۰) ایسے مجھے یاد کرو جیسے اپنی ملکیتوں کو کرتے ہو۔ ذرا زیادہ کرو تا کہ مجھے یہ احساس ہو کہ تم ہر چیز سے بڑھ کر مجھے پیار کرتے ہو۔ تو خدا کی کتاب میں عذاب کسی ماننے والے کو نہیں۔ خدا کی کتاب میں عذاب صرف اس کو ہے جو اس کو صاحب محبت نہیں مانتا۔ کافر کو ہے مشرک کو ہے مگر مسلمان کو نہیں ہے۔ مسلمان کے لیے اتنے سارے رستے کھلے ہوئے ہیں۔ اللہ کے انس کے پیار کے جاننے کے۔

ایک حدیث ابو سعید خدریؓ نے نقل کی ہے اور وہ ایسی حدیث ہے جس کو سن کر انسان کے قلب کے تمام دروازے خوشی سے کھل جاتے ہیں کہ جس نے ایک مرتبہ دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا اس پر اللہ نے مار دوزخ حرام کر دی۔

اسلام آج اور کل

- ☆ لیکچر
- ☆ سوالات و جوابات
- ☆ کوشش کیوں؟
- ☆ جنت یا دوزخ
- ☆ حضور ﷺ سے محبت کا اظہار
- ☆ حضور ﷺ کی محبت صرف آپ کے چہرے سے ہی نہیں
- ☆ سائنس کی رو سے مسلمانوں کا زوال
- ☆ خلوص اور اخلاص
- ☆ غیر مسلم بچے کا حساب
- ☆ علم کے واسطے چین تک
- ☆ Kat Stevens
- ☆ وسوسہ اور الہام
- ☆ فلاح پانے والا فرقہ
- ☆ کمپیوٹرائزڈ نسل
- ☆ شعور کی عمر کا تعین
- ☆ جذبات کی مخالفت
- ☆ اسلام میں تفریح کا تصور
- ☆ اللہ کے ولی جو عراق میں دفن ہیں

اسلام آج اور کل

خواتین و حضرات! میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔ ان حضرات محترم کا بھی جنہوں نے اس تقریب سعید کا افتتاح کیا اور مجھے کچھ پرانے دوستوں سے ملاقات کا شرف بخشا۔ یہ پرانے دوست بڑی خطرناک شے ہوتے ہیں۔ ذوق فرما گئے ہیں:

اے ذوق کسی ہدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

آپ دیکھیے کہ مسیحا کے قریب آنے کا وقت ہے اور ہمیں دوستوں کو خیر باد کہنا پڑے گا۔ آج کا موضوع شاید کسی مخصوص ترکیب کا حامل نہیں۔ پروردگار عالم اس دنیا کے بننے سے پچاس ہزار سال پہلے مقصود ازل لکھ کے نقد پر زندگی لکھ کے لوح محفوظ میں محفوظ کر بیٹھا۔ پھر ایک دوسرا اتفاق ہوا کہ اس کے بعد اس نے پوری کی پوری تعلیم انسان کو کتاب حکیم میں اور تعلیم کے معلم کے حصول کو اسی کتاب میں محفوظ کر دیا اور علم ختم ہوا۔ معلمین ختم ہوئے۔ کتاب ختم ہوئی، رسالت ختم ہوئی۔ اگر آپ غور کیجیے تو یہ بڑا عجیب سا مرحلہ ہے۔ یہ کیا ہوا کہ مذہب تو اپنی بساط لپیٹ چکا ہے اور انسان ابھی رہگوار حیات سے گزر رہا ہے۔ پندرہ سو برس پہلے اللہ نے جو کچھ کہنا تھا، کہہ دیا۔ اس کی تعلیمات ختم ہو چکی ہیں۔ قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اگر آپ غور کیجیے تو ایک انسان یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ آخر یہ کس قسم کا سبب علم ہے۔ یہ جو بیچ کے فاصلے ہیں۔ یہ صدیاں جو ہمارے اور قرآن کے درمیان حائل ہیں، زمانہ جو اتنا آگے بڑھ گیا ہے، زمانہ جو ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ زمانہ جو سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر رہا ہے۔ زمانہ جو نفع و حکمت کے اسباب ڈھونڈ رہا ہے۔ زمانہ جو اپنے آپ کو خدائی کے القاب دے رہا ہے، زمانہ جو آتش اور بلیئر بن چکا ہے۔ آخر اتنا آگے بڑھتا ہوا زمانہ جو ہے، وہ پندرہ سو سال پہلے والی کتاب سے کیا استفادہ کرے گا اور پندرہ سو سال پہلے گزرے ہوئے استاد سے کیا استفادہ کرے گا۔

ایک بہت بڑا مرحلہ ہے جو بے یقینی کا ہر انسان میں آتا ہے۔ وہ وقت ہے جو ہمارے اور قرآن کے درمیان گزرا ہے۔ وہ زمانہ جس میں قرآن نازل ہوا۔ وہ معاشرہ جس میں قرآن اترا۔ وہ تہذیب جس میں قرآن اترا، اس کا اور اس تہذیب کا کتنا بڑا فرق ہے۔ کیا کوئی ایسا سبب نظر آتا ہے، کیا کوئی ایسی وجہ نظر آتی ہے کہ آج سے پندرہ سو برس پہلے کی کوئی کتاب اب بھی لاگو ہو۔ آج سے پندرہ سو برس پہلے کا کوئی کلمہ، تہذیب کا کوئی انداز، ہمارے اندر سلامت ہو۔ اب

ہم ان کو اساطیر الاؤ لین کہتے ہیں۔ اب آٹا رو باقیات کہتے ہیں۔ اب ہم انہیں اپنی زندگی کا خاصہ نہیں بناتے۔ ہم اپنی زندگی میں ان علوم کو دخل تو نہیں دیتے۔ اب بطلیموس ہمارا حکیم تو نہیں ہے، اگرچہ ان کے نام کتاب علم پر مرقم ضرور ہیں مگر اب سقراط تو ہماری رہنمائی نہیں کرنا، افلاطون تو ہمارا رہنما نہیں، اس زمانے کے علوم تو ہماری رہنمائی نہیں کرتے، اس زمانے کے عقلمند حضرات جو ہیں، اس زمانے کا ماہر علم نجوم جو ہے، اس زمانے کا سائنسدان جو ہے، اس زمانے کے ماہرین علم جو ہیں وہ تو اب پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے۔ ہاں ان کے نام ضرور سلامت ہیں۔ ہم اپنے سلسلہ تعلیم کو منقطع نہیں کرتے۔ ہم نے ان بزرگوں کو اس لیے ساتھ نہیں رکھا کہ آج کے دور میں ہم ان سے ہدایت طلب کرتے ہیں، بلکہ اس لیے رکھا ہوا ہے کہ رنگوار علم میں جو مختلف منازل کے نشان ہیں وہ نمایاں رہیں۔

مگر خواتین و حضرات! یہ کیا کتاب ہے جو آج بھی زندگی کے ہر لمحے میں ہر سال میں ہماری ابتداء میں ہماری انتہا میں ہمارے کچھ میں اخلاق میں غرضیکہ ہر چیز میں دخل دیتی ہے۔ تو کیا انسان اس قسم کی مداخلت برداشت کرے گا؟ آج کا انسان۔ کیا آج ہم قرآن کی افادیت کو اسی طرح تسلیم کریں گے، جیسے آج سے پندرہ سو برس پہلے کرتے تھے۔ یہ سوال آج کے انسان کا ہے۔ یہ سوال ہر اس انسان کا ہے جو تہذیب حاضرہ کا متعلم ہے کہ انسان آج بھی جب پیدا ہوتا ہے اور جب مرتا ہے تو اس کی پوری زندگی انہی ابتدائی قوانین حیات سے گزرتی ہے، انہی غموں سے انہی تراکیب سے گزرتی ہے، انہی انسانی اشرافی رویوں سے گزرتی ہے۔ اسی کمی اور بیشی کے بحران سے ہر انسان گزرتا ہے۔ اسی اخلاقی چپقلش سے گزرتا ہے۔ اسی طرح اس کے ذہن میں ذہنی تصادم ہیں جو آج سے پندرہ سو برس پہلے کے انسان کے ذہن میں جنم لیتے تھے۔ انسان نے فلک بوس عمارتیں تعمیر کر دیں۔ انسان نے سیٹلائٹ طیارے بنا لیے۔ انسان نے بجلی سے چلنے والی خود کار سیڑھیاں بنالیں، انسان نے جدید ترین مشینوں کے اس شور و غوغا میں اپنے آپ کو معتبر اور متکبر جانا، مگر آج تک کوئی انسان ایسا نہیں جس نے اپنی بنیادی اخلاقیات کو تبدیل کیا ہو، جس نے اپنے بنیادی اخلاقی رویوں کو تبدیل کیا ہو۔ یہ تمام عروج انسان، یہ تمام ترقی، یہ تمام قدر و منزلت جو انسان نے آج تک حاصل کی ہے، اس کے باوجود آج کا بھی وہی جبلی انسان ہے جو پندرہ سو برس پہلے تھا اور جو پیغام اس کی داخلی زندگی کو استوار کرنے کے لیے آج سے پندرہ سو برس پہلے دیا گیا، وہی پیغام انسان کے لیے معتبر اور مستند ہے۔ اگر عا د و شمو د ایک بدکاری کی وجہ سے تباہ کیے گئے تو آج بھی جدید ترین ممالک کے انسان میں وہی افعال و پذیر ہیں، اگر کسی خرابی کی وجہ سے، کم تو لنے کی وجہ سے قوم شعیب کو برباد کیا گیا تو آج بھی انسان اسی قسم کے مکرو فریب اور ریا کاری کا شکار ہے جیسے اس وقت تھا۔ انسان کی بنیادی ترکیب اس کی جبلی ترکیب اور اس کے مکرو فریب اور ریا کاری کی تکنیک نہیں بدلی۔ انسان آج بھی اسی ہدایت کا مستلاشی ہے جیسے آج سے پندرہ سو برس پہلے کے انسان تھے۔ اگر آپ اس دورِ جہالت اور آج کے دورِ جہالت کا مطالعہ کریں تو ایک عجیب سا بنیادی فرق جو ہمیں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت کے ابتدائی معاشرے میں انسانی معاشرے میں کچھ خصائص ایسے موجود تھے جن کی وجہ سے اللہ نے ان کو چنانچہ ان کو بزرگ و برتر کیا، ان کو اصحاب رسول ﷺ کا مقام دیا، محمد رسول اللہ ﷺ کو ان میں پیدا کیا اور ان کو سارے زمانے سے معزز کیا اور آج کے اس معاشرے میں جبکہ ایک رب مسلمان موجود ہیں، اللہ کو ایک ایسا بندہ نظر نہیں آ رہا جس کی خاطر وہ زمانے کو بدل دے۔ جس کی خاطر وہ زمین و آسمان کو بدل دے، جس کی خاطر وہ

اسلام کو قوت و عظمت دے۔ جس کی خاطر اُس کا قہر و غضب اعدائے اسلام پر گرنے جس کی خاطر محبت اور انس کی وہ فضا قائم ہو جو آج سے پندرہ سو برس پہلے قائم تھی۔

خواتین و حضرات! چالیس کی دہائی میں میں پیدا ہوا، ساٹھ کی دہائی میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوا۔ علوم شرقیہ، علوم مغربیہ دونوں پڑھے۔ میرا خیال تھا کہ علم تسکین پیدا کرتا ہے۔ میں بے چین تھا، بے قرار تھا، میرا خیال تھا کہ علم تسکین پیدا کرتا ہے، علم امن دیتا ہے، سنا بھی یہی تھا، پڑھا بھی یہی تھا کہ جوں جوں علم بڑھتا ہے تسکین بڑھتی ہے، سکون بڑھتا ہے۔ ایک پائیدار اعتدال نصیب ہوتا ہے، مگر ایسا ہوا نہیں۔ جوں جوں علم بڑھتا گیا اضطراب و بحران بڑھتا گیا۔ نقائص ذات بڑھتے گئے۔ خیال کے حادثات بڑھتے گئے، وہ ذہن جو کم علمی پر مطمئن تھا، کم از کم اندھے ایمان کی جہالت پر مطمئن تھا۔ جب اسے تشکیک کی روشنی ملی اور آفاق علم واضح ہوئے تو پھر یہ اور بے چین اور مضطرب ہونا گیا اور کبھی کبھی میں پکار کے کہتا تھا پروردگار! علم کہاں ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں قوم پرستی، تشکیک، انفرادیت پسندی اور وجودیت ہزار ہا ایسے چھوٹے چھوٹے فلسفوں کے تازہ تازہ رخ بن رہے تھے جو تمام کے تمام انسان کے وجود کو اُس کی روح کو برتری بخش رہے تھے اور تمام کے تمام آفائیت سے اندر آتے ہوئے انسان کی وجودیت پر زور دے رہے تھے اور خیال کیا جا رہا تھا کہ وہ تمام تصوراتی فلسفے جو ان عظیم یومانی فلسفیوں سے چل کر دور حاضر تک پہنچے تھے وہ مشینوں کی تیز رفتاری میں ان کے پہیوں کے چلتے ہوئے چکروں میں۔ وہ تمام کے تمام فلسفے انسان کی مادیت پر مرکز ہو رہے تھے اور کہاں کمیونزم، تشکیک، وجودیت اور منطقی اثباتیت (Logical Positivism) اور کیا کیا ایسا فلسفہ نہ آ رہا تھا جس کی زد براہ راست تصور خدا پر پڑ رہی تھی۔ خواتین و حضرات! بڑی واضح سی بات تھی، ایک ایسے عصر میں وجود پانے سے ایک ایسے کل میں کہ جس میں تمام کا تمام فلسفہ تمام کے تمام خیالات تمام کے تمام رجحانات جو ہیں خدا کے وجود کو سراہا اور تخیل ثابت کر رہے ہوں۔ اس کے بعد آپ کے پاس یہ حق ہی نہیں رہ جاتا کہ آپ اپنے اسی قدیم تصور پر جا بلوں کی طرح اپنی توجہ مرکوز رکھیں اور اس تصور سے ہٹنے کی کوشش نہ کریں۔ اس وقت جتنے بھی علم کے طریقے آ رہے تھے جتنے بھی دینی طریقے آ رہے تھے اتفاق دیکھیے ان میں کوئی طریقہ بھی اندرونی نیتوں کا نہیں تھا۔ سارے کے سارے ایک Dogmatic Practical Move پر جا رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا کہ اسلام صرف ایک سسٹم ہے، کمیونزم کے خلاف اسلام صرف ایک نظام ہے، اس میں کوئی ایسی غیر معمولی چیز نہیں ہے جو تمام نظاموں سے اسے اعلیٰ تر اور برتر مقام عطا کرے۔ اصولاً یہ بھی ایک ایسا ہی سسٹم ہے جیسے کمیونزم ہے، جیسے سوشلزم ہے، جیسے جمہوریت ہے۔ ایک ایسا سسٹم ہے جسے آپ آمریت کہہ سکتے ہو۔ تو پہلا سوال ذہن میں اٹھتا تھا کہ اگر خدا کے نظام میں اور انسان کے نظام میں اداروں کا ہی فرق ہے تو پھر خدا کو اتنی مصیبت کیا پڑی تھی کہ اسلام کو ان الدین عند اللہ الاسلام (سورۃ آل عمران آیت ۱۹) کہتا۔ اتنی کیا مصیبت پڑ گئی تھی اللہ کو۔ کیوں نہ اس نے نظام بنا کر انسان پر چھوڑ دیا۔ اُس نے عقل تو دی تھی، یہ حق کیوں نہ بخشا کہ نظام آپ خود استوار کرو۔ کیا ضرورت تھی نظام اوقات نماز دینے کی۔ کیا ضرورت تھی زکوٰۃ دینے کی، کیا ضرورت تھی صدقات کی، کیا ضرورت تھی سود سے منع کرنے کی۔ ہدایت کرنے کی، کیا ضرورت تھی ہمسائے کے حقوق کی نگہداشت کرنے کی۔ کیا ضرورت تھی آپ کو جنسی رویدنا، مالیاتی رویدنا، اخلاقی رویدنا اور بات چیت کے فرائض آپ کو بتانا، اٹھنے بیٹھنے کے طریقے آپ کو

بتاتا۔ خواتین و حضرات! ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام ایک امید ہے۔ اللہ پر اگر کوئی اور گمان نہ ہو تو اللہ ایک امید ایک بہت بڑی امید جو دنیا کا کوئی نظام نہیں دیتی۔ دنیا کا کوئی نظام وہ امید نہیں دیتی جب میں کہکشاؤں کے بلین سالوں کے توازن میں اپنے ساتھ برس دیکھتا ہوں تو ناامید ہو جاتا ہوں۔ میری تو زندگی کوئی شے ہی نہیں۔ یہ ساٹھ سال کہاں ایڈجسٹ کروں گا۔ میں تو ایک خودرو پودے کی طرح ہوں۔ اپنے آپ کو زمین کے دامن سے اگتا ہوا بڑھتا ہوا اور پھر مرجھاتا پتی پتی ہو کے بکھر جاتا ہوا دیکھتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری زندگی کیا ہے کون انسان ہے جو اس زمین پر اپنی روٹین سے باہر نکلنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیا ہم سب کی وہی روٹین نہیں ہے۔ ہمارے پیشے جدا ہوں گے مگر اسی زمین پر رہتے ہوئے ایک طرح سے ہم پیدا ہوتے ہیں ایک طرح سے ہم زندگی کی جدوجہد کرتے ہیں ایک ہی طرح سے ہمارے معاملات طے ہوتے ہیں ایک طرح سے ہم بوڑھے ہوتے ہیں ایک ہی طرح سے ہم اپنی اپنی موت کو نکل جاتے ہیں۔ کوئی حادثات کے ذریعے کوئی چھوٹی سی اندھیری قبر کے اندر جا گھستا ہے۔ یہی ہمارے جینے مرنے کا طریقہ ہے اور تمام فلسفہ ہائے حیات جو باقی ہیں وہ صرف ہمیں یہی ایک بات بتاتے ہیں کہ آپ صرف زندگی میں ایک بار جینے کے لیے آئے ہو اور پھر دوسری بات کیا بھلا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے کیا بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑے گی کیا ہمیں دوبارہ ایک نئی زندگی عطا کی جائے گی۔ خواتین و حضرات! ان تمام باتوں میں صرف مذہب ایک ایسی امید دیتا ہے صرف مذہب ایک ایسی امید دے رہا تھا کہ تمہاری یہ معمولی سی زندگی جو ہے یہ عذاب ہے نہ ثواب۔ یہ قدر ہے پیمائش ہے۔ اس تھوڑے سے وقفہ حیات سے

یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

یہ معمولی سا وقفہ ہے۔ زندگی ایک سفر کا وقفہ ہے۔ صرف مذہب ہمیں بتا رہا تھا کہ مستقر و متاع الٰہی حین (۲) البقرہ: ۳۶) بہت معمولی سی ہے تھوڑی سی ہے۔ اس پر گمان حقیقت نہ کر بیٹھنا۔ اس سراب کو پانی نہ سمجھ بیٹھنا۔ یہ تھوڑا سا عرصہ ہے تھوڑا سا قیام تھوڑا سا فائدہ۔ تو اس تمام بحران میں جب انسان کو جو بڑا سوچنے والا ہے اپنی زندگی کے ماحولوم قدر کی شناسائی ہوتی اور اس بحران سے واسطہ پڑا تو رب کعبہ کی قسم خدا کے سوا کوئی یہ امید نہیں دیتا کہ ہم اس زندگی کے بعد بھی ایک طویل ترین زندگی کے حق دار ہیں۔ صرف اور صرف اللہ آپ کو یہ امید دیتا ہے کہ اس زندگی کے بعد بھی زندگی ہے۔ اس زندگی میں اگر میں رحمن ہوں تو اس دنیا میں میں رحیم ہوں اس دنیا میں تھوڑا کرم کرتا ہوں اللہ کہتا ہے کہ یہ بھی ایک جبر ہے کہ تمہاری آزمائش ہونا ہے۔ اگر تمہاری آزمائش نہ ہونا ہوتی تو میں اس زندگی میں تم پر اتنا مہربان ہوتا کہ تم سوچ بھی نہ سکتے۔ اگر ہمیں آزمائش منظور نہ ہوتی تو دنیا میں تمام کمان الناس امت و احمل تمام نسل انسان ایک ہی امت ہوتی ایک مذہب ہوتا ایک خیال ہوتا ایک ہی نظر یہ ہوتا کوئی بیماری نہ ہوتی کوئی مکر و فریب نہ ہوتا اور انسان بڑے آرام سے اس دنیا سے گزرتا ہوا اپنی کہکشانی زندگی کا حق دار ہوتا۔ جنت میں جا کر اپنی اقدار سنبھالتا نئی تخلیقات دنیا میں اپنے آپ کو ممتاز کرنا مگر ایسا نہیں ہے۔ خواتین و حضرات! خدا نے انسان کی داخلی اور خارجی زندگی کے لیے اخلاقی قانون نہیں بنایا۔ جب بھی انسان کے بس میں ہوا اس نے سب سے پہلے اخلاقی قوانین کو تہ و بالا کیا۔ یونانیوں نے جب بھی اپنی بدکاری اور اپنی زندگی کے بحرانوں کا آغاز کیا تو سب سے پہلے ایک خدا کو پانچ خداؤں میں بدل دیا۔ جو خدائے واحد تھا جس کا کلونس نام تھا اس کے پانچ بچے پیدا کر دیے۔ اس میں زلیں ایتھوڈا کس ہفا سٹس اور ماس پانچ خدا پیدا کر دیے۔

ہندوؤں میں ایک اللہ اندرا کی صورت میں آیا۔ انہوں نے آتے ہی اس بیچارے کی دو شاہیاں کروادیں۔ مٹھرا اور ویروا یعنی دونوں خدا پیدا کر دیے۔ یعنی انسانوں نے ہر حال میں اپنے گناہ کی توجیہ کے لیے خدا پیدا کیے گناہوں کی توجیہ کے لیے انہوں نے خدا تخلیق کیے۔ جب ان سے ایک کرپشن سنبھالی نہ گئی جب وہ ایک قسم کی بدکاری میں پڑے اور دوسری قسم کی بدکاری میں پڑے تو ان کے پاس بچت کی کوئی راہ نہ رہی کیونکہ ایک خدا کی اخلاقیات سے بغاوت کرتے ہوئے انہوں نے سوچا کہ یہ خدا تو اس قسم کا خدا ہے کہ یہ کبھی بھی اس غیر اخلاقیات کی اجازت نہیں دے گا۔ انہوں نے فوراً کسی کے نام کثرت شراب لگا دی کسی کے ساتھ انہوں نے اور بڑے غیر معقول رویے لگا دیے۔ قوم عاد و ثمود نے اپنے کارناموں کے لیے چند خدا تخلیق کر لیے اور صوما لیوں نے اشارتے کو اپنی کرپشن کا سہارا بنا لیا۔ اس طرح ہر تہذیب نے اپنی خرابیوں کو تحفظ دینے کے لیے اپنے اپنے خدا تخلیق کر لیے۔ مگر

But the natural stream of religion was there.

ایک صاف ستھرا راستہ جتہ جتہ قطرہ قطرہ یہ حوادث بھی زمانے کی صراحی سے ٹپک رہے تھے۔ کبھی اور لیں، کبھی ابراہیم، کبھی موسیٰ، آخر اس سلسلے کی تان یہاں ٹوٹی کہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (۵) (المائدہ: ۳) کہ ہم نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا، نعمت تمام کر دی، دین پورا کیا۔ رسالت پناہ آ گئے۔ بس اب اس کے بعد تمہیں درس نہیں دیا جائے گا۔ اب جو کچھ بھی طرز حیات ہم نے تمہیں دینا تھا دے دیا ہے۔ اب عقل و شعور بھی مل گیا ہے۔ زمانوں سے گزرتی انسانی سوسائٹی اب اس قابل ہو گئی تھی کہ اپنا نفع و نقصان سمجھ سکتی۔ اب وہ اپنے آپ کو اتنا عقلمند سمجھتی تھی کہ خیر و شر میں تفریق کر سکتی، اس لیے اس کتاب کے بعد اس پیغمبر ﷺ کے بعد مزید کوئی ایسی گنجائش نہیں رہی تھی اور انسان نے یہ ثابت کیا کہ خدا ٹھیک کہہ رہا ہے انسان نے یہ ثابت کیا کہ ان پندرہ سو سالوں میں ہم نے انسان کے ذہن کو اتنی تیزی سے ترقی کرتے ہوئے دیکھا۔ اتنی تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ ان معاشروں کو اتنا ترقی یافتہ ہوتے ہوئے دیکھا کہ آج یہ فاصلہ بہت بڑا فاصلہ لگتا ہے۔ وہ فاصلہ جو پہلے صدیوں میں پُر ہوتا تھا اب سال کے سال اتنی تیزی سے پُر ہونے لگا کہ آج کے دن جب ہم پندرہ سو سال پیچھے دیکھتے ہیں تو ہمیں حقائق کے اس انبار میں جواب ہم لگا رہے ہیں اور ڈیٹا کے اس انبار میں جواب موجود ہے جب پچھلے زمانوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ایسا لگتا ہے کہ انسان نے اپنے سفر کا کبھی آغاز ہی نہیں کیا۔ خواتین و حضرات! یہ اتنی جلدی کی ترقی جو ہے یہ انسانی تکبر ات کا باعث بنی۔ آج کا فاج جو ہے وہ چنگیز خان اور انیلہ نہیں ہے، انیلہ اور چنگیز خان یا امیر تیمور برلاس یا ہٹلر۔ انہوں نے کبھی بھی مذہبی سوالات نہیں اٹھائے تھے۔ حتیٰ کہ چنگیز خان جیسا بھی تھا ظالم تھا، قتل کرنے والا تھا، مگر اپنی مہم سے پہلے پہاڑ کی چوٹی پر جا کر اپنے آباؤ اجداد کی ارواح سے اجازت طلب کرتا۔ حتیٰ کہ جو بدترین آمر بھی اس تختہ زمین پر گزرے وہ بھی کسی نہ کسی حقیقت پر یقین رکھتے تھے مگر اب نہیں۔ آج کا آمر صرف سیٹل ریٹ پر یقین رکھتا ہے۔ آج کا آمر صبح و شام اگر آپ ٹیلی ویژن دیکھ رہے ہیں تو Precise laser-guided missiles پر اعتبار رکھتا ہے۔ آج کا آمر ان تمام اشیاء پر جو خود اس نے بنائی ہیں اور جو اس کے اسباب ہیں اس کی اشیاء ہیں ان پر اعتبار رکھتا ہے۔ اور وہ اپنی ایجادات پر نازاں ہے۔ ظاہر ہے خواتین و حضرات! اب تھوڑا سا آپ غور کریں تو اگر اس کا غور اس کے اپنی ہی تخلیق کردہ اسباب قتل

وغارت پر ہے تو وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ اگر میں نے ہی اس دنیا کو بنا اور تباہ کرنا ہے اور میں صبح و شام بجائے کسی اور چیز کی تعریف کرنے کے اپنے ہی ہنر کی تعریف کر رہا ہوں اپنے ہی بنائے ہوئے اسباب کی تعریف کر رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ میں کسی اور کو خدا نہیں مانتا۔ میں اپنے آپ کو خدا مانتا ہوں۔ بے شک آج کا انسان خدا ہونے کا دعویٰ نہ کرے لیکن اگر آپ حقیقت کو پڑھنے والے ہوں تو آج کا انسان دعویٰ کرے نہ کرے اپنے آپ کو خدا سمجھتا ہے۔ یہ ایک ایسا بنیادی فرق ہے جو پہلے زمانوں میں نہ تھا، پہلے زمانوں میں شرک تھا۔ آج تک میں نے ایسا کوئی شخص دنیا میں دیکھا نہیں جس نے خدا کو سرے سے مانا نہ ہو۔

There were no agnostics. There were no disbelievers in God.

خدا کے خلاف یہ جتنا فلسفہ آیا خدا کے خلاف نہیں تھا، سادہ سی بات بڑے سے بڑے فلاسفر نے خدا کا انکار نہیں کیا، صرف یہ کہا کہ چونکہ حقائق اور اسباب میں خدا نہیں آتا اس لیے:

We refrain to believe, It was not disbelief.

یہ خدا کا انکار نہیں تھا بلکہ اگر روشن خیالی کا دور آیا۔ اگر تشکیک کا زمانہ آیا۔ اگر انسان بڑھتا ہوا عقلی دور سے گزرا۔ اگر اُس نے خدا کا انکار کیا تو یہ نہیں کہا کہ خدا نہیں ہے۔ آج تک کوئی فلسفہ ایسا نہیں گزرا جس نے کہا ہو کہ خدا نہیں ہے۔ سائنسی تجسس، روشن دماغی ان کا تدبیران کا تفران کی عقل نے صرف ایک بات کہی کہ خدا ہمارے بنائے ہوئے قوانین کی زد میں نہیں آتا، چونکہ یہ تلاش و تحقیق میں پورا نہیں اترتا۔ چونکہ وہ ہمارے سائنسی معیارات اور پیمانے میں نہیں آتا اس لیے ہم خدا کو ماننے سے گریز کرتے ہیں۔

That was the way which is wrongly understood to be the denial of God. It is not the denial of God. In fact the inquiry says:

کتاب و موضوع جس کی شہادت عقل و معرفت نہ دے سکے اُس کی ہم تصدیق نہیں کرتے۔ ہوگا کوئی خدا، مگر ہم اُس کی تصدیق نہیں کرتے۔ خواتین و حضرات!

ایسی ہی صورت احوال تھی جو چالیس سے آگے ساٹھ اور اسی کی دہائیوں میں مجھ پر بھی گزری، آپ پر بھی گزری ہوگی اور بہت سارے وقت کے ساتھ ساتھ انسانی ترقی اسی توازن اور اسی توازن سے گزرتی ہے، آپ پر بھی گزری۔ لیکن میرے ساتھ ایک استثنا ہے کہ تعلیم کے ادوار میں خواتین و حضرات! میں نے صرف ایک استثناء صورت اختیار کی کہ جب میں اپنے اردگرد دیکھتا تھا، ماں باپ کورشتے داروں، عزیزوں کو، ساتھ ہونا ماحول کو تو مجھے لگتا تھا کہ خدا کوئی نہیں ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں یہ بات کہنے سے مگر جب بھی میں اپنے اردگرد دیکھتا تھا تو لگتا تھا خدا کوئی نہیں ہے۔ قول و فعل کے تضاد کی وجہ سے نہیں، خالی نمازیں اس وقت بھی پڑھنے والے تھے خدا خدا کہنے والے بہت تھے، اخبارات اس وقت بھی بھرے ہوئے ہوتے تھے اللہ کے ذکر سے۔ سنڈے ایڈیشن میں رنگین صفحات نکلتے تھے۔ جناب رسالت مآب ﷺ پر۔

But I felt it that nobody in this society sounded to me to be accountable to God, nobody.

اصل میں خدا جوابدہی ہے۔ اللہ جوابدہی ہے۔ جوابدہی کا ایک مرکز ہے۔ میری جوابدہی کا مرکز نماز نہیں ہے روزہ نہیں ہے، قبر نہیں ہے، موت نہیں ہے، قتل و غارت نہیں ہے۔ میری جوابدہی کا مرکز دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔ میں یا جبر کو جوابدہی دیتا ہوں یا میں اپنے ذہن سے، اُخلاص سے، عقل سے، معرفت سے، اپنی ذات سے، بالاکسی کا سنائی قوت کو جوابدہ ہوں جسے آپ اللہ کہتے ہیں مگر میں نے اپنے دور میں یہ دیکھا تھا:

When people don't believe in, how can be accountable to him.

جب آپ ایک چیز پر یقین نہیں رکھتے۔ جب ایک چیز پر آپ کا اعتبار نہیں ہے تو آپ اس کو کیسے ڈھونڈ سکتے ہیں۔ جب اللہ کا سراغ نہیں رکھتے۔ اللہ کا سراغ دینے والا کوئی موجود نہیں ہے تو پھر اس کو جوابدہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ کس سے راستہ پوچھیں گے؟ کوئی تو معاشرے میں ایسا ہوتا، جس کو دیکھ کر یہ کہہ سکتے کہ یہی وہ شخص ہے جو اللہ پر دلیل ہے۔ بد قسمتی سے جب عقلی بحران نہیں ہوا کرتے تھے۔ جب لوگوں کے پاس سوال نہیں ہوتے تھے۔ جب لوگوں کے پاس شک نہیں ہوا کرتے تھے۔ جب لوگ اوہام باطلہ کا شکار نہیں ہوا کرتے تھے تو لوگ ان بندوں کو ڈھونڈتے تھے جو خدا کی دلیل رکھتے تھے، لیکن اب نہیں۔ اب عقل اتنی بالغ ہو چکی تھی کہ وہ اپنی تشفی چاہتی تھی۔ اپنے سوالوں کے جواب مانگتی تھی اور جواب دینے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ اکیڈمک حضرات جواب نہیں دے سکتے تھے۔ آپ کو ان سے بہتر لوگوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ کوئی بھی حکم نہیں ہے جس کے ادھر اور ادھر سوال و جواب نہ ہوں۔ کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جس کے اوپر شک نہ گزرے۔ خواتین و حضرات! میں آپ سے عرض کر رہا تھا۔ ایسے میں مجھے خیال آیا کہ کیا لوگوں کے یا اپنے حالات پر مطمئن ہو جاؤں۔ خدا کا انکار صرف اس لیے کر دوں کہ مجھے ارد گرد دیا آس پاس یا اپنے ماحول میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو قلباً، ذہناً، عملاً، قولاً خدا کے روبرو جواب دہ ہو۔

I thought, I thought on my part اس اللہ نے جس نے مجھے عقل دی ہے۔

This will be an act of great injustice to reject the concept of God without looking for it, without putting some effort.

جیسے آپ نے باقی علمی تحقیق کی، جیسے سائنسدان پچیس پچیس برس ایک نقطہ خیال پر مرکوز ہوتا ہے، جیسے ایک سماجی مصلح، جیسے ایک معمولی سا پوسٹ گریجویٹ سوشل سائنسز کا۔ جب تک ہزاروں انسانوں کی زندگی کا مطالعہ نہ کرے جیسے ایک نفسیات دان بہت سارے کیمر کا مطالعہ نہ کرے تو اپنے خیال کی اور اپنے تھیمز کی تکمیل نہیں کر پاتا۔ خدا پر غور کیے بغیر اس کے معاملات پر توجہ کیے بغیر اس کو وہ فوائد دیے جو عام طور پر ہم ایم۔ اے کے تھیمز کو بھی نہیں دیتے۔ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ خدا ہے یا نہیں۔

کون ایسا سائنسدان ہے کہ جو ایک معمولی سے پانی کی کثافت پر اپنے پچاس سال لگا دیتا ہے مگر کائنات کے سب سے بڑے تجسس کو ایک سال بھی نہیں دیتا۔ وہ وکلاء، وہ دانشور، وہ فلسفی جو ایک نقطہ خیال تک پہنچنے کے لیے عمر بھر دیتے ہیں:

کہ حاصل عمر مثال رہ یارِ کرم
شادماں زندگی خویش کارِ کرم

پوری پوری زندگی مشرق اور مغرب میں دیکھ لیجیے۔ پوری پوری زندگی لوگوں نے علم کے ایک نقطے کی تحصیل میں صرف کر دی مگر آج تک آپ کی یادداشت میں کوئی بھی ایسا مغربی فلسفی ہے جس نے یہ قدر بتائی ہے۔

I am looking for God and I looked for God, I studied for God, I try everywhere to find God, but I could not find him. Nobody, Nobody is there.

ایک بھی سائنسدان ایسا نہیں ہے۔ ایک بھی فلسفی ایسا نہیں ہے، ایک بھی دانشور ایسا نہیں ہے جس نے اپنی زندگی کا ایک مخصوص وقت زندگی کا ایک مختصر سا حصہ خدا کی تلاش میں صرف کیا ہو اور یہ کہا ہو کہ دیکھو میں نے پچیس برس اللہ کو تلاش کیا تھا مگر مجھے اللہ نہیں ملا۔ مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں خدا کا کوئی وجود نہیں۔

ایسا ایک شخص بھی نہیں ہے خواتین و حضرات! یہی وہ مسئلہ تھا جس کی وجہ سے جو تجسس، جو کاوش، ذہن، جو اللہ کے وجود کی ترجیح اور جس نے علم کے لحاظ سے اس کو ترجیح کہا ہو۔ جب ایسا انسانوں میں نہ ہو سکا تو خدا کا وجود تصور انسان سے بحیثیت حقیقت معدوم ہو گیا۔

There was no practical God.

ایک تصور ہے۔ جیسے ہمارے ذہن میں اور بڑے تصور ہیں۔ آباؤ اجداد کے تصور۔

بُت خانوں میں ایک بڑا بُت سج گیا۔ ہمارے ذہن کے بہت ساری الجھنوں میں ایک بڑی پیچیدگی جو ہے وہ پیدا ہو گئی اور یہ پیچیدگی خدا کی ذات تھی۔ اللہ ایک ایسا تصور بن گیا جو نامی میں صلہ کے طور پر یاد آتا ہے۔ پوری پوری کوشش کی۔ ہار گئے، تھک گئے۔ اب الزام کسی کو تو دینا ہی تھا۔ اب یہ ہم بالکل اس لیے نہیں کہتے کہ اللہ کی یہ مرضی تھی بلکہ ہم

اللہ پر یہ الزام دے رہے ہوتے ہیں۔ No we did our best.

ہم نے خدائے حاضرہ کو پورا آزما یا۔ پورے پورے اسباب جمع کیے۔ ایک ایک سبب کو پُرکھا، ایک ایک چوکھٹ پر سجدہ کیا، ایک ایک دروازہ کھٹکھٹایا، بڑی ٹیلی فون کالز کیں، کام نہیں بنا۔ جب نہیں بنا تو ہم نے کہا اللہ کی مرضی۔ We blamed God for this. اللہ کی مرضی کہ وہ ظالم اگر چاہتا تو ہو جاتا۔ وہ ظالم نے نہیں چاہا، نہیں ہوا۔

Obviously we always use God as a compensatory attitude.

ہم نے کبھی اسے حقیقی خدا نہیں سمجھا۔ اسباب کو خدا سمجھا۔ مستبب الاسباب کو خدا نہیں سمجھا۔ یہ وہ المیہ تھا ہمارے ایمان میں ہمارے فلسفیوں میں، دانشوروں میں اور سائنسدانوں میں۔ اب دیکھیں سائنسدانوں کو کیا فکر آں پڑی۔ ایک بہت بڑے محترم سائنسدان نے مجھے کہا کہ پروفیسر صاحب سائنس کی بات قرآن سے کیوں کرتے ہو۔ میں نے کہا کہ بندے سے قصور ہوا ہو گا تو آپ وضاحت کریں تو اس نے کہا یہ تو سائنس کی کتاب نہیں۔ میں نے کہا میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں، لیکن یہ کتاب تخلیق تو ہے۔ اس میں خالق کلام کرتا ہے۔ اس نے کہا، کیسے۔ میں نے کہا کہ آپ کو خوف کیا ہے۔ آپ کو خوف یہ ہے کہ جب ہم ہارورڈ سے آسٹن سے لندن سکول آف اکنامکس سے آکسفورڈ اور کیمبرج سے جدید ترین سائنسی تعلیم لے کے آئیں گے، بھلا اتنا تصنع۔ اگر قرآن پڑھتے ہوئے کوئی غلطی نکل آئی، تو بڑی مصیبت پڑے گی۔ تو اس ڈر سے انہوں نے کبھی قرآن پڑھا ہی نہیں۔ ان کو سرے سے یقین ہی نہیں ہے۔ ہماری سائنسی جستجو اتنی ترقی کر گئی ہے ہم

اتنے آگے بڑھ گئے ہیں، بھلا قرآن کو کیا مطلب ہے؟ سائنس سے۔ یہ نہ ہو کہ قرآن کوئی بات غلط لکھ دے۔ اس خوف کے مارے قرآن نہیں پڑھتے کہ قرآن نے زمین کی بات کی ہے اور کہیں آسمان کی بات کی ہے۔ کہیں پہاڑوں کی بات کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک سادہ سا احتمالاً نہ ایمان جو ہمارے دل میں موجود ہے، یہ جو ہم یقین رکھتے ہیں، اب چلو خیر غنیمت ہے کہ اسباب کی ذلت سے بچ کر کوئی تو ہے جسے ہم الزام دے دیتے ہیں۔

ہر ظلم خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ وہ اگر نام کا خدا بھی نہ رہا تو پھر ہم کیا کریں گے۔

Their scientists have always saved God of as the only refuge of their failures.

انہوں نے کبھی ڈر کے مارے قرآن نہیں پڑھا۔ پچھلے زمانے میں کمیونسٹ بہت اعتراض کیا کرتے تھے۔ مذہب ایون ہے۔ مذہب نشہ ہے۔ مذہب تو ایسے ہی خمار ہے جو ایسے ہی لوگوں کے ذہنوں پر چھایا رہتا ہے۔ اس کی جگہ عقلیت پسند ارواح آئیں۔ اس کی جگہ قوموں کو جگانے کے لیے بڑے بڑے نئے تھیمز آئے۔ ان کی برتری کے لیے نئے نئے نظام آئے اور سارے کے سارے آئی۔ ایم۔ ایف میں ڈھل گئے۔ عالمی بینک میں سما گئے اور وہ تو میں جو آزادی کے بعد غلام ہوئیں وہ بیچاری ان گنتیوں کی وجہ سے غلام ہوئیں اور اس خدائی کے تصور سے بٹنے کے بعد ہر وہ دوسرا جو ادارہ تھا، غلام بنا لیا۔ مادانستہ طور پر بھی اس میٹرکس کے آپ غلام ہو گئے۔ اعداد و شمار کے غلام ہو گئے۔ اعداد و شمار میں آپ خود سوچنے کے اعداد و شمار دور حاضر کا تناہزہ فراڈ بن گیا ہے۔ اعداد و شمارا تناہزہ خوف کا سایہ بن گیا ہے کہ آپ کو ہزار اللہ کی بات کوئی بتائے۔ رسول اللہ ﷺ کی بات بتائے۔ اعداد و شمار کی جڑ جو ہے، آکٹوپس کی طرح آپ کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ آپ کو ہلنے نہیں دیتی کیونکہ ذہن آسب زدہ ہے۔ مگر آپ کا آسب اللہ نہیں ہے۔ آپ کا آسب اعداد و شمار ہیں۔ ان میں تو غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ ان میں تو غلطی ہو ہی نہیں سکتی، اس لیے وہ غلط نہیں ہو سکتے۔ اب آپ بتائیے کیسے غلطی ہو سکتی ہے۔ اگر ایک طرف چار سپاہی اور چار ٹینک ہیں اور دوسری طرف چالیس سپاہی اور چالیس ٹینک ہیں اور آپ نے نتیجہ نکالنا ہے، تو آپ سے یقیناً غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ چالیس ٹینک اور چالیس سپاہی ہی جیتیں گے۔ یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ عراق کس طرح جیت سکے یا عراق اس جنگ کو ہلانا سکے، اس کے کنارے تین آرمرڈ ڈویژن فوجی کھڑے ہیں۔ Precise Guided Bomb کھڑے ہیں۔ ہو ہی نہیں سکتا اور عراق کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

میں کوئی رائے نہیں دے رہا، مگر بعض اوقات ایک سُرخ ریت کی آندھی اعداد و شمار غارت کر جاتی ہے۔ بعض اوقات اتنی بڑی قوت اسٹریٹیجی کی، یعنی انسانی ذہن کی ایک حرکت سے ساری غارت ہو جاتی ہے۔ صلاح الدین ایوبی اللہ بخشے اس وقت جیتے تھے۔ وادی حطین کی جنگ ہو رہی تھی اور پورے کا پورا یورپ مد مقابل تھا۔ 1366 پر فرسز آف یورپ ان میں Regenal of Kirk بھی تھا، Baldwin بھی تھا، ان میں Spanish Monarchs بھی تھے، ان میں اطالوی ایمپائر کے شہزادے بھی تھے، مانس آف ہاسٹلر بھی تھا اور مانس آف ٹمپلر بھی تھے، یہ وہ اسلحہ بند سپاہی ہوتے تھے جنہوں نے Knighthood حاصل کی ہوئی تھیں۔ جو ناقابل شکست سپاہی سمجھے جاتے تھے۔ یہ سب یروظلم کو آزاد کرنے کی

نہیں کھا کر اترے ہوئے تھے اور ٹکر (a) میں انہوں نے ایک مسلمان زندہ نہیں چھوڑا تھا۔

ظاہر ہے صلاح الدین ایوبی کا یہی حال تھا جو آج عراق کا ہے۔ مصر اس کے خلاف، دمشق اس کے خلاف، سلطنت بغداد اس کے خلاف۔ وہ بیچارہ بھکاریوں کی طرح ان سے محبت اور مدد کی بھیک مانگنے کبھی اس کے پاس جاتا تھا، کبھی اس کے پاس جاتا تھا۔ بالآخر وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہا۔ انہی دنوں اسے ایک چھوٹے سے غلام کی مدد مل گئی اس کو اس کے استاد نے کہا کہ تو نے لڑنا ہے تو لڑ۔ اسباب کو چھوڑ، مستبب الاسباب پر نظر رکھ۔ صلاح الدین کو یہ بات سمجھ میں آگئی۔ خواتین و حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ وادی حطین میں کوئی جنگ نہیں لڑی گئی۔ وادی حطین کی جنگ اتنی خوفناک ہے۔ یہی صلیبی جنگ کہلائی۔ دو صلیبی جنگیں ہیں جو کبھی یورپ کو نہیں بھولتیں۔ ایک جنگ حطین، دوسری جنگ منصورہ۔

جب میں آپ کو بتاؤں گا تو آپ حیران ہوں گے کہ وہ آج لڑی جا رہی ہے۔ تو جنگ حطین میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے صرف ایک کام کیا کہ اسی طرح بڑھتے ہوئے آرمڈ ڈویژنوں کے دستوں کو صحرا میں آنے دیا۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ وہ آگے سے بھاگ جاتا تھا۔ یورپی جرأت آزما صحرا میں صلاح الدین ایوبی کا تعاقب شروع کر دیتے۔ دو چار تلواریں چمکائیں اور بھاگ نکلے۔ جب وہ دور صحرا میں آگئے تو جنگ حطین کے مورخ یہ لکھتے ہیں کہ اوپر سے جب دھوپ پڑی تو وہ سورما زمین پر قتل ہونے سے پہلے ایک بار پانی ضرور مانگتے تھے اور ایک درخواست ضرور کرتے تھے کہ سرانا رنے سے پہلے ایک گھونٹ پانی پلا دو۔

صلیبی جنگ منصورہ پر ختم ہوئیں۔ مگر منصورہ کی جنگ میں اللہ نے مسلمانوں کو ایک ایسا جرنیل عطا کیا تھا جس کے نصیب میں ایک عجیب سی عزت لکھی تھی۔ اسی طرح مشرق وسطیٰ میں دو فیصلہ کن جنگیں لڑی گئیں۔ ایک طرف منگول تھے جنہوں نے بغداد کو تباہ کر کے دمشق کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور اس کو معرکہ عین جالوت کہتے ہیں۔ اسی میدان میں حضرت داؤد نے جالوت کو شکست دی تھی۔ اسی میدان میں جب منگولوں کا ایک لاکھ کا لشکر چلا آ رہا تھا تو اس وقت سلطنت اسلامیہ میں ایک جرنیل تھا جسے آج بھی یورپی زرد چیتا کہتے ہیں یعنی سلطان رکن الدین ہبلس اور اس فیصلہ کن جنگ میں تمام منگول تہ و بالا ہوئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منگولوں کی اسلامی ممالک پر چڑھائی ختم ہو گئی اور اسی جنگ کے نتیجے میں اقبال کا وہ شعر ہے

ع پاساں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اسی جنگ کے بعد منگولوں نے اسلام کا احترام سیکھا اور مسلمان ہونا شروع ہوئے اور اسی جنگ کے بعد پورے کا پورا منگول قبیلہ مسلمان ہونا شروع ہوا۔ یہی سلطان رکن الدین ہبلس آخری صلیبی جنگ میں آ کر لڑا۔ خواتین و حضرات! میں وہ مماثلت آج اور کل میں بتانا چاہتا ہوں جو ہے۔

Again the entire Europe was united and this was known to be the biggest army of the crusade ever cross the Muslims of the Middle East.

تو سلطان نے پیچھے ہٹتے ہوئے ان کو کھلا آنے دیا اور منصورہ کے شہر میں آ کر اس نے خندقیں کھود کئے دیواریں کھود کے اور تہہ خانے کھود کے اپنے آپ کو غائب کر لیا۔ منصورہ میں وہ لشکر رات کو پہنچا۔ تھوڑے تھوڑے دستے اس نے آگے کر دیے جن کو انہوں نے مارا، قتل کیا، بھگایا۔ وہ سمجھے کہ انہوں نے مکمل طور پر جنگ جیت لی ہے۔ منصورہ شہر خالی تھا۔ جو کوئی ان کو نظر آیا انہوں نے قتل کیا اور اس کے بعد انہوں نے خوشی سے جشن منایا۔ اس جشن میں جو کچھ انہوں نے کرنا تھا کیا۔ ساری رات جشن منایا۔ ساری رات شراہیں پیئیں۔ ساری رات نشے میں بدمست ہوئے۔ جب آدھی رات کے بعد ضرور میں ان کی آنکھیں بند ہوئیں تو یہ سارے باہر نکلے اور انہوں نے یورپ کے 136 شہزادوں کو دوبارہ گرفتار کر لیا۔ اس کو منصورہ کا نام اس لیے دیا جاتا ہے کہ اس جنگ میں یورپ کے سارے امراء اور بادشاہ گرفتار ہوئے اور تمام لشکر قتل ہوا اور آج تک رکن الدین ہلس اور منصورہ کا نام صلیبی جنگوں میں آج بھی خوف اور دہشت کی علامت ہے۔ خواتین و حضرات! ان لوگوں کی وجہ سے یورپ میں مائیں بچوں کو ڈرایا کرتی تھیں، جب بچوں کو سلانا ہوتا تھا تو یہ نہیں کہتی تھیں، ملی چوہا آیا بلکہ Hush!!! The Turks are coming یہ آج اور کل کی مماثلت ہے، لیکن میں آباء پرست نہیں ہوں۔

میں آپ کو واضح طور پر ایک بات بتانا چاہتا ہوں کہ میں آباؤ اجداد کی پرستش کرنے والا نہیں ہوں۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر دور میں مسلمانوں میں اگر کُلّی نہیں تو کچھ نہ کچھ اعتقاد کی صورت ضرور سلامت تھی۔

اسلام میں دو بنیادی عقائد پر زور دیا جاتا ہے، ایک اللہ ہے یقین اور ایک محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت۔

خواتین و حضرات! اللہ کا نام تو اب بھی سنائی دیتا ہے۔ کوئی مسلمان ہو تو وہ اللہ کے نام سے گریز نہیں کرتا۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت بہت کم ہو گئی ہے۔ اب تو ایسے دین کے علماء پیدا ہو گئے ہیں کہ جو آپ کو سکھاتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ آپ جیسے ایک عام سے انسان تھے۔ اس کو کیوں اتنی قدر و قیمت دیتے ہو۔ اب ہم جو معزز ہیں اب ہماری ضرورت محسوس کرو، وہ تو بس اپنی قبر میں پہنچ گئے۔ وہ کہیں موجود نہیں۔ وہ ختم ہو گئے (نعوذ باللہ)

تو صلاح الدین نے قسم کھائی کہ اس شخص کا سر میں اپنے ہاتھ سے کاٹوں گا۔ جب یورپ کے سارے شہزادے گرفتار ہوئے تو ان کو پانی پیش کیا جانے لگا۔ گرمی بہت تھی، صلاح الدین ایوبی نے کہا زکوٰۃ بھی ان کو پانی نہ پیش کرو۔ تلوار اٹھائی اور رجنارڈ کا سرا اپنے ہاتھ سے اتارا کہ یہ اس بات کا جواب ہے جو تو نے اس عورت (a) کو کہا تھا کہ بلاؤ اب اپنے محمد ﷺ کو مدینے سے۔ خواتین و حضرات! اب یہ روح نہیں رہی ہے۔ یہ محبت نہیں رہی ہے۔ اب تو جو آج کے علماء جو اسباب ظاہر ہو دیکھتے ہیں، وہ تو یہ تلقین کرنا شروع ہو گئے ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں ہم خدا کا نام تو سنتے ہیں مگر محمد رسول اللہ ﷺ سے وہ محبت نہیں دیکھتے۔ شاید اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہو کہ:

”مجھے ہند سے خوشبو آتی ہے۔“

شاید اسی لیے ابھی ہند میں یہ دو بنیادی عقائد سلامت ہیں۔ یہاں کے لوگ اللہ سے بہت انس رکھتے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ سے بے حد عشق رکھتے ہیں اور اب یہ غور کیجیے کہ جب یہ حدیث پڑھی جائے گی تو ایک صاحب انھیں گئے فرمائیں گے اس حدیث میں نقص ہے۔ دوسرے صاحب انھیں گے اس کی روایت خراب ہے، تیسرے صاحب انھیں گئے

(1) رجنارڈ نے ایک عورت کو قتل کر کے دقت کہا تھا کہ اب اپنے محمد ﷺ کو کہو کہ تمہیں قتل ہونے سے بچائیں اور یہاں صلاح الدین ایوبی جانتا تھا۔

یہ کہاں سے نقل کر رہے ہو، مگر ایک حدیث تو میں ابھی آپ کو سنا دیتا ہوں، حوالے کے ساتھ کہ ابو نعیم بن حماد نے بخاری میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ جب ہند کے مسلمان اہل کفر ہند سے جنگ کر کے فارغ ہوں گے اور ان کے امراء کو پابند طوق و سلاسل کریں گے تو پھر شام میں مریم کے بیٹے کا ساتھ دیں گے۔ بظاہر اس وقت پاکستان تو تھا نہیں۔ خواتین و حضرات! پاکستانیوں کا مقدر دیکھا آپ نے۔ یہ ہے پاکستان کا مقدر۔ خواتین و حضرات! آپ کا کردار جو قرآن و حدیث میں نظر آ رہا ہے نہ صرف بھارت میں بلکہ اسرائیل کی بربادی میں۔ آپ اپنے حکمرانوں سے دھوکا نہ کھائیے گا۔ آپ کے حکمرانوں کے بارے میں بھی حدیث موجود ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ زمانہ آخر میں مسلمانوں کے حکمران ان کے بدترین لوگ ہوں گے۔ آپ نہ گھبرائیے گا۔ حکمران جیسے بھی ہوں ایک ملت اسلامیہ ایک پاکستان کا یہ مقدر ہے کہ

We have to fight against the local enemy and they have to fight against the enemy of Islam.

اور یہ دُور بھی نہیں ہے۔ خواتین و حضرات! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دِجَالِ خراسان سے خروج کرے گا۔ وہ ایک ملک میں آئے گا تو اس کو اس طرح سے تباہ و برباد کر دے گا کہ ایک ہاتھ سے اُس پر روٹیاں پھینکے گا اور دوسرے ہاتھ سے آگ پھینکے گا۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے دِجَالِ عراق اور شام سے گزرے گا۔ ان کے بیچ سے گزرے گا اور ہر جگہ گ پھیلانا جائے گا۔ خواتین و حضرات! فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ فرات کی تہوں سے سونے کا ایک پہاڑ نکلے گا جس کے لیے تمام قومیں لڑتے لڑتے مرجائیں گی۔ کمال کی بات ہے۔ اگر تیل کا نام سیاہ سونا رکھا جائے یا بہتا ہوا سونا رکھا جائے اور دیکھا جائے تو سونے کی قیمت کا تعین ہی تیل کر رہا ہے۔ یہ پندرہ سو برس پہلے کی بات ہے۔ ہمیں اس بات پر سوچنا چاہیے کہ ہمارا اعتبار کس شے پر ہے۔ ہمارا اعتبار تو اللہ پر ہے وہ کتاب تو ختم ہو چکی۔ وہ کتاب تو اول و آخر کو بیان کر کے ختم ہو چکی۔ وہ بسم اللہ سے شروع ہوئی، اس رحمن و رحیم سے جس نے آغازِ حیات کیا اور انجامِ حیات کیا کمل من علیہا فان (سورۃ الرحمن آیت ۲۶) کیا خیال ہے آپ کا کہ جو اللہ ابتدائے حیات بنا رہا ہے جو اللہ انتہائے حیات بنا رہا ہے اس کو صرف امریکی ترقی کا علم نہیں ہوگا۔ برطانوی کا پتہ نہیں ہوگا۔ اس کو نئے نئے فلسفہ ہائے خیال کا علم نہیں ہوگا۔ خواتین و حضرات! اس خوش فہمی کو دور کرنا بہت ضروری ہے۔

ہمیں اپنے ایمان کی جانب رخ موڑنا ہے اور ہمیں اپنے ایمان کو کچھ وقت دینا پڑے گا۔ یہ معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ فرمایا پروردگار نے کہ دِجَالِ کے نکل آنے کے بعد ایمان کسی کو ایمان نہیں دے گا۔ کیوں نہ دے گا کہ جس کے دل میں نقص ہے جس کے دل میں فریب ہے وہ دِجَالِ کی سمت ضرور جائے گا چاہے مسلمان ہے چاہے غیر مسلم ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بلکہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ نفاق ہمارے زمانے تک تھا۔ اب نفاق نہیں رہے گا۔ اب یا کفر ہے یا ایمان ہے۔

Either you believe in God and his Prophet (Muhammed) or you believe in America and its things.

اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں۔ ایمان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے ہتھیار کند کر دیں۔ ایمان کا مطلب یہ نہیں

ہے۔ دیکھیے لوگ جہاد کی غلط تعریف کرتے چلے آئے ہیں۔ جہاد کی صرف ایک تعریف ہے کہ کم اسباب کے ساتھ بہتر اسباب سے جنگ کرنا اور تمہاری کئی اسباب کو اللہ کی اعانت پورا کرے گی۔ جہاد کبھی برابری کی طاقتوں میں نہیں ہوتا۔ جہاد تو ہوتا ہی ان کم اسباب والے لوگوں میں جو دو تلواریں، دو گھوڑے رکھتے تھے۔ جن کے پاس اٹھارہ تلواریں تھیں۔ جن میں بیشتر مجاہد ایسے تھے جنہوں نے لکڑیوں کو آگے سے گول کر رکھا تھا۔ اس جنگ کے لیے ان کی نوکیں بنا رکھی تھیں۔ جہاد کبھی بھی کثرت اسباب سے نہیں ہوتا۔ ہمیشہ کئی اسباب سے ہوتا ہے، مگر جہاد کی نصرت لوگ نہیں ہے۔ جہاد وہ ہے جس میں اللہ ایک آدمی کو بھیجتا ہے اور مصر کی تین سو برس کی سلطنت کو غارت کروا دیتا ہے۔ کیا وہ آدمی اتنا دلیر تھا کہ ان ہزاروں، لاکھوں لوگوں سے لڑ گیا۔ نہیں۔ چلنے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار عالم! میں تو ڈرتا ہوں۔ قال رب انی قتل منہم نفسا فاحاف ان یقتلون (سورۃ القصص، آیت ۳۳) میرے رب! میں نے ان کے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ تو مجھے کن ظالموں میں بھیج رہا ہے۔ اللہ نے فرمایا اقال لا تخافا انی معکما (سورۃ ط آیت ۲۶) مت کر خوف۔ میں جو ہوں تیرے ساتھ۔

جہاد کی خصوصیت صرف ایک ہے کہ آپ نہیں لڑ رہے ہوتے، آپ کی قوت نہیں لڑ رہی ہوتی مگر آپ کے خسارے کو خدا پورا کر رہا ہوتا ہے۔ خدا وہاں بذات خود موجود ہے۔

فرمایا پروردگار عالم نے ہم نے تمہیں غزوہ بدر میں پانچ ہزار ملائکہ سے مدد دی۔ ہم چاہتے تو اس کے بغیر بھی تمہیں جنگ جتوا دیتے مگر کیوں دی مدد؟ کیا وجہ تھی؟ خواتین و حضرات! خدا اچھی طرح جانتا ہے کہ انسان کو بیچ میں کچھ نظر آنے والے سہارے چاہئیں۔ کچھ چیزیں جو وہ دیکھ سکے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ اس کی مدد کر رہا ہے۔ جانتے تو امراہیم علیہ السلام بھی تھے۔ واذ قال ابراہم رب انی کیف تحیی الموتی امراہیم نے کہا! اے رب تو مردوں کو کیسے زندہ کرنا ہے۔ قال اولم تو من تو اللہ نے پوچھا کیا تجھے یقین نہیں؟ قال بلی و لکن لیطمئن قلبی امراہیم نے جواب دیا کیوں نہیں! لیکن میں اپنے دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ دل عملی شہادت مانگتا ہے۔ ذہن دلائل پر اعتبار رکھتا ہے۔ دل شہادت نظر مانگتا ہے۔ اطمینان مانگتا ہے۔ یقین کے باوجود ایک شہادت نظر مانگتا ہے۔ اللہ نے کہا قال فخذ اربعة من الطیر فصر هن الیک ثم اجعل علی کل جبل منهن جزء ثم ادعهن یاتینک سعیا ثم اعلم ان اللہ عزیز حکیم (سورۃ البقرہ، آیت ۲۶۰) اچھا چلو ایسے کرو کہ چار پرندے لو۔ ان کو اچھی طرح مانوس کر لو۔ اس کے بعد ان کی گردنیں کاٹ کے پہاڑ کی مختلف چوٹیوں پر رکھ دینا۔ پھر انہیں پکارو وہ تیری طرف آجائیں گے۔ خواتین و حضرات! یہاں سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اللہ نے کہا کہ پہلے بلا لو ان کو اپنے ساتھ۔ عادی کر لو اپنا۔ یہ کیوں کہا بھلا۔ دیکھیے کمال کی بات ہے جیسے جیسے انسان کے شکوک و اوہام ہیں ویسے ویسے خدا اس نفسیات کو استعمال کر رہا ہے۔ خدا کے علم میں تھا کہ اگر دل اتنے بڑے اعتبار کے باوجود یقین کی شہادت مانگتا ہے تو کل کو اگر چار پرندے اس کے پاس آ بھی گئے تو امراہیم کہے گا۔ شک کرے گا کہ کیا پتہ یہ وہی ہیں کہ کوئی اور۔ تو امراہیم پھر شک میں چلے جائیں تو پہلے اس شک کا مداوا کر دوں جس میں امراہیم جاسکتے ہیں۔ تو کہا کہ پہلے بلا لو، مانوس کر لو تب۔ جب وہ تیری طرف واپس آئیں گے تو تمہیں کوئی شبہ نہیں ہوگا کہ یہ وہی پرندے ہیں جو میرے ساتھ مانوس تھے۔ خواتین و حضرات! اسی طرح مالک اور کریم جو ہے وہ شہادت عطا کرنے کے

لیے۔ ورنہ اصحاب رسول ﷺ سے بڑھ کر کون صادق یقین تھا۔ یہاں ایک بڑی خوبصورت بات ان اصحاب یقین کی کہتا چلوں کہ جب یہ آیت اتری واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (سورۃ الحج، آیت ۹۹) کہ عبادت کیے جانا کہ تو یقین تک پہنچے تو خواتین و حضرات! اصحاب رسول ﷺ نے اس کا ترجمہ موت کیا۔ عبادت کیے جانا کہ تو موت تک پہنچے یعنی جب تک موت نہیں آتی یقین پر لحاظ تشکک آتے رہتے ہیں۔ مرتے ہوئے اگر آپ سلامت گزر گئے خدا پر یقین کے ساتھ تو پھر بات بنے گی۔

There are thousand sips between the cup and the lips.

کیا علوم کب کوئی بے اعتباری کی صورت پیدا ہو جائے۔ اسی لیے حدیث رسول ﷺ ہے کہ مقدرات ایسے ہیں کہ بڑے بڑے عبادت گزار شاید مرحلہ یقین اور بے یقینی سے گزرتے ہوئے اپنی عمر آخر میں ایسی خطا کر بیٹھیں کہ ٹھکانا جہنم ہو اور بڑے بڑے فاسق شاید اس دنیائے بے اعتبار سے گزرتے ہوئے لحوہ آخر میں کوئی ایسا کار خیر کر بیٹھیں اور ایسا اعتبار دکھا جائیں کہ جس سے ان کا یقین ان کی منزل آخر جنت ہو۔ تو یقین و اعتبار کی منزل موت سے پہلے ختم نہیں ہوتی۔ وہ براہ راست سب کچھ کر سکتا ہے مگر انسان کے اس نفسیاتی اعتبار کو قائم کرنے کے لیے انہوں نے ملائکہ کی مدد بھیجی۔ حتیٰ کہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں میں نے آواز سنی کہ حیضوم آگے بڑھ۔ تو رسول ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبریل کے گھوڑے کا نام ہے۔ پھر میں نے آواز سنی کہ ان کے کُنھوں پہ مارو۔ ایک اور صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے تلوار اٹھائی کہ اس کو قتل کروں مگر مجھ سے پہلے اس کی گردن کٹ کے زمین پر آن پڑی۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ ملائکہ تھے جو ہماری مدد کے لیے آئے تھے۔ مگر مدد کے لیے ملائکہ تو آئیں گے۔ ملائکہ تو اصحاب بدر کی مدد کے لیے ہر صورت تیار ہیں اللہ کے حکم کے ساتھ۔ مگر مسئلہ وہی ہے خواتین و حضرات! کہ آپ کا خدا پر کتنا اعتبار ہے۔ آپ اپنے نبی وی دیکھیے۔ میں تو ہر آدمی کی زبان سے ایک ہی بات سن رہا تھا۔

Iraqis cannot fight, cannot fight, cannot fight, might, might, might.

یہ وہ قوت و جمال، یہ قہر سامانیاں، یہ قتل و غارت کے اسباب آج کی بات ہے۔ کل کی بات ہے۔ پہنچنے کی بات ہے۔ دیر کا ہے کی ہوگی۔ سجدہ ریز ہو جائیں گے اور دیکھو اس بد بخت کو بھی بھلے وقتوں میں خدا یاد آیا۔

دی موذن نے اذان وصل کی شب پچھلے پہر

ہائے کبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

تو وہ دیکھو صدام کو کیا وقت پر خدا یاد آیا کہ وہ صدام جو کبھی خدا کا نام نہیں لیتا تھا۔ وہ شروع کر رہا ہے۔ نصر من اللہ و فتح قریب (۶۱ القف: ۱۳) اور انشا باللہ اور اللہ اکبر۔ پورے عرب میں لوگوں کو اسلام سے دور کرنے کا بہت بڑا ہاتھ قوم پرستی کی تحریک کا ہے اور عراق بہت بڑا قوم پرست ہے۔ آج عراق پاکستان کا شکر یہ ادا کر رہا ہے کل اس کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا کر رہا تھا۔ کوئی بات نہیں۔ پاکستان تو شروع ہی سے بڑا بھائی ہے۔ اس نے تو ہر صورت یہ جبر و ستم سہا ہے۔ ہمیں تو بہر حال ایک بگڑے ہوئے چھوٹے بھائی کا دکھ ہونا ہے۔ اگر آج اللہ نے انہیں توفیق دے دی ہے خدا کو یاد کرنے کی۔ We do pray to God for everything، مگر ایک بات میں آپ کو بتا دوں اور اس بات میں قطعاً کوئی

شک و شبہ نہیں ہے۔ یہ جو میں آپ کو احادیث بتا رہا ہوں کہ خدا کے رسول ﷺ نے فرمایا اور ان سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت پر بڑے فتنے آئیں گے۔ میری امت کسریٰ سے جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ میری امت قیصر سے جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ میری امت ڈھال والے چہروں کے لوگوں سے جنگ کرے گی اور چہرے کے تھے والوں سے جنگ کرے گی اور ان پر غالب آئے گی اور زمانہ آخر میں میری امت ونبال سے جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ زمانہ آخر میں میری امت کا ایک گروہ ونبال کا ساتھ دے گا۔ میری امت کا ایک گروہ لڑے گا، شکست کھائے گا اور یہ روئے زمین پر بدترین لوگ ہوں گے۔ میری امت کا ایک گروہ حق پر ہوگا وہ ونبال سے جنگ کرے گا اور اس پر فتح پائے گا۔ ایک بڑی عجیب سی بات بتاؤں کہ اوقات مقررہ لکھے ہوئے ہیں۔ میں آپ کو ڈرانے نہیں آیا اور مقرر کردہ وقت کے لحاظ سے بتایا کہ ونبال کے خروج سے لے کر فتح قسطنطنیہ تک سات سال۔ میرا خیال یہ ہے کہ افغانستان کا سال گزر گیا۔ عراق کا شروع ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب بصرہ تباہ کاری کی نذر ہوگا اور وہ بصرہ تباہ ہو رہا ہے۔ اگلی صورت یہ ہے کہ امریکہ اور انگلینڈ اس جنگ میں الجھے ہوئے ہیں۔

They will have no options at least to my mind, there are no other options.

کہ وہ اسرائیل سے درخواست کریں کہ تو اپنی افواج ہماری حمایت میں باقی کا تیل حاصل کرنے کے لیے سعودی عرب میں داخل کر دے اور اس میں پورا وقفہ جو ہے ڈیڑھ برس کا ہے۔ ایک بات شاہ نعمت اللہ ولی کہہ گئے کہ انگلینڈ چونکہ شروع سے ہی ہر دین کا مخالف ہے اور فتنے کی جڑ ہے اور فساد کی جگہ ہے اللہ اس جنگ میں اسے سرے سے نیست و نابود کر دے گا اور اس میں کچھ بھی نہیں بچے گا۔ میں درخواست تو کر رہا ہوں اپنے ان بھائیوں سے کہ بھائی ایک گھر پیچھے بنالو۔ تاکہ سالہ ڈیڑھ سال میں اگر تمہیں چاہے واپس آنا پڑے تو کم از کم اپنی حفاظت کا بندوبست تو پیچھے کر لو تاکہ تم ان کے ساتھ ہی فنا نہ ہو جانا اور خواتین و حضرات! ان کے ساتھ فنا ہونے میں ایک بہت بڑا خطرہ ہے کہ ایک حدیث اس پر بھی وارد ہے کہ لوگ انہی کے ساتھ سمجھے جائیں گے جن کے ساتھ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ تو خطرہ یہ ہے کہ وہ انگلینڈ والے مسلمان گوروں کے قبرستان سے ان کے ساتھ نہ اٹھائے جائیں اور ہمارے یہ بہت سارے لوگ جو بڑی تیزی سے ادھر بھاگنے کا سوچ رہے ہیں اور امریکہ کو محفوظ سمجھ کر امریکہ جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خواتین و حضرات! اس کے بارے میں بھی یہ اطلاعات موجود ہیں۔ ایک بڑی عجیب و غریب اطلاع یہ ہے کہ کچھ عرصے کے بعد میں اس کا وقت متعین نہیں کر سکتا، امریکہ ان صحراؤں کی طرح ہوگا جس میں شاید صرف بیرون کے جھنڈ ہوں گے اور ویران۔ امریکی عورتیں پتھر کے چو۔ لپے پر روٹیاں پکا رہی ہوں گی اور خواتین و حضرات! یہ باتیں ذرا دور کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی تہذیب کو تباہ ہوتے بھی وقت لگتا ہے۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ اب ہم ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

ایسے لگتا ہے کہ اس تباہی پر زیادہ سے زیادہ اٹھارہ منٹ لگیں گے اور یہ ساری دنیا قتل و غارت کی اس انتہا کو بڑی

جلد پہنچ رہی ہے۔ شاید ایک ڈیڑھ برس میں اور زیادہ سے زیادہ سات سالوں میں یہ عمل اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔

خواتین و حضرات! اس پورے ایسے میں باعث نجات صرف وہی دو چیزیں ہیں جو میں نے پہلے آپ کو بتادی تھیں کہ جب قوم نادو و شو پر عذاب توڑا تھا تو حضرت نوحؑ سے کہا! نکل اپنے بچوں کو لے کر اور رات ہی رات میں یہ جگہ چھوڑ دے۔ جب بھی کہیں سے خواہ وہ انگلینڈ ہو خواہ امریکہ یا کوئی اور جگہ اللہ نے اپنے بندوں کو نکالنا ہوتا ہے تو ان لوگوں کو پہلے سے بتا دیا جاتا ہے کہ یہاں سے نکل چلو۔ جس کو اس نے پچانا ہے، صرف اسی نے پچانا ہے۔ تباہی ایک مقدر ہو چکی ہے۔ ہلاکت لکھی جا چکی ہے۔ یہ انسانی تہذیب جس نے اسباب کو خدا سمجھ رکھا ہے اور جس نے اپنے آپ کو ان اسباب کا خدا سمجھ رکھا ہے اس کا انجام بہت قریب ہے۔ چاہے اس پر یقین رکھیں یا نہ رکھیں۔

کوشش کیوں؟

سوال: اگر سب کچھ پہلے سے لوح محفوظ میں موجود ہے تو پھر کوشش کیوں کی جاتی ہے؟

جواب: دو چیزیں ایسی ہیں کہ اس کی وجہ سے آپ کو کوشش کرنا پڑتی ہے۔ حالات و واقعات کے ساتھ اس تقدیر عالم میں تغیر و تبدل ممکن ہے۔ دعا کے ساتھ تغیر و تبدل ممکن ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگ جس کے لیے دعا مانگتے ہیں اللہ اس کی زندگی طویل کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی عمر آدھان اور بڑھ جائے۔ پوچھا گیا کہ حضور ﷺ آدھان کتنی؟ فرمایا پانچ سو برس۔ تقدیر لکھے جانے کے باوجود کمی اور بیشی ہو سکتی ہے۔ فرمایا ایک بلا آ رہی ہے۔ آپ نے دعا مانگی ہے اور وہ بلا مل جائے گی۔ وہ آپ تک نہیں پہنچے گی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ بلا کو ایک مثال سے نکال دیتا ہے۔ بلا تو لکھی گئی مگر بجائے اس کو آپ کے عملی وجود سے گزارنے کے آپ کے خسی وجود سے گزار دے گا۔ خواب سے گزار دے گا۔ کوئی اور تصور کی شکل میں گزار دے گا اور وہ آپ سے نکل جائے گی اس لیے انسان کا عمل خیر جو ہے۔ وہ اس کے وجود کے حادثات کا تحفظ بن جاتا ہے۔ یہ آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ تمام اعمال لا اخلاقی ہیں یعنی نماز پڑھنا یا گناہ کرنا اور اسی طرح کے تمام دوسرے اعمال نہ تو اخلاقی ہیں نہ غیر اخلاقی بلکہ لا اخلاقی ہیں۔ ان کو رنگ اس وقت ملتا ہے جب ان کے پیچھے آپ کی نیت متحرک ہوتی ہے۔ یعنی اگر نماز دکھاوے کے لیے پڑھی جا رہی ہے تو یہ آپ کا گناہ ہو گیا حالانکہ کار خیر ہے اور اگر آپ نے غلط کام کیا بعد میں ندامت اور توبہ کی تو یہ آپ کا کار خیر ہو گیا۔ اس لیے اقبالؒ نے کہا کہ

ع گفتہ کہ خیر او ما شناسی ہی شراست

اللہ نے قرآن حکیم میں خیر و شر دونوں کو فتنہ کہا۔ خالی شر کو فتنہ نہیں کہا۔ خیر کو بھی فتنہ کہا۔ یعنی دونوں طرف انسان کی آزمائش ہے۔ خیر میں بڑے فتنے ہیں۔ میں آپ کو امام مسلم بن حجاج کی بات بتانا چاہوں گا جو انہوں نے ”مسلم“ کو ترتیب دیتے ہوئے کہی۔ فرمایا کہ بڑی عجیب بات ہے کہ اہل خیر بڑا جھوٹ بولتے ہیں۔ ایک آدمی کی اصلاح کرنا ہے۔ اس کو کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حالانکہ وہ حدیث نہیں ہوتی۔ ایک آدمی کو غلط روایت سنا دیں گے۔ ایک غیر معقول بات کر کے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے نام سے منسوب کر دیں گے۔ یہ گناہ کبیرہ ہیں جو بظاہر کار خیر کے لیے کیے جاتے ہیں۔ روایت خرافات میں کھو گئی یعنی آج کے مذہب میں اور آج کے علماء میں سب سے بڑا نقص یہ ہے۔ ایک عالم

میں نے پوچھا کہ آپ جو بات کہہ رہے ہیں وہ تو اتنی ناقص اور غلط ہے کہ یہ تو کبھی بھی حدیث نہیں ہو سکتی۔ کہنے لگے تمہیں نہیں معلوم۔ ہمیں پتہ ہے کہ لوگوں کے کارخیز کے لیے اس قسم کا تھوڑا سا جھوٹ بھی بول دو تو ٹھیک ہے۔ میں نے کہا کہ کل جب وہ اس کی تصدیق کرے گا اور یہ غلط نکلے گی تو وہ آپ کو جھوٹا سمجھے گا اور رسول اللہ ﷺ کو بھی جھوٹا سمجھے گا اور خدا کو بھی جھوٹا سمجھے گا۔ غلط روایت نقل کرنے سے اتنی بڑی غلطی کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ ایک وظیفہ آپ کو دیا جاتا ہے کہ اسے پڑھ لیں۔ چالیس دن ایک سو چھبیس مرتبہ۔ آپ کی مراد پوری ہو جائے گی۔ آپ چالیس دن ایک سو چھبیس مرتبہ پڑھ کے اب مراد پوری ہونے کے انتظار میں ہیں۔ وہ مراد تو پوری نہیں ہوئی۔ مزید مراد ہی پڑ گئی۔ آپ کا اعتبار کس چیز سے اٹھے گا۔ آپ کا اعتبار اس وظیفے سے اٹھے گا جو بہر حال کسی نہ کسی قرآنی آیت پر مشتمل ہوگا۔ چالیس دن سے اٹھے گا۔ اس عالم سے اٹھے گا۔ اس دین سے اٹھے گا۔ پوری خدائی سے اٹھے جائے گا۔ اکثر میں نے لوگوں کو سنائے وظیفے کیے جی۔ اللہ نسواہوندا تے میری گل نہ نسواہوندا۔ بڑے وظیفے کیے۔ یہ ایک مسئلہ ہے کہ جب آپ عبادات کا رخ ہی صحیح نہیں رکھتے تو بے اعتباری کے رخ کھل جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ خدا کی بات پر اعتبار نہیں کریں گے۔ پورے زمانے میں کوئی جاو کا ماہر ڈھونڈو گئے کوئی آسب کا ماہر ڈھونڈو گئے کوئی تعویذوں کا ماہر ڈھونڈو گئے اور ان سے یہ کام کرتے کرتے دین سے اتنی دور چلے جاؤ گے کہ خدا اور آپ کے درمیان سوائے تجاب کے کچھ باقی نہیں رہے گا۔

جنت یا دوزخ

سوال: اگر خدا نے اچھوں کو جنت میں اور بُروں کو دوزخ میں ڈالنا ہے اور اللہ کو اس بات کا پہلے سے علم ہے تو پھر زندگی کا آخر مقصد کیا ہے؟

جواب: ایک بات جان لیجیے کہ کسی انسان کو خدا جہنم میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ یہ ایک بہت ہی غلط تصور ہے جو انسانوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ اگر میں خود خدا سے اعتراف کروں کہ بھئی جنت تو بڑی بے لطف سی جگہ ہے میں نہیں جانا چاہتا آپ مجھے دوزخ میں بھیجو تو پھر خدا آپ کو چننے کا اختیار دے گا۔ قرآن کی آیت کی رو سے اس پر غور کیجیے کہ جو خدا قرآن اور پورے دین کی عبارت کو اس سے شروع کرتا ہے کہ الحمد للہ رب العلمین ○ الرحمن الرحیم ○ ملک یوم الدین ○ (فاتحہ) (۲ تا ۴) خدا کے تین بڑے اوصاف یہ ہیں کہ تم اسے مانو یا نہ مانو وہ آپ کو رزق دے گا۔ چاہے آپ عیسائی ہو، یہودی ہو، کافر ہو، چاہے آپ پرندے ہو، انسان ہو، پہاڑ ہو، اللہ آپ کو رزق دے گا۔ خدا کہتا ہے کسی قسم کا احتمال نہیں ہونا چاہیے کہ میں تم سے ناراض ہوں تو تمہارا رزق بند کر دیا جائے۔ ایسے نہیں بلکہ اس کے برعکس کہا کہ جو مجھے نہیں مانیں گے میں ان کا طعن نہیں سہہ سکتا۔

دوستوں فسکی کی بات کہ انسان ہے ہی بد قسمت۔ اس لیے وہ بھوک افلاس کے لیے پیدا ہوئے۔ نہیں ایسا نہیں بلکہ جو مجھ پر یقین نہیں رکھیں گے ان پر دولت دنیا کشادہ کروں گا۔ پوچھا گیا، بھئی اللہ! یہ کیسی دوستی ہے کہ اعتبار والوں کو بھوکا مار دیا، جو تجھ پر یقین نہیں رکھتے ان کو اس قدر رزق دے دیا۔ فرمایا، دیکھو! یہ کل مجھ سے گلہ کریں گے کہ اللہ تجھ کو ہم نے نہیں مانا، تو تو نے ہماری دنیا تنگ کر دی۔ یہ میں نہیں سن سکتا۔ اس کو یہ گوارا نہیں کہ اسے یہ کہا جائے۔ دیکھو کیا غیرت

خداوند ہے کہ اس کو کافر کا یہ طعنہ پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ! اگر ہم نے تجھ پر اعتبار نہیں کیا تو تو نے سزا کے طور پر رزق بند کر دیا۔ کہتا ہے نہیں تم سے زیادہ ان کافروں کو رزق دوں گا۔ اے پیغمبر! اگر ایک مصلحت مانع نہ ہو تو میں ان کے دروازے سونے اور چاندی کے کر دوں۔ وہ مصلحت کیا ہے کہ سارے مسلمان کافر ہو جائیں گے۔ اگر یہ مصلحت مانع نہ ہو تو میں ان کے درو دیوار اور ان کی سیرھیاں سونے اور چاندی کی کر دوں تاکہ یہ کل کو مجھ سے گلہ نہ کر سکیں۔ قرآن میں اللہ نے کہا کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ (۶) (الانعام: ۵۴) تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ اب آپ مجھے بتائیے کہ کیا اس رحمت میں جہنم شامل ہو سکتی ہے۔ خدا ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ کسی فرد کو نقصان پہنچایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کسی کو دوزخ میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ قطعاً نہیں ڈالنا چاہتا۔ وہ تو ایسا ہے کہ جس پیغمبر ﷺ کو بے بقدر رکھا جا رہا ہے جس کے متعلق یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ قیوفوت ہو گئے ہیں۔ یہ تو مدینے میں پڑے ہیں اس کے بارے میں وہ کہہ رہا ہے کہ پہلے میں جزوی طور پر معاشروں کو عذاب دیتا تھا۔ جس قوم سے ناراض ہوا اس کو زمین سے اکھاڑ دیا۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کتنے گھروں کے لٹے پڑے ہیں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کتنے کنویں سوکے پڑے ہیں اور کتنی آبادیاں اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں۔ میں تو جب دیکھتا تھا کہ کوئی قوم ناشکری میں مبتلا ہے اور وہ معیشت پر اتر رہی تھی میں نے اس کو تہہ بالا کر دیا، مگر اے پیغمبر ﷺ! اب میں کوئی بڑا عذاب نہیں دوں گا، کیونکہ اے پیغمبر ﷺ تو جو ان میں ہے۔ یہ قرآن کہہ رہا ہے کہ اے پیغمبر! یہ مجھ سے عذاب مانگتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب کیوں نہیں عذاب آتا قوم شموذ کی طرح اور عادات نیہ کی طرح۔ تو فرمایا پروردگار نے اے پیغمبر! یہ اب کیسے ہو سکتا ہے کہ ان پر عذاب آئے تو جو ان میں ہے۔ اس شخص کی کیا قدر و قیمت ہے اللہ کے نزدیک اور کیا قدر و قیمت ہے ہمارے علمائے جدید کے پاس۔ یہ ذرا فرق محسوس کر لیں۔ اللہ نے رحمت لکھ کر دی فرمایا وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷) اور رحمت اللعالمین زمین پر موجود ہو تو پھر انسان کو جہنم کیسے مل سکتی ہے مگر یہ کہ ہم اصرار کرتے ہیں۔ آج کا المیہ گناہ و ثواب نہیں ہے۔ آج کا المیہ ایمان ہے۔ کیا ہم خدا پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں؟

گناہ کا کیا ہے۔ یہ تو سارے خسارے ہیں جو توبہ سے پورے ہو جاتے ہیں۔ گناہ کیا ہے۔ انسان کا آغاز توبہ ہی تو ہے۔ اللہ کی طرف سے پہلا قدم جو انسان پر ہے۔ انسان کا روانہ حیات میں انسان کے اس تاقلمے میں بنی آدم نے اپنا سفر ہی اسی سے کیا ہے۔ پہلے خطا کی پھر توبہ ہوئی اور پھر معاف کیا گیا۔ یہی تو پہلے اعمال ہیں جو انسان اور خدا کے بیچ میں گزرے ہیں۔ نہ نماز گزری، نہ روزہ گزرا، نہ عبادت کا حنفہ گزریں، نہ چمکے معکوس گزرا۔ پہلے انسان نے خطا کی۔ اللہ نے اسے معاف کیا۔ خواتین و حضرات! جب اللہ کو معاف کرنے والا نہ سمجھا جائے گا جب انسان کے پاس توبہ کا دروازہ نہیں رہے گا۔ تو پھر اس کے لیے عذاب ہے اور آپ کے لیے جنت ہے۔ آپ کو تہہ دل سے یہ مان لینا چاہیے کہ ایک ایسی ذات بھی ہے جو گناہ معاف کرنے کا پورا اختیار رکھتی ہے۔

حضور ﷺ سے محبت کا اظہار

سوال: اللہ سے محبت کا اظہار تو بڑی آسانی سے ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ سے محبت کا اظہار کیسے ہو اور اس کا

یقین کیسے آئے گا؟

جواب: آپ نے بڑی خوبصورت بات پوچھی ہے۔ یہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل کی مسند حدیث ہے۔ یہ اقوال رسول ﷺ ہیں۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے وہ نقوش ہیں جو ہم دل میں سمیٹ لیں، ہم اپنی آنکھوں میں بسالیں تو ایک شناخت پیدا ہوتی ہے۔ شناخت کی غلط توجیہ نہیں کرنا چاہیے۔

پہلی حدیث باب الایمان میں بخاری کہتا ہے کہ دیکھو کہ ابھی آگے مت جانا۔ پہلے اس بات کا فیصلہ کر لیں۔ حدیث انما الاعمال بالنیات پہلے اس بات کا فیصلہ کر لو پھر آگے جانا کہ حضور ﷺ کا قول مبارک ہے کہ اعمال کے پیچھے تمہاری نیتیں دیکھی جائیں گی۔ اعمال نہیں دیکھے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ عمل غلط رخ پر جا رہا ہو مگر اس کی نیت درست ہو تو تمہاری نیتیں دیکھی جائیں گی۔ تمہارے اعمال بعد میں آئیں گے۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم اپنی شناخت رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان اعمال کی نیتیں دیکھنی پڑیں گی جو ہم بغیر سوچے سمجھے کرتے ہیں۔ جب حضور ﷺ نصف شب کو اٹھتے تھے تو اندھیرا ہوتا تھا۔ وہ پھر ہاتھ سے ٹٹولتے تھے اور ایک چھوٹی سی پانی کی مشک ان کے پاس ہوتی تھی۔ پھر ہاتھ اس مشک تک جاتا تھا۔ پھر آپ اس میں سے تھوڑا سا پانی لے کر کھلی کرتے یا آنکھوں پر ملتے۔ جب نیند کا غبار ٹوٹتا۔ یہی فطری بات ہے کہ اگر آپ آدھی رات کو اٹھیں گے اور نیند چڑھی ہوئی ہوگی تو سب سے پہلا کام آپ یہی کریں گے کہ پانی تھوڑا سا لگاؤ تا کہ یہ نیند کا غبار ترے۔ پھر آپ دانت صاف کرتے۔ خواتین و حضرات! مسواک کی بڑی اہمیت ہے۔ اب علمائے اسلام اگر مسواک کی اہمیت زیادہ کریں گے اور دانتوں کی صفائی کم کریں گے تو کیا بات بنے گی۔ اگر نیا ت کو پرکھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ نے دانتوں کی صفائی اشد ضروری قرار دی اور اگر فیصل آباد کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی شناخت کو برقرار رکھنا چاہیں اور اگر لوگ صحیح سویرے مسواک ڈھونڈنے نکل پڑیں تو تمام درخت اور تمام پودے شام تک میرا خیال ہے بے برگ و بار ہو جائیں گے۔ اگر آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسواک سے مراد دانت صاف کرنا ہے تو آپ کو کوئی دقت پیش نہیں آئے گی اور اگر آپ کا مسئلہ خالی مسواک ہے تو پھر بیچارے درختوں کی شامت تو آ ہی جائے گی۔

مثال کے طور پر میں اب اس قسم کی شناخت کے لیے عمدہ سا ایک اور واقعہ سنانا ہوں۔ یہ مستند حدیث ہے کہ ایک دفعہ حج کا موقع تھا۔ حضرت فضل بن عباسؓ رسول اللہ کے پیچھے اونٹ پر بیٹھے تھے۔ ایک خاتون بڑا اچھا چہرہ زیبائے کر آئی۔ وہ لباس احرام میں تھی۔ فضل بن عباسؓ نے نمکنکی باندھ کے دیکھنا شروع ہو گئے۔ اب بڑی پریشان کن صورت حال پیدا ہو گئی۔ جب دیکھا کہ یہ تو اس بد تمیزی سے بازی نہیں آرہے تو حضور ﷺ نے ان کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر ادھر کر دیا کہ بس بہت ہو گیا۔ یہ وہ اطوار کی شانستگی ہے۔ اگر آپ رسالت مآب ﷺ کی نیت دیکھیں تو وہ ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تم حج پر میرے ساتھ بیٹھے ہوئے ہو۔ ایک خاتون مذہبی مسئلہ پوچھنے آئی ہے اور آپ اس طرح نمکنکی لگائے بیٹھے ہو کہ آپ مجھے بھی شرمندہ کر رہے ہو تو آپ ﷺ نے انتہائی شانستگی سے چہرے کو ادھر کر دیا۔ دراصل سکھانے کا یہ مستحسن طریقہ ہے۔ کوئی لفظ نہیں بولا۔ لفظ بولتے تو دونوں کو شرمندگی ہوتی۔ صرف آرام سے چہرے کو ادھر پھیر دیا۔ بس یہ وہ باتیں ہیں جو ہمارے دل کو لگ جائیں۔

اسلام میں اور باقی نظاموں میں بہت بڑا فرق ہے کہ اسلام کو دل تسلیم کرنا ہے۔ باقی نظام جبر ہیں۔ اسلام واحد ایسا نظام ہے جس کو لوگ دل سے تسلیم کر کے اس پر عمل کرتے ہیں۔ اسلام کی خوبی دیکھیے کہ آج کے اس دور میں جبکہ یہ نظام پچھلے سینکڑوں برسوں سے کہیں بھی رائج نہیں ہوا ہے پھر بھی لوگ دل سے اس پر عمل کرتے ہیں۔ آج بھی کر رہے ہیں۔ آج بھی لوگ نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ آج بھی لوگ زکوٰۃ دے رہے ہیں، صدقات دے رہے ہیں۔ آج بھی اسی طریقے سے وضو کر رہے ہیں۔ آج بھی خدا کو مان رہے ہیں۔ احکام رسول اللہ ﷺ کو مان رہے ہیں۔ یہ خوبی ہے اس نظام کی کہ لوگ پہلے اسے تسلیم کرتے ہیں پھر اس پر عمل کرتے ہیں۔ لوگ پہلے اس پر ایمان لاتے ہیں پھر اس کے مطابق عملی زندگی میں بہتری لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایمان تو آپ بڑی دیر سے لائے ہوئے ہیں لیکن ابھی تک اس پر عمل نہیں ہوا اور نہ اس کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کرنے کی کوشش ہی کی جا رہی ہے۔

حضور ﷺ سے محبت صرف آپ کے چہرے سے ہی نہیں

سوال: آپ رسول اللہ ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حضور ﷺ سے محبت آپ کے دل میں ہی ہے پھر سے پر نہیں؟

جواب: آپ نے بڑی معقول بات فرمائی، مگر میں ایک چھوٹی سی بات آپ سے عرض کر دوں۔ بعض اوقات جو ایک کوتاہی میری ذات میں ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کی کوتاہی نہ بنے، مگر اس کے پیچھے ایک خصوصی حکمت کا فرما ہے۔ جو شاید میں کہوں تو وہ غدر سمجھا جائے گا اور جھوٹ سمجھا جائے گا۔

مجھے جس اُمت سے واسطہ پڑا، جن لوگوں سے واسطہ پڑا، جن لوگوں کو میں نے داڑھیوں میں دیکھا، میں ان کی خدمت نہیں کرتا، لیکن بد قسمتی سے وہ داڑھی کے معیار پر پورے نہیں اترے۔ ایک جملہ آپ نے بھی سنا ہوگا میں نے بھی سنا ہے، یہ کوئی داڑھی کی قدر و قیمت تو نہیں۔ میں آپ کو قسم اٹھا کے کہتا ہوں کہ میں ابھی اپنے آپ کو داڑھی کا اہل نہیں سمجھتا میری ذات میں بڑی خامیاں ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے یہ سنت رسول مجھے زیبا نہیں۔ کم از کم اس کے نہ ہونے سے میں ان کمزور و درجے کے مسلمانوں میں ہوں جن پر اعتراض نہیں ہوتا اور پھر جب میں اس کو رکھ لوں گا تو پھر مجھے کچھ نہ کچھ اس کا معیار پورا کرنا پڑے گا۔ روزانہ جو میں جھوٹ بولتا ہوں اسے ترک کرنا پڑے گا۔ سب سے بڑھ کر مجھے نفاق قلب کو خیر باد کہنا پڑے گا۔ علی بن عثمان نے فرمایا! یہ قول ایک حجت ہے کہ جس سنت پر فسق و فجور کا گمان ہو شروع ہو جائے اس کا ترک اس کا اختیار سے بہتر ہے۔

سائنس کی رُو سے مسلمان کا زوال

سوال: کیا مسلمانوں کا سائنس اور ٹیکنالوجی سے دور ہونا ان کے زوال کی بہت بڑی وجہ نہیں ہے؟

جواب: نہیں، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ علم کا تقسیم ہو جانا۔ مجموعی طور پر آپ دیکھیں کہ تین چار سو سال سے ایک حماقت عالم اسلام میں جاری ہے اور اس کا سبب علمائے اسلام ہیں اور وہ یہ کہ یہ دین کا علم ہے وہ دنیا کا۔ جس کو بھی آپ

دیکھیں گے وہ علم کو تقسیم کر رہا ہے۔ فرض کیجیے ایک شخص جو ایم۔ اے۔ سی میں داخلہ لے رہا ہے ایک بزرگ سے فرمائیں کہ آؤ ہمارے مکتب میں یہ کرلو۔ یہ علم تو دنیا کا ہے یہ دین کا ہے۔ یہ تقسیم جب سے شروع ہوئی ہے دین و دنیا کے علوم علیحدہ ہوئے ہیں۔ جب سے یہ تقسیم شروع ہوئی ہے کہ آپ بچے کو قرآن حفظ کروانا چاہتے ہیں اور اسے سکول سے اٹھا لیتے ہیں کہ یہ قرآن حفظ کرے گا۔ سکول نہیں پڑھے گا۔

قرآن حکیم جب علوم کی تفسیر کرنا ہے تو کہتا ہے کہ میرے بہترین وہ لوگ ہیں جو اللہ یذکرون فی السماوات والارض (۳ آل عمران: ۱۹۱)

اب آپ انصاف سے کہیے کہ ایک طرف خدا یہ کہتا ہے کہ میرے بندے وہ ہیں جو صبح و شام چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے مجھے یاد کرتے ہیں۔ دوسری طرف وہ بندے ہیں جو زمین و آسمان کی تخلیقات پر غور کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو ماہرین نباتات ہیں وہ لوگ جو ماہرین فلکیات ہیں وہ لوگ جو مختلف سائنسی علوم سے وابستہ ہیں جو تحقیق و جستجو کے میدان میں ایک چھوٹی چیز سے خدا کا اثبات ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ لوگ جو سمندر پر غور کر رہے تھے جب وہ سمندر کی تہ میں اترے تو انہوں نے ایسی عجیب و غریب مچھلیاں دیکھیں تو وہ شخص جو مسلمان نہیں یہ کہتا ہے کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس مچھلی کو کس لیے بنایا گیا ہے اس کا مدافعتی نظام مخصوص ہے اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مدافعتی نظام اس کو کس نے دیا ہے۔ سوائے اس کے میں یہ کہوں کہ اسے اللہ نے دیا ہے۔

خواتین و حضرات! تحقیق و جستجو کی یہ تقسیم کہ یہ قرآن ہے یہ حدیث ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قرآن ہے تو اس کی ایک ایک آیت کو سمجھنے کے لیے آپ کو مختلف علوم کی اعلیٰ اسناد چاہئیں۔ ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الاباب لعلکم تتقون (۲ البقرہ: ۱۷۹) اور اگر اہل عقل غور کرو تو قصاص میں زندگی ہے اس کے لیے آپ کو علم تاریخ چاہیے اس کے لیے آپ کو پتھر اے ہوئے ڈھانچوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کے لیے آپ کو عمرانیات کا پورا علم چاہیے۔ پھر جا کر آپ اس آیت کے معانی کو سمجھ سکیں گے۔ ایک چھوٹی سی آیت ہل اتیٰ علی الانسان حین من المدھر لم یکن شیاء مذکوراً (۶ الانسان: ۱) میں آپ سے بطور دعویٰ کہتا ہوں کہ لم یکن شیاء مذکورہ کی تفسیر جو ہے آپ میں کوئی بڑے سے بڑا عالم اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک اسے حیاتیات کا مکمل علم نہ ہو۔ انسان کے آغاز کا علم نہ ہو حیاتیات کی ابتدا کا علم نہ ہو۔ اللہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ مدتوں برس ہا برس قرن ہا قرن تم زمانے میں ایسے رہے کہ تم کوئی قابل ذکر شے نہ تھے تو اس کی کون وضاحت کرے گا کہ انسان زمانے میں کیسا رہا؟ کون اس حقیقت سے پردہ اٹھائے گا کہ حیات انسان تو دو ارب سال پہلے شروع ہوئی۔ ول ڈیورنٹ اپنی ”ہسٹری آف فلاسفی“ میں کہتا ہے کہ انسان ایک جاہد حیات کی صورت میں کہیں موجود تھا اور پھر اس نے سودا کیا، موت کے بدلے زندگی قبول کی اور یہ بٹنا چلا گیا۔ امیبا سے Paramecia ہوا اس سے آگے بڑھتا ہوا دوہرے خلیے (Double cellular) کی حیات تخلیق ہوئی۔ آپ ایک دو ارب سالوں میں اس درجہ انسانیت پر پہنچے۔ علم کی تقسیم کی وجہ سے یہ سب حادثات پیش آئے۔

آج بھی آپ ایک طرف وہ تمام لوگ دیکھیں جو صرف مذہبی علوم رکھتے ہیں۔ ایک طرف وہ لوگ دیکھیں جو تمام دنیاوی علوم رکھتے ہیں ان دونوں کے درمیان کوئی مطابقت نہیں۔ یورپ کیوں ترقی یافتہ ہے کہ تمام سائنسی علوم

میں کمال حاصل کر گیا، مشرق کیوں پسماندہ ہے کہ ان کو انسانی علوم کا کچھ پتا نہیں تھا، مگر مغرب والے یہ کہتے ہیں کہ مشرق اس لیے پسماندہ ہے کیونکہ وہ مذہبی ہے حالانکہ یہ دلیل غلط ہے۔ مشرق مذہبی علوم کی وجہ سے پسماندہ نہیں ہے۔ مشرق یا آپ اس وجہ سے پسماندہ ہو کہ آپ نے مذہب کے قانون کو صحیح طرح سمجھا نہیں۔ آپ موضوعی نقطہ ہائے نظر (Subjective Approaches) کے مالک ہوئے۔ آپ نے آدھے مذہب کے قانون پر عمل کیا۔ آدھے کو بالکل چھوڑ دیا۔ الذین یذکرون اللہ فیما وقعوا و علیٰ جنوبہم تک تو عمل کر لیا اور دوسرا حصہ بالکل ترک کر دیا کہ ویسفکرون فی خلق السموات والارض (۳) (آل عمران: ۱۹۱)

خلوص اور اخلاص

سوال: خلوص اور اخلاص کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟

جواب: یہ تو بھڑوں کا جھٹکا ہوتا ہے جسے آپ اخلاص کہتے ہیں کہ اس کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ مخلصی بعض اوقات نادانی سمجھی جاتی ہے۔ اخلاص ایک ایسا رویہ ہے جو تعقل کے درجے پر پہنچتا ہے تو الہام ہو جاتا ہے۔ اخلاص بغیر ترجیحات کے مرتب نہیں ہوتا۔ جب آپ دل و دماغ سے کسی چیز کا انس پیدا کرتے ہیں اور کسی شے کی محبت کو ترجیح اول قرار دیتے ہیں تو آپ کا اخلاص ترقی پذیر ہوتا ہے۔ ان تمام معاملات میں تمام لوگوں میں یہ محبت کی جبلت موجود ہوتی ہے۔ یہ بنیادی جبلتوں میں سے ہے۔ محبت ایک بنیادی جبلت ہے جیسے جارحیت اور تحفظ ذات بھی بنیادی جبلتیں ہیں مگر جب اس جبلت کو سنوارا جاتا ہے اور کوئی رخ دیا جاتا ہے اور یہ وجود سے نکل کر قدر کی صورت اختیار کر جاتی ہے تو یہ اخلاص کا نام پاتی ہے۔

غیر مسلم بچے کا حساب

سوال: ایک بچہ جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوا، اس کا مسلمان ہونا تو سمجھ میں آتا ہے جو بچہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہی نہیں ہوا، اس سے اللہ کے پاس حساب لینے کی کیا دلیل ہے؟

جواب: اس معاملے میں معتزلہ اہل اسلام سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اس کا جواب رسول اللہ ﷺ نے بڑا مناسب دیا۔ پوچھا گیا کہ ان کا انجام کیا ہوگا؟ چھوٹی عمر میں مر گیا۔ بلوغت سے پہلے مر گیا۔ فرمایا اللہ بہتر جانتا ہے جو اس نے بڑے ہو کر کرنا ہے، مگر میں آپ کو ایک عملی سا جواب دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں حالات و واقعات یا کوئی اچانک تبدیلی آ جائے۔ وہ یہ ہے کہ اگر ایک چیز کے بنیادی اجزاء (جو آپ نے ایک چیز حاصل کرنی ہے اس کے بنیادی اجزاء) ایک جیسے ہوں۔ مثلاً آپ نے مشین میں دو دھ اور آئس کریم پاؤڈر ڈالا۔ باقی اجزاء ڈال دیے تو ہو سکتا ہے کہ پتلی آئس کریم تیار ہو، اچھی تیار ہو، بے مزہ آئس کریم تیار ہو، مگر یہ نہیں ہوگا کہ آئس کریم کی جگہ تمباکو نکل آئے۔ اب اگر ایک کافر ماں ایک کافر باپ، کافر جینز (Genes) بچے میں ڈال رہے ہیں تو جب تک وہ بلوغت اور شعور کو نہیں پہنچتا اس جینز میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئے گی اس لیے:

The product will stand wasted just as the parents stands wasted.

بڑی سادہ سی بات ہے جو میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ ہاں اگر وہ بچہ بڑا ہوتا ہے۔ بلوغت کی عمر کو پہنچتا ہے۔ اپنے تصورات کی تبدیلی کا اختیار رکھتا ہے، عقل و شعور رکھتا ہے، خدا کو جاننے کی کوشش کرتا ہے تو پھر اللہ اس کے راستے متعین کرتا ہے اور وہ کے۔ ایل۔ گا با ہو جاتا ہے۔ کافر تھا، ہندوؤں کے گھر پیدا ہوا، مسلمان ہو گیا اور ادھر سے کوئی مسلمان ایسا نکلتا ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے تو جب بلوغت آئی تو انسانوں کے کردار و افعال ان پر مسلط ہوئے تو ان کی سوچیں فیصلہ کرتی ہیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ کروڑ ہا مسلمان صاحبِ نجات ہیں یا نہیں۔ اب آپ غور کیجئے کہ ایک نظر یہ آتا ہے کمیونزم، سوشلزم اور وہ نظریہ دیکھتے دیکھتے دو یا تین کروڑ پاکستانیوں کو متاثر کر دیتا ہے۔ ہمارے زمانے میں ایک طالب علم نے مجھ سے پوچھا کہ ہمارے ٹیچر فرماتے ہیں کہ:

Muhammad (PBUH) was a Capitalistic Exploiter.

جب ایک مسلمان کا بچہ محمد رسول اللہ ﷺ کو Capitalistic Exploiter کہے گا تو کیا اس کا ٹھکانا پھر جنت میں ہونا چاہیے؟ یہ وہ تھیمز ہے جو مکمل طور پر اس بات پر قائم ہے کہ مذہب افیون ہے اور خدا سراب ہے، خیال خام ہے، حماقت انسان ہے۔ وہ دو کروڑ مسلمان، مسلمانوں کے سے نام رکھیں گے، مسلمانوں کے گھر پیدا ہوں گے، مسلمانوں کی اولاد ہوں گے اور اپنے مقامات جو ہیں۔

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

علم کے واسطے چین تک

سوال: ایک حدیث ہے کہ علم حاصل کرو چاہئے، تمہیں چین تک جانا پڑے تو جناب ٹیکنالوجی تو ساری امریکہ اور یورپ کے پاس ہے تو چین تک کا ذکر رسول پاک ﷺ نے کیوں فرمایا؟

جواب: اگر آپ کو شاہراہ ریشم کے رُوٹ کا پتہ ہوتا تو یہ مسئلہ پیدا نہ ہوتا۔ جس زمانے میں یہ بات کہی گئی اُن دنوں سب سے مہذب علاقہ چین سمجھا جاتا تھا، جیسے آج آپ کے ہاں نیویارک اور واشنگٹن ڈی۔سی کے نام صحائف مقدس سمجھے جاتے ہیں، اس زمانے میں مسلمانوں کے سمرقند، خیوہ اور چین کے علاقے بہت معتبر اور خوبصورت ترین علاقے سمجھے جاتے تھے۔ مراکش میں تمام اطالوی لوگوں کا خیال تھا کہ پرپاں بہتی ہیں اور وہاں حورا اور ملائکہ کے قصے مشہور تھے اور یہ اس وجہ سے تھے کہ تکنیکی اور ثقافتی اعتبار سے مسلمان اس زمانے میں یورپ سے بہت آگے تھے۔ یورپ اس وقت سیاہ ادوار میں تھا اور یہ علاقے اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند تھے۔

حدیث رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہم اس سے بھی پیچھے جھاکتے ہیں تو تین ہزار سال پہلے جیسے قبلائی خان اور کنفیوشس کے دور میں چین سب سے قدیم سب سے مہذب اور سب سے ترقی یافتہ تہذیب سمجھی جاتی تھی اور وہ تاثرات رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک قائم تھے۔ اب آئیے رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک دیکھیے کہ یورپ کا کیا حال تھا۔ ظاہر ہے کہ یورپ اُن دنوں دور سیاہ کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، اس لیے اس کی نہ کوئی علمی شناخت تھی، نہ کوئی تکنیکی شناخت تھی

بلکہ پندرہویں اور سولہویں صدی کے درمیان انگریزوں اور فرانس میں جب کسی کو آدھے سر کا مستقل درد ہوتا تھا تو لوگ کہتے تھے اس پر جن غالب ہے اور جن لوگوں سے وہ درد کا علاج کرانے جاتے تھے وہ ایک صلیب نما کیل ان کے سر میں ٹھوک کر ان کا درد دور کرتے تھے۔ وہ بندہ بھی فارغ ہو جاتا تھا اور درد بھی۔ اس زمانے میں چونکہ مہذب ترین اور اعلیٰ ترین علمی فضیلت والی قوم چین تھی، اس لیے فرمایا، اطلبوا العلم ولو کان بصین اور پھر چین سب سے دور بھی تھا۔ یہاں دوری بھی استعارہ ہے۔ اس کے درمیان تین ہزار میل کا صحرائے گوبی پرانا تھا، جس کو عبور کرنے کے بعد آپ قبلائی خان کے دارالحکومت تک پہنچتے تھے، جیسے مارکو پولو پہنچا تھا۔ تو یہ ایک دوری کا نشان ہے جسے حضورؐ نے فرمایا، علم اگر اوج شریا پر بھی ہوگا تو ایک عجمی سے اتار لے گا، یعنی عجم میں سے کوئی شخص اسے اتار لے گا۔ تو یہ دوری کا نشان بھی ہے مگر ایک بات اچھی طرح یاد رہے کہ علم تو مدینے میں تھا، علم تو قرآن تھا، علم تو رسالت تھی، علم تو ایمان تھا، تو اس سے مراد وہ علم نہیں ہے، اس سے مراد دنیاوی علوم ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دنیاوی تعلیم کو کتنا لازم قرار دیا۔

Kat Stevens

سوال: ایک مغربی گویے نے جس کا نام Kat Stevens تھا، اسلام قبول کر کے اپنا نام یوسف رکھ لیا تو اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: خواتین و حضرات! میں نے بھی امریکہ ایک چکر غلطی سے لگایا تو ان دنوں وہاں Kat Stevens آئے ہوئے تھے اور وہ اللہ پر پروگرام پیش کر رہے تھے۔ انہی دنوں میں وہاں کے سلسلے کے ایک صوفی بھی آئے ہوئے تھے تو مجھے ان دنوں حضرات کو سننے کا اتفاق ہوا اور میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ یہ تصوف تو بڑا دلکش ہوتا ہے۔ آدھی رات کے بارہ ایک بجے سلسلہ صوفیاء شروع ہوا تو تمام لوگ سفید لباس براق میں ایک حلقہ سا بنا کے کھڑے ہوئے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں دف تھی، کسی کے ہاتھ میں بانسری تھی اور وہ مانج رہے تھے اور اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو کر رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہم اپنے ہی لوگوں کو ایسے فراڈ میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ یہاں اس سے بھی زیادہ فراڈ ہے۔ Kat Stevens ان دنوں گناہ پر اللہ کا پروگرام پیش کر رہے تھے اور ساتھ جھوم رہے تھے۔ By far, it was one of the most funniest sites I have every seen.

مگر میں ان کے اخلاص کی بات نہیں کرتا۔ بہر حال مجھے یہ سب کچھ بڑا عجیب سا محسوس ہوا۔
آپ گناہ پر اللہ ہو کر تے پھر و اور پوپ موسیقی کے ذریعے ہی اللہ کو مقبول کرتے رہو۔ بہر حال۔

I don't know..... God is the better judge.

وسوسہ اور الہام

سوال: وسوسہ اور الہام میں کیا فرق ہے؟

جواب: وسوسہ دستک، جھنکار کو کہتے ہیں کہ آپ کے سلسلہ خیال میں اور جس طرح کوئی سکوت ہو امن ہو پھر اچانک کہیں سے پائل کی جھنکار آئے کوئی دستک دے تو جو چونکا ہٹ پیدا ہوتی ہے اس کو وسوسہ کہتے ہیں۔ وسوسہ اور الہام خیر دو علیحدہ چیزیں ہیں۔

ایک صوفی اپنے شاگرد کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ سردی بہت زیادہ تھی پاؤں بھی نکلے تھے۔ شاگرد کے گلے میں گلو بند تھا تو اس نے چاہا کہ گلو بند اتار کے میں اپنے شیخ کے پاؤں میں پہنا دوں۔ پھر خیال آیا نہیں شیخ تو بہت ریاضت والا ہے۔ اس نے تو بڑے کشت کاٹے ہیں یہ کہاں سردی گرمی کی پروا کرتا ہے۔ خیال ختم ہو گیا اور آگے بڑھ کے کچھ دیر کے بعد اسی شاگرد نے اپنے استاد سے پوچھا کہ حضرت یہ وسوسہ اور الہام میں کیا فرق ہے؟ فرمایا! جو تجھے پہلے آیا تھا وہ الہام تھا جو بعد میں آیا وہ وسوسہ تھا۔

فلاح پانے والا فرقہ

سوال: مسلمان اس وقت بہت سے فرقوں میں بٹ چکے ہیں اس کی وجہ کیا ہے اور آپ کے خیال میں فلاح پانے والا فرقہ کون سا ہے؟

جواب: بہت سادہ سا فرقہ ہے مسلمان میں اور فرقوں میں۔ ان الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعاً لست منہم فی شنی (۶) (الانعام) ۱۵۹۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں فرق کیا اور گروہ بن گئے اے پیغمبر! تو ان میں سے نہیں۔

پیغمبر نہیں ہے تو ہم کہاں سے ہوں گے۔ وہ لوگ جنہوں نے تشخص جدا کیا، عادات جدا کیں، انداز جدا کیے، اسٹائل جدا کیے، ڈاڑھیاں جدا کیں، ٹوپیاں جدا کیں، شلواریں جدا کیں، رنگ جدا کیے، ان میں پیغمبر نہیں اور وہ جن کا ایک سا انداز ہے جو گنہگار ہیں، نکتے ہیں، غلطی کے وقت تو بہ کر لیتے ہیں، مڑ مڑ کے خدا کو یاد کرتے ہیں فلا تزکوا انفسکم ہو اعلم بمن اتقى (۵۳) (انجم) ۳۲۔ جو شخص اپنے آپ کو پاکباز نہیں کہتا، مقدس نہیں سمجھتا، وہ آپ جیسا جس کا ایک تشخص ہے کہ وہ مسلمان ہے وہی صحیح ہے۔

کمپیوٹر انزڈنسل

سوال: آج کے دور میں نوجوانوں کی تفریح کمپیوٹر انزڈن ہے۔ نہ تو انہیں دودھ سے دلچسپی ہے نہ شہد سے۔ جنت میں جا کر یہ لوگ کیا کریں گے؟

جواب: خداوند کریم نے فرمایا کہ جنت میں ہر سمت آپ کو خوشی ملے گی۔ اگر آپ کا یہی ٹیٹ جنت میں قائم رہا تو اللہ وہاں بھی آپ کے لیے کوئی ڈسک پلیئر یا کمپیوٹر لادے گا۔ اس سے کوئی مسئلہ نہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہاں کے کمپیوٹر سپر کمپیوٹر کے سامنے اتنے حقیر لگیں کہ آپ کو ایم سی ایس دوبارہ کرنا پڑے۔ یہ خیال کر کے جائیے گا کہ وہاں اگر آپ امتحان دینے کی مصیبت میں پڑ گئے جو دنیا میں ہے تو مزا نہیں رہے گا۔

شعور کی عمر کا تعین

سوال: احساسِ گناہ جو ہے وہ شعور کی عمر میں جا کر آئے گا۔ شعور کی عمر کا تعین کیسے کیا جائے گا؟
 جواب: ہم چودہ برس کی عمر تک اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہیں۔ بہت ساری باتوں سے بچوں کو روکتے ہیں تو وہ اس کا پس منظر بن جاتی ہے۔ جھوٹ بولنے سے روکتے ہیں یا ان کو آگ کے قریب جانے سے روکتے ہیں تو یہ ساری کی ساری ابتدائی تربیت ہے جو ان کو بعد میں مدد دیتی ہے۔

جیسے احساسِ گناہ قبر تک جاتا ہے۔ ہم شعور کی عمر میں بھی گناہ کرتے رہتے ہیں، مگر ہمیں چھوٹا سا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی تربیت کو اس لیے اہم قرار دیا جاتا ہے کہ ابتدائی تربیت جتنی بھی مستحکم اور واضح ہوگی اور جتنی بھی منافقت سے خالی ہوگی وہ تربیت آخرت تک ہمارا ساتھ دے گی۔ جیسے اقبالؒ نے کہا:

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
 کہ در آغوش شبیرے گیری

جیسے آج کل کی تربیت ہو رہی ہے۔ بچے اس لیے زیادہ بگڑ جاتے ہیں کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ جو چیز ماں باپ کہہ رہے ہیں، خود اس کے خلاف کرتے ہیں تو ان کو پتہ لگ جائے گا کہ ماں باپ بھی بے اصول ہیں اور ہم نے بھی ایک بے اصولی کا رویہ اپنانا ہے، مگر جیسے سبھی کہتے ہیں کہ آغوشِ مادری سے بھلائی کے سراغ لگتے ہیں اور جھولے ہی میں پوت کے پاؤں سے پتا لگ جاتا ہے کہ بڑا انسان ہے کہ نہیں۔ اس کی وجہ وہ ابتدائی تربیت ہے جس میں ایک خالص نیکی، سعادت، شرافت، اخلاق اور صبر کے اصول ہیں۔ Adversity is the school of all great people اور غربت میں جو مائیں اپنے بچوں کو اچھے اصولوں سے پالتی ہیں، خیر پر پرورش کرتی ہیں، نیکی پر پالتی ہیں، پھر وہی بچے آگے جا کر انہی اصولوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

جذبات کی مخالفت

سوال: آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ کو اپنی ترجیح اولیں بنا لیں اور آپ نے یہ بھی کہا کہ مسلمان اتنا لٹھ چکا ہے کہ وہ اس موضوع پر اپنی توجہ مرکوز نہیں کر سکتا۔ میں خدا کو اپنی ترجیح اول تو بنالوں اور بنانا بھی چاہتا ہوں مگر میں اپنے جذبات کی مخالفت کیسے کروں؟

جواب: اصل میں تو یہ جہاد ہے اور ایک جنگ ہے جو کلمہ پڑھنے سے شروع ہوتی ہے۔ کیا مدو جزر ہے جو انسانی طبیعت میں کلمے کے بعد شروع ہوتا ہے کہ لا الہ الا اللہ۔ میں جو ہزاروں خداؤں میں تقسیم ہوں۔ میرے باطن میں میری انا میرا خدا ہے۔ میرا انتخاب میرا خدا ہے۔ میری محبتیں میرا خدا ہے۔ میری چاہتیں، رغبتیں ہر چیز میرا خدا ہے۔ زین للناس حب الشهوات من النساء والبنین والقناطر المقنطرة من الذهب والفضة والخيل المسومة والانعام و الحرث ۛ ذالک مناع الحیوة الدنیا (۳) (آل عمران: ۱۴) لوگوں کی خواہشات، نفس سے محبت،

عورتوں سے محبت بیٹوں سے محبت سونے اور چاندی کے خزانوں سے محبت، عمدہ قسم کے گھوڑوں، مویشیوں سے محبت اور بھیتی سے محبت بڑی مزین کی گئی ہے۔ یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے۔ یہ سارے کے سارے خدا ہیں۔ اگر ان ساری چیزوں ہی کی عبادت ہم نے کرنا ہے تو پھر لا الہ کیوں کہنا ہے۔ میں نے لا اللہ تک کب پہنچنا ہے۔ کیا بہتر نہ ہوگا کہ میں کلمے سے دستبردار ہو جاؤں۔ میں یہ نہ کہوں کہ میں لا اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ میری استعداد کوئی نہیں ہے۔ یہ تو بڑی ہمت کا کام ہے۔ بڑی سوچوں کا کام ہے۔ مگر خدا کہتا ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ (۱۳) (آل عمران: ۹۴)

برسات عاشقان در دل

تم کبھی میری محبت نہیں پاسکتے جب تک کہ اس کے مقابلے میں اٹھتی ہوئی محبتوں کو خرچ نہ کرو۔ قربان نہ کرو۔ یہ ایک دن کا کام نہیں۔ بائیس برس قرآن اترتا رہا۔ بائیس برس عربوں کی جنگیں ٹوٹتی رہیں۔ بائیس برس تک بیت کے اس نظام میں بدترین لوگ بہترین نفوس میں بدلتے رہے۔ ایک دن میں نہیں بدلے۔ میں بہترین انسان بننے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سب سے بہترین زمانہ میرا پھر میرے اصحاب کا پھرنا بعین کا۔ حضرات گرامی! آج کے دن ہم زیر و مار جن سے تو شروع کر سکتے ہیں، میں اگر عمل نہیں کر سکتا تو میں ایک خواہش کا اظہار تو کر سکتا ہوں اور خواہش کے اظہار کے لیے ہی سورہ فاتحہ ہے۔ فاتحہ کیا چیز ہے۔ جدوجہد کے کھلنے کو کہتے ہیں میری اپروچ کا کھلنا کہ میں کچھ بھی نہیں کرتا۔ دیکھیے جس چیز کو آپ کمتر سمجھتے ہیں اس سورہ کو آپ چھوٹا سمجھتے ہو، دن میں دس مرتبہ پڑھتے ہو، اس کی اہمیت کا آپ کو پتہ ہونا چاہیے۔ یہ آپ سے عمل کا تقاضا نہیں کر رہی۔ آپ غور کیجیے۔ سورہ فاتحہ اس سوال کا جواب ہے جو ابھی آپ نے کیا کہ خدا کو ماننے کی آرزو ہے۔

وصال یار بڑی چیز ہے مگر ہدم

وصال یار فقط آرزو کی بات نہیں

جس شخص کے دل میں آرزو خداوند پیدا ہوگئی اس کا پہلا سوال یہی ہے کہ کیا کروں تو اللہ کہتا ہے کہ فاتحہ سے شروع کرو۔ دُعا سے شروع کرو۔ یہ سورہ تمام امراض کی شفا ہے اور سب سے بڑھ کر امراض قلب کی شفا ہے جو آپ کے دل میں وساوس، جو اجرام فلکی کے گمان، جو زندگی کے گمان، جو غلطیوں کے گمان آتے ہیں، ان میں یہ آپ کو راستہ دکھاتی ہے اور اگر اللہ توفیق دے تو آپ اپنے مشاغل میں نماز کو اور سورہ فاتحہ کو جزو فکر بنا لیں اور خدا سے دعا مانگتے رہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ العزیز آپ کے راستے کشادہ ہوں گے۔ آپ کو عملی، نظری اور فکری رستے ملیں گے اور آپ قرب و جوار خداوند میں جا کر رکیں گے۔

اسلام میں تفریح کا تصور

سوال: اسلام میں تفریح کا کیا تصور ہے؟

جواب: اسلام میں تفریح کا اتنے مقامات ہیں اور اسلام اتنا تفریح کا قائل ہے کہ حضور ﷺ نے تیر اندازی کے مقابلوں میں شرکت کی۔ حضور ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کو تماشا دکھلایا، جسے آپ بازی گروں کا تماشا کہتے

ہیں۔ حضور ﷺ نے گھڑ دوڑ میں حصہ لیا اور اسلام ان تمام تفریحات میں یقین رکھتا ہے جو شہواتِ خالصہ کو نہ لے لے کے جائیں۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ اپنے دور کے بہترین کھلاڑی تھے۔ وہ کھیلوں کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث ہے کہ فرمایا ایک بار میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ دوڑ ہو جائے تو فرمایا عائشہ ہو جائے اور پھر ہم نے صحن میں دوڑ لگائی اور حضور ﷺ آگے نکل گئے اور میں پیچھے رہ گئی۔ میں نے کہا، حضور ﷺ پھر سہی۔ فرمایا! ہاں پھر کبھی سہی اور پھر کچھ عرسے کے بعد جب حضور ﷺ بوڑھے ہونے لگے تو میں نے کہا، حضور ﷺ آج پھر دوڑ ہو جائے فرمایا ہاں ہو جائے۔ پھر ہم نے صحن میں دوڑ لگائی اور میں آگے نکل گئی۔ فرمایا! عائشہ برآمد ہوئے۔ شکر ہے تم نے دوڑ جیتی ورنہ تم نے بدلہ نہیں چھوڑا تھا۔ دیکھیے کہ گھر میں اپنی محترم خاتون کے ساتھ دوڑیں لگ رہی ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ وہ تفریح کو پسند نہیں کرتے ہوں گے۔

بہت ساری باتیں ایسی ہیں کہ جن کی زیادتی غلط ہے اور وہ تفریح کی حد تک رہیں اور شہوات کی حدود میں نہ داخل ہوں۔ اب اگر آپ نے باقی چیزوں کی اصلیت دیکھنی ہے تو آپ کو یہ اصول بتا پڑے گا کہ کیا وہ آپ کے عوامل میں داخل ہو رہی ہے۔ کیا وہ آپ کو نماز سے غافل کر رہی ہے۔ کیا آپ کو صدقات سے غافل کر رہی ہیں۔ کیا آپ کو خدا کے احکام سے غافل کر رہی ہیں۔ اگر یہ سب کچھ کر رہی ہیں تو گناہ ہے اگر نہیں تو تفریح ہے۔

اللہ کے ولی جو عراق میں دفن ہیں

سوال: عراق میں ولی اللہ اور بزرگ ہستیاں دفن ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: میں کل ایک جگہ سے گزر رہا تھا تو ایک صاحب دوسرے صاحب کو کہہ رہے تھے کہ جس کو غوثِ اعظم مانتے ہو، بغداد کو بچالے۔ اب کہو فلاں کو جنید بچالے۔ یہ بڑے گستاخی کے کلمات ہیں جو اولیاء اللہ کے بارے میں بولے جاتے ہیں۔ یہ اللہ کے دوست ہیں۔ یہ اللہ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انہوں نے مخلوق خدا کو خدا کی طرف راغب کیا۔ خدا نے ان سے کام لیا کہ اپنی محبت کو ان لوگوں کے توسط سے پھیلا یا۔

اگر آپ ان پر طنز کرو گے تو یہ جواب میں ضرور کہیں گے کہ تم جیسے لوگوں کے ہوتے ہوئے کیسے ترس ہو سکتا ہے۔ تم جیسے گستاخانِ رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے کیسے رحم ہو سکتا ہے۔ ہم تو آرام سے نیچے پڑے ہیں۔ یہ تمہارے گناہوں کی سزا ہے جو تمہیں مل رہی ہے۔ پھر دوسری بڑی بات۔ ابھی جنگ کو چھ دن ہوئے ہیں اور آپ نے باتیں شروع کر دیں۔ ابھی تک جنگ کا فیصلہ ہی نہیں ہوا۔

کیا واقعی شہر بچتے ہیں کہ نہیں۔ محدثین کے امام اور شافعی سلسلہ کے بزرگ شیخ محمد بن علی ابن الجزری جو مصنف ”حسن حصین“ ہیں۔ احادیث کی دعاؤں کی کتاب لکھ بیٹھے تھے اور لکھ کے حضور ﷺ کو نذر فرمائی اور شہر کا یہ عالم تھا کہ قزل بوغا سوا لاکھ منگول لے کے حملہ کرنے آیا ہوا تھا۔ شہر کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ عورتیں تھیں، بچے تھے۔ کھرام مچا ہوا تھا۔ شیخ نے حضور ﷺ سے شہر کے بچنے کی دعا کی درخواست کی۔ شیخ نے یہ ”حسن حصین“ کے آغاز میں نقل کیا کہ خواب میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور مجھے بائیں ہاتھ لیا۔ پھر وضاحت فرمائی کہ عرب جس کو بائیں ہاتھ لیتے ہیں اس کی

حفاظت مقصود ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے کتاب کو قبولیت عطا فرمائی اور فرمایا 'ڈرمت تو سلامت رہے گا۔ اگلے دن صبح قزل بوغاد مشق کا محاصرہ چھوڑ کر کیوں چلا گیا۔ اگر یہ کتاب شیخ ہی تھی اور شیخ کا بیان ہی تھا کہ میں نے کتاب منسوب محمد ﷺ کی اور دعائے گئی تھی کہ یا رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو عذاب سے چھڑائے اور رات رسول اللہ ﷺ خواب میں تشریف لائے اور مجھے بائیں ہاتھ لیا اور پھر وضاحت فرمائی کہ عرب جس کو بائیں ہاتھ لیتے ہیں ان کی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔ ڈرمت تھے کوئی خطرہ نہیں اور شہر والوں کو کوئی خطرہ نہیں اور اس طرح یہ خطرہ ہل گیا۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

Mystic experiences excommunicable.

آپ کو پتہ ہے صوفیوں اور مولویوں میں کیا جنگ ہوتی ہے۔ مولوی پر تو پوری زندگی وہ لوجہ گزرا ہی نہیں۔ اس کے دل پر اس کے باطن پر کوئی ایسی کیفیت گزری نہیں تو وہ کیسے مان لے کہ کسی اور پر گزری ہے۔ اسی لیے وہ کرامت کا قائل نہیں۔ اسی لیے وہ محبت کا قائل نہیں۔ وہ صرف شریعت کا قائل ہے اور شریعت بغیر طریقت بے معنی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں 'حالانکہ ابن تیمیہؒ سے سخت کوئی نہیں ہے۔ اپنے زمانے میں ہزاروں لوگ انہوں نے قتل کروائے جو دجل و فریب سے خدا کے نمائندے بن کے بیٹھے ہوئے تھے، مگر جب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ بغداد کے وہ عظیم اولیاء اللہ تھے اور ان کی کرامات ہم تک تو اتر سے پہنچیں۔ اب اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا اولیاء اللہ کا کہ ابن تیمیہؒ جیسے لوگ کہتے ہیں کہ ان کی کرامات تو اتر سے ہم تک پہنچی ہیں اور اب بھی کرامات بغداد سے پہنچ رہی ہیں۔ خدا اپنے دوستوں کا ساتھ دیتا ہے اور اس کے دوست ہم اور آپ جیسے غریب بندوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

قرآن میں اللہ نے کہا کہ اے پیغمبر ﷺ اگر یہ تیری بیویاں تیرا ساتھ نہیں دیتیں تو پھر میں میرے ملائکہ اور میرے مومنین تیرا ساتھ دیں گے۔ اگر آپ ترتیب دیکھیں تو بڑی عجیب سی ہے کہ میں میرے ملائکہ میرے مومنین تیرا ساتھ دیں گے۔ اب ذرا غور فرمائیے کہ کوئی بھی اہل عقل ایسا ہے کہ جب میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں ساتھ دوں گا تو میں اپنے غلاموں کا کیوں ذکر کروں گا مگر اس طرح اللہ جملہ بڑھاتا ہے کہ میں ساتھ دوں گا میرے ملائکہ ساتھ دیں گے اور میرے مومنین تیرا ساتھ دیں گے۔ ایک نظام ہے۔ ایک سربراہی ہے۔ اس کے نیچے گروہ ہیں۔ قیادت بھی ہے۔ جزوی ہیں۔ کلی ہیں۔

حضور ﷺ کی حدیث ہے۔ اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔ یا تو پھر آپ یہ جملہ کہو گے کہ اے اللہ اپنے بانٹنے والے سے کہو کہ مجھے کچھ دے۔ اگر خدا تک آپ کی رسائی ہوگی تو آپ کہو گے اے اللہ مجھے دے۔ اب جو شخص اللہ سے مانگنے جائے گا۔ تقسیم تو کسی بندے کے پاس ہے تو اس سے وہ دعا کیسے مانگے گا کہ اے اللہ کہو اپنے رسول ﷺ سے کہ مجھے کچھ دے۔ کیسا لگے گا یہ آپ کو۔ اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ کار تو نہیں بنے گا۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یا اللہ مجھے دے۔ خدا نے تو جو کچھ عطا کرنا تھا اس کی تقسیم پر محمد رسول اللہ ﷺ کو لگا دیا کہ یہ تمہیں دیں گے۔ اب دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو قرآن بتا رہا ہے جو اللہ کے رسول آپ کو بتا رہے ہیں کہ اے پیغمبر ﷺ جب لوگ میرے پاس

آئیں، اپنے گناہوں کی بخشش مانگنے کے لیے اور آپ ﷺ بھی ان کے لیے دعا کریں تو ہم بخشے والے ہیں۔ یہ ہے اصل عطا اور بخشش کا مطلب کہ جب لوگ میرے پاس آئیں، اپنے گناہوں کی بخشش مانگنے کے لیے توبات تو ختم ہوگئی کہ اللہ معاف کر۔ ختم کر۔

As simple as that - through proper channel.

بھئی اگر کسی کے بہت اچھے ذاتی تعلقات ہیں اللہ سے توجا و مبارک ہو۔ اگر اتنے گہرے نہیں ہیں تو پھر through proper channel، وگرنہ اس کے بغیر کام نہیں بنے گا۔

فتنہ آ خرزماں ☆

فتنہ آ خرزماں

خواتین و حضرات! میرا یہ خیال نہیں تھا کہ یہ موضوع اتنا بڑا خطرہ ہوگا، کیونکہ جب یہ موضوع تھا نیدار صاحب کے پاس گیا تو انہوں نے ہال کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے باقی کا حصہ نہیں پڑھا اور فتنے سے گمان کیا کہ یہ تو بڑا گڑبڑ والا معاملہ ہے۔ تو میں نے گمان کیا کہ فتنہ کہیں بھی ہو، کچھ نہ کچھ ضرور مصیبت پیدا کرنا ہے، خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔

خواتین و حضرات! پیشتر اس کے کہ میں اصل موضوع پر گفتگو کروں۔ اس کے پس منظر میں دو چار بڑے اہم ذہنی سوالات ہیں جو ہم نے طے کرنا ہوتے ہیں کہ مستقبل میں جھانکنا انسان کی بے چینی کا باعث ہے۔ اس کے اضطراب کا باعث ہے اس کے تجسس کا باعث ہے۔ ہر انسان جھانکنا، کنا پسند کرنا ہے۔ چاہے وہ فلکیات اور علم الاعداد میں ہی کیوں نہ ہو۔

خواتین و حضرات! یہ فتنہ آ خرزماں کا لفظ بذات خود ایک ایسی شعبے کی نشاندہی کرتا ہے جو اس وقت موجود نہیں ہے۔ ایسے ماحول اور ایسے مستقبل کی نشاندہی کرتا ہے جو اس وقت ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور کیا واقعتاً یہ زمانہ اختتام کے قریب ہے۔ کیا واقعتاً ہم لوگ کسی ایسے تجسس میں ہیں کہ کل کوئی ایسا بڑا ہنگامہ ہونے والا ہے جس کی وجہ سے یہ کاروان حیات اپنے اختتام کو پہنچے گا۔ یہ آج کی بات نہیں ہے۔ جب سے انسان پیدا کیا گیا، تب سے اس نے مستقبل کے لیے تجسس کی پٹ لگا رکھی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بہت سارے مستند علماء علوم غیب کو مکمل متاع پروردگار سمجھتے ہوئے کسی ایسے امکان کی بالکل نفی کرتے ہیں، جہاں کوئی شخص بھی غیب کی گفتگو کرتا ہو یا کسی بھی مستقبل کی نشاندہی کرتا ہو۔ خواتین و حضرات! اللہ کے لیے تو کوئی غیب نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو عالم الغیب والشہرہ کہتا ہے۔ وہ اس لیے کہتا ہے کیونکہ وہ غیب آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ وہ اس کے مشاہدے میں ہے اور جب بھی قرآن کی کوئی آیت پڑھی جائے گی اور جب اس کا مفہوم سمجھا جائے گا تو اسے اس سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قرآن بندوں کے پڑھنے کے لیے اور سمجھنے کے لیے ہے۔ اس لیے ہم اس جہت کو جدا نہیں کر سکتے، جو محاورہ قرآن میں استعمال کیا گیا ہے۔ جس فہم و تدبر اور فراست کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ انسان کی تکمیل فراست ہے۔ انسان اپنی عقل سے کام لیتا ہے اور ضرور اس مقام فہم تک پہنچے گا، جہاں اسے اللہ کے علوم الغیب سے اور اس کے ظاہری علوم میں سے بھی اس کو فراست حاصل ہوگی۔ زمانے میں ایسے بہت سارے باکمال گزرے ہیں جن سے مستقبل کے اشارے ملتے ہوں اور خواتین و حضرات! ایسے لوگوں پر

کوئی حد نہ تھی کہ وہ کس مذہب سے، کس مکتب خیال سے یا کس طبع و رجحان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے کہ انسانی ذہن کی وسعتیں بے پناہ تھیں اور کسی نہ کسی قید و بند کے عالم میں مجنوں اور قلبی اداسی میں جب انسان کے ایک طرف کے عملی اعتقادات ختم ہوتے تو باقی اعتقادات کھل جاتے جیسے مشہور فرانسسیسی نجومی Nostradames کی بات ہے کہ زندگی کی مصیبت میں وہ کچھ ایسے دور سے گزرا کہ اس کے اندر (Extra Sensory Perception) ESP - آزاد اور زندہ ہو گئی اور اس نے آئندہ زمانے تک اپنی مسلسل پیش گوئیوں کا سلسلہ دیا۔

خواتین و حضرات! پیشین گوئی اور سچی خبر میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ غیب اور شہادت کا فرق صرف اتنا ہے جتنا انسان کے اندر علم ہے۔ اس حد تک اس کے اندر شہادت ہے۔ جب اس کا علم اختتام کو پہنچتا ہے تو اس سے آگے وہ غیب میں چلا جاتا ہے۔ چاہے وہ پانچویں کلاس ہی میں کیوں نہ ہو چاہے وہ ایم۔ اے کی جماعت ہی میں کیوں نہ ہو وہ تمام علوم جن میں انسان نے تحصیل نہیں کی ہوتی، وہ تمام علوم جن میں اس کی اطاعت فراہم نہیں ہوتی، وہ تمام علوم جن تک اس کی نظر نہیں گئی ہوتی وہ اس کے لیے علم الغیب بن جاتا ہے مگر کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی مخصوص تعلیمات اس فن میں ہوتی ہیں اس درجہ خیال میں ہوتی ہیں جب وہ یہاں سے آگے بڑھتا ہوا خصوصی طور پر ان علوم پر اعتراضات کرتا ہے جس پر عمومی لوگ نہیں کرتے تو ان علوم پر اس کی معلومات عمومی لوگوں سے بڑھ جاتی ہے اور عمومی لوگ جس مسئلے پر غیب میں ہوتے ہیں، خصوصی لوگ اس مسئلے میں شہادت پر ہوتے ہیں۔

نبی کی جو تعریف آئی ہے بنیادی طور پر وہ غیب کا جاننے والا ہے۔ ایسی خبر دینے والا جس کی کسی اور کے پاس کوئی خبر نہ ہو۔ بنی اسرائیل میں ایک وقت میں بے شمار انبیاء گزرے تھے اور بعض اوقات بہت سارے جھوٹے انبیاء بھی گزرے تھے۔ تو عموماً ان کی سچائی کا واحد امتحان وہ خبر ہوتی تھی جو ملائے اعلیٰ سے کسی ایسے سچے بندے کو دی جاتی تھی جو بالآخر درست نکلتی تھی۔ اس عالم میں جب حضرت دانیال علیہ السلام کو بخت نصر کے زمانے میں بابل کے بادشاہ Balthasar نے خواب دیکھا اور اس نے اعلان کیا کہ میں اس شخص کو سچا مانوں گا جو مجھے میرا خواب بتائے گا اور اس کی تعبیر بھی بتائے گا تو بہت سارے ایسے جھوٹے انبیاء جو اس وقت اس فہم فراست کے دعویدار تھے وہ کہنے لگے کہ ہم تعبیر تو کر سکتے ہیں مگر وہ خواب کیسے بتائیں جو بادشاہ نے دیکھا ہے۔ بالآخر اسے بتایا گیا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص ایسا ہے جو تمہیں خواب بھی بتا سکتا ہے اور اس کی تعبیر بھی۔ اس طرح حضرت دانیال علیہ السلام بادشاہ کے دربار میں پہنچے اور یہ بہت بڑا واقعہ تھا کہ دانیال علیہ السلام کی رہائی کے بعد بنی اسرائیل کو یروشلیم آنا نصیب ہوا اور وہ وہاں آباد ہوئے۔

حضرات گرامی! اگر آپ غور کریں تو پوری کائنات میں صرف ایک غائب ہے۔ ہر چیز پر کسی نہ کسی مخلوق کی رسائی ہے، مگر ہماری ملائے اعلیٰ پر رسائی نہیں ہے۔ کم از کم ملائکہ کی ضرور ہے۔ کوئی نہ کوئی مخلوق ہر جگہ پر وردگار کی اس وسیع تر مملکت میں موجود ہے اور کوئی نہ کوئی غیب کسی نہ کسی کے لیے شہادت ہے۔ سوائے اللہ کے پوری تاریخ انسانیت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ پروردگار ایک منزل پر واحد اور تنہا ہے اور اس کا دیکھنا کسی انسان کے لیے یا کسی مخلوق کے لیے مناسب نہ تھا اور نہ اسے دیکھا گیا، حتیٰ کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے نوازا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جبرئیل علیہ السلام کی مدد دی گئی۔ واقیناً عیسیٰ ابن مریم البینت و ایلدنه بروح القدس (۲) (البقرہ: ۲۵۳) اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو

روشن نشانیاں عطا کیں اور روح القدس کے ذریعے مدد کی۔ اس مدد کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قرآن حکیم کی آیت کے مطابق دعویٰ فرمایا اور سچا دعویٰ فرمایا کہ: **وانبئکم بما تاناکلون وما تدخرون فی بیوتکم (۳) آل عمران (۳۹)** اور جو کچھ تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو سب تمہیں بتلا سکتا ہوں۔

حضرات گرامی! جب آپ آگے بڑھے تو اللہ کو بھی اپنے لیے کسی بڑی شہادت کی ضرورت تھی کہ انسان یا اعتبار کرے کہ اللہ کا بھی کوئی گواہ اور شاہد موجود ہے تو بالآخر اپنے دوست (بنی نوع انسان) اپنے پیغمبر اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو یہ سعادت بخشی گئی کہ تاب تو سین کے مقام پر جا کر انہوں نے خدا کو دیکھا۔ جب حضور ﷺ نے رویت الہی کا دعویٰ کیا تو عمر بن ہشام حضرت ابو بکر کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور سیدنا صدیق اکبر سے یہ کہا کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ راتوں رات مسجد اقصیٰ گیا اور عالم بالا کو بلند ہوا اور اللہ کو دیکھا تو کیا تم یقین کر لو گے۔ تو انہوں نے کہا نہیں۔ تو تمہارا دوست محمد یہ کہتا ہے۔ تو فرمایا اگر وہ یہ کہتے ہیں تو سچ کہتے ہیں اسی لیے وہ صدیق اکبر کہلائے تو جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کا ایک صدیق ہوتا ہے اور میرا صدیق عبداللہ بن ابی قہافہ ہیں۔

خواتین و حضرات! ایک دوسرا نقطہ ایک نفسیاتی نقطہ جو انسان کے ذہن میں ہمیشہ موجود رہا کہ کہیں نہ کہیں انکار کرنے والوں کے پس منظر میں بھی خدا ایک کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔

میں کھٹکتا ہوں دل بیزاں میں کانٹے کی طرح

تو فقط اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو

دراصل بات یہ ہے کہ اللہ کا یقین اس کا اعتقاد اتنا مضبوط اور پرانا تھا اتنا سچا تھا کہ ہر زمانے میں جنہوں نے انکار کیا انہوں نے بھی کہیں نہ کہیں اس اقرار کا تھوڑا بہت اعلان کیا حتیٰ کہ ارنسٹ ہیمنگ وے (امریکی مصنف) جو بڑا مشہور ترین خدا کا انکار کرنے والا تھا وہ اپنے ہاتھ میں ایک کڑا پہنتا تھا تو اس پر اسے کسی نے کہا کہ تو تو خدا کو نہیں مانتا تو پھر یہ کیا ہے۔ اس نے کہا یہ میرے اعتقاد کا ایک حصہ ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ جب میں اسے پہنتا ہوں تو میرے ساتھ اچھے واقعات ہوتے ہیں اور جب میں اتا ر دیتا ہوں تو میرے ساتھ اچھے واقعات نہیں ہوتے۔

جیسے پہلے معروف نفسیات دان ولیم جیمز نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ اس جہاں سے پرے بھی ایک جہاں ہے اور وہ مکمل ہماری طرح ہے اور میں اس کی آوازیں بھی سنتا ہوں اور میں وہاں سایوں کو چلتا پھرتا بھی دیکھتا ہوں۔ تو خواتین و حضرات! جب انسان خدا سے گریزاں ہوتا ہے ایک فرد مثال لیجیے تو اس کے دل میں کوئی نہ کوئی احساس جرم ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی اس سے ایسا گناہ ہوتا ہے اور کہیں نہ کہیں کوئی غیر مضمئن صورت اس کے باطن میں پیدا ہوتی ہے جس کو کرنے کے لیے وہ اپنے لیے خود کسی احساس گناہ کا تصور پاتا ہے۔

اس کی مثال آپ کو دور حاضر میں دو ملکوں میں بڑی نمایاں نظر آتی ہے۔ ایک جرمنی میں اور ایک امریکہ میں۔ جب جرمن قوم کو احساس دلایا گیا تو جرمنی والوں میں اتنا احساس جرم پیدا ہوا کہ وہ اپنی ترقی میں جنگ عظیم دوم کے ذمہ دار قرار پائے اور ان کی سائیکی پر اس کا اتنا دباؤ تھا کہ ان کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہٹلر نے جو یہودیوں کا قتل عام کیا اس کے ہم ذمہ دار ہیں اور کہیں نہ کہیں اس کی سزا ہم پار ہے ہیں جس کی وجہ سے اب بھی وہ کسی ملک کی جنگی تیاریاں اور ایٹمی

تجربوں کے بہت خلاف ہوتے ہیں۔

خواتین و حضرات! یہ بات جاپانی قوم میں بڑی نمایاں ہے۔ جاپان نے جنگ عظیم دوم میں جس تشدد کا مظاہرہ کیا اور اس کے بعد ان کا جب ایٹمی بم سے واسطہ پڑا تو آج بھی جب آپ ان کی خوف پیدا کرنے والی فلمیں دیکھتے ہیں ان میں وہ کسی نہ کسی عفریت کی علامت کو ضرور دکھاتے ہیں اور خوف و دہشت ان کی زندگی کی علامت بن گیا ہے جسے ایک خاص اصطلاح میں Surrealistic Pattern کہتے ہیں جو آپ صادقین کے آرٹ میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔

یہی حالت امریکہ میں ہے کہ پروپیگنڈے کے ساتھ اپنے آپ کو اس ایٹم کے ظلم و ستم سے بچانے کی کوشش کی اور بڑی اچھی طرح جواز پیدا کیا، لیکن بلاشبہ امریکی قوم میں سب سے بڑا خوف ایٹم کی تخلیق ہی کا ہے۔

But no doubt, the biggest fear in American nation is creation of atom.

اور وہ اس کے بارے میں سوچ کر خوف و دہشت سے کانپتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلی کوشش یہ کی کہ کوئی مسلمان ملک ایٹمی طاقت نہ بنے اور اس طاقت کو روکنے کے لیے وہ انتہائی تشدد تک جانے کے لیے تیار ہیں۔ یہ ان کے انتہائی اندرونی خوف کی علامت ہے۔

پورے یورپ اور مسیحی دنیا نے مل کر کم از کم چودہ صلیبی جنگیں مسلمانوں سے لڑیں اور ان جنگوں میں خود جوڑک اٹھائی اس کی ایک جنگ کا حال میں آپ کو سنا تا ہوں جو بالکل ناقابل یقین حد تک ان کے لیے خوف و دہشت کا باعث بن گئی جسے ہم جنگ منصورہ کہتے ہیں۔ جنگ منصورہ میں ان کو اتنی بڑی شکست ہوئی کہ جس میں چودہ یورپی بادشاہ بذاتہ خود پکڑے گئے اور اسی طرح اس سے تھوڑا عرصہ پہلے وادی حطین کی جنگ میں انگلینڈ کا سب سے بڑا مضبوط اور دلیر بادشاہ جسے وہ شیردل کہتے تھے وہ اتنی ذلت اور پستی سے ہمکنار ہوا جس کا خوف یورپی اقوام کے باطن میں بیٹھ گیا۔ یہ دو جنگیں فیصلہ کن جنگیں کہلاتی ہیں۔

خواتین و حضرات! صرف یہی نہیں بلکہ سلطان سلیمان ذیشان کے زمانے میں دہشت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے یورپی متحدہ بیڑے کو اتنی بڑی طرح شکست دی اور ان کے نام کی اتنی دہشت تھی کہ آج تک آپ یورپی فلموں میں سمندری بیڑے یا بحری قزاقوں کی جو شکل دیکھتے ہیں وہ خیر الدین بابر و ساسا کے کمانڈوز کی شکل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کے ایک جرنیل نے جب اٹلی پر قبضہ کیا تو چھ مہینے تک ساحل پر وہ ان سے خراج لیتا رہا اور وہ کبھی اٹلی میں داخل نہیں ہو سکا، کیونکہ اس کے پاس فوج ہی نہیں تھی اور دہشت کا یہ عالم تھا کہ انگریز مائیں جب اپنے بچوں کو سلانے کے لیے ڈراتی تھیں تو کہتیں:

Hush!!!! The Turks are coming.

یورپی اقوام کا یہ خوف اب ان کے جارحیتی لب و لہجہ کی وجہ سے ایک عظیم ایٹمی جنگ میں بدل گیا ہے اور یہ مجموعی لاشعوریت جو انسان کی تباہ کاریوں اور بہت زیادہ خوفناک ہتھیاروں کی ایجاد کے باوجود اپنے وجود میں لرزاں ہے ان کا احساس ہے کہ ہم اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ اب زمانے کی رفتار کو روکا نہیں جاسکتا۔ بقول حدیث رسولؐ کے زمانے اب قریب آ رہے ہیں دنیا اور آخرت اب قریب آ چکے ہیں کہ اب ان کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔ خواتین و حضرات! جب انسانی سائیکسی کسی خطرے کی زد میں آتی ہے یا کسی آسٹرو کی زد میں آتی ہے تو اس کا خوف اس کے اندر سے ایسی معلومات

تخلیق کرنا ہے جو بالآخر صحیح نکلتی ہیں اور یہ تیسری وجہ ہے کہ لوگوں نے پیشین گوئیاں کیں۔ پیشین گوئی کرنا نہ کبھی جرم رہا اور نہ کبھی جرم ہوا، مگر بہت ساری پیشین گوئیوں کو قرآن بیان کرنا ہے اور فرمانا ہے کہ ان یبعون الا الظن وان ہم الا یخرون (سورۃ الانعام آیت ۱۱۶) وہ تو محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور انکل پچو سے کام لیتے ہیں۔

اسی لیے انبیاء اکرام اور حضور ﷺ کے علاوہ کسی بات کو حتمی نہیں مانا جاسکتا، خواہ وہ کسی تباہی و بربادی کی ہو، خواہ کسی خوشخبری کی ہو، خواہ کسی عیش و عشرت کی ہو۔ خواتین و حضرات! ایک بات تو آپ نے دیکھی ہوگی کہ عوام جب کسی ذرا سی بات پر جاہد حکمران سے ٹک آتے ہیں تو ان کی سائیکس اس قسم کی پیشین گوئیاں گھڑتی ہے کہ یہ قتل ہو جائے گا، وہ ضرور مارا جائے گا۔ میں اس بات پر حیران ہوتا ہوں کہ کوئی انسان خارجی طور پر جینے کے لیے تو نہیں آیا۔ اگر کسی آمر مطلق کے بارے میں یہ پیشین گوئی کی جائے کہ یہ بیس سال بعد اپنی موت خود مر جائے گا تو کیسی رہے گی۔ میرا خیال ہے کہ فطری پیشین گوئی ہے۔ اس سے زیادہ سچی بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی مگر بہت سارے پیشین گوئی کرنے والے ان باتوں کا سہارا لیتے ہیں۔

They are little more sharp than the others. They keep on guessing.

بوسو گھتے ہیں اندازے لگاتے ہیں اور پیشتر اس کے کہ کوئی واقعہ ہو، اس کی قربت میں بڑا سا بیان لگا دیتے ہیں کہ دیکھا میں نے پہلے سے کہا تھا، میری بات سچ نکلی۔ مگر خواتین و حضرات! آج بھی اللہ کے بندے پیشین گوئیاں نہیں کرتے۔ آج بھی زمانے پر حکم چلاتے ہیں۔ وہ حکم دیتے ہیں۔ وہ اللہ کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے اس قابل ہو جاتے ہیں کہ ان کی زبان سے نکلا ہو، لفظ پیشین گوئی بن جاتا ہے۔ سچی پیشین گوئی۔

وہ ہر بات پوری ہوتی ہی چاہیے۔ اس کا پہلے سے کوئی سوچے یا نہ سوچے وہ ایک بات رحمت کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے، وہ بات عذاب کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے، اسی لیے ایک اچھے مذبذب کے بارے میں کہا گیا کہ اس کی اگاڑی سے بھی ڈرو، اس کی پچھاڑی سے بھی ڈرو۔ کوئی پتہ نہیں، موڈ میں آ کے تمہیں اچھی خبر دے جائے اور موڈ میں آ کے کوئی بری خبر دے جائے، مگر خواتین و حضرات! اس کے علاوہ سائیکس کی سطح پر ایک ایسا پہلو ہے جس کی نشاندہی کیے بغیر میں آگے پیشین گوئیوں کے باب تک نہیں جانا چاہتا کہ اللہ جب کسی کو ایسے خصوصی علوم سے آشنا کرتا ہے جسے آپ 4th Dimensional Perception کہتے ہیں تو ان سے ظاہری علوم کا احساس چھین لیتا ہے۔ اللہ کو یہ منظور نہیں ہوتا کہ یہ خبریں عمومی سطح پر پہنچیں اور لوگ موجود کو چھوڑ کر حاضر کو چھوڑ کر مستقبل کی فکر کریں۔

ایک بات اچھی طرح یاد رکھیے کہ جو کچھ قیامت تک ہونا ہے لکھا جا چکا ہے، لوح محفوظ پر اتر چکا ہے۔ ایک بات اور بھی یاد رکھیے کہ ایک ہزار سال کے لیے یہ زمین ان ملائکہ کو دی جاتی ہے جنہوں نے ایک ہزار سال کا بندوبست کرنا ہوتا ہے اور پھر ایک ہزار سے ایک سو سال تک کی اسکیم ان ملائکہ کو دی جاتی ہے جنہوں نے کسی صدی کا بندوبست کرنا ہوتا ہے۔ کل وہ مبارک رات ہے اور اس مبارک رات میں ایک سال کی اسکیم اتار دی جائے گی۔ ایک سال میں کیا ہونا ہے۔ کس نے مرنا ہے، کس نے پیدا ہونا ہے، کس نے رزق حاصل کرنا ہے، کس کی کمی ہے، کس کی بیشی ہے۔ اب سب کچھ آسمان اول کے ملائکہ کے ہاتھ میں ہے۔

Some intellectuals can always peep into these secrets.

بعض اوقات ہوتا یہ ہے کہ یا سکیم جب نافذ ہو رہی ہوتی ہے تو کوئی ESP والا بتا دیتا ہے۔ یہ تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات سائنس دانوں میں بھی حس ہے۔ جس طرح حدیث رسول ﷺ کے مطابق مُتَابِدِرُ وُجُوہِ كُودِكَيْه لیتا ہے گدھا شیطان کو دیکھ لیتا ہے۔ تو خواتین و حضرات! یہ سماعت و بصارت میں کوئی خصوصی اثرات تو ہوں گے۔ مثال کے طور پر اگر میں یہ کہوں کہ مرغ کی آنکھ میں زردی جو ہے ضرور اس میں کوئی Ultra Violet Rays کا اثر ہوگا کہ جس سے شاید Ultra Violet Rays کی وجہ سے فرشتہ نظر آ جاتا ہے اور کسی جانور کی سفیدی میں اس قسم کی شعاعیں ضرور ہوں گی جو ایک فرشتے کا کھوج لگاتی ہیں۔

اب میں ایک بڑا مشہور اور مستند واقعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ تاج الدین ماگپوری اپنے زمانے کے سب سے مانے ہوئے مجذوب تھے تو انہوں نے مولانا ظفر علی خان اور مولانا محمد علی جوہر کو دیکھتے ہی کہا کہ تم یہاں کہاں؟ تم تو پھانک کے پیچھے ہو پھانک کے پیچھے ہو تو وہ دونوں حضرات بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ ہم پھانک کے پیچھے ہیں۔ ہم تو ان سے ملنے آئے ہیں تو جب پلٹ کر گئے تو رولٹ ایکٹ کے تحت دونوں جیل میں بند ہو گئے۔ تب ان کی سمجھ میں آیا کہ انہوں نے دو چار دن آگے پیش آنے والے واقعات دیکھ لیے تھے اور وہ ان سے بار بار کہہ رہا تھا کہ تم تو پھانک کے پیچھے ہو۔ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ انسانی سائنسی اپنے ترفع کی وجہ سے ماورائے فطرت بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح جب ایسی کارروائیاں بڑھتی ہیں تو بیہانہ جرائم پیدا ہوتے ہیں بدترین جرائم پیدا ہوتے ہیں اور ایسی کارروائیوں کی جانب کو دھیان چلا جاتا ہے۔

خواتین و حضرات! پیشین گوئیوں کو جاننا میری طرح ضرور آپ کا بھی تجسس ہے مگر یہ آج سے شروع نہیں ہوئیں۔ یہ تو بہت پرانے زمانے کی بات ہے کہ انسان اس زمین پر رہتا ہے اس کے انجام کے بارے میں غور و فکر کرتا رہا ہے۔ معلومات خواہ کتنی بھی کم ہوں مگر ایک ذریعہ معاملات ہمیشہ موجود ہے اور وہ اللہ خود ہے اور انسان کو آنے والے وقتوں سے ڈرانا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ کشتی پر بیٹھے تو اللہ نے ان سے ایک بات کہی کہ اے نوح علیہ السلام! تجھے تو میں نے بچا لیا اور تیرے ساتھیوں کو بھی اور یہ نیکو کاروں میں سے تھے مگر یاد رکھنا کہ تیری اولاد میں سے لوگ پھر کفر کریں گے اور یاد رکھنا پھر میں ان کو ایسی ہی بڑی سزا ضرور دوں گا۔ خواتین و حضرات! ایک بہت بڑی تباہی کی بنیاد اس قوم پر پڑ گئی اور پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے حواریوں نے کہا کہ یا نبی! اللہ ہمیں ایسا کوئی ثبوت دے کہ ہم واقعی اللہ کے پیارے ہیں اور تو واقعی اللہ کا سچا نبی ہے۔ تو دعا کر کہ اللہ ہمارے لیے آسمان سے نعمت اتارے ہم اسے کھائیں اور شکر کریں۔ تو اللہ نے کہا کہ ٹھیک ہے اتارنا ہوں تم کھاؤ گے بھی اور تم بھوکے بھی کبھی نہیں رہو گے مگر ایک بات یاد رکھنا کہ کچھ سزائیں میں تمہیں تمہارے ہاتھوں زمین پر ہی دوں گا۔

جنگِ عظیم اول اور دوم اس بات کی مکمل شہادت ہے کہ ان کے بعد جو یورپی سائنسی یا میسویں صدی کے عوام کی سائنسی کبھی بہتری کو مانگ نہیں ہوئی بلکہ وہ خدا سے اور دور ہو گئے اور زیادہ تباہی و ہلاکت کو بڑھے۔ ایمان رخصت ہو گیا اور تمام اقوام مغرب خدا کو Personal Outsider سمجھنے لگے۔ حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ اللہ اگر ہماری بات مانتا ہے تو ٹھیک

جہاں اللہ رہے ورنہ:

He should be set outside the Universe. He is no more needed on this earth.

اور آج کا پورا ماحول پورا فلسفہ اور پورا خیال مغرب اسی ایک بنیادی عقیدے پر قائم ہے کہ:

God is a personal idea which remain within somebody's sick mind but he is no more needed on God's Earth. We are enough to raise our own system, our own communities, our own life.

ابھی ہمیں دیکھنا ہے کہ وہ پیشین گوئیاں جو آئیں اور وہ فتنہ آخر زماں کہاں ہے۔ ضمناً آپ کو بتانا چلوں کہ بہت ساری چیزوں کو حضور ﷺ نے فتنہ بتایا کہ فتنہ آخر زماں عورت ہے مال ہے دین سے بے رغبتی ہے اور فرمایا فتنہ آخر زماں بہت کچھ ہے۔ مگر ایک بہت بڑے فتنے کو حتمی طور پر انہوں نے آخری زمانے کا فتنہ بتایا کہ باقی تمام فتنے انفرادی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں مگر یہ فتنہ آخر زماں انسان کے بنیادی عقیدے اور بنیادی اعتبار خداوندی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی لیے اول و آخر تمام انبیاء نے جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت دانیال علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سرکار کائنات حضرت محمد ﷺ نے اس کا ذکر کیا۔

پیشین گوئیاں اس وقت سے شروع ہیں جب سے یہ زمین بنی ہے جیسے بہت پرانے لوگ قدیم یہودی تھے ان کا یہ کہنا تھا کہ بہت بڑی جنگ جسے Armageddon کہتے ہیں اور یہ جنگ اور آخری مسیحا اس وقت آئے گا جب شرق وسطیٰ میں یہودی سلطنت قائم ہو جائے گی اور حضرات گرامی! اتفاق دیکھیے کہ یہودی سلطنت قائم ہے اور وہ بھی کسی آخری مسیحا کا انتظار کر رہی ہے۔ آگے بڑھتے ہوئے آپ کو بڑی عجیب و غریب پیشین گوئیوں سے واسطہ پڑے گا۔ اصل سے بھی اور نقل سے بھی۔ پھر میں آپ کو ان کا تجزیہ پیش کروں گا۔ اب انجیل نے اس کے خلاف جو پیشین گوئی دی وہ تھوڑی سی اس سے مختلف ہے۔ فرمایا کہ شمالی شہنشاہ اور جنوبی شہنشاہ دونوں اسرائیل پر حملہ کریں گے اور وادی Sion میں تباہی و ہلاکت کا بہت بڑا منظر ہوگا اور اسرائیل تباہ ہو جائے گا۔ یہ یاد رکھیے گا کہ اسرائیلی سلطنت کے قیام سے ہزاروں سال پہلے کی پیشین گوئیاں ہیں کل اور پرسوں کی نہیں۔

اب میں آپ کو ایک دوسری قوم کی طرف لیے چلتا ہوں کہ تبت کی پیشین گوئیوں میں دو پیشین گوئیاں آئی ہیں۔ ایک تو آخری زمانے کے بارے میں مہاتما نے فرمایا کہ زمین اس وقت تک تباہ نہیں ہوگی جب تک کہ متر انہیں آجانا۔ اور وہ اسے رحمت اللعالمین کہتے ہیں یعنی ان کے مطابق جب تک آخری بدھا نہیں آجانا تبت تک دنیا تباہ نہیں ہوگی۔ پھر تبتی لاماؤں کی کتابوں میں ایک بڑی پرانی پیشین گوئی لکھی ہوئی آئی کہ تیر ہویں دلائی لاما کے بعد کوئی دلائی لاما نہیں ہوگا اور یہ زمین کے انجام کی نشانی ہے۔ تیر ہویں دلائی لاما آ کے ختم ہو چکا ہے اور اس کے بعد کوئی دلائی لاما نہیں آیا جو سرکاری سطح پر تبت پر بیٹھا ہو۔ پھر اس پیشین گوئی میں یہ بھی آیا ہے کہ بدھ مت کی پوری عمر پچیس سو برس ہے اور پچیس سو برس کے بعد بدھ مت باقی نہیں رہے گا۔ اتفاق دیکھیے کہ مہاتما کو پچیس سو برس ہو گئے اور وہ زمانہ ختم ہو گیا۔ ویسے تو مومن

خان مومن نے کہا کہ:

اَس بت کی ابتدائے جوانی مراد ہے
مومن کچھ اور فتنہ آخر زماں ہے

تو شاعروں کا فتنہ آخر زماں کچھ اور ہوتا ہے۔ مگر کتاب کا فتنہ آخر زماں کچھ اور ہوتا ہے۔ خواتین و حضرات! ہندو روایات میں بڑی پرانی پیشین گوئی لکھی ہوئی آئی کہ چار ہتر ہیں زمانوں کے اور آخری ہتر کا لگی ہتر ہے۔ ان کے یقین میں کا لگی کا لگی کا ہتر ہے یعنی جنگ و جدل اور زمانے کا آخری ہتر ہے اور کا لگی ہتر میں زمانے کا اختتام ہوتا ہے مگر اس کا بھی وقت پورا ہو چکا ہے۔ کا لگی ہتر میں بھی انہوں نے عرب کے پیغمبر کی پیشین گوئی کا سہارا لیا ہے اور کہا کہ عرب میں ایک ایسا پیغمبر ہوگا جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں کتاب ہوگی اور وہ زمانے کو صاف کرے گا۔ اتفاقاً یہ بھی وقت آ کے گزر چکا ہے اور کا لگی دور بھی اپنے اختتامی دور سے گزر رہا ہے۔

سائنسی نظریات کو یا آپ پرانے زمانے کے علم نجوم کو لیجیے۔ Trabesious قدیم بابل کا سب سے بڑا عالم تھا۔ انہوں نے سائنسی توجیہات کی بنا پر جو فیصلے دیے ہوئے ہیں اس میں زمانے کا آخر 2160ء ہے۔ ان کے حساب سے 2160ء میں زمانہ ختم ہو جائے گا۔

بادشاہ شوریہ نے اسی تباہی کا منظر دیکھنے کی خاطر بابل میں دو بہت بڑے ستون تعمیر کیے جن میں آنے والے وقت کے حالات و مصائب کو وہ دیکھ سکتا تھا اور اس کا خیال یہ تھا کہ میں آنے والی تباہی کو سونگھ لوں گا اور اپنے ملک کو بچا لوں گا۔ اس زمانے کے اہرام مصر خالی تعمیرات نہیں ہیں بلکہ علم ہیئت کے منطقی اصولوں کے مطابق اور فلکیاتی سائنس کے مطابق بنائے گئے ہیں۔ چارلس سمٹھ سکاٹ لینڈ کا سب سے بڑا اہرام کا فاضل ہے۔ اس نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم اور ایٹمی دور کو انہی آثار سے نوٹ کیا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ 2001ء میں آ کر اہرام کی سارے اعداد و شمار ختم ہو جائیں گے 2001ء تو زیادہ قریب لگتا ہے۔ چینی، عرب، یہودی اور سب لوگوں نے ابھی مغربی نظام کے اعداد و شمار کو قبول کر لیا ہے۔ بجائے قمری حسابوں کے اور پرانے بکرمی سالوں کے۔ اب سب لوگوں نے چونکہ شمس سال کے نظام کو قبول کر لیا ہے تو اب یہ مسئلہ پڑ گیا کہ عیسوی حسابات سے جتنے بھی تباہی کے وقت ہیں وہ انتہائی قریب آ گئے ہیں۔

اگرچہ یونانی لوگ بہت بڑے فلسفی تھے اس میدان میں بھی ان کی مہارت کلی تھی۔ یونانی دانشوروں جیسے افلاطون نے بھی یہ یقین رکھا ہوا ہے کہ:

Destruction of the Earth will be with fire.

یعنی زمین کے کچھ دوار ہیں جن میں زمین مکمل تباہی کے آثار کو دہراتی ہے اور اب کی بار یہ جو ہمارا دور چل رہا ہے وہ بھی اسی تباہی سے ختم ہوگا اور اس کی میعاد بھی دو ہزار سال ہے۔ اس سے آگے ان کے اعداد و شمار بھی نہیں جاتے۔ اکیسویں صدی جس کے بارے میں آپ اتنی امیدیں ظاہر کر رہے ہیں اور انسانی فتوحات کے کسی نئے باب کی امید کرتے ہیں، ملائے اعلیٰ پر کمندیں پھینکنے کی سوچ رہے ہیں، افلاک کو زیر و زبر کرنے کی سوچ رہے ہیں، اس کے بارے میں قدیم مفکرین ذرا مشکوک تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ انسان اکیسویں صدی میں تباہی اور بلاکت سے ہمکنار ہوگا اور

It is a famous sentence which I must quote to you that this is not the end of the world. This is end of a world.

کہ اس دنیا کی مکمل تباہی ہے یہ دنیا کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ جو دنیا موجود ہے ایک دنیا کی تباہی کے مکمل سامان اکیسویں صدی کے آغاز سے شروع ہو رہے ہیں۔ امریکہ کے پہلی قبیلے بڑے پرانے قبیلے ہیں اور پانچ ہزار سال پہلے بھی ان کا خیال یہ تھا کہ زمین اپنے مدار کے گرد گھومتی ہے۔ بڑی عجیب سی بات یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جب زمین کے مدار میں خرابی آئے گی تو آسمان اور سورج میں بھی خرابی آئے گی اور باقی سیاروں میں بھی خرابی آئے گی۔ اس وقت کو وہ قیامت کا وقت سمجھتے تھے لیکن قرآن حکیم میں اللہ نے فرمایا کہ ہم زمین کو دونوں کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں And by cm or some bigger distances زمین جو کناروں سے گھٹ رہی ہے تو اس کا عمومی توازن ضرور متاثر ہونا چاہیے۔

القارعة O ما القارعة O وما ادرك ما القارعة O (سورة القارعة آیت ۳۲)

زمین میں جب یہ ڈگمگاہٹ (Wobbling) آئے گی تو زمین اونچی نیچی ضرور ہوگی اور یہ ڈگمگاہٹ بھی آپکی ہے اور یہ سائنسی طور پر ریکارڈ پر آپکی ہے کہ آپ ان کے عقیدے اور پیشین گوئی کی صحت بھی اس بات سے دیکھ سکتے ہیں۔

خواتین و حضرات! یہ یاد رکھیے گا کہ میں نے آپ کو یہاں ڈرانے کے لیے نہیں جمع کیا۔ میں نے یہ عنوان اس لیے چنا کہ جہاں ہم زندگی کے بہت سارے پہلوؤں کو زندہ رکھتے ہیں وہاں ایک منزل ہمارے ساتھ یہ بھی ہے کہ ہماری اپنی نلطیوں اور حماقتوں کی وجہ سے کسی تباہی کا وقت جلد بھی آ سکتا ہے اور ہم لوگوں کو اس حادثے کے لیے تیار رہنا چاہیے اور حادثے کی تیاری صرف ایک ہے اور وہ ہے خدا کا ساتھ۔ اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جب زمانہ آخر میں اس قدر بڑی تباہی آئے گی اور کھانے کے لیے کچھ نہیں رہے گا تو لوگ کیا کھائیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا تسبیح ان کی خوراک ہوگی۔

اب خواتین و حضرات! زیادہ مہذب دور کو آتے ہیں۔ سب سے بڑی اور اہم پیشین گوئیاں عیسوی دور کی ہیں کیونکہ ان میں بار بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت بہت سارے انبیاء کی تشخیص تھی اور وہ غیب کی خبریں ضرور بتایا کرتے تھے اور بہت سارے انبیاء نے اس زمانہ آخر کی پیشین گوئیاں کیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یسعی علیہ السلام اور حضرت دانیال علیہ السلام پیشین گوئی کرنے والے پیغمبروں میں سے ہیں اور فرمایا کہ یا جوج اور ماجوج بیماری اور آگ کے آئیں گے اور بڑے خوفناک ہتھیاروں کی نمائش ہوگی۔ یا جوج اور ماجوج کھل جائیں گے اور بیماری آگ اور خوفناک ہتھیاروں کی بارش ہوگی۔ اسی طرح عراق یا روس کا بادشاہ اسرائیل پر حملہ کرے گا اور شمال کا بادشاہ بھی اس پر طوفان کی طرح پڑے گا اور وہ اسرائیل کا روز حساب ہوگا۔ ذرا غور کیجیے ان الفاظ پر جو انہوں نے استعمال کیے کہ دھوکے کے بادل تنوں کی طرح آسمان کو بلند ہوں گے۔ میرے خیال میں یہ ایٹم بم کی طرف اشارہ ہے جو بالکل اسی طرح دھوکے کے بادل کی طرح آسمان کو بلند ہوتے ہیں کہ سورج تاریکی میں ڈوب جاتا ہے۔

ایسی بارش کی وجہ سے دو تین مہینے کے لیے زمین پر سورج کی روشنی نہیں ہوگی اور چاند خون میں ڈوب جائے

گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آسمان سے تباہی گرے گی زمین کی بنیادیں گر جائیں گی زمین ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور شرابی کی طرح ڈولے گی۔ اب اس پیشین گوئی کو دوبارہ لائیے کہ زمین اپنے مدار سے نکل جائے گی یا زمین اپنے مدار میں ڈولے گی۔ زمین پر ایٹم کے دھماکوں سے عدم توازن پیدا ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دوبارہ اس زمین کو ترقی نصیب نہیں ہوگی۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک بڑی عجیب بات کہی فرمایا کہ اس قسم کی بیماریاں آئیں گی کہ لوگ کھڑے کھڑے گل مرے کے گر جائیں گے۔

ایک بڑی اہم پیشین گوئی جسے مکاشفہ دانیال کہتے ہیں کہ حضرت دانیال علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ چار سینگوں کے درمیان ایک چھوٹا سیٹنگ نکلا ہوا رکھتے ہی دیکھتے وہ سیٹنگ بہت بڑھ گیا ہے۔ وہ بڑے پریشان ہوئے اور جبرئیل امین علیہ السلام سے کہا میرا دل بڑا متغیر ہے مجھے اس خواب کی تعبیر بتائیں؟ جبرئیل امین نے فرمایا کہ جب بڑا بادشاہ بلند ہوگا جو خداوند سے بغاوت کرے گا اور اپنے آپ کو خدا کہے گا اور زمین پر سب سے بڑھ کر اپنے آپ کو اعلیٰ کہے گا اور بار بار کہے گا اور وہ قدسیوں کی مخالفت کرے گا اور زمین پر بہت ساری حکومتوں کو زیر کرے گا اور پھر ایسے اعمال پیدا کرے گا جو خدا کو پسند نہیں ہیں اور پھر وہ وقت قریب آئے گا اور تباہی و ہلاکت ہوگی اور اچاڑنے والی مکروہ چیزیں نصب کی جائیں گی اور انسان اجرام فلکی میں دخل اندازی کرے گا۔ حضرات گرامی! اس سے تو زیادہ واضح کوئی علامت نہیں ہے جسے ہم بالکل دور جدید پر منطبق کر سکتے ہیں تو حضرت دانیال علیہ السلام نے خوف کے مارے پوچھا کہ یہ وقت کب آئے گا؟ فرمایا اے دانیال اس وقت تو نیک لوگوں میں سویا پڑا ہوگا اور یہ ایک دور اور دور اور آدھا دور۔ جیسے میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ایک دن یا ایک دو یا ایک ہزار سال پر مشتمل ہے اور یہ ہوا ایک ہزار سال اور ایک ہزار سال اور پانچ سو برس اور یہ ڈھائی ہزار سال کی کچی شہادت موجود ہے اور اتفاق سے حضرت دانیال کو ڈھائی ہزار سال گزر چکے ہیں۔ کہیں سے مجھے راستہ ہی نظر نہیں آتا۔

خواتین و حضرات! آپ نے دیکھا ہوگا کہ مسلمانوں اور یورپ میں دو بہت مشہور پیشین گوئیاں کرنے والے پیدا ہوئے۔ مسلمانوں میں خاص طور پر برصغیر میں شاہ نعمت ولی اللہ ولی کی پیشین گوئیاں بڑی مشہور ہوئیں اور یورپ میں ماسٹرے ڈیمس کی پیشین گوئیاں بڑی مقبول ہوئیں۔ اصل میں یہ اتنی تفصیل میں تھیں کہ ان کو معلوم کرنا اب شاید ممکن نہ ہو سکے مگر میں ان کا کچھ حصہ جو زمانہ آخر سے منسلک ہے نوخبر و بتاؤں گا۔ ماسٹرے ڈیمس کہتا ہے کہ مشرق دوبارہ زوال میں چلا جائے گا اور پھر دوبارہ عروج میں جائے گا اور وہ اپنے دشمنوں پر تیغ بے نیام بن کر گرے گا۔ یہ ذرا یاد رکھنے کی بات ہے کیونکہ جب میں حدیث کی طرف بڑھوں گا تو پھر آپ کو یاد رکھنا ہوگا کہ کیا کیا باتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں۔

The great city of Constantinople will be destroyed by the French and forces of the turban will be taken captured.

یہ French کا لفظ بھی یاد رکھیے گا اصل میں کہتے ہیں کہ ماسٹرے ڈیمس کو French نو بیاتھا وہ کسی بھی مغربی طاقت کو French کہہ دیتا تھا کیونکہ وہ خود فرانسسی تھا۔

Help will come by the sheeve from the great leader of Portugal. This

will happen on 25th May 1999 the day of Saint Urban.

اب ایک اور بات اچھی طرح یاد رکھیے کہ مسلمانوں کے اس لیڈر کو یا شاید کسی روسی یا چینی لیڈر کو ماسٹر ڈیمس Anti-Christ کہتا ہے۔ پیشین گوئیوں میں یہ مغالطہ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں کوئی Anti-Christ نہیں ہوتا اور نہ ہوگا۔ یہاں ماسٹر ڈیمس کا یقین ہمارے دل سے اٹھ جاتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان حکمران سفید یا نیلی پگڑی والا ہے تو وہ کم از کم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

ماسٹرے ڈیمس کہتا ہے کہ سات سال تک یہ تیسری جنگ عظیم جاری رہے گی اور تین دفعہ Anti-Christ بالکل نیست و نابود ہو جائے گا۔ زیادہ اہم بات جس وجہ سے مسلمان بھی کبھی پھولے تھے کہ مسلمانوں میں ایک لیڈر پیدا ہوگا، مشرق وسطیٰ سے نہیں بلکہ عظیم اسلامی سلطنت سے، ترکی، انڈونیشیا، پاکستان، افغانستان اور وہ ممالک جو مشرق وسطیٰ سے باہر ہیں جو سپین اور اٹلی کو فتح کرے گا وہ مسلمان یورپ پر تین اطراف سے حملہ آور ہوگا اور تمام یورپ فرانس اور لندن بھی تباہ ہوں گے اور مسلم سلطنت یورپ پر قبضہ کرے گی۔ قریب کا ایک بڑا شخص اپنے ملک سے بغاوت کرے گا اور اس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوگا۔ اب آگے چلتا ہوا دوسرا حملہ ایران سے ایک مسلمان فاتح یونان پر کرے گا اور جس سے عراق کو تباہ کرتے ہوئے یہ آگے نکل جائیں گے پھر ایک نیلی پگڑی والا نیا فاتح پیدا ہوگا جو مسلمانوں میں انتیس سال حکومت کرے گا، جب یہ آپس میں ملیں گے تو پھر یہ دوبارہ 18 فروری 1981ء کو اٹلی پر قبضے کی پیشین گوئی کرتا ہے مگر اب تو یہ وقت بھی گزر گیا ہے۔

جیسے میں نے آپ کو قرآن کی آیت سنائی تھی۔ ان یبعون الا الظن وان ہم الا یخرون (سورۃ الانعام آیت 116) وہ تو محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور انکل پچھو سے کام لیتے ہیں۔ شاید یہ واقعہ پیش آ جائے مگر یہ اپنے بیان کردہ وقت سے کافی آگے نکل گیا ہے۔

یہ بڑی دلچسپ پیشین گوئی ہے۔ اس کا تعلق خاص طور پر ہم لوگوں سے ہے کہ یورپ کا ایک ملٹری لیڈر مسلمانوں کو پسپا ہونے پر مجبور کرے گا جس سے دو گروہوں میں جنگ ہوگی اور دونوں گروہ بالآخر دریا لنگر پر ایک خوفناک جنگ لڑیں گے۔ اس سے کم از کم ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس وقت ہندو کوئی نہیں ہوگا، کیونکہ مسلمان نے اگر دریا لنگر پر جنگ لڑنا ہے تو اس سے پہلے شاید ہندوستان کا فیصلہ ہو چکا ہو۔

شاہ نعمت اللہ ولی نے اس کی یہ پیشین گوئی کی اور کہا کہ انک کا دریا خون سے بھر جائے گا اور مسلمان ہمیشہ کے لیے ہندو کو ختم کر دیں گے۔

I hope, so God's will, it will be done. I hope, Shah is right.

شاہ نعمت اللہ ولی کہتے ہیں کہ جیسے لنگر کنگے میں الجھتا ہے اسی طرح قومیں قوموں میں الجھی ہوئی ہوں گی اور جنگ کا کوئی پتہ نہیں ہوگا کہ کس کی قوم کس قوم سے لڑ رہی ہے۔ یہ باتیں یاد رکھیے گا کیونکہ جب ہم قرآن و حدیث تک جائیں گے تو ان کے حوالے کام آئیں گے۔

ماسٹرے ڈیمس دوسری جنگ کی خبر دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ سلیمان کو آخری جنگ میں شکست ہوگی، اصل میں

ان کو شرق کے ہر بڑے بادشاہ کا نام سلیمان ہی لگتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ قومیں قوموں کے خلاف جنگ کریں گی، ملک ملکوں کے خلاف جنگ کریں گے، بڑے بڑے زلزلے آئیں گے، جب فوجوں کا اجتماع ہوں گے تو سمجھ لینا کہ تباہی قریب ہے اور سورج کو بجھتا دیکھے گا، سمندروں کو اچھلتا ہوا پائے گا تو خدا کی حکومت قریب ہوگی۔

ایک بڑا مشہور شخص Saint Meloki گزرا ہے اس نے اپنی وضاحتوں میں یہ کہا کہ سات پہاڑوں کا شہر یعنی روم تباہ ہوگا اور سخت محاسب حساب لے گا۔ خواتین و حضرات! جو شخص پیشین گوئیوں میں مشہور ہے وہ ماسٹرے ڈیمس ہی ہے۔ ماسٹرے ڈیمس یہ کہتا ہے کہ ستائیس سال کی جنگ کے بعد اس کی وفات فطری اعتبار سے ہوگی اور وہ اپنے فوجی کیمپ میں وفات پائے گا اور اس کے ساتھ یہ جنگیں اپنے اختتام کو پہنچیں گی اور دونوں اطراف بالکل خاموش ہو جائیں گی۔ اس طرح ستائیس سال کی یہ جنگ خود بخود ختم ہو جائے گی۔

خواتین و حضرات! ماسٹرے ڈیمس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مہدی علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا۔ ماسٹرے ڈیمس ایسے لگتا ہے کہ ایک حد سے آگے اس کی فراست نہیں ہے۔ جیسا میں نے آپ سے پہلے کہا تھا کہ سائیکلک مخرصادق نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے کہ تمام دنیا اس کی پیشین گوئیوں کو بار بار نقل کرتی ہے۔ ابھی تک ان میں صداقت تلاش کرنا ممکن نہیں ہوا۔ 1999ء میں وہ جنگوں کا آغاز کرتا ہے، کچھ مشابہت ضرور ہے کہ ترکی کی جنگ اٹلی اور ساپرس سے ہوا بڑا ممکن نظر آتا ہے۔ وہ شمال مغربی ایشیائی ممالک کا جنگ میں شامل ہونا مشرق وسطیٰ کے ممالک اور یونانی لیڈرڈ ذکر کرتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کو یہ چیزیں سامنے نظر آ رہی ہیں لیکن وقت معین نہیں اور ناس کا کوئی علم ہے

اس کے علاوہ زمانہ آخر کے بارے میں اس کی پیشین گوئیاں اس لیے غلط ہیں کہ بحیثیت مسیحی وہ مہدی کو نہیں مانتا اور مسیح کو بھی وہ اس طرح نہیں مانتا جس طرح ہم مانتے ہیں۔ اس لیے وہ تعصب کی نظر سے دیکھتا ہے کہ جب اسے جاننا چاہیے تو وہ نہیں جان سکتا کہ فتنہ یا جوج و ماجوج کا بھی خدا ذکر کرتا ہے مگر سب سے بڑی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کی صرف ایک چھوٹی سی آیت ہے کہ حتی اذا فتحت يا جوج و ماجوج وهم من كل حدب ينسلون (الانبیاء: 96) حتی کہ جب یا جوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے نیچے کودڑتے آئیں گے۔ اگر اس کو انجیل کے ترجمہ کے ساتھ دیکھا جائے کہ اجاڑنے والی مکروہ چیزیں نصب کی جائیں گی تو قرآن بنیادی طور پر یہ کہتا ہے کہ آئندہ جتنی تباہی بھی ہوگی وہ اوپر سے نیچے کو آئے گی اور میرے خیال میں وہ انیم بم اور میزائل سے ہوگی، کیونکہ اللہ نے قرآن میں کہا ليطهره علی الدین کله (الفتح: ۲۸) ہم نے اپنے دین کو سب ادیان پر ظاہر کرنا ہے اور بالآخر ہم نے اس کو زمانہ آخر میں ایک آخری غلبہ دینا ہے۔

حضرت دانیال سے پوچھا گیا کہ دجال کون ہے تو فرمایا کہ مملکت روس، بحیرہ بالٹک اور پانیوں کے گرد آباد قومیں۔ اگر آپ غور سے دیکھیں تو روس، یورپ اور امریکہ کی اقوام پانیوں کے گرد آباد ہیں اور اس سے نشانہ ہی ہوتی ہے کہ دجال ایک فرد واحد بھی ہے اور دجال ایک پورا گروہ بھی ہے اور مغربی بلاک۔ مل جل کر مسلمانوں سے اس عظیم جنگ کو شروع کریں گے۔ جنگ شروع ہوگی۔ ابھی میں آپ کو سنن ابی داؤد کی حدیث سنانا ہوں کہ وہ جنگ کیسے شروع ہے۔

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا ہے کہ ہم حضور ﷺ سے پوچھا کرتے تھے کہ کب یہ فتنہ آخِرِ زمانِ ظاہر ہوگا۔ تو فرمایا کہ جب کسی قبیلے میں ایمان دار آدمی کی نشاندہی کی جائے جب یہ کہا جائے کہ وہ فلاں آدمی پورے زمانے میں ایمان دار ہے۔ آپ ذرا توجہ فرمائیں تو میرا خیال ہے اس زمانے کی بات ہو رہی ہے کہ اب ہمیں بے ایمان نہیں ڈھونڈنے پڑتے ایمان دار کی نشاندہی کرنی پڑتی ہے اور حضرت حذیفہؓ نے فرمایا اور جب اس شخص کو عقلمند ہو شیار اور خوبصورت سمجھا جائے جو دنیا میں کامیاب ہو اور اس کے دل میں برائی برابری بھی ایمان نہ ہو تو سمجھ لینا کہ فتنہ آخِرِ زمانِ قریب ہے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم بڑے تھے ہمارے آثار بڑے تھے پھر آپ ﷺ تشریف لائے ہم نے اچھائی کو قبول کیا، اسلام کو قبول کیا۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ فتنہ ہوگا تو پھر کبھی بھلائی نہیں ہوگی۔ فرمایا! ہاں ضرورت کے ساتھ۔ پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ضرورت کے ساتھ؟ فرمایا ہاں اچھی بات تو ہوگی، دوبارہ اچھا زمانہ آئے گا مگر ان میں کچھ عادتیں تمہاری طرح کی ہوں گی اور کچھ عادتیں نہیں ہوگی۔

حضرات گرامی! میں گمان کرتا ہوں کہ وہ ہم لوگ ہیں کیونکہ ہماری کچھ عادتیں تو بہت ہی بُری ہیں مگر کچھ عادتیں شاید مسلمانوں جیسی ہیں کیونکہ انہوں نے ہمیں بھلائی کا زمانہ کہا تو میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی بشارت کا اور کوئی حق دار نہیں ہے سوائے ہم لوگوں کے کہ ہم تھوڑے سے اچھے بھی ہیں اور کافی بڑے بھی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ فتنے کا زمانہ وہ ہے جب فتنے رات کے نکلنے کی طرح برسوں گے۔ فرمایا عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا، سویا ہوا جائے والے سے بہتر ہوگا، بیٹھا ہوا کھڑے سے بہتر ہوگا، کھڑا چلنے والے سے بہتر ہوگا، چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ خواتین و حضرات! میں اور تو اس حدیث پر عمل نہیں کر سکا، مگر سوائے کو اب میں نہیں جگاتا، کیونکہ میرا خیال یہ ہے کہ اس حدیث کے مطابق کہ سویا ہوا جائے والے سے بہتر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کیونکہ جو نبی آنکھ کھلے وہ فتنہ فساد شروع ہوتا ہے کہ پھر سو جانا بہتر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ فتنے کا وہ زمانہ ہے کہ زمانے جب قریب ہو جائیں گے۔ یہ خوبصورت فاصلوں میں سے ایک ہے۔ یعنی اچھے زمانے اور بُرے زمانے میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ دنیا اور آخرت اتنی قریب ہو جائے گی کہ کسی بھی وقت کوئی بڑی تباہی یا قیامت آنے والی ہے اور یہ زمانہ فتنہ آخِرِ زمان کہا گیا ہے۔

حضرات گرامی! نشانیاں کیا ہیں؟ ذرا غور کیجیے گا کہ یہ نشانیاں پوری ہو چکی ہیں یا ہونے والی ہیں کہ علم اٹھالیا جائیگا، فتنوں کا ظہور ہوگا، بھل ڈالا جائے گا۔

ہر شخص مال و زر کے پیچھے بھاگ رہا ہے اور اسے دن رات دولت جمع کرنے کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ کوئی اپنی حد سے آگے اپنے گھر سے آگے اپنے تعلق سے آگے سوچنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ایک بڑی خوبصورت حدیث ہے۔ مگر صادق ﷺ نے کتنے واضح انداز سے اس زمانے کی پیشین گوئی کی ہے جو آج گزر رہا ہے کہ قاتل کو نہیں معلوم ہوگا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور مقتول کو خبر نہ ہوگی کہ وہ کیوں مارا جا رہا ہے، کس جرم میں، کس خطا میں؟

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ بڑا فتنہ اس وقت ہوگا جب اسلام میں مسلمانوں میں گروہ بندی ہوگی اور مسلمان ایک دوسرے پر زبان درازی کریں گے۔ بڑی فطری سی بات ہے۔ آج ہم اپنے اندر یہ گروہ بندی دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ فتنہ مختلف اقسام میں آئے گا۔ فرمایا 'فتنہ اجلاس' کہ لوگ خوف کے مارے ایک دوسرے سے بھاگیں گے ایک دوسرے کو شک و شبہ سے دیکھیں گے۔ ہر آدمی کو فکر ہوگی کہ میرے پیچھے آنے والا میرا قاتل تو نہیں ہے۔ سفر کرنے سے پہلے بھی آیت الکرسی پڑھی جائے گی اور اتنے وقت بھی آیت الکرسی پڑھی جائے گی۔ راتوں کو اندھیروں میں اپنے ہی کسی بچے کا ہاتھ لگ جانے سے مائیں چیخیں گی کہ شاید کوئی ڈاکو آ گیا ہے۔ اتنا خوف ہوگا اور اس کو فتنہ اجلاس کہتے ہیں۔

دوسرا اسراف کا فتنہ ہے۔ خوشحالی، عیش و عشرت۔ یہ فتنہ اللہ کا شکر ہے کہ پاکستانیوں میں تو نہیں ہے مگر یہ فتنہ باقی مسلمان ممالک میں بڑی کثرت سے ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کا بانی میری ایک اولاد میں سے ہوگا۔ امارت اتنی ہو جائے گی کہ عرب کے بد و بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور یہ فتنہ اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک عرب کے بخر صحرا سرسبز و شاداب نہ ہو جائیں گے۔ اتفاق کی بات ہے کہ عرب اس وقت گندم کا سب سے بڑا درآمد کنندہ ہے۔ صحراؤں میں انہوں نے اتنی فصلیں اگائی ہیں، کیا حیرت کی بات نہیں ہے؟ اور فرمایا یہ فتنہ میری امت میں سے ہر بندے کو چھوئے گا، طول کھینچے گا، اتنا آگے تک جائے گا کہ اسی فتنے میں دجال کا ظہور ہوگا اور اس وقت دو خیمے ہوں گے، ایک نفاق کا خیمہ اور ایک ایمان کا خیمہ۔ جو نفاق کے خیمے میں ہوں گے ان میں ایمان کی رتی بھی نہیں ہوگی اور جو ایمان کے خیمے میں ہوں گے ان میں نفاق نہیں ہوگا۔ اس وقت میں جو نئے پیغمبر پیغمبری کا دعویٰ کریں گے اور یہ زمانہ مہدی تک ہلاک ہو جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اصل میں مغربی انہوں نے لفظ رومی استعمال کیا ہے۔ اب ہمیں انہیں متبادل صورت دینا پڑتی ہے۔ اب وہ رومی تو نہیں ہیں۔

لفظ رومی ہر غیر عرب کے لیے استعمال ہوتا تھا اور فرمایا کہ رومی مقام عماک تک آئیں گے۔ مسلمانوں سے ان کی جنگ ہوگی، ایک تہائی مسلمان شہید ہوں گے اور یہ اس وقت دنیا کے بہترین شہداء ہوں گے جو آخری تہائی جنگ جہنمیں گئے مگر جب وہ جنگ جیت کے ہلکے پھلکے ہو رہے ہوں گے تو ان کو پتہ لگے گا کہ دجال بھی ان کے گھروں تک آن پہنچا ہے۔ وہ شام تک پہنچیں گے تو دجال مارا جائے گا۔ خواتین و حضرات! یہ وہی جنگ ہے جس کی پیچھے پیشین گوئیاں کر چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ساتھ جنگ ہوگی، ایک تہائی مسلمان بھاگ جائیں گے، ایک تہائی جنگ میں شہید ہو جائیں گے۔ ہم حدیث کو تینوں زمانوں تک بھی لے جاسکتے ہیں۔ جب حدیث تین دن کہہ رہی ہے تو یہ تین زمانے اور تین جنگیں بھی ہو سکتی ہیں کہ پہلی جنگ میں مسلمان بھاگ جائیں گے دوسری جنگ میں بہت سارے مسلمان شہید ہوں گے اور تیسری جنگ میں مسلمان بنی اسرائیل پر غلبہ پائیں گے اور جب وہ ان پر غلبہ پائیں گے تو دجال کا خروج ہوگا تو اس وقت امریکہ اور دوسری اقوام ان کی حمایت کے لیے نکلیں گے جو دجال ہیں اور اس طرح بہت بڑی جنگ کا آغاز ہو جائے گا۔

میں نے احادیث بخاری، مسلم اور سنن ابی داؤد سے لی ہیں، ان میں کوئی ابہام نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ چار راتیں یہ جنگ ہوگی، ایک جماعت جائے گی لڑے گی، رات پڑ جائے گی مگر صبح پتہ لگے گا کہ وہ تمام کے تمام شہید ہو گئے ہیں۔ پھر دوسری جماعت جائے گی دوسری رات جنگ ہوگی، واپس نہیں پلٹیں گے کیونکہ رات پڑ جائے گی۔ وہ جماعت بھی شہید ہو جائے گی۔ پھر تیسری جماعت جائے گی اور یہ بھی شہید ہو جائے گی۔ پھر چوتھی رات کو جنگ انتہائی شدید

ہوگی۔ حدیث میں ایک بڑی خوبصورت مثال دی گئی ہے کہ اتنے بڑے لشکر آپس میں جنگ کر رہے ہوں گے کہ ایک پرندہ اڑے گا اور وہ لشکروں سے گزر نہیں سکے گا کہ راستے میں ہوائے دھند سے اور گیسوں سے ہی مر جائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک باپ کے اگر سو بیٹے ہوں گے تو ان میں سے صرف ایک بچے گا۔

خواتین و حضرات! حضرت حذیفہؓ جن کو صاحب اسرار کہتے ہیں اتفاق کی بات ہے کہ ان کی احادیث زیادہ محفوظ نہیں ہوئیں۔ انہوں نے بہت ساری احادیث کو اپنی حد تک رکھا اور اس لیے وہ ہم تک نہیں پہنچیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر دس سواردجال کی خبر لینے جائیں گے۔ یہ دس سوار زمین پر اس وقت سب سے بہترین لوگ ہوں گے۔ میں ان کی ماؤں اور ان کے باپوں کے نام بھی جانتا ہوں۔ اگر چاہو تو میں ان کا ذکر کروں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کی ایک بڑی عجیب و غریب حدیث ہے کہ بیت المقدس کی آبادی جب کمال کو پہنچے گی تو مدینہ کی تباہی و بربادی کا باعث بنے گی اور ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ کا محاصرہ کیا جائے گا۔ اسرائیل کی فتوحات کعبہ تک پہنچیں گی اور دائمی قربانی موقوف ہوگی مگر وہ مدینہ کے اندر داخل نہ ہو سکیں گی اور یہودی اس سے آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ اس کے لیے مدینہ کے ساتھ دروازے بنائے جائیں گے اور دو دو ملائکہ اس کی حفاظت کریں گے اور نصف واقع ہوگا اور پورا لشکر زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ سبحان اللہ!

یہ متفق علیہ حدیث ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا! دجال مشرق سے مدینہ میں داخل ہونے کے ارادے سے آئے گا یہاں تک کہ احد کے چھبے اترے گا۔ پھر فرشتے اس کا منہ شام کی طرف پھیر دیں گے اور وہ وہیں ہلاک ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ہمیں حضور گرامی ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ اہل حبشہ کو ناراض نہ کرنا کہ زمانہ آخر میں ایک حبشی کعبہ کا خزانہ نکالے گا۔ حضرات گرامی نما عصر کا وقت ہے اور میں اپنے بیان کو جلد ختم کرنے کی کوشش کروں گا۔

جنگ کی صورت میں 1999ء سے جو فسادات شروع ہوں گے۔ پہلے روایتی ہتھیاروں کے ساتھ جنگ ہوگی۔ وہ گزرتی ہوئی ایٹمی ہتھیاروں تک جائے گی۔ پہلے مسلمان فتح حاصل کریں گے پھر دجال اور یورپی اقوام کو مکمل فتح حاصل ہو جائے گی۔ پھر دجال کی وجہ سے مہدی مسلمانوں کو لے کر ایک محفوظ جگہ پہنچیں گے اور کوئی قوم دجال سے لڑ نہیں سکے گی۔ وہاں مہدی دعا فرمائیں گے اور حضرت عیسیٰؑ کا نزول مبارک دوزر دچادروں میں پیٹانی سے پسینہ چکاتا ہوا ہوگا اور حضور ﷺ نے فرمایا جو بھی اس وقت عیسائی اور مسلم وہ سب جہاں بھی موجود ہوں گے، حضرت عیسیٰؑ کی شہادت دیں گے۔ جب یہ شہادت دیں گے تو دوبارہ ایک قوت بن جائے گی اور اس قوت کے سامنے حضرت عیسیٰؑ دجال کو قتل کر دیں گے۔

جب یہ جنگ ختم ہوگی تو یا جوج اور ماجوج کا اخراج ہوگا اور اللہ کہے گا کہ یہ میرے وہ بندے ہیں جن کے خلاف کوئی بھی نہیں لڑ سکتا۔ حضرات گرامی! یہ یا جوج اور ماجوج زرد اقوام ہیں۔ ان کی ساری نشانیاں چینی اور ویت نامی لوگوں میں موجود ہیں۔ بلاشبہ یہ اتنی زیادہ تعداد میں ہوں گے۔ یہ اتنے زیادہ ہوں گے کہ کوئی بھی ان سے لڑ نہیں سکے گا۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰؑ بھی بے بسی کا اظہار کریں گے اور اللہ کے حضور دعا مانگیں گے کہ اے پروردگار! ہمیں اس فتنے سے نجات دے اور پھر اس بڑے فتنے سے خداوند کریم ایک متعدی مرض کے ذریعے نجات دیں گے۔ حضور نے فرمایا کہ ان کی

گردنوں میں ایک کیڑا پیدا ہوگا۔ یہ ایک وائرس کا حملہ ہوگا جس سے راتوں رات پورے کا پورا لشکر ختم ہو جائے گا تو ان کی سزا کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی پرندہ اڑ نہیں سکے گا اور کوئی فرد زندہ نہیں رہ سکے گا۔ تو پھر حضرت عیسیٰ اور مہدئی دُعا کریں گے کہ اے پروردگار! ہماری زمین کو قابل رہائش بنا تو پھر اللہ بڑی بڑی گردنوں والے پرندے بھیجے گا۔ جیسے آپ کے Scavenger Birds ہوتے ہیں۔ وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا پھینکیں گے۔ زمین دوبارہ آباد کی جائے گی۔ چالیس چالیس دن کی تین بارشیں ہوں گی۔ سیاہ بارش، سبز بارش اور اس کے بعد مارل بارش ہوں گی۔ زمین اپنی برکت کو اگا لے گی۔

حضرت عیسیٰ کا باہرکت دور شروع ہوگا۔ ایک حدیث میں یہ دو رسالت برس اور دوسری حدیث میں چالیس برس ہے اور تمام مذاہب اسلام پر قائم ہوں گے کیونکہ جب حضرت عیسیٰ اتریں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ امامت کرو اپنے تو حضرت عیسیٰ فرمائیں گے کہ امامت تم لوگوں کا حق ہے۔ مذہب اور شرع تمہاری ہے اور مہدئی کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور حضرات گرامی! سب سے بڑی بات جو ہے اس کا وقت اتنا قریب ہے اتنا قریب ہے کہ میرے اپنے حساب کے مطابق میں نہیں جانتا کہ ہم 2005ء تک پہنچیں گے یا نہیں۔

میرے اپنے ذاتی خیال میں 2005ء تک یہ واقعات بڑی تیزی سے رُو پذیر ہونے شروع ہو جائیں گے اور اس حادثے کی تیاری صرف ایک ہوا و وہ ہے اللہ۔

اسلام اور مغربی افکار ☆

اسلام اور مغربی افکار

حضرات گرامی! کسی بھی ملک کا دورہ کرنا یا وہاں سے آنا کبھی بھی کوئی ایسا عجیب عمل نہیں رہا جس کی بنا پر کوئی جلسہ مرتب ہو۔ ہم لوگ مسلسل ایک غیر مناسب رویہ مغربی تجربے کے خلاف رکھتے ہیں اور ہم اس اصل حقیقت کو دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ خرابی ہم میں ہے یا اُن میں ہے۔ خرابی شاید دونوں طرف ہے۔ ہم اُن سے مختلف بھی ہیں اور کیا وجہ ہے کہ ہم احساس کمتری کی وجہ سے کسی دینی اخلاقی اصولی وجہ سے مغرب کے خلاف ہیں۔ میں مغرب کو صرف امریکہ ہی نہیں سمجھتا۔ بلکہ سارے یورپی ممالک کو بھی اس میں شامل کرنا ہوں۔

جب میں نے تجزیہ کیا تو ہم دونوں میں فرق یہ نکلا کہ وہ اللہ کی پروا نہیں کرتے مگر ملک اور قوم کے بنائے ہوئے قانون کی بڑی پاسداری کرتے ہیں جبکہ ہم اہل اسلام دونوں قوانین کی پاسداری نہیں کرتے۔ معلوم نہیں انصاف اُن کو جائے گا کہ ہم کو جائے گا۔ دوسری جو ایک بات مجھے حضور ﷺ کی احادیث مبارک سے یاد آئی۔ امریکہ میں بار بار یاد آتی رہی کہ شیطان دو آنکھوں سے کھانا ہے اور مومن ایک آنکھ سے کھانا ہے۔ تو میں جدھر سے بھی گزرا میں نے شیطان کو تو نہیں مگر امریکنوں کو مسلسل کھاتے دیکھا۔ ایک بڑی وزنی خاتون نے مجھ سے کہا کہ:

"Do you have any Tasbeeh for reducing weight."

And she was eating تو میں نے اس خاتون سے کہا:

"I don't have any Tasbeeh for reduction of weight and you are continuously eating."

تو اس نے کہا کہ I don't know when do I eat مجھے تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ میں کب کھاتی ہوں۔ تو وہ لوگ مسلسل کھاتے رہتے ہیں اور حضرات گرامی! اُن کا کھانا دیکھ کر مجھ پر ایسا حجاب طاری ہوا کہ میں بارہ بارہ گھنٹے کھا ہی نہیں سکتا تھا۔ اور میں نے نیلیویرژن پر ایک پروگرام دیکھا جس میں انہوں نے بڑے افسوس کا اظہار کیا کہ 63 فیصد امریکی مونا پے کا شکار ہیں اور اگلے پانچ برسوں میں جو باقی رہتے ہیں وہ بھی موتے ہو جائیں گے۔

حضرات گرامی! میں نے مسلمان کا کوئی اچھا حال نہیں دیکھا جو خطرات ہمیں مغرب سے درپیش ہیں اس کا ہم مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ایک دفعہ پل سے گزرتے ہوئے مجھے ان کا مشہور ترین مجسمہ آزادی نظر آیا تو دور سے میں نے اسے دیکھا تو تھوڑا میں دل میں ہنسا اور کہا کہ پروردگار! تجھے بھی بتوں کے بغیر چین نہیں آنا اور دور حاضر میں

بھی جبل و لات کے بت کھڑے کر کے اور ان سے جنگ و جدل کر کے تو مسرت حاصل کرتا ہے۔ ایک طرف پورا مغربی کلچر مکمل شخصی آزادی کا اعلان کر رہا ہے اور دوسری طرف جن مسلمانوں کو میں نے امریکہ میں پایا وہاں ان کے پاس آزادی کے خطرات کا سامنا کرنے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ آپ اخبار میں پڑھتے بھی ہوں گے۔ میں بھی پڑھتا تھا، اگر میں وہاں عملی طور پر نہ جاتا تو مجھے کبھی اندازہ نہ ہو سکتا کہ وہاں اسلام بدتر حالت میں ہے۔ یہی صورت حال انگلینڈ اور دیگر مغربی ممالک میں بھی ہے۔

یہ یاد رکھیے کہ تمام معاشرے خواہ وہ امریکہ ہو، خواہ وہ انگلینڈ ہو، جہاں آپ جائیں گے اور پہلے سے احتیاطی تدابیر نہیں کریں گے وہ معاشرے آپ سے اپنا اجر ہر قیمت میں وصول کریں گے۔ ابتدائے حال میں جو لوگ امریکہ یا یورپ گئے انہوں نے صرف پیسے کی خاطر نوکری کی رزق کی خاطر ان جگہوں میں سکونت اختیار کی ان کو آسانی اور آسودگی حاصل ہوئی اور انہوں نے کچھ کمایا مگر وہ اس حال سے بے خبر ہے کہ یہ معاشرہ بھی ہم سے کچھ وصول کرے گا۔ وہ نوجوان لوگ جو اس تصور سے کہ ہم دوزخ سے بہشت کو جا رہے ہیں، آزادی کو جا رہے ہیں، آسودگی کو جا رہے ہیں، مال و اسباب کو جا رہے ہیں، وہ یہ بھول گئے کہ اگر ہم وہاں مستقل قیام پذیر ہو گئے تو یہ معاشرہ ہماری اولاد کی صورت میں اپنی قیمت وصول کرے گا۔

حضرات گرامی! پورے یورپ میں مذہب ایک مدافعتی رویہ ہے۔ ایک دفاعی قدم ہے۔ جب پہلی نسل گزرنے کے بعد دوسری نسل جوان ہوئی اور پھر تیسری نسل آئی اور انہوں نے اس معاشرے، اس کلچر اور انہی درسگاہوں سے تعلیم پائی، جوان کے اپنے ضوابط، اپنی اخلاقی اور مذہبی رسوم جن میں کوئی ذہنی کمٹ منٹ شامل نہیں تھی، جب انہوں نے اسے دیکھا تو ان کو یقیناً مغرب کی آزادی کا روپ پسند آیا۔

حضرات گرامی! میں نے امریکہ یا یورپ میں یا کسی بھی مغربی ممالک سے آئے ہوئے کسی بھی نوجوان آدمی کو کٹر مسلمان پایا ہے مگر آزادی سے خیال سے محبت سے اور اپنے کسی تصور مذہب کو چاہتے ہوئے نہیں پایا۔ یہ دافعت اس لیے سامنے آئی کہ جب ہمارے بچے جوان ہوئے، مغرب نے انہیں حقوق اور آزادیاں بخشیں۔ اس کے مقابلے میں ہم نے انہیں ایک اکیڈمک مذہب دیا۔ میں آپ کو اس کی ایک مثال بتاتا ہوں کہ ایک خاتون کی صرف چار بچیاں تھیں، اس کا بیٹا نہیں تھا۔ تمام لڑکیوں کی تعلیم انگلینڈ میں ہوئی۔ اب جب وہ بڑی ہوئیں تو بڑی کا معاشرہ ایک ہندو کے ساتھ دوسری اور تیسری کا انگریز کے ساتھ چل رہا تھا اور وہ خاتون سخت پریشان تھی۔ اتنی پریشان کہ کسی سے تعویذ گنڈا لیا۔ بالآخر اسے کسی نے میرا بتایا۔ جب وہ خاتون اپنی جدید ترین نسل کی خواتین کو میرے پاس لے کر آئی تو جب وہ گھر میں داخل ہو رہی تھیں تو ان میں سے ایک لڑکی نے دوسری لڑکی سے کہا کہ:

Our mother has brought us to another cheat.

یہ اس نے دوسری لڑکی سے کہا کہ ہماری ماں ہمیں پھر کسی اور فراڈ کے پاس لے آئی ہے تو میں نے وہ سن لیا۔ ان کے خیال میں یہ تھا کہ انگلینڈ سے واپس لانے کے لیے یہ ہمیں پابند کر دے گی اور ہماری زندگیوں کو آزادی سے محروم کر دے گی۔

So they came to the cheat. But cheat was a real cheat.

What is your identity? بیان کو اندازہ نہیں تھا۔ تو جو نہیں وہ داخل ہوئیں تو میں نے ان سے پوچھا کہ

اور وہ ایک دم سے They were shocked اور انہوں نے کہا کہ What do you mean? تو میں نے ان سے کہا:

Should I consider you a Pakistani or a British. What do I consider you?

تو وہ اس سوال سے پریشان ہو گئیں۔ مگر کچھ دیر کے بعد ہم میں جب حجاب ٹوٹ گیا اور ہماری بات چل نکلی اور ہر

دو چار منٹ گزرنے کے بعد جب میں کوئی رائے دیتا تو وہ کہتیں Where did you learn this تو میں نے کہا کہ:

It's not found in Oxford or it's not found in Cambridge.

یقین کریں کہ اس مخلوق کو میں نے اتنا اچھا پایا کہ دو گھنٹے کی گفتگو کے بعد انہوں نے بڑے شوق سے بڑی محبت

سے تسبیحات لیں اور اپنی چادر کے پلو میں وہ تسبیحات باندھ لیں تو میری ہنسی نکل گئی اور میں بڑے زور سے ہنسا۔ انہوں نے

کہا کہ What are you laughing about? میں نے کہا کہ:

I am laughing about the real origin you are showing.

ہمارے ہاں برسوں سے روایت چلی آ رہی ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیز ہم پلو میں باندھ لیتے ہیں تو جو تم نے کیا اصل

میں یہی تمہاری اصل ہے۔ وہ نہیں ہے جس کو تم پیش کر رہی ہو۔ اگر تم اپنی اصل کی حفاظت کرو گے تو تمہارے لیے دنیا میں

کوئی جگہ غیر محفوظ نہیں ہے مگر حضرات گرامی! میری اصلاح کا کیا فائدہ ہوا، یہ تھوڑی دور چل کر آپ کو پتہ چلے گا۔ میں یہ

ایک کیس سنا رہا ہوں۔ ان ہزاروں میں سے جو مغرب میں درپیش ہیں۔ انہوں نے ماں سے کہا کہ ٹھیک ہے ہم اسلام آباد

ہی میں اپنی باقی تعلیم حاصل کریں گی اور واپس انگلینڈ نہیں جائیں گی تو ان کی ماں بہت خوش ہوئی۔ سارے کام ٹھیک ہو گئے

تو ایک لڑکی کا ایک ماہ بعد فون آیا اور اس نے کہا کہ پروفیسر صاحب:

"We followed your instructions but what my mother is doing to me."

میں نے کہا، کیا ہوا۔ اس نے کہا ہم یورپ چھوڑ کر یہاں آئے ہیں۔ اب مجھے ایک انجینئر لڑکا اچھا لگا ہے۔ وہ

مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور میری ماں یہ کہتی ہے کہ یہ ہماری ذات کا نہیں ہے۔ آپ اندازہ کریں اس نقصان کا جو وہاں

اس کو مل رہا تھا کہ اس کی بیٹی ہندو کے ساتھ جا رہی تھی، عیسائی کے ساتھ جا رہی تھی، تو جب وہ واپس امن میں آئے تو تھوڑی

سی محفوظ ہوئیں تو سب سے پہلے اس نے یہ نہیں دیکھا کہ لڑکا پڑھا لکھا ہے، اچھا ہے اور میری بیٹی اسے پسند کرتی ہے اور اس

نے خدا کا شکر ادا نہیں کیا تو اس لڑکی نے مجھ سے کہا کہ پروفیسر صاحب ہمیں یہاں بلا کر Didn't you do a

mistake۔ تو میں اس کا کیا جواب دیتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ جو مذہب ہم یورپ یا امریکہ میں پیش کر رہے ہیں، کیا وہ مطلوبہ

نتیجہ لاسکتا ہے کہ نہیں۔

اسلام مغرب میں کسی خیال یا نظریے کی حیثیت سے موجود نہیں۔ اسلام مغرب میں جداگانہ عمل کی حیثیت

سے موجود ہے جیسے یہودیوں کے اپنے اعمال ہیں جیسے عیسائیوں کے اپنے اعمال ہیں۔ اس طرح اسلام بھی چند اعمال پر مشتمل ہے اور بغیر کسی مضبوط نظر یا ور خیال کے آپ مغرب کے تصور آزادی سے جنگ نہیں کر سکتے۔

یہ بڑا مشکلہ خیز واقعہ ہے۔ مجھے جب ہیوسٹن کی مسجد میں تقریر کے لیے بلایا گیا تو وہاں مصری امام مسجد تھا جس کا تعلق اخوان المسلمون سے تھا۔ زیادہ تر مسلمان پاکستانی اور تمام شرعی لوگ تھے۔ اچھے عبادت گزار تھے۔ مجھے امام مسجد نے کہا کہ برادر:

"Don't say anything which is not liked by them."

تو میں نے اس سے کہا کہ What do you mean? اگر تم نے مجھے بلایا ہے تو میں وہی کہوں گا جو مجھے پسند ہے اور یہ بات ان لوگوں پر چھوڑ دو کہ یہ میری بات قبول کرتے ہیں کہ نہیں۔ بات شروع کرنے سے پہلے ہی مجھ پر پابندی لگا رہے ہو کہ پروفیسر صاحب یہ نہ کہنا وہ کہنا۔ جب میں نے تقریر شروع کی تو میں نے ان سے یہ کہا کہ تم لوگ ایک ایسے نظام کے خلاف کھڑے ہو جو مکمل آزادی دیتا ہے بات کرنے کی زندہ رہنے کی طریقہ ذات اپنانے کی اپنے موڈ کی حفاظت کرنے کی تمہاری جہتوں اور خصلتوں کی حفاظت کرنے کی اپنی شخصی آزادی کو قائم کرنے کی۔ صرف ایک پابندی لگاتا ہے کہ قانون جو بنائے ہوئے ہیں ان کو نہ توڑنا باقی جو تمہارے دل میں آئے وہی کرنا۔ اس کے مقابلے میں وہ رسول اللہ ﷺ اور وہ اللہ جو ایک مکمل اعتدال اور آزادی کا مذہب دیتے ہیں۔ آپ اس رسول اللہ ﷺ کے ایک بندے کو بات کرنے سے پہلے روک رہے ہو کہ یہ کہنا اور یہ نہ کہنا۔ آپ نے اتنی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں کہ جو مغربی مذہب اور یہ جو آزادی کا جہل ہے یہ جو مجسمہ آزادی ہے یہ آپ کو کھا جائے گا۔ یا آپ کی اولاد کو بھی کھا جائے گا۔ اس سے آگے آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کو اتنی پابندیوں ہی میں اپنی اولاد کو پالنا ہے اور بغیر کسی خیال سے پال رہے ہیں تو اس کا کیا فائدہ!

آپ کے پاس کوئی نظر یہ نہیں ہے۔ آپ صرف روزمرہ زندگی کے تقاضوں پر عمل کر رہے ہیں۔ نماز پڑھو قرآن شریف پڑھو اور روزے رکھو مگر محض عبادت سے آپ کا کوئی واسطہ نہیں۔ ایک یہودی اسکا لرنے کہا کہ کس چیز پر نازاں ہو۔ تمہارا واسطہ ہی کتنا ہے خدا سے۔ تم تو صرف پندرہ سو سال سے خدا کے شناسا ہو۔ ہم تو بارہ ہزار سال سے خدا کے شناسا ہیں۔ تم کس چیز کا دعویٰ کرتے ہو کہ تم خدا کے بڑے اچھے اور سچے بندے ہو میں نے اس سے کہا کہ:

I agree with you that you know God for twelve thousand years but tell me one thing that does He also know you?

تمام تحقیق علم اور تمام تجسس فکر کا صرف ایک ہی فطری انجام ہے اور وہ اللہ ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے علم و جستجو اور فکری کاوشوں کے بعد خدا تک نہیں پہنچتا یا اسے شناخت خداوندی کا حصول نہیں ہوا تو اسے واپس پلٹ کر دیکھنا چاہیے کہ اس کی تحقیق کہاں ناقص ہوئی ہے کیونکہ جب آپ علم کو اس کا مقصد اولین اللہ دیتے ہیں تو وہ بغیر کسی وسوسے اور فریب کے اپنی منزل کو حل کرتا ہے۔ وہ ہر حال میں شناخت کرنا ہے اور ہر حال میں اللہ کو پالیتا ہے۔

شخصی تاثرات

بڑی سرکار	ممتاز مفتی
اکیسویں صدی کا ولی	جاوید چوہدری
پسِ حجاب	افتخار عارف
اسلام آباد ایک جوگی سے ملاقات	عطاء الحق قاسمی
پروفیسر صاحب	بارون رشید

ا) بڑی سرکار

میرے ایک دوست ہیں امتیاز بخاری۔ ان کا چہرہ بارہ دری ہے اتنا چوڑا اور اس میں محرابیں ہی محرابیں۔ شخصیتوں میں دروازے عام ہوتے ہیں لیکن پت دار ہوتے ہیں کوئی بند، کوئی ادھ کھلا، کوئی کھلا۔ کچھ شخصیتیں ازلی طور پر چہروں پر ڈھری ہوتی ہیں۔ ایسی شخصیت کو پنجابی میں ”کھلی ڈلی“ کہتے ہیں۔ امتیاز بخاری ”کھلا ڈلا“ ہے۔

ہاتھ کی تسبیح

ایک بار وہ مجھ سے ملا تو اس کے ہاتھ میں ایک منی سی تسبیح تھی۔ ”ارے یہ کیا ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔
 کہنے لگا: ”کیوں اسے کیا ہے؟“
 میں نے کہا: ”یہ ایسے ہے جیسے راگ میں بے برجت سُرگی ہو۔“
 کہنے لگا: ”بے برجت سُر کیا ہوتی ہے؟“
 میں نے کہا: ”کچھ سُریں ایسی ہوتی ہیں جو راگ کے ناک کو ابھارتی ہیں جو بار بار لگائی جاتی ہیں۔ کچھ ایسی ہوتی ہیں جو راگ کے منافی ہوتی ہیں اس لیے ممنوع ہوتی ہیں۔ یہ تیری شخصیت سے ہم آہنگ نہیں بلکہ اسے جھٹلاتی ہے۔“
 اس سے پہلے بھی عماد الدین ایک بزرگ کو میرے گھر لائے تھے۔ ان کے ہاتھ میں بھی تسبیح تھی۔ وہ ہم سے باتیں کرتے جاتے تھے۔ ساتھ ساتھ تسبیح کے دانے گراتے جاتے تھے، لیکن ان کے ہاتھ میں تسبیح جتی تھی۔ رمی بزرگ تھے معزز تھے، واڑھی تھی، گیسو تھے، جسم پر چغڑھا، کندھے پر صافہ لٹک رہا تھا۔
 اگلے روز عماد بھی ایک منی تسبیح اٹھائے آ گیا۔
 میں قہقہہ مار کر ہنسا۔

کسی کہنے لگا: ”بابا! آپ تو خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہیں۔ اب کی بار میں فرانس گیا تو میں نے دیکھا کہ یورپ میں تسبیح اٹھائے رکھنا فیشن ہو گیا ہے۔ ہماری محترمہ (بی بی) بھی اٹھائے پھرتی ہیں۔“
 امتیاز بخاری سے میں نے پوچھا: ”یہ بتا کہ یہ منی تسبیح فیشن ہے یا روحانیت؟“

بخاری بولا: ”یہ حکم ہے۔“
 میں نے کہا: ”یا رتو تو بشرے سے آزاد دکھتا ہے پابند کیسے ہو گیا؟“
 بولا: ”میرے ایک بزرگ دوست ہیں۔ ان کے حکم سے یہ شیخ ہاتھ میں رکھتا ہوں۔“
 میں نے کہا: ”کیا ان بزرگ دوست میں سینس آف ہارمنی کا فقدان ہے؟“
 کہنے لگا: ”اس کے برعکس ان کا عقیدہ ہی ہارمنی ہے توازن ہے ہم آہنگی ہے۔“
 میں نے کہا: ”لیکن یہ شیخ تو تجھ سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ یہ نمائش ہے دکھاوا ہے Pretention ہے۔ دعویٰ ہے۔“
 ”وہ ان باتوں کو روا نہیں رکھتے۔“ بخاری نے جواب دیا۔ اس پر میں شپٹا کر رہ گیا۔ میں نے کہا: ”یہ کیسا بزرگ ہے جو نمائش شیخ بھی چلاتا ہے۔ ساتھ ہی ہارمنی ہم آہنگی توازن کا دعویٰ کرتا ہے ہمیں بھی زیارت کرادے ان کی۔“

پروفیسر سرکار قبلہ

یوں ہم رفیق احمد سے جا ملے۔
 گوجران پونچھتے تو پتہ چلا کہ شہر کے بھی لوگ انہیں جانتے ہیں اور انہوں نے انہیں پروفیسر کا لقب دے رکھا ہے۔
 اس بات پر حیرت ہوئی کہ یہ کیسا بزرگ ہے جو سرکار قبلہ کی جگہ خود کو پروفیسر کہلواتا ہے۔
 مکان میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک ادیب مگر Youngish آدمی پلنگ پر بیٹھا ہے۔ سرنگا، گلین شیو، سُکرتا شلوار جیسے کوئی عام سا آدمی ہو۔ چہرے پر تحکم کی جگہ ذہانت ہے جس کی دھار زیادہ ہی تیز ہے۔ گلے کے نچلے پردوں سے بات نہیں کرتا۔ بات میں روانی ہے۔ معززیت کی ”رک رک“ نہیں۔

میں نے کہا: ”آپ پروفیسر ہیں؟“
 بولے: ”پروفیسر تھا۔ پھر استعفیٰ دے دیا۔ اب اللہ کا نوکر ہوں۔“
 میں نے کہا: ”پہلے سرکار کے نوکر تھے اب بڑی سرکار کے ہو گئے۔“
 ہنسے بولے: ”ہاں۔“

میں نے کہا: ”یہ سو دا اچھا نہیں کیا آپ نے!“
 بولے: ”وہ کیسے؟“
 میں نے کہا: ”بڑی سرکار تنخواہ دینے میں بڑی خمیس ہے۔“
 ہنسے یوں جیسے عام آدمی ہنستے ہیں۔

میں نے سوچا: ”یہ تو واقعی پروفیسر ہیں۔ بزرگی و زرگی کوئی نہیں۔“

عقل کی چکی سرک

پھر میں نے انہیں چھیڑا۔ میں نے پوچھا: ”آپ کو یہ مقام کیسے ملا جس پر آپ فائز ہیں؟“

بولے: ”عقل سے ملا۔“

”ارے“ میں چونکا۔ بڑا غیر متوقع جواب تھا، لیکن جواب میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔

میں نے کہا: ”حضور! ہم تو عقل کو راستے کی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔“

”آپ غلط سمجھتے ہیں۔“ وہ بولے۔

پھر انہوں نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔

وہ حلق کے نچلے پردوں سے قرآن نہیں پڑھ رہے تھے جیسے کہ قاری پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ تو یوں

قرآن پڑھ رہے تھے جیسے قرآن نہیں بلکہ کسی عرب شاعر کا کلام پڑھ رہے ہوں بلکہ یوں جیسے اللہ تعالیٰ خود باتیں کر رہے

ہوں۔ ساتھ ساتھ ترجمہ کرتے جاتے تھے۔

تقریباً دو گھنٹے پروفیسر ہمیں قرآن سے اقتباسات سناتے رہے۔ لب لباب کچھ ایسا تھا کہ:

”لوگو دیکھو! بار بار سوچو، غور کرو، فکر کرو، آنکھیں بند کر کے ایمان نہ لاؤ۔ اللہ نے تمہیں عقل

دی ہے اپنی عقل سے کام لو۔“

”پہلے بات کو تو لو، آزماؤ، اگر تمہارے دلوں میں شکوک پیدا ہوتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ جو جو شکوک ذہن میں

آتے ہیں ان پر غور کرو۔ جو جو Alternatives ذہن میں آتے ہیں انہیں باری باری آزماؤ..... پھر تم جان لو گے کہ جو ہم

کہتے ہیں وہی سچ ہے۔“

یہ باتیں سن کر حیرت ہوئی۔ یہ کیسا اللہ ہے کہ ایک طرف تو اس کے حکم کے بغیر پتا نہیں مل سکتا۔ دوسری طرف

حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو نہ سہی اسے مجبور نہ کرو۔

بہر حال پروفیسر نے ہمیں عقل کی چکی سڑک پر ڈال دیا۔

چار ایک دن تو میں پروفیسر کی باتوں پر غٹ رہا، پھر شکوک نے سراٹھایا۔

کیا دل کی کوئی اہمیت نہیں۔ وجدان کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیا اللہ کے اتنے بڑے عاشق جو زمرے ہیں محمد ﷺ کے

پر وانے، صوفی، فقیر، قلندر۔ کیا ان کا کوئی مقام نہیں۔ میں پھر ڈب جھلکے کھانے لگا۔ میں نے مسعود قریشی سے بات کی۔ اس نے

تہتہ لگایا۔ مسخر بھرا تہتہ۔

مسعود ایک عجیب و غریب قسم کی شخصیت ہے۔ بارہ مصالحے قسم کی چیز ہے۔ اس میں مختلف اور متضاد قسم کی

خصوصیات ہیں، مثلاً اس میں عقل بھی ہے، جذبہ بھی ہے، ایمان بھی ہے، کفر بھی ہے، بے فکری بھی ہے۔ وہ مثبت بھی ہے، منفی

بھی ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ان تضادات کے باوجود اس کی شخصیت میں ایک ہم آہنگی ہے۔ ہارمنی ہے۔

مسعود تہتہ مار کر ہنسا بولا: ”مفتی تو بڑا کنفیوزڈ آدمی ہے۔ تو سمجھتا ہے کہ اللہ برائے لائن ہے۔ نہیں بھائی اللہ تو بہت

بڑا جنکشن ہے، کئی ایک راستے وہاں پہنچتے ہیں۔ کئی ایک لائنیں آتی ہیں۔ عقل کی لائن بھی پہنچتی ہے، وجدان کی بھی اور پتہ نہیں

کون کون سی لائنیں پہنچتی ہے۔“

پروفیسر احمد رفیق اختر

اس بات پر مجھے پروفیسر احمد رفیق اختر یاد آگئے جن کا مقصد حیات ہی ہارمنی پیدا کرنا ہے، نوکیلے کو نے گول کرنا ہے۔ گذشتہ چند ایک برس میں مجھے چند ایک بزرگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ پروفیسر احمد رفیق اختر سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ وہ عام انسان کی طرح جیتے ہیں۔ نہ لباس میں خصوصیت، نہ شکل و شبہا بہت میں، نہ انداز میں، نہ برتاؤ میں۔

نہ جب، نہ دستار، نہ گیسو، نہ ڈاڑھی۔ کلین شیو ہیں۔ چہرے پر مصنوعی وقار نہیں۔ صرف ذہانت اور انسانیت ہے۔ بات میں ”ہم“ نہیں۔ گلے میں ”اہم“ نہیں۔ انداز میں اُجلا پن نہیں۔ دوسرے کو میلا ہونے کا احساس نہیں۔ کشف نہیں چلاتے۔ فراست ہے، لیکن جتا تے نہیں۔ اختلاف رائے کو کاٹتے نہیں، برداشت کرتے ہیں۔ طبیعت میں بڑا ”سینس آف ہیومر“ ہے۔ خود نمائی نہیں کرتے۔ دعویٰ نہیں کرتے۔ پیری ٹریڈی نہیں کرتے۔ بیعت کی دعوت نہیں دیتے۔ مسئلہ مسائل نہیں چھانٹتے۔ جنید یہ سلسلے کے مشاہیر کو استاد مانتے ہیں، لیکن جو تصوف پر موٹے کرتے ہیں، وہ انہوں نے خود قرآن سے اخذ کیا ہے۔ لوگوں کو پڑھنے کے لیے اسماء دیتے ہیں۔

مجھے بھی دیے۔ میں نے کہا: ”پروفیسر صاحب! یہ ظلم نہ کرو۔ میں تو اللہ کا ایک ادنیٰ منشی ہوں۔ عبادت میرا کام نہیں۔ سیانے کہتے ہیں جس کا کام اسی کو سا ہے۔“
کہنے لگے: ”یہ ضروری ہے، تین ماہ کے لیے پڑھو۔“
میں نے کہا: ”تین ماہ کے بعد کیا ہوگا؟“
وہ مسکرا دیے۔

میں نے تین ماہ شیخ چلائی۔ میرا خیال تھا، تین ماہ بعد میرے دائیں ہاتھ سے آواز آئے گی۔ ”بول میرے آقا! میرے لیے کیا حکم ہے، میں تیرے لیے کیا کر سکتا ہوں۔“ لیکن کوئی آواز نہ آئی۔
پروفیسر کا کہنا ہے، سلام تو ازن کا نام ہے۔ اپنے اندر ہارمنی پیدا کرنے کا نام ہے۔ نہ لاگ ہوندا گاؤ۔
حضور ﷺ نے فرمایا تھا: ”لوگو! حد میں رہو۔ حدیں نہ توڑو۔“
میں نے پوچھا: ”پروفیسر آپ کا شغل کیا ہے؟“
بولے: ”تحلیل نفسی کرنا رہتا ہوں۔ وہ کو نے جو دوسروں کو چھتے ہیں، انہیں گول کرنا رہتا ہوں۔“

اکیسویں صدی کا ولی^(۱)

جب میں پروفیسر احمد رفیق سے پہلی بار ملا تو دل سے بزرگ ماننے پر تیار نہ ہوا۔ اس کی کئی ایک وجوہات تھیں؛ مثلاً اس کا کلین شیو ہونا، مسلسل سگریٹ پئے جانا، ان موضوعات پر بلا تکان گفتگو کرنا، جن کے ذکر پر ہی کمزور دل حضرات کے کان سرخ ہو جاتے ہیں اور اپنی بے عزتی پر قہقہہ لگا کر مخاطب کو داد دینا وغیرہ وغیرہ؛ لیکن جب میں مایوس ہو کر اٹھنے لگا تو اس نے ایک عجیب حرکت کی۔ مجھ سے کہنے لگا: ”اپنا نام تو بتاتے جاؤ۔“ میں نے فوراً بتا دیا (یہی میری غلطی تھی) تو ہنس کر بولا: ”تمہارے اندر ’انگرا سٹی‘ بھری ہے، غصہ اور نفرت ابل رہی ہے، اگر یہ باہر نہ نکلی تو تم پھٹ جاؤ گے۔ بالکل اس طرح جیسے غبارہ دہما کے سے پھٹتا ہے۔“ میں نے کہا: ”تمہیں کیا غرض۔“ تو بولا: ”مجھے تم سے بڑی غرض ہے، ذرا بیٹھو میں تمہیں بتاتا ہوں۔“ اور میری حماقت دیکھیے میں شغل ہی شغل میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور اس کے بعد پتہ نہیں اس نے مجھ پر کیا پھونکا کہ آج آٹھ برس ہو چکے ہیں، میں اسی کے پاس بیٹھا ہوں۔ کہیں بھی بھاگ جاؤں، کہیں بھی چھپ جاؤں، کہیں بھی غائب ہو جاؤں، خود کو اسی کے قریب پاتا ہوں، اسی صوفے، اسی کمرے اور اسی نیم تارکے ماحول میں رہتا ہوں اور اب تو یقین ہو چکا ہے کہ شاید پچاس برس بعد بھی جب کوئی مجھ سے پوچھے گا تمہاری زندگی کا حیرت انگیز واقعہ کیا ہے؟

تو میں بلا سوچے سمجھے کہہ دوں گا۔ ”پروفیسر احمد رفیق۔“

اور اگر کوئی پوچھے گا۔

”تمہاری زندگی کی سب سے بڑی کامیابی کیا ہے؟“

تو میں بلا کم و کاست کہہ دوں گا۔ ”پروفیسر احمد رفیق۔“

اور اگر کوئی پوچھے گا۔

”تمہاری زندگی کی سب سے بڑی محرومی کیا ہے؟“

تو بھی میں بلا خوف و تردید کہہ دوں گا، ”وہ وقت جو میں نے پروفیسر احمد رفیق سے دُور رہ کر گزارا۔“

اور اگر پوچھنے والا پوچھے گا۔

”کیوں؟“

تو میں فوراً کہوں گا، ”اگر مجھے پروفیسر احمد رفیق نہ ملتا تو شاید میں باقی زندگی بھی جھوٹے خداؤں کی پرستش میں گزار

(1) جاوید چوہدری کی کتاب ”زیر و پوائنٹ“ سے۔

دیتا۔ اگر مجھے پروفیسر احمد رفیق نہ ملتا تو شاید میں باقی زندگی بھی اندھیرے میں بھٹکتے بھٹکتے گزار دیتا اگر مجھے پروفیسر احمد رفیق نہ ملتا تو میں شاید باقی زندگی بھی کسی صاحب کشف صاحب دعا اور صاحب نظر بزرگ سے ملاقات کی خواہش لیے ہی گزار دیتا۔ اگر مجھے پروفیسر احمد رفیق نہ ملتا تو شاید میں باقی زندگی بھی باعمل عالم کی تلاش میں گزار دیتا لیکن ایسا نہیں ہوا کہ اگر موج موج ہے تو کناروں سے ضرور ٹکراتی ہے۔ اگر ہوا ہوا ہے تو قطرہ خون میں ضرور اترتی ہے اور اگر روشنی روشنی ہے تو وہ اندھیروں کا سینہ ضرور چیرتی ہے۔“

میں نے پروفیسر احمد رفیق سے پوچھا: ”پروفیسر صاحب آپ ایک نظر میں لوگوں کو کیسے جان لیتے ہیں؟“
پروفیسر نے قہقہہ لگایا اور بولا: ”جب اللہ سے دوستی کا رشتہ استوار ہو جاتا ہے تو وہ اپنے دوستوں کو بہت سی کنجیاں دے دیتا ہے۔ ان کنجیوں میں ایک کنجی دلوں کے قفل کھولنے کی بھی ہوتی ہے۔“
”یہ کیا کنجی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

یہ علم اسماء ہے۔ قرآنی اسماء جو قدرت کی ہارڈ ڈسکس ہیں، یہ ہارڈ ڈسکس چودہ (حروف مقطعات) ہیں ہر ڈسک میں مختلف لوگوں کے ذہنی اور روحانی حالات درج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان حروف کے علم سے نوازا ہے لہذا جو نبی کوئی نام میرے کانوں سے ٹکراتا ہے اس کی پوری شخصیت میرے دماغ میں اتر آتی ہے۔“
میں نے پروفیسر سے پوچھا: ”پروفیسر صاحب آپ کو خدا کیسے ملا؟“

اس نے اسی اطمینان سے جواب دیا: ”صرف خلوص سے جب میں نے خدا کو پہچان لیا تو میں نے دیکھا کسی بزرگ نے اسے پانے کے لیے چالیس برس جنگلوں میں نکلے پاؤں گزار دیئے کوئی کنویں میں الٹا لٹک کر وظیفہ کرتا رہا کوئی دریا میں ایک مانگ پر کھڑا ہو کر اسے یاد کرتا رہا..... تو میں نے اپنے رب سے دعا کی یا اللہ! اگر صرف جسمانی طور پر مضبوط لوگ ہی تمہیں یاد کر سکتے ہیں تو شاید میں پوری عمر تمہیں نہ پاسکوں لیکن اگر کمزوروں کا بھی تم پر اتنا ہی حق ہے تو میں تمہیں یقین دلانا ہوں میں زندگی میں کبھی تم سے رخ نہیں بدلوں گا تم سے اپنی ”کمٹمنٹ“ بنا ہوں گا تو مجھے خدا مل گیا۔“
میں نے پروفیسر سے پوچھا: ”پروفیسر صاحب آج کل خدا کی کیا پوزیشن ہے؟“

پروفیسر نے قہقہہ لگایا اور بولا: ”آج کل خدا کی پوزیشن کو بڑا خطرہ ہے اُدھر دنیا میں اطلاعات اور علوم کا ایٹم بم پھٹ چکا ہے ذہنوں میں نئے سوال پیدا ہو چکے ہیں لیکن ادھر ہمارے مولوی ابھی تک اونٹ پر سواری کے ڈور سے گزر رہے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سوال دنیا کے بہترین اداروں کے پڑھے لکھے اعلیٰ ترین دماغ کرتے ہیں لیکن جواب وہ ان پڑھا ورگنوار مولوی دیتا ہے جسے ابھی تک چاند کی تسخیر کا دعویٰ ہضم نہیں ہوا۔ لہذا انہیں ہماری سمجھ آتی ہے اور نہ ہم ان کی سمجھ سکتے ہیں۔ اس ”کمیونی کیشن گیپ“ میں اللہ تعالیٰ کا تصور تیزی سے ”ڈی شیپ“ ہو رہا ہے نعوذ باللہ۔ اٹل یورپ کی نظر میں اس کی ایک متعصب تنگ نظر اور وحشی قوم کے ”لیڈرز“ جیسی شکل بن رہی ہے۔ چنانچہ جب تک پڑھے لکھے اور جدید علوم و فنون سے آراستہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ”ایڈوائزرز“ بن کر سامنے نہیں آئیں گے خدا کا تصور وسیع نہیں ہوگا۔“

پروفیسر کی کہانی بڑی عجیب ہے۔ ایم اے انگریزی کیا لاہور کے ایک کالج میں پروفیسری شاعری کی ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں کام کیا، لیکن اس دوران جب اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ ڈانگ شروع ہوئی تو گوجران آباد بیٹھا

جہاں اب دن رات ذہنوں کی پیاس بجھاتا ہے، گمراہوں کو راہ دکھاتا ہے، پریشان حال لوگوں کے دکھ سنتا ہے اور آخر میں ہر آنے والے کو کاغذ کی ایک چٹ پر چند اسماء الہی لکھ دیتا ہے، اب پتا نہیں ان اسماء الہی میں کیا ”جادو“ ہے جو انہیں پڑھتا ہے وہ خدا کا ہو جاتا ہے اور خدا اس کا ہو جاتا ہے اور جب خدا اور بندہ باہم مل کر ایک ہو جائیں تو کیا دنیا کا کوئی مسئلہ مسئلہ رہ جاتا ہے؟

اگر پروفیسر کی ذات سے ”روحانی بلوغت“ نکال بھی دی جائے تو بھی اللہ تعالیٰ نے اسے دلوں پر اثر کرنے والی شخصیت، جاذب طرزِ تقلید اور بے پایاں علم سے نوازا ہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کے لیے کسی دوسرے معجزے کی ضرورت نہیں رہتی۔

میں نے پروفیسر سے پوچھا: ”پروفیسر صاحب آپ نے اتنا علم کہاں سے حاصل کیا؟“
وہ گہرے اطمینان سے بولا: ”خدا سے کہ سارے علوم کے دھارے اسی کی ذات سے نکلتے ہیں۔ جو اس کا ہو گیا وہ گویا علم کے سمندر میں ڈوب گیا۔“

اور میں نے اپنے آپ سے پوچھا کیا آج کا کوئی انسان پروفیسر کے بغیر خدا کے جدید تصور کو چھو سکتا ہے تو جواب ملا نہیں کہ اکیسویں صدی کے لوگوں کو صرف پروفیسر احمد رفیق سے ہی روشنی مل سکتی ہے کیونکہ صرف یہی شخص ہے جو نہ صرف اکیسویں صدی کے دماغ کو سمجھتا ہے بلکہ یہ بھی جانتا ہے کہ خدا کی بات کو کس لہجے اور کس فریکوئنسی میں کہا جائے تو وہ دلوں کے قفل توڑ کر ذات میں رچ جاتی ہے، بس جاتی ہے۔

پس حجاب^(۱)

مطالعہ وسیع ہو، علم محض ہو، استدلال کی بنیاد عقل و تقعر پر ہو، پیرایہ اظہار دل کو اپنی گرفت میں لینے کا ہنر جانتا ہو اور اس پر مستزاد یہ کہ اللہ کریم نے سخن کو ناسیر کی نعمت سے مالا مال کر رکھا ہو، تو ایسے شخص کو مرجع خلاق بننے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ یہی صورت گرامی قدر پر و فیسرا احمد رفیق اختر کے حوالے سے بھی دیکھنے میں آتی ہے۔ تصوف اپنی ابتدا ہی سے متنازعہ بنا رہا ہے اور اتنا متنازعہ کہ ایک عظیم المرتبت صوفی غوث اعظم حضرت عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کو کہنا پڑا کہ: ”وہ طریقت جس سے شریعت کے کسی حکم کی بھی خلاف ورزی ہوتی ہو، صدیق کے بجائے زندیق بنا دیتی ہے۔“

عصر حاضر میں تصوف کی تعبیر و تفسیر کے سلسلے میں پر و فیسرا احمد رفیق اختر کا نام بہت مستند و معتبر گردانا جاتا ہے۔ مجھے پر و فیسرا صاحب کی محفلوں میں شریک ہونے کی سعادت میسر آتی رہتی ہے۔ خلوت و جلوت دونوں میں تمام سوالوں کے جوابات کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب اور ختمی مرتبت ﷺ کے اسوہ حسنہ کے منالغ نور سے رجوع کرتے ہیں۔ قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ جہان دانش کے جدید ترین مآخذ تک ان کی رسائی، خبر کی منزلوں کو طے کرتی ہوئی نظر کے علاقے میں داخل ہو جاتی ہے۔ توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مگر تجسس، جستجو، توجہ اور نظر کے سفر میں زندگی، انتساب کلی اور سپردگی تمام کی منزلوں سے نہ گزرے، تو گوہر مراد حاصل نہیں ہوتا۔ میں نے انہیں مختلف مسلکوں، فرقوں، طبقتوں اور حلقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے اسی منہاج کے پیش نظر رکھتے ہوئے دیکھا ہے، جس سے ان کا تعلق ہو، مگر آخری بات کے لیے ان کی دلیل، کتاب، مہین اور حدیث مبارک ہی کی طرف سے آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص کا ان کے تمام خیالات سے متفق ہونا ممکن نہیں ہے۔ افکار و حیات و دلائل کا اختلاف، جہان علم و دانش کی اولیات و روایات میں سمجھا جاتا ہے، مگر پر و فیسرا رفیق کے خیالات و افکار ایک بار آپ سے رک کر از سر نو اپنی رائے پر غور کرنے کا مطالبہ ضرور کرتے ہیں اور یہ بڑی بات ہے۔ تصوف کی روایت کو توہمات و کرامات کے منطوقوں سے نکال کر دلیل و دانش سے جوڑ دینا پر و فیسرا احمد رفیق اختر کا ایک ایسا کارنامہ ہے، جو ان کے لیے ہی نہیں، ان کے ہم نشینوں کے لیے بھی سبب طمانیت و اطمینان بڑھاتا ہے۔

(1) افکار و حیات کا خلاصہ بصورتِ ایلپ ”پس حجاب“ سے۔

اسلام آباد میں ایک جوگی سے ملاقات! ^{a)}

آج میں آپ کا تعارف اپنے ایم۔ اے۔ او کالج کے ایک پرانے دوست اور آج کے ایک بہت بڑے صوفی دانشور سے کرانا چاہتا ہوں۔ تب کی بات ہے جب ایم۔ اے۔ او کالج لاہور کا بائٹل ”طالب علم رہنماؤں“ کی ”آماجگاہ“ بنا ہوا تھا چنانچہ ”خیر سگالی“ کے نظہار کے طور پر حریف رہنماؤں میں باہمی فائرنگ کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ اس کے بعد کالج میں دنگ فساد بھی عام تھا آئے روز ”پولیس مقابلے“ ہوتے تھے۔ میں ان دنوں ایم۔ اے۔ او کالج میں اردو کا استاد تھا۔ ایک روز کالج میں داخلے کا متمنی ایک نوجوان اعجاز حسین بٹالوی کا ایک خط میرے نام لے کر آیا جس میں لکھا تھا ”برادر م تاسی صاحب! حامل رقعہ ہذا کا خیال ہے کہ انسان کو علم حاصل کرنا چاہیے خواہ اس کے لیے ایم اے او کالج ہی کیوں نہ جانا پڑے۔“ یہ بھی انہی دنوں کی بات ہے کہ کسی شخص نے کسی سے پوچھا: ”کیا وجہ ہے کہ گورنمنٹ کالج، اسلامیہ کالج اور ایف۔ سی کالج وغیرہ میں سے ہر سال ایک آدھ طالب علم ایسا نکلتا ہے جو کالج کا نام روشن کرتا ہے ایم۔ اے۔ او کالج سے کیوں نہیں نکلتا؟“ اس ستم ظریف نے جواب دیا: ”طالب علم یہاں فرسٹ ایئر میں داخلہ لیتا ہے اور فوراً تھریئر تک پہنچتے پہنچتے پولیس مقابلے میں مارا جاتا ہے۔ کوئی بچے گا تو کالج کا نام روشن کرے گا۔“ خیر یہ تو لطیفہ گوئی تھی۔ اسی تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ یہ لاہور کا واحد کالج تھا جو انتہائی کم نمبروں والے طلبہ کو داخلہ دیتا تھا اور اس کے باوجود اس کا رزلٹ بہت قابل فخر نہ ہی باعث شرمندگی بھی نہیں تھا۔ میری ملاقات ایک چیف انجینئر سے ہوئی۔ اس نے کہا: ”مجھے لاہور کے تمام کالجوں نے دھتکار دیا کیونکہ میٹرک میں میرے نمبر کم تھے لیکن ایم۔ اے۔ او کالج نے مجھے اپنی آغوش شفقت میں پناہ دی۔ میں آج چیف انجینئر ہوں۔ میں اس کالج کا احسان نہیں اتار سکتا۔“ اس زمانے میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ ہمارے کالج کو طعنے دینے والے ایک سال کے لیے گورنمنٹ کالج میں اعلیٰ ترین نمبر حاصل کرنے والے طالب علموں کا داخلہ ایم۔ اے۔ او کالج منتقل کر دیں اور جوڑ کے ہم نے داخل کیے ہیں وہ ہم گورنمنٹ کالج منتقل کر دیتے ہیں اس کے بعد دیکھیں گے کہ کس کالج کا رزلٹ اور ڈسپلن مثالی ہے؟

انجمن اسلامیہ کے زیر اہتمام قیام پاکستان سے پہلے سے قائم اس تاریخی کالج کی بے پناہ خدمات ہیں۔ اس کا ذکر میں کبھی بعد میں کروں گا۔ فی الحال میں اپنے ایک کولیگ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کا تعلق شعبہ انگریزی سے تھا۔ اس زمانے میں پروفیسر خورشید صدر شعبہ انگریزی تھے وہ اپنے شعبے کے خواجہ صاحب اطہر زیدی، محبت علی الفت، اعجاز اور

(1) عطاء الحق تاسی کے کالم ”روزانہ دیوار“ سے (روزنامہ جنگ، 13 جون 2002ء)

دوسرے تمام اساتذہ کو بہت تحفظ دیتے تھے اور انہیں مرغی کی طرح اپنے پروں کے نیچے رکھتے تھے۔ انہی میں میرا یہ دوست بھی تھا۔ جوان رعنا سانولا رنگ، ماتھے پر دلیپ کمار کی طرح بالوں کی لٹ نہایت خوش لباس اور خوش گفتار اور چین سموکر۔ اسے انگریزی اور اردو پر یکساں دسترس تھی۔ مطالعے کا بے حد شوقین تھا، اس دوست کے مزاج کا انداز دوسروں سے بالکل مختلف تھا۔ جب کالج میں ہمارا آنا سامنا ہوتا۔ یہ مجھے روک کر کھڑا ہو جانا اور چوسر (Chaucer) کے زمانے کی انگریزی یا ملاوجہی کے زمانے کی اردو میں پوری سنجیدگی کے ساتھ لیکچر کے انداز میں گفتگو شروع کر دیتا اور میں ہتے ہتے بے حال ہو جاتا۔ میں جس دوست کا ذکر کر رہا ہوں، یہ عام لوگوں جیسا ہوتے ہوئے بھی عام لوگوں سے بہت مختلف تھا۔ بہت بے خوف، نڈر اور دل کی بات کھل کر کہنے والا۔ اس کا آبائی گھر لاہور سے باہر تھا، چنانچہ اس نے کالج کے قریب ایک مکان کرائے پر لیا ہوا تھا اور یہ لاہور شہر کا واحد گھر تھا جس کے دروازوں پر تالا نہیں تھا۔ اس گھر میں تھا بھی کیا۔ ایک چارپائی، دو تین چائے کے مگ، چنانچہ جس دوست نے سنا ہونا تو وہاں جا کر چارپائی پر سو جاتا۔

اس زمانے میں ہمارے کالج میں ایک پرنسپل صاحب تشریف لائے جن کے خیالات یقیناً بہت اچھے ہوں گے، لیکن قابل عمل نہیں تھے، چنانچہ ہم نے ان کا ماتم تعلق رکھ دیا۔ ایک دن میرے اس دوست کا اختلاف تعلق صاحب سے ہو گیا، جس پر اس نے کالج کی پروفیسری سے استعفیٰ دیا اور اپنے آبائی قصبے میں واپس جا کر وہاں برتنوں کی دکان کھول لی۔ اس پر ہم میں سے کسی کو بھی حیرت نہ ہوئی۔ یہ درویشی کے انداز اس میں پرانے تھے۔ اس کا کردار بے داغ تھا۔ اس کی باتوں میں گلوں کی خوشبو تھی۔ وہ عالم تھا مگر اسے اپنے علم کا غرور نہیں تھا، میرا کئی دفعہ جی چاہا کہ میں اس کے قصبے کا دورہ کروں اور دیکھوں کہ انگریزی کا پروفیسر اور ایک عام شخص ایک معمولی دکان پر بیٹھا برتن بیچتا کیسا لگتا ہے مگر ہر بار کوئی مجبوری آڑے آئی اور اس ہدم ویرینہ سے ملاقات کی خواہش دل ہی میں رہی۔ اس دوران اس دوست کے بارے میں عجیب و غریب خبریں سننے میں آئیں۔ ایک اڑنی خبر یہ سننے میں آئی کہ وہ ایک روحانی شخصیت کے طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے مگر مجھے اس پر کوئی حیرت نہ ہوئی، کیونکہ روحانیت کے اثرات تو شروع ہی سے اس کی شخصیت میں بہت واضح تھے۔ اختلاف رائے پر نوکری سے استعفیٰ دینا اور ایک دانشور کا رزق حلال کے لیے برتنوں کی دکان کھولنا اپنے طور پر ایک روحانی فعل تھا، مگر جب میں نے سنا کہ وہ باقاعدہ پیر بن گیا ہے اور اس کے عقیدت مندوں میں جرنیل، بیوروکریٹس، دانشور، ادیب اور صحافی کثیر تعداد میں شامل ہیں تو مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ اب میں دیکھنا چاہتا تھا کہ میرا دوست ”پیر“ بن کر کیسا لگتا ہے اور گذشتہ ہفتے اسلام آباد میں سجاول خاں رانجھا کی کتاب کی تقریب رونمائی میں میری ملاقات اپنے اس دوست سے ہو گئی۔ وہ اس تقریب کی صدارت کر رہا تھا اور ہال اس کے چاہنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔

کل کے انگریزی کے پروفیسر اور آج کی اس روحانی شخصیت کا نام پروفیسر احمد رفیق اختر ہے جسے ہم کالج میں رفیق اختر جوگی کے نام سے پکارتے تھے۔ میں نے اسے دیکھا تو میرا سینہ خوشی سے بھر گیا۔ اس کی وضع قطع میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اسی طرح کلین شیوڈا ماتھے پر بالوں کی لٹ، خوش پوش اور چین سموکر۔ اس کے گرد عقیدت مندوں کا جھوم تھا اور وہ انہیں ذکر کی تلقین کرتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے انہیں تسبیح کی عبارت لکھ کر دیتا تھا۔ وہ مجھے اسی طرح ملا جیسے ایک پرانے بے تکلف دوست کو ملتے ہیں۔ عقیدت مندوں کی کثرت بھی اس کے انسانی رویوں پر اثر انداز نہیں ہوئی تھی۔ شاید یہ بھی

اس کی روحانیت کا ایک کرشمہ تھا! پروفیسر احمد رفیق اختر لوگوں کی فرمائش پر ان کے لیے دعا مانگتا ہے۔ میں نے بھی اس سے اپنے لیے دعا کی فرمائش کی، لیکن میرا پنا تعلق بھی چونکا۔ بیروں کے خانوادے سے ہے، لہذا میری بھی دعا ہے کہ پروفیسر رفیق اختر جوگی سے روحانی فیض حاصل کرنے والے طبقے کے رویوں میں وہ تبدیلی واقع ہو جو حقیقی فیضانِ نظر سے حاصل ہوتی ہے اور یوں اگر کوئی جرنیل ہے تو وہ اپنے حلف کی پاسداری کرے، صحافی ہے تو وہ سچ لکھے، بیورو کریٹ ہے تو وہ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرے، منج ہے تو وہ ہر قسم کے خوف، دباؤ اور لالچ سے بالا ہو کر اپنے فیصلے تحریر کرے اور اگر وہ سیاستدان ہے تو ذاتی مفاد سے بالا ہو کر صرف پاکستان کے مفاد کو مد نظر رکھے۔ اگر اتنے بڑے روحانی منبع سے فیض حاصل کرنے والوں میں یہ تبدیلی نہیں آتی تو میرے دوست کی رہنمائی میں پھیری جانے والی مسیحیوں اس دنیا کے کاموں کے لیے تو شاید مفید ثابت ہوں، لیکن آخرت میں یہ ان کے کسی کام نہیں آئیں گی۔ گناہ آلود ضمیر بھی عبادات سے نہیں معاملات کی وابستگی ہی سے مطمئن ہوگا۔

پروفیسر صاحب^{a)}

محترم خواتین و حضرات! اگر محض ایک جملہ ادا کرنا ہو تو میں صرف وہ بات دہرانے کی جسارت کروں گا جو خود پروفیسر صاحب بارہا کہہ چکے..... عقیدت اور جہالت کا آغاز ایک ساتھ ہوا کرتا ہے.....

اٹھارہ برس ہوتے ہیں..... مسافر کو مظفر آباد سے لوٹتے ہوئے کوہ مری میں ایک درویش سے ملنا تھا جو اس پر راہ روشن کر دیتا۔ وہ جو ہزار راستوں کے سنگم پر کھڑا تھا اور اس کی اپنی ایک بھی راہ نہ تھی۔ مظفر آباد سے جھاگ اڑاتے پانیوں کے ساتھ سفر کرتی بس بالآخر دریا سے جدا ہوئی اور بلند یوں کو بڑھنے لگی مگر مسافر اپنی نشست پر جما رہا۔ ایک محدود سی شہادت پر اتنی زحمت کیوں اٹھائی جائے۔ کون جانے خانقاہ نشیں وہی اجداد کی ہڈیوں کا تاج ہو۔ ادھر درویشا تھا کہ درماں کو بے تاب تھا۔ تب اس نے چیز اور دیار کے بلند و بالا شجار اور پہاڑوں کے درمیان شام کی سرمست ہوا میں اپنے پروردگار سے دعا کی۔ اے میرے رب! ایک عالی قدر اور مہربان و مشفق استاد عطا کر۔ گئے زمانوں کا سا کوئی استاد جس کا غور و فکر زندگی کی گہرائیوں اور رفعتوں کو ماپ چکا ہو اور جو متلاشیوں میں اپنا سوز و دروں باٹنا ہو۔

بچے ہوئے دل کی یہ دعا تیرہ برس کے بعد قبول ہوئی اور پروفیسر احمد رفیق اختر سے ملاقات ہو گئی۔ 48 برس کی عمر میں اپنی پختہ عادات کے ساتھ ان سے ملا اور پھر صحافت کا پیشہ جو خود ستائی کو اتنا سازگار ہے کہ فقط سبزہ لہلہاتا ہے اور خاکساری گرد ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود بدترتج دوتی ہو گئی۔ میں ان کا دوست نہیں، محض ایک شاگرد ہوں اور وہ بھی خاصا مالائق۔ ثابت صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک صوفی استاد محض اپنے کو نے ہی سیدھے نہیں کرتا، گرد و پیش بھی تراشنے میں لگا رہتا ہے حتیٰ کہ پتھر میں بھی کہ شاید کوئی صورت ابھر آئے۔

”صوفی اپنے ساتھ ہمدردی کا ہرگز متحمل نہیں۔“ پچھلے دنوں انہوں نے مجھ سے یہ کہا اور اس انداز میں نہیں، جیسے میں نے دہرا دیا۔ جب وہ ایسی بات کہتے ہیں تو ایک گہری دل سوزی لہک چپک اور وارنگی ان کی آواز میں شامل ہوتی ہے۔ کبھی آپ نے کسی بلند مقام پر تیز رفتار گاڑی سے دھان کے ہرے کچور کھیتوں پر ساون کے ام کو سخاوت کرتے دیکھا ہے، جب ہوائیں اپنا سب سے سہانا اور سب سے زیادہ دلگداز گیت گاتی ہیں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ طویل عرصے کے بعد وہ تاریخ میں ایک نئے علم کے بانی ہیں۔ اسماء کی روشنی میں کرداری خصوصیات کا تعین اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ اسماء ربانی اور ختم المرسلین ﷺ کی دعاؤں کے ساتھ ان کرداری خصوصیات کی

خامیوں کا خاتمہ اور ناریکیوں میں اجالے کا اہتمام۔ اپنے اس علم کے بل پر وہ اگلے زمانوں میں یاد رکھے جائیں گے اور لوح زماں سے کوئی ان کا نام کھرچ نہ سکے گا۔ صدر بٹش کے امیدوار بنتے ہی انہوں نے بھارت میں متعین امریکی کونسل جنرل کو بتا دیا تھا کہ اگر اس شخص کو اقتدار ملا تو بیگانہ ہوں کے خون سے زمین آلودہ ہوگی۔ ان کے سوا کون ہے پانچ برس پہلے ہی جس نے ایک تاریخی فساد کی خبر دی۔ کون ہے جو ایک حکمران کے پہلے دن اس کے دور کی خصوصیات بیان کرے اور کون ہے جو برسوں پہلے واحد عالمی قوت کے دلدل میں اترنے کے مدارج بیان کر ڈالے۔ میں وہاں موجود تھا، جب انہوں نے یہ کہا عمران خان کے مشیر ماقص ہیں، اسے فقط ایک نشست ملے گی مگر ریاضت کے مدد و سال کے بعد..... اور عمران خان بھی سامنے بیٹھے تھے۔

ہم میں سینکڑوں اور ہزاروں ہیں، جنہیں حیران کن تجربات سے واسطہ پڑا اور بار بار پڑا، تاہم اگر یہی کچھ ہوتا تو بے شک مخفی علوم میں ایک اور علم کے اضافے سے وہ کتابوں اور یونیورسٹیوں میں اعتبار پاتے مگر اس رفعت کو ہرگز نہ پہنچتے جو اللہ نے ارزاں کی ہے، اگر انہوں نے قرآن اور سیرت کو یوں من میں بسا نہ لیا ہوتا۔ اگر وہ انسانوں کے لیے ایسے خلیق، مہربان اور مددگار نہ ہوتے۔ علم برتر ہے مگر وہی حجاب بھی ہے اور کبر بھی ہے اور کبر بھی طبع زاد۔ خیال کی رفعت و وسعت برحق مگر ان گنت اہلیس اسی سے پیدا ہوئے۔ تاریخ پر ان کا علم معتبر اور فصاحت مسلم مگر اکثر یہ قومی امنگوں کی تجارت کا ہتھیار ثابت ہوا ہے۔ دلیل کے ہنگام وہ شائستہ اور استوار ہوتے ہیں۔ پہاڑ کی طرح مضبوط اور شاخ گل کی طرح خنداں۔ اختلاف تو کیا اعتراض طعنے اور دشنام پر بھی برہم نہیں ہوتے مگر یہ سب تو ان کا اپنا اثاثہ ہے۔ کشتیاں پارگتیں یا ڈوب جاتیں، دریا اپنی طغیانیوں میں لگن رہتا۔ اگر وہ عطا کے شوگر نہ ہوتے تو ہم ان سے کیا پاتے۔ وہ اپنا سوز اور علم عام کرتے ہیں۔ خوف اور اندیشوں سے بلند فصاحت، شائستگی اور بے ساختگی کے ساتھ کتنی ہی زندگیاں ہیں جو سرسبز اور بامعنی ہو گئیں۔

خواتین و حضرات! پروفیسر صاحب کے بارے میں بات کرنا مشکل نہیں۔ پانچ برس اور بلا مبالغہ سینکڑوں طویل ملاقاتیں مگر اس حیرت پر قابو پانا مشکل ہے کہ عام علماء کے برعکس دونوں ہاتھوں سے سرکار ﷺ کا دامن تھامے، قرآن میں غوطہ زن یہ مرد مسلمان ماضی کے بجائے ہمیشہ حال میں زندہ رہتا ہے اور قدامت پسندی سے اسے دور کا سروکار بھی نہیں۔ علماء ہی نہیں، جدید علوم سے وہ اکثر سیکولر مفکرین اور فلسفیوں سے زیادہ بہرہ ور ہے۔ پھر تہذیبوں کی تاریخ اور ادب عالیہ کا ایسا گہرا اور ہمہ گیر مطالعہ۔

لیکن آخر میں وہی گزارش ہے کہ وہ ایک آدمی ہیں۔ گاہ جان کے اندازے غلط بھی ہوتے ہیں۔ اسلام کی علمی روایت اور عصری تحریکوں کے بارے میں ان کے ہر تجزیے سے اتفاق ممکن نہیں کہ یہ اعجاز تو صرف قرآن کا ہے اور صرف سرکار ﷺ کا ہے۔ خود ان کا اپنا قول بھی تو یہی ہے کہ عقیدت اور جہالت کی حدود ہمیشہ ایک ساتھ شروع ہوتی ہیں۔

اللَّهُمَّ
 أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا
 فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا
 وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ
 الدُّنْيَا وَعَذَابِ
 الأٰخِرَةِ ○

(اے اللہ ہمارے تمام کاموں کا انجام بہتر فرما اور دنیا کی
 رسوائی اور آخرت کے عذاب سے پناہ دے)

حقیقتِ منتظر

پیش لفظ

آسمان کے ستاروں، بارش کے قطرؤں، درختوں کے پتوں، صحرا کی ریت اور زمین و آسمان کے ذروں کی مانند بے انتہا شکر و تعریف کی مستحق صرف اللہ کی ذات ہے۔ اکیلا اور تنہا ہونا اُس کی صفت اور بزرگی و برتری نیز بڑائی اور اچھائی جس کی خوبی ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو اُس کی ذات کی عظمت کے متعلق سوچے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور کوئی دل ایسا نہیں جو اُس کی عجیب و غریب صنعتوں سے ایک لحظہ غافل رہے کہ ان کی ہستی کیا ہے اور یہ کس کی قدرت سے بن اور چل رہی ہے۔ بے انتہا درود حضرت محمد ﷺ پر جو سب نبیوں کے سردار اور ہر صاحب ایمان کے رہبر و رہنما ہیں۔

آج کا مسلمان اس ابہام کا شکار ہے کہ چودہ سو سال پہلے مازل ہونے والی کتاب اور اُس میں بیان کردہ ضابطہ حیات کی آج کے پیچیدہ دور میں کیا اہمیت اور اس کے ساتھ کیا مطابقت ہے۔ اس ابہام کی بنیادی وجہ قرآن اور حدیث کے پیغام کو سطحی طور پر اور روایتی انداز میں دیکھنے کی روش ہے۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ غور و فکر اور حکمت کے ذریعے اس کی روح تک پہنچنے کی کوشش کی جائے تاکہ آج کی معروضی حقیقتوں کے تناظر میں اور آج کی ضروریات کے مطابق اس سے راہنمائی و استفادہ کیا جاسکے۔

ہمارے یہاں دینی معاملات پر بحث کے دوران عموماً غور و فکر اور دلیل و برہان کی بجائے جذباتیت کو مقدم سمجھا جاتا ہے جس کے نتیجے میں اتفاق کی بجائے نفاق کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس پروفیسر احمد رفیق اختر کا انداز فکر سوچ و بچار پر مبنی اور فکرائیگیز ہے جو آپ سے اپنی رائے پر از سر نو غور کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

تاریخ سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ پروفیسر احمد رفیق اختر طویل عرصہ تک مختلف نظریات کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف رہے۔ انہوں نے ہر فلسفے، تہذیبوں کی تاریخ، ادب، تصوف اور اسلام کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ حروف مقطعات پر بھی غور کرنا شروع کیا تو اللہ نے آپ کو ان حروف کے علم سے بھی نوازا۔ لہذا جو نہی کوئی بھی نام پروفیسر صاحب کے کانوں تک پہنچتا ہے تو اس نام سے مجزی پوری شخصیت ذہن میں اتر جاتی ہے، کیونکہ بقول

پروفیسر صاحب ان حروف میں لوگوں کے ذہنی اور روحانی حالات درج ہیں۔ آپ آنے والے مسائل کو کاغذ کی ایک چٹ پر چند اسماء الہی اور دعائیں لکھ دیتے ہیں۔ جو انہیں پڑھتا رہتا ہے وہ جہاں اور بہت ساری تہذیبیں محسوس کرتا ہے وہاں وہ یقینی طور پر ذہنی سکون اور قلبی طمانیت کی دولت حاصل کر لیتا ہے جو آج کے تشویشی اور بے کیفی کے دور میں بہت بڑی نعمت ہے۔

پروفیسر صاحب نے مروجہ نظریات کے ابہام کو دور کرنے کی کوشش کی ہے جس سے ہر قسم کے شکوک و شبہات دور ہو سکتے ہیں اور اسلام کی حقانیت اور صداقت اس طرح آشکار ہو سکتی ہے جس طرح سورج کی روشنی ہر تاریکی کو کافور کر دیتی ہے۔

وَعَا

اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم
بسم الله الرحمن الرحيم

رب أدخلني
مدخل صدق واخرجني
مخرج صدق واجعل لي
من لدنك سلطانا
نصيراً ○
(١٤) (الاسراء: ٨٠)

سبحن ربك رب العزة
○ عما يصفون ○
وسلام على المرسلين ○
والحمد
○ لله رب العلمين ○
(٣٤) (الصفت: ١٨٠-١٨٢)

پاکستان اور اسلام

- ☆ لیکچر
- سوالات و جوابات
- ☆ پاکستان کی اسلام سے دُوری
- ☆ تقسیم ہند میں مذہبی رہنماؤں کا کردار
- ☆ اسلام کو کیسے سمجھیں؟
- ☆ غیر مسلموں کو مسلمان کیسے کریں؟
- ☆ دجال کب آئے گا؟

پاکستان اور اسلام

سب سے پہلے میں آپ کو آزادی کے اس مبارک دن کی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ پاکستان اگرچہ پاک لوگوں کی سرزمین ہونا چاہیے تھا لیکن ایسا ہو نہیں سکا۔ آزادی کے بے شمار اوصاف ہم تک نہیں پہنچے اور اس لفظ مبارک میں جو امن، جو قرار، جو خلوص ہے اس سے بھی ہماری آشنائی نہیں ہوئی۔ مگر بہر حال ایک ایسی مملکت معرض وجود میں آئی جس کے حاصل کرنے کے لیے ہمارے پاس بہت ساری وجوہات تھیں۔

حضرات گرامی! انگریز حکمرانوں نے مسلمانوں کو حریف حکمران سمجھ کر ان پر بے شمار نفسیاتی ذلتوں کے حربے استعمال کیے۔ ان کے آباؤ اجداد کے وہ شاندار لباس جو ان کی عظمتوں کی نشاندہی کرتے تھے اپنے خادموں کو اور اپنے کم ترین لوگوں کو اس لیے پہنوائے کہ مسلمانوں کے دل میں ان کی اپنی حقارتوں کے جذبے موجزن ہو جائیں۔ ان کو نوکریوں سے نکالا گیا اور بہت کم ملازمتیں دی گئیں۔ سرسید احمد خان کی رپورٹ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ برصغیر میں اگر کوئی جنگ جو اور حریت پسند قوم تھی جو غلامی سے ذہنی، قلبی اور بدنی نفرت کرتی تھی جو ان آقاؤں کے خلاف جدوجہد کے قابل تھی تو وہ صرف مسلمان تھی۔ انگریزوں کو اس بات کا بخوبی علم تھا اور انہوں نے مسلسل کوشش کی کہ ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ ہندو کو برتری حاصل ہو جائے۔ عدوی برتری تو تھی، نفسیاتی برتری بھی دی جائے تاکہ مسلمان ہند اپنی پستی فکر میں ایسے الجھیں کہ بقول اقبال:

وہ فاتہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا

روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

حضرات گرامی! ایک اور بہت بڑا حربہ تعلیمی شعبہ میں بھی استعمال کیا گیا، جو علمی توجیہات سے متعلق تھا۔ برصغیر میں انگریزوں نے سب سے ابتدائی جو مضمون متعارف کرایا، وہ فلسفہ تھا۔ فلسفہ جو سوال کرتا بھی ہے اور جواب مانگتا بھی ہے۔ فلسفہ جو تشکیک ہے۔ یہ فلسفہ اور یہ تشکیک اس مقصد کے تحت تھا کہ جو Dogmatic یعنی پرانی مذہبی اقدار کو چیلنج کرنے والا تھا اور اس تشکیک نے ہماری مذہبی اقدار کو مسلسل چیلنج کیا۔ بد قسمتی سے اسلام اب وہ اسلام نہیں رہا۔ سلطنت عثمانیہ کے زوال کے بعد سلطان سلیمان ذیشان کی فتوحات کے بعد مسلمانوں نے یہ غلط سمجھ لیا تھا کہ فتوحات ہمیشہ ان کا مقدر رہیں گی۔ کسی قوم کے لیے شکست اتنی بری نہیں ہوتی مگر کسی قوم کے لیے مسلسل فتح ان کے تکبر است ذات میں اضافہ کرتی ہے اور ان کی علمی، ذہنی اور عقلی توجیہات کو ختم کر دیتی ہے۔ یہی مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔

اس مختصری دنیا میں یہ واحد نظر یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ کے بعد اسلام کی اشاعت کے بعد کوئی نظر یہ دنیا میں اتنا مقتدر نہیں رہا جتنا اسلام رہا۔ چاہے اپنی کمزور حالت میں تھا، چاہے بہتر حالت میں تھا۔ اسلام تیرہ سو برس دنیا کے انتہائی مقتدر مذاہب میں رہا اور ان لوگوں نے تیرہ سو برس اپنی مخالف اقوام کو ہمیشہ احساس کمتری کے سوا کچھ نہیں دیا۔ یہ وہ مذہب تھا جو کبھی مغلوب نہیں ہوا۔ یہ وہ مذہب تھا جو ہمیشہ کسی نہ کسی صورت میں اقتدار میں رہا۔ اگر عرب گئے تو دہلی آ گئے۔ دہلی گئے تو سلجوق آ گئے۔ سلجوق گئے تو عثمانی ترک آ گئے۔ عثمانی ترک گئے تو تیوری ترک آ گئے اور ایک وہ وقت تھا جب سولہویں صدی میں دنیا کے تین بڑے بادشاہ تھے اور تینوں مسلمان تھے۔ اگر ایک طرف سلطان سلیمان ذیشان تھا تو دوسری طرف جلال الدین محمد اکبر کی شہنشاہی تھی اور ایران میں صفوی سلطان عباس اعظم سریر آرائے سلطنت تھا۔ اتفاق دیکھیے کہ سب کے ساتھ ذیشان لگتا ہے یا اعظم۔ یہ صرف حکمرانی کرنے والے بادشاہ تھے۔

ایک لطیفہ آپ کو پیش کرنا ہوں کہ جلال الدین اکبر کے زمانے میں انگلینڈ کا سفیر آیا اور اس نے بڑے القابات جیسا کہ ملکہ بھویر اور اس قسم کے القابات پیش کیے تو جلال الدین اکبر نے اپنے وزیر ابوالفضل سے پوچھا ”ایں جزیرہ نما چراست“ کہ بھائی! یہ اتنی تعریفیں جس کی کی جا رہی ہیں یہ ہے کہاں۔ یعنی جس کو اتنے القابات دیے جا رہے تھے وہ ان کے لیے کتنی ناقابل لحاظ تھی۔

ایک بات کا آپ کو اچھی طرح علم ہے کہ جب آقائے کائنات حضرت محمد ﷺ آئے تو عرب دور جہالت میں تھا۔ اگر آپ کو تھوڑا سا یورپی اور برطانوی تاریخ کا علم ہو۔ سلہویں اور پندرہویں صدی۔ یہ یورپ کے سیاہ ادوار جانے جاتے تھے۔ پھر ان سیاہ ادوار کو دور کرنے کے لیے دو بڑی تحریکیں آئیں، تحریک اصلاح دین (Reformation) اور نشاۃ ثانیہ (Renaissance)۔ ایک کو تحریک احیائے مذہب اور دوسری کو تحریک احیائے علوم کہتے ہیں۔ دونوں تحریکیں مسلمانوں ہی کی مرہون منت تھیں۔

حضرات گرامی! جب قرطبہ میں اسی ہزار حرام تھے۔ جب وہاں ہر گلی چراغوں سے منور تھی۔ جب اس شہر کا ایک سا سندان استدلال سے زمین و آسمان کی کھوج میں مصروف تھا، اُس وقت شان الیزے (1) میں گھنے گھنے پانی کھڑا ہوتا تھا اور اعلیٰ ترین بیگمات فرانس جب زانوؤں تک اپنے لہا دے نہیں اٹھاتی تھیں، گھروں میں داخل نہیں ہو سکتی تھیں۔ یہ کلچرل قابلیت کی بات ہے۔

پھر وہ ہوا جو شاید نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ پیغمبر ﷺ جس نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے اہل اسلام تمہارا سب سے قیمتی اثاثہ علم ہے۔ تمہارا سب سے قیمتی اثاثہ اللہ ہے۔ تمہاری طاقت، تمہاری سیادت، تمہارے علم اور تمہارے خیال کا مرکز صرف اور صرف اللہ ہونا چاہیے۔ وہ رسول اللہ ﷺ جس کی علیتِ عالیہ کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنے مقصدِ تعلیم سے کبھی ایک پل کے لیے گریز نہیں کیا۔ ایک لاکھ چھتیس ہزار احادیث میں سے ایک حدیث بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعریف میں نہیں فرمائی۔ وہ اپنے مقصد سے اس طرح آگاہ تھے۔ حاکمیت پروردگار سے محبت اور تعلق سے وہ اتنے زیادہ منسوب تھے کہ اُس پیغمبرِ قدسی نے ایک حدیث بھی اپنی تعریف میں نہیں فرمائی۔ یہ عاجزی اور یہ بے غرضی دنیا کے کسی اور استاد میں

نہیں آئی جس نے کبھی کوئی بھی پیغام آگے پہنچایا ہو۔ یہ اس لیے تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ یہ جانتے تھے کہ وہ آخری استاد ہیں اور جب تک وہ ہر بات کو جزوی کیفیت میں واضح شکل میں آگے نہیں پہنچائیں گے اس قوم سے کسی نہ کسی غلطی کے ہو جانے کا امکان موجود ہے۔ یہ سبق چلتا رہا۔ آج آپ اولیاء اللہ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ آپ اسلام میں بہتر انسانوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ جب بھی عالم اسلام پر بحران آیا۔ کہیں حجتہ الاسلام محمد بن احمد الغزالی پیدا ہوئے۔ ایک استاد کے آنے سے المرابطین اور الموحدین کی تحریکیں شروع ہوئیں۔ اور اللہ کے بندے اللہ کو واپس ملنے اور دو سو سال تک اسلامی اقتدار اُندلس میں قائم رہا۔ کیا وجہ ہے کہ جب بغداد تباہی سے روشناس ہوا پھر وہ خدا کا عظیم بندہ شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی پیدا ہوا اور دوسو برس تک اسلام کو اپنی عظمت واپس لوٹا گیا۔ یہ وہی شخص ہیں جو واپس اہل اسلام کو ترجیحات کی طرف بلا تے ہیں۔ یہ اپنی ذات کے لیے نہیں بلا تے۔ جب برصغیر میں اسلام ابھی تشریح مراد زندگی تھا۔ ابھی اس کو پذیرائی نہیں مل رہی تھی۔ ابھی لوگوں میں اس کی شناسائی نہ تھی تو مرشد گرامی کے حکم سے وہ شیخ عالی مقام سیدنا علی بن عثمان جویریؒ تشریف لائے۔

صوفی کوئی نرالا نہیں ہوتا، یہ کوئی حیرت انگیز شے نہیں ہوتا۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ جو مذہب آغاز میں نماز اور روزہ سے شروع ہوا، اس کی اختصاصیت آگے بڑھتی ہے۔
یہ مذہب میں ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ سند ہے۔

صوفی وہ ہے جس کے مقاصد بہتر سے بہتر مذہب کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہ کس کو معلوم نہیں کہ اسلام نماز اور روزہ سے شروع ہوتا ہے۔ پھر کیا امت مسلمہ سے نماز اور روزہ تک ختم ہو جاتا ہے؟ کیا کسی کالج اور یونیورسٹی کے طالب علم جب اپنی ابتدائی تعلیمات کے لیے داخل ہوتے ہیں تو وہ اسی وقت ایم۔ اے کی ڈگری لے کر نکلتے ہیں؟ ہر درگاہ میں رتبہ تعلیم ہے۔ ہر درگاہ آگے بڑھتی ہے۔ ہر طالب علم میں ترقی کرنا ہے۔ مسلمانوں میں علم کی ترقی شناخت پروردگار کی طرف جاتی ہے۔ آپ اعمال سے آگے بڑھتے ہوئے خدا کے وثوق اس کی محبت اور اس کی ہمسائیگی تک پہنچتے ہیں۔ یہ وہ محبت ہے جس کی آرزو کے بغیر مسلمان مسلمان نہیں ہوتا۔ مگر آج اس بحران عالم کے زمانے میں جب ہم اپنے دلوں کو دیکھتے ہیں تو اصولی تحریکیں اتنی زیادہ ہیں۔ اعداد و شمار کا میٹرکس ہے۔ کتنی نمازوں کا کتنا ثواب ہے، کتنی نمازیں پڑھنے سے کیا ہوتا ہے۔ روزہ رکھنے سے کیا ہوتا ہے مگر کوئی استاد ایسا نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ خدا کی آرزو کے بغیر تمام اعمال بے کار محض ہیں۔ وہ اللہ جو قرآن میں یہ کہتا ہے کہ تمہاری قربانیاں نہیں۔ ان کا گوشت تو مجھ تک نہیں پہنچتا، ان کی ہڈیاں مجھ تک نہیں پہنچتیں، ان کا خون مجھ تک نہیں پہنچتا مگر وہ نیت جس سے تم ان کو قربان کرتے ہو، وہ مجھ تک پہنچتی ہے۔

زمین و آسمان میں صرف دو جواب دیہاں (Accountabilites) ہیں۔ ان دو کے علاوہ کوئی جواب دیہی (Accountabilit) نہیں۔ مذہب میں اور سیکولرازم میں صرف ایک فرق ہے کہ سیکولر شخص ان کے سامنے جواب دہ نہیں۔

Francis Bacon اور Wedlock' Holioake اس کے تین بڑے معزز فلسفی ہیں۔ Wedlock کہتا ہے کہ وہ شخص کبھی اچھا سیکولر نہیں ہو سکتا، جو اچھا Atheist نہیں اور اگر آپ اس کی لغت کے اعتبار سے دیکھیں تو مذہب کو

ہر کار عمل سے نکالنا۔ یہ سیکولر کا بنیادی مقصد ہے۔ مگر حضرات محترم! ان میں کچھ سچے بھی تھے۔ ان کے اور سوشلزم کے مقابلے میں اسلام نہیں تھا، بلکہ عیسائیت تھی۔ وہ عیسائیت جس میں عملیت کا کوئی فلسفہ نہیں۔ لہذا عیسائیت جیسے غیر سائنسی مذہب کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنی زندگی کو مذہب سے بے دخل کر دیا۔

ظاہر ہے جب زمانہ آگے بڑھا، علم و حکمت کی ترقی ہوئی، وہ علوم جو انہوں نے مسلمانوں سے سیکھے، ان میں پیش رفت ہوئی۔ سینا و فارابی کی تحقیقات آگے پہنچیں۔ رازی کے لطائف پہنچے۔ ڈیکارٹ نے لفظ بہ لفظ غزالی کو نقل کیا۔ آکسفورڈ اور کیمبرج میں دوسو برس تک اسلامی علوم نصاب کے طور پر پڑھائے گئے۔ جب ان کی اپنی عقل نے ترقی کی تو انہوں نے یہ جان لیا کہ یہ عیسائیت جو کچھ ہمیں دے رہی ہے وہ سائنسی نہیں ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ صحیح کیوں نہیں تھا۔ اس کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے خدا نے اپنا ہاتھ ان کتابوں سے اٹھالیا۔ کوئی شک نہیں کہ اپنے وقت میں یہ الہامی کتابیں تھیں۔ مگر جیسے پروردگار نے ان پر حکم لگایا کہ بات یہ نہیں کہ میرے پیغمبر غلط تھے۔ عیسیٰ کبھی غلط نہ تھے نہ موسیٰ کبھی غلط تھے مگر ان کی تعلیمات میں آمیزش کی گئی۔ ان کے فرمودات کو غلط انداز سے پیش کیا گیا۔ ایسے اعداد و شمار کا اضافہ کیا گیا، جن کی خدا ضمانت نہیں دے سکتا۔ ثم يقولون هذا من عند الله لیستمر وابہ ثمنا قليلا (۲) (البقرة: ۷۹) پھر یہ کہتے ہیں کہ یا اللہ کی طرف سے مازل شدہ کتاب ہے اور اس سے تھوڑے سے دام لے سکیں۔ جیسا ایک شاعر نے کہا۔

For twenty pence, our lords were sold.

انہوں نے اپنے پیغمبر بیچ دیے۔ یہود اسکر یوتی نے عیسیٰ کو بیچ دیا۔ موسیٰ کی قوم کا یہ عالم تھا کہ موسیٰ نے بتا رت دی کہ جاؤ، یرو ظلم فتح کرو اور آگے بڑھ جاؤ۔ انہوں نے کہا موسیٰ نادان ہو گیا ہے۔ اتنے قد آور لوگوں سے جنگ لڑا رہا ہے۔ ان کے پاس اتنا اسلحہ اتنے بڑے بڑے لوگ ہیں اور موسیٰ کی قوم نے کہا کہ ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے اور موسیٰ کو مجبوراً کہنا پڑا کہ

اعوذ باللہ ان اکون من الجھلین (۲) (البقرة: ۶۷) اے پروردگار! یہ تجھ پر توکل نہیں رکھتے۔ یہ تجھ پر ایمان نہیں رکھتے۔ میں مجبور ہوں۔ تو خداوند کریم نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ کون لوگ ہیں۔ یہ ایک دوسرے کی نقل کرنے والے ہیں۔ یہ تمام ہارورڈ میں علم سمجھتے ہیں۔ اور ہزاروں سکول پاکستان میں ایسے بھی ہیں جو پاکستان میں امریکن اور برٹش شہری تیار کرتے ہیں۔ وہ یہاں تعلیم پا ہی نہیں سکتے۔ ان کے شعور میں نہیں ہے کہ علم بغیر ان اعلیٰ ترین ماموں کے حاصل ہو سکتا ہے۔ خواتین و حضرات! یہ صرف الٹ پھیر ہے۔ ایک وقت تھا جب مارکو پولو کوئی دوسرا سیاح صرف مراکش، بغداد اور سمرقند و بخارا کو یاد کرتا تھا۔ یہ زمانے کا الٹ پھیر ہے۔ مگر کیا واقعی مسلمان اتنے متہور و مجبور ہیں؟

اب بھی یہ امیر ترین ہیں مگر چھن کیا گیا ان سے؟ آخر یہ عظمتیں اور اپنے آباؤ اجداد کی تفاسیر کیوں خاک ہوئیں۔ ابھی کوئی آدمی یا ٹھہ کے کہتا ہے۔

How long we will live the images of our forefathers?

بھی اب وہ زندہ تو نہیں رہے۔ وہ تو آپ سے بہت کم لوگ تھے۔ ان کے پاس تو کوئی اسلحہ نہیں تھا۔ ان کے پاس تو کوئی جدتیں نہیں تھیں۔

جب بہار رمنی نے کہا۔ اے سوس مارا اور گوہ کھانے والے عربو! تم وہی ہونا جو کیرے کوڑے کھا کر صحراؤں میں اپنے پیٹ پالتے ہو۔ تم اتنی عظیم الشان سلطنتوں سے آکے لکر لیتے ہو۔ سلطنتِ روما سے لکر لیتے ہو۔ تم سلطنتِ ایران کے ہخامنشی خاندان کی عظیم سلطنت سے مقابلہ کرتے ہو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے پاس کتنے ہاتھی، کتنے گھوڑے، کتنی رتھیں اور کتنے بکتر بند سپاہی ہیں۔ حضراتِ گرامی! مقابلہ تو اعداد و شمار اور حربی وسائل ہی سے ہوگا۔ اگر ایک نکلے بدن کو بکتر بند سے لڑا دو تو حساب تو وہی پڑ جائے گا جو آج کا ہے۔ تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا۔ تو درست کہتا ہے۔ ہم ایسے ہی تھے۔ ہم اب بھی تم سے کمزور ہیں، مگر ہم میں پھر ایک پیغمبر ﷺ تشریف لائے۔ انہوں نے ہمیں زندگی بسر کرنے کا طریقہ بتایا۔ انہوں نے ہمیں خدا کی اعانت طلب کرنے کا طریقہ سکھایا۔ انہوں نے ہمارے دلوں سے خوف و خطر نکال دیا۔ انہوں نے ہمارے اعصاب کو تقویت بخشی اور اب ہم تمہاری عظمتوں سے نہیں، صرف اللہ سے ڈرتے ہیں۔

حضراتِ گرامی! کہا جاتا ہے کہ اب اتنے بڑے بحران میں عالم اسلام میں پھر کوئی ولی کیوں نہیں جاگتا۔ کیوں نہیں کوئی بندہ خدا پیدا ہوتا۔ کیوں نہیں دل عظمتوں سے آشنا ہوتے۔ کیوں نہیں محبتِ خدا کی رَمق ان کے دلوں میں پیدا ہوتی؟

بڑی سیدھی سی بات ہے کہ ہم میں سے کسی کو خدا کے وصال کی امید نہیں ہے۔ ہمیں بتانے والوں نے سلسلہٴ مراتب (Hierarchy) اتنا بڑا کر دیا۔ اسلام چرچ کا شکار ہو گیا۔ ان پڑھ مولوی کا شکار ہو گیا۔ وہ مولوی جو خود کبھی میٹرک نہیں کر سکتا تھا، وہ قرآن حفظ کر کے آپ جیسے ٹیکنیشنز، سپیشلسٹ اور دانشوروں کا امام بن گیا۔ آپ کی ساری کی ساری مذہبی تربیت اور ٹریننگ خوف و وحشت کا شکار ہو گئی۔ بڑی دیر کی بات ہے۔ چندر گپت موریا کا زمانہ تھا اور وہ ایک چنڈال (1) عورت کا بیٹا تھا، اسی لیے موریا خاندان اس کی ماں کے نام سے پڑا۔ وہ ایک معمولی طبقہ کی عورت تھی۔ اس کا وزیر پنڈت چانکیہ بہت سیانا تھا۔ فلسفہٴ تاریخ کا ماہر تھا اور اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر چندر گپت Survivalist نہ ہوتا تو چانکیہ نے اتنا بہترین نظام جاسوسی اختیار کیا کہ تمام افواج کے اوپر اُس نے اپنے جاسوس لگائے ہوئے تھے تاکہ کوئی شخص بغاوت کی بوند لے سکے۔ اور چندر گپت اتنا سیانا تھا کہ اُس نے پنڈت چانکیہ پر جاسوس بٹھار کھے تھے کہ یہ اتنا شاطر ہے کہ کہیں میرا تختہ ہی نہ الٹ دے۔ تو اُس وقت ایک برہمن کی جنگ کھشتری عورت سے ہو رہی تھی۔ برہمن کو پتہ تھا کہ کھشتری یہ سے جسمانی طور پر جنگ نہیں جیت سکتا۔ میں اس راجپوت شہزادے کے خلاف لڑ نہیں سکتا۔ اس کی مقتدر حیثیت کم ہو رہی تھی۔ تو اس نے تین طریقے ڈھونڈے۔ ایک خوف کا ایک لالچ کا اور ایک مندر کا۔ آپ اگر اب بھی جا کر دیکھ لو ہولناک مندر چھوٹے چھوٹے خانے بارہ بارہ زبانوں والی دیویاں، ڈرگا، کالی، سرسوتی، گھنٹام۔ بدشکل کہ آدمی جاتے ہی ان میں خوف کا شکار ہو جائے۔ اور پھر انہوں نے جنگ جیتنے کے لیے دیوداسیاں تخلیق کیں۔ اس معاملے میں فوجی بیچارے کمزور ہوتے ہیں۔ حسن و جمال کی تحریک بڑھی۔ جدھر دیکھا تھوڑا سا حسن و جمال اور تن و باطن خاکستر ہو گئے۔ ادھر انہوں نے رقص و سرور شروع کیا اور وہ سادہ دل راجپوت سپاہی جو میدانِ جنگ میں شکست نہ کھا سکا، مندروں میں دیوداسیوں کے دامِ تزویر میں الجھ گیا۔

اگر آپ غور کرو تو یہ خوف ہمارے ساتھ آئے۔ آج اگر پاکستان میں بھی کسی مسلمان سے اس کے ایمان کے بارے میں پوچھو تو سوائے ایک ایمان کے کہ اللہ ایک ہے ہمارا کوئی اسلامی ایمان سلامت نہیں رہا۔ ہزار برس کی ہندو نہ کشکش اب دوستی میں تبدیل ہو رہی ہے۔ آج دوستی کے پیغام تو جا رہے ہیں مگر دوستی کس چیز کی۔ ٹھیک ہے مملکتوں کی آپس میں صلح ہوتی ہے۔ آپ ہمیں نہ چھیڑو ہم آپ کو نہیں چھیڑتے۔ چھیڑو گے تو قیامت آ جائے گی۔ مگر مسلمان اور ہندو کس طرح ایک ہو سکتا ہے۔ بنیادی کمنٹ پر ایک دوسرے کو کس طرح برداشت کر سکتا ہے۔ مسلمان ہندو کو برداشت کر سکتا ہے اس لیے کہ آپ کو پروردگار نے فرمایا ہے۔ یہ قرآن کا فرمان ہے کہ لا اکواہ فی الدین (۲) (البقرہ: ۲۵۶) دین میں جبر نہیں ہے۔ اگر لوگ اپنے اپنے دین پہ قائم ہیں تو تم ان کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش نہ کرو۔ تمہیں یہ اجازت نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ سوچ اور غور و فکر کا مسئلہ ہے۔ کون ہمیں چاہتا ہے۔ ہم نے تو انسان کو عقل اس لیے دی ہے۔ پروردگار عالم فرماتے ہیں کہ ہم اگر چاہتے تو ہمیں اپنی عزت و عظمت کی قسم ہے کہ دنیا میں کوئی غیر مسلم نہ ہوتا، کوئی کافر نہ ہوتا۔ مگر ہم یہ نہیں چاہتے ہیں۔ ہم تو فرشتوں کی عبادت سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ ہم تو یہ چاہتے تھے کہ ہم ایسی مخلوق پیدا کرتے جس کو عملی طور پر کارفرما حقیقت دیتے۔ مصنوعی ذہانت دیتے اور اس ذہانت سے پھر وہ فیصلہ کرنا کہ ہم نے خدا کو ماننا ہے کہ نہیں۔ ہم تو Choices دینا چاہتے تھے۔ ہم نے تو زمینوں اور آسمانوں کو بھی کہا تھا کہ ہم نے تم میں کچھ احکام ڈال دیے ہیں۔ چاہو تو آؤ چاہو تو انکار کرو۔ ہمیں کوئی پروا نہیں۔ فان اللہ غنی عن العلمین (۳) (آل عمران: ۹۷) اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔ پھر کیا ضرورت پڑ گئی۔ ضرورت ایک پڑ گئی۔ یحسرة علی العباد (۳۶) (نبین: ۳۰) اے لوگو! مجھے حسرت ہے میں نے تمہیں عقل دی معرفت دی غور و فکر دی دانش دی اور یہ چاہا کہ کاش کہ تم مجھے جان لو۔ میں جو مہربان اور کریم رب ہوں۔ میں نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے کتاب حکیم میں لوح محفوظ میں یہ لکھا اور مجھے قسم ہے اپنی عزت کی کہ میں نے تمہیں معاہدہ لکھ کے دیا کہ کسی انسان پہ جبر نہیں کروں گا۔ کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ (۳) (الانعام: ۵۴) تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔

کیا نسل انسان میں جانور ہو سکتے ہیں۔ کیا کوئی ایسی رحمت پروردگار بھی ہے جس میں جانور بھی شامل ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اللہ نے خالی کنٹریکٹ نہیں دیا بلکہ میں نے اسی رحمت کے وجود کو زمین میں تمہارے لیے متشکل کر دیا اور میں نے محمد ﷺ کو اس طرح بھیجا کہ اگر میں الحمد للہ رب العالمین ہوں تو میرا پیغمبر و ماسدک الا رحمة للعالمین (۲۱) (الانبیاء: ۱۰۷) ہے۔ یرب العالمین اور رحمت اللعالمین کے موازنے میں جہنم کہاں سے آ سکتی ہے۔ مگر یہ کہ آپ اس اتھارٹی کا ہی انکار کر دو جس نے کچھ عطا کرنا ہے۔ ایک ہندو جو مر کے اپنی قبر تک پہنچے اور فرشتہ مرگ اس سے پوچھے کہ کس سلسلے میں آئے ہو۔ دنیا گزارا آئے ہو کس سے صلہ مانگتے ہو؟ وشنو شیوا، ڈرگا، کالی، سرسوتی، اندرا۔ کس سے مانگتے ہو؟ کم از کم مالک کا تو پتہ ہونا چاہیے۔ جس نے عطا کرنا ہے اس کی تو خبر ہونی چاہیے۔ اور خداوند کریم کہتا ہے کہ بھی تم نے تو مجھے پکارا ہی نہیں۔ تم نے تو مجھ سے کچھ چاہا ہی نہیں۔ تمہیں تو میرا پتہ ہی نہیں۔ مجھ سے بخشش کیا ڈھونڈتے ہو۔ میں نے تمہیں ان پہ چھوڑ دیا۔ جن سے تم بخشش مانگتے ہو۔ اس میں کوئی بے انصافی اور زیادتی تو نہیں۔

زمین و آسمان میں یہ کفر و اسلام کی تفریق ایک جواب دہی (Accountability) پہ ہے وہ جواب دہی جو مسلمان اور دوسرے تمام مذاہب اور اقوام میں مختلف ہے۔ ایک جواب دہی ذات کی ہے۔ ذات (Self) میں وطن ہے۔ ذات میں حب الوطنی آتی ہے۔ ذات میں آپ کی روایات آتی ہیں۔ ذات میں آپ کے سچے ہیں۔ بیویاں ہیں۔ اسباب زندگی ہیں اور تمام دنیا میں مسلمان کے علاوہ تمام لوگ اپنی ذات کے روبرو جوابدہ ہیں۔

ذات اگر امریکہ میں جا کے خوش ہے اگر برطانیہ میں خوش ہے اور سعودی عرب جا کر خوش ہے تو آپ لوگ اسی کی پیروی کرتے ہو لیکن ایک مسلمان جواب دہی کا ایک بالکل ہی الگ احساس رکھتا ہے۔

اس پورے خطہ ارض و سماء میں صرف اور صرف مسلمان ہی اللہ کی بارگاہ میں جوابدہ ہے۔

جب طارق نے اندلس کے کنارے اپنے سفینے کو آگ لگائی تو اُس کے اصحاب نے اُسے میٹرکس یاد کروائے۔ شکست ہو سکتی ہے کیونکہ دشمن لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی فوج لے کے آیا ہے۔ تو کہاں پھنسا ہوا ہے۔ تیرے ساتھ تو صرف بارہ ہزار فوجی ہیں۔ تم کہاں جاؤ گے اور پھر بڑے خوبصورت انداز میں اقبال نے کہا:

ع طارق چو بر کنارہ اندلس سفینہ سوخت

جب طارق نے اندلس کے ساحل پہ اپنے جہازوں کو آگ لگا دی تو:

ع گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطاست

وہ بہت حساب کتاب والے تھے جنہوں نے بہت سارے اکاؤنٹس جمع کر رکھے تھے۔ انہوں نے کہا طارق غلط کیا تو نے۔ عقل کے نزدیک یہ بات غلط ہے۔

ع ترک سب ز روئے شریعت کجا رواست

شریعت کی رو سے اسباب ترک کرنا جائز تو نہیں ہے۔ یہ ایک اور اعلیٰ قسم ہے جو شریعت کے بھی اسباب بتاتی

ہے۔

تو طارق نے بڑا مشہور جواب دیا۔

ع خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت

اپنا ہاتھ اپنی تلوار کے قبضے تک لے گیا اور کہا:

ع ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

ہر ملک میرا ملک ہے۔ یہ سن رکھو کہ یہ میرے خدا کا ملک ہے۔

اور حضرات گرامی! پاکستان خدا کا ملک ہے اور خدا کے بندوں کا ملک ہے۔ مسلمانوں کا ملک ہے۔ اس کی زمین سے محبت کرو۔ اس عطیہ خداوند سے کیوں نہ محبت کروں جو اللہ نے تمہاری چیخ و پکار سنی۔ پیغمبرانِ قدس کی معرفت سے دو چیزیں ہندوستان کے مسلمانوں میں باقی مسلمانوں سے زیادہ تھیں اور یہ وہ چیزیں ہیں جو پاکستان کے مسلمانوں میں اب ساری دنیا کے مسلمانوں سے زیادہ ہیں۔ ایمان کی صرف دو بنیادیں ہیں۔ حضور گرامی ﷺ نے فرمایا! اُس نے ایمان چکھ لیا جس نے اللہ کی وجہ سے دوستی کی اور اللہ کی وجہ سے دشمنی کی۔ اگر تمہارے معیارِ محبت یہ ہو جائیں۔ اور دوسری

بات حضور گرامی ﷺ مرتبت نے فرمائی کہ ایمان اس نے چکھا کہ جس کے لیے میں اس کی اولاد اس کی زندگی اس کے مراتب اس کے مناصب ہر چیز سے زیادہ عزیز ہو گیا ہوں۔ ایک اللہ اور دوسری محبت رسول ﷺ۔ یہ دو چیزیں ایمان کی حلاوت ہیں۔

سیدنا عمرؓ بن خطاب آقا ﷺ کے حضور حاضر تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا! اے عمرؓ! تمہیں مجھ سے کتنا انس ہے۔ فرمایا! یا رسول ﷺ اپنی نفس جان سے کم آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ فرمایا عمرؓ ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔ امیر المؤمنین عمر بن خطابؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ! آج کے بعد آپ ﷺ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

حضرات گرامی! آپ جن کو بدو سمجھتے تھے ان کا ظرف دیکھیے۔ انہوں نے پیغام کو کس طرح سمجھا۔ آپ کیسے سمجھتے ہیں۔ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پوچھا یا رسول اللہ ﷺ قیامت میں حساب کون لے گا۔ فرمایا اللہ خود۔ ہنسا اور انس کے چل دیا۔ حضور ﷺ نے کہا بلاؤ اسے۔ یہ کونسی ہنسنے کی بات ہے۔ اس کو واپس لائے۔ بھئی تو ہنسا کیوں ہے؟ یہ تو ڈرنے کی بات ہے۔ تو بدو نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے دیکھا ہے کہ جب زندگی میں کوئی عالی ظرف حساب لیتا ہے تو بڑا آسان لیتا ہے۔ پھر اللہ سے بڑا عالی ظرف کون ہے جو قیامت میں حساب لے گا۔ میں اس بات سے خوش ہوا ہوں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا دیکھو! اس بدو کا ایمان تم پر بازی لے گیا ہے۔ کیا اچھی بات اس نے اللہ کے بارے میں کہی ہے کہ وہ عالی ظرف جب حساب لے گا تو تم اپنے گناہوں کو شمار کرو گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب میزان لگے گا اور اس میزان میں ایک طرف مسلمانوں کے گناہ رکھے جائیں گے تو میزان زمین سے لگ جائے گا۔ پھر اللہ فرمائے گا۔ ایک کھڑا لاؤ۔ ایک کاغذ کا کھڑا۔ اس پر ایک جملہ لکھا ہوا ہوگا اور وہ کھڑا اس اونچے پلڑے پر رکھا جائے گا اور وہ اونچا پلڑا زمین سے لگ جائے گا اور نیچے والا آسمان سے جا لگے گا۔ اس پلڑے میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہوگا۔

مگر حضرات گرامی! یہ کوئی آسان کلمہ ہے جس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا وہ جدوجہد میں پڑ گیا۔ اس پر اللہ کی پہچان لازم ہوگئی اور کلمہ کیا کہتا ہے کہ اس کا انکار کر جو اللہ نہیں ہے اس کا اقرار کر جو خدا ہے۔ پہلے وہ تو دیکھ جو تیرے دل میں ہے۔ وہ بت نازو کبریائی۔ خداوند کریم نے کہا۔ زمین للناس حب الشهوات من النساء والبنین والقناطر المقنطرة من الذهب والفضة والحیل المسومة والانعام والحراث ذلک متاع الحیوة الدنیا (۳ آل عمران: ۱۴) لوگوں کی خواہشات نفس سے محبت عورتوں سے محبت بیٹوں سے محبت سونے اور چاندی کے خزانوں سے محبت عمدہ قسم کے گھوڑوں، مویشیوں سے محبت اور بھتیگی سے محبت بڑی مزین کی گئی ہے۔ یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے۔ یہ سب چھوٹے چھوٹے خدا ہیں۔ اب ہبل اور لات و عزی آپ کے سامنے نہیں آئیں گے۔ اب پتھر کے دیوتا نہیں آئیں گے۔ اس لیے کہ تم بخوبی واقف ہو کہ وہ خدا نہیں ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا! میری امت میں ہمیشہ کے لیے اب شیطان اپنی عبادت سے مایوس ہو گیا۔ میری امت کے لوگ اب شیطان کو نہیں پوچھیں گے۔ اب پتھروں کے بت نہیں پوچھیں گے۔ اب یہ بت ذرا بدل گئے ہیں۔ یہ نوکریوں

کی غلامی میں چلے گئے ہیں۔ یہ خوشامدوں میں چلے گئے ہیں۔ بیازوا میں چلے گئے ہیں۔ یہ خواتین کی غلامیوں میں چلے گئے ہیں۔ اب وہ حساب نہیں رہا۔ اب ان کے اپنے اپنے انداز شعور ہیں۔ اب جدید ترین سیکولر ترغیبات کے اندر چلے گئے ہیں۔ فرانس بیکس پر ستر ہزار پاؤنڈ کے غبن کا کیس چلا۔ وہ بڑا مذہبی آدمی تھا۔ اُس کے پاس جا کر کسی نے پوچھا کہ یار! یہ کیا۔ ایک طرف تو تواترِ عالم اور ایک طرف ستر ہزار پاؤنڈ کا غبن تو اُس نے کہا کہ ”مذہب ایک نجی مسئلہ ہے۔“

حضراتِ گرامی! مذہب ایک ذاتی مسئلہ نہیں ہے۔ باوجود دوسری وجوہ کے جب کوئی بھی چھوٹی چھوٹی وجوہ اس مملکت کے کام نہ آئیں۔ ملازمتیں آگے رکھ کے آپ جدوجہد نہیں کر سکتے۔ مائی بجران آگے رکھ کے آپ جدوجہد نہیں کر سکتے تو پھر خدا نے القائے ربانی فرمایا اور آپ کے دل میں یہ آئی کہ یہ ملک ہم اللہ کے نام پر لیں گے۔ پھر آپ نے اپنا نعرہ بلند کیا۔ پھر اللہ نے اُس کو پذیرائی بخشی اور یہ خدا کی پذیرائی تھی کہ لوگ قائدِ اعظم کے ساتھ ہوئے۔ قوم چاہتی تھی کہ ہم ہندو سے جدا ہوں۔ قوم چاہتی تھی کہ مذہب کے لیے خدا کی پرستش کے لیے آزادی نصیب ہو۔ اور لیڈر کیا چاہتے تھے۔ تمام مذہبی علماء اس لیڈر کی مخالفت کر رہے تھے۔ نیشنلسٹ تھے، احراری (1) تھے، دیوبندی نیشنلسٹ تھے، تمام نیشنلسٹ علماء تھے، ایک صاحب بولے کہ ملتیں اوطان (2) سے منتی ہیں، دین سے نہیں منتی۔ ایک صاحب بولے کہ شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے جرم میں شریک نہیں ہیں۔ یہی لوگ پاکستان کے مخالف تھے۔ نیشنلسٹ تھے اور وہ تنہا۔ وہ واحد شخص جس کے رسم و رواج میں شاید اسلام نظر نہیں آتا تھا مگر اس کی کٹ منٹ کیا تھی۔ کسی نے کہا قائدِ اعظم اتنی محنت اتنا زور و جبر۔ اب تم بیمار ہو پھر کیوں اتنی محنت کرتے ہو۔ جواب ملاحظہ ہو۔ دیکھئے کہ اُس نے کہا کہ بس اس لیے کہ جب خدا کے حضور میں یہ ملک لے کے جاؤں تو اللہ مجھے کہے: Well done! Mr. Muhammad Ali Jinnah! well done.

جواب دیکھیے۔ وہ تب بھی انگریز تھا۔ اللہ کے سامنے بھی انگریزی بولے گا کہ Oh my God میں نے مشن سکول سے پڑھا ہی یہ ہے:

I brought you my people and brought you Pakistan.

اور وہ توقع کرنا تھا کہ خدا کہے Well done, Mr. Jinnah! مگر حضراتِ گرامی! امتِ مسلمہ سے یہ کٹ منٹ کھو گئی۔

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا

سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے، وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

سلطانِ آلپ ارسلان خا سے کے چار ہزار ترک فوجی لے کر شکار گاہ میں گیا ہوا تھا۔

روم کا بادشاہ عمانوس (3) بھی آ گیا۔

وہ اپنے آگے جس لشکر کو لے کر چل رہا تھا۔ موزخ یہ لکھتے ہیں کہ بیس ہزار آدمی صرف Clearance کے لیے

آگے آگے چل رہے تھے۔ سلطان نے دیکھا کہ میں بڑی کمزور حالت میں ہوں تو اس نے صلح کا پیغام بھجوایا۔

اُس نے کہا کہ چلو صلح کر لیں تو جواب آیا کہ صلح کی بات چیت اب تمہارے پایہ تخت میں ہو سکتی ہے۔

یہ سن کر سلطان الپ ارسلان نے قسم کھائی۔ اور کہا میں پیچھے سے مدد لینے نہیں جاؤں گا۔ نہ پیچھے ہٹوں گا۔ اس فتح کے بارے میں عرب مؤرخ لکھتا ہے کہ اس فتح کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ جب چار ہزار سپاہیوں نے ڈیرہ لاکھ کے رومن لشکر کو کاٹ کے رکھ دیا۔ بادشاہ گرفتار ہوا۔ تو اس سے پوچھا تیرے ساتھ کیا کروں؟ تو اس نے کہا ”دیکھو تمہیں پورا اختیار حاصل ہے۔ مجھے کوئی گلہ نہ ہوگا اگر تو میری گردن اتار دے۔ اگر تاوان لے تو بھی تیرا حق ہے۔ معاف کر دے تو بڑی بات ہے۔“ تو بادشاہ نے کہا ”میں نے تجھے معاف کیا۔“ وہ تین مرتبہ جھکا۔ خلیفہ کو سلام کیا اور کہا ”میں نے زندگی بھر تم سے بڑا بادشاہ نہیں دیکھا۔“

یہ مسلمانوں کے لیے کوئی نرالی چیزیں تو نہیں ہیں۔ یہ کوئی قصہ کہانیاں تو نہیں تھیں۔ یہ بندے تھے یہ جادوگر تو نہیں تھے۔ انسان تھے ہمارے اور آپ جیسے۔ ان میں کمزوریاں بھی تھیں۔ یہ کوئی کامل لوگ تو نہیں تھے۔ ہم کوئی اتنے گئے گزرے بھی تو نہیں۔ اللہ نے ہمیں بھی تو اسی عقل سے نوازا ہے۔ جس عقل کی خاطر اس نے دنیا اور کائنات تخلیق کی۔ جس کی خاطر اس نے اپنی آگہی چاہی۔

پانچ وقت کی نماز کیا بوجھ بن گئی ہے۔ یورپی معاشرتی سسٹم میں آپ چلے جاؤ تو ان کے قوانین کی پابندی میں سارا سارا دن ایک ٹانگ پر کھڑا ہونا قبول ہے۔ مگر رب کائنات کے حضور پانچ وقت کی نماز بوجھ بن جاتی ہے۔ یہ صرف عملی اسلام ہے جو آپ کی روزمرہ زندگی میں مداخلت کرتا ہے۔ اور پانچ وقت کی نماز ہم خدا کے لیے نہیں پڑھ سکتے۔

آپ سے نماز اس لیے چھوٹی ہے کہ آپ کو اللہ سے انس ہی نہیں ہے محبت ہی نہیں ہے۔ ایک جاہل کو اپنے اوپر آپ نے مسلط کیا ہوا ہے۔ آپ کی اللہ کو کوئی جواہد ہی نہیں ہے۔ یہ تو ایک ہندو نہ رسم و رواج ہے۔ وہ تو اندرا کا مشکل ہے۔ وہ تو آپ کا دوست ہے ہی نہیں اللہ تو ولی نہیں ہے آپ کا۔ اور کیا بات ہے اس ولی کی کہ جب کفر سے جنگ ہو۔ کسی مسلمان نے آپ کو یہ بات کہی؟ جو اللہ نے آپ کو کہی۔ کاش کہ کوئی کہتا اور آپ بھی دیکھتے پھر اللہ اس کی کیسے مدد کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ جاؤ اہل کفر سے کہہ دو۔ تمہارے پیچھے تو پگولے ہی ہیں ما۔ ٹینک ہی ہیں ما۔ جاؤ ان سے کہہ دو۔ لا مولیٰ لہم (۲۷: محمد) (۱۱: محمد) تمہارے پیچھے اللہ تو نہیں ہے اور پھر اللہ کون ہے؟ تین سو برس کی مستحکم حکومت کو تباہ کرنے کے لیے ایک آدمی بھیج رہا ہے۔ اور موسیٰ نے کہا! اے اللہ میاں! مجھے مروائے گا؟ ان کا میں نے قتل کیا ہوا ہے۔ فرمایا! لاتخف (۲۸: القصص) (۳۱: محمد) اے موسیٰ یا راتجھے پتہ نہیں میں تیرے ساتھ ہوں۔ تو کیوں ڈرتا ہے۔ موسیٰ بندے تھے ما۔ کہا اللہ میں اکیلے نہیں جاسکتا۔ یہ اتنی بڑی ایماڑ ہے۔ جدید ترین فوجیں کھڑی ہیں۔ فراعنہ مصر ساری دنیا کے فاتحین عالم ہیں۔ آپ مجھے کہاں مرواؤ گے؟ فرمایا! نہیں میں تیرے ساتھ ہوں۔ پھر یہ کوئی فرضی بات نہیں۔ یہ کوئی مفروضے تو نہیں ہیں۔ پھر تاریخ عالم نے یہ دیکھا کہ فراعنہ مصر کی وہ شان و شوکت اور تمدن دریا ئے نیل کی نذر رہا اور موسیٰ فاتح عالم ٹھہرے۔

اللہ کہتا ہے کہ میں غریب قوموں کو نہیں مارتا۔ میں تو اس وقت قوموں کو جکڑتا ہوں جب ان میں تین چار صفات پیدا ہو جائیں۔ اس نے کہا کہ دیکھو فراعنہ مصر کو میں نے اس لیے ذلیل کرنا چاہا کہ یہ اپنے اسباب پہ متکبر

ہیں۔ فرمایا یہ میرا اصول ہے۔ وکم اهلکنا من قریة بطرت معیشتہا (۲۸) (التقصص: ۵۸) میں قوموں کو اس وقت جکڑتا ہوں جب وہ اپنی معیشت پر اتراتی ہیں۔ کثرت مال، تمرد اور عروج۔

رب کعبہ کی قسم۔ اصول خداوند تو نہیں بدلتا۔ نہ اللہ کا کلام بدلتا ہے نہ طریقہ کار بدلتا ہے۔ ہم کچھ بھی نہ کریں۔ اگر ہم بھی دجال عصر کے مرید ہو جائیں۔ ہم بھی ان بد بختان ازل کے لیے سیکولر ہو جائیں تو اللہ کو ہماری کوئی پروا نہیں۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جب زمانہ آخر ہو، خدا کے دوستوں کی عزت و حرمت کے افسانے بلند ہوں، جب دشمنان عصر کے سر نیچے ہوں تو ہم کہیں خدا کی لائٹوں میں کھڑے ہوں۔ دقت یہ ہے کہ ہم یہ احساس کریں کہ ہم جو اب دہی میں کدھر ہیں؟ ہم جو اب دہی میں سیکولر ہیں، ہم جو اب دہی میں سوشلسٹ ہیں، ہم جو اب دہی میں ڈیموکریٹس ہیں یا ہم اپنی جو اب دہی میں خدا کی طرف ہیں؟ مملکت اسلامیہ کا صرف یہی بحران ہے۔ خدا آپ سے ناراض ہے، راضی نہیں ہے۔ لوگ غلط کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے راضی ہے۔ اگر اللہ ہم سے راضی ہوں تو یہ زمین برکت والی ہو جائے۔ ہم نے خدا کے تصور کو دھندلا دیا ہے۔ مولوی کا خدا تو علی بابا کی طرح لگتا ہے۔ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پہ روٹھتا ہے، ناراض ہوتا ہے۔ وہ تو کائنات کا رب ہی نہیں لگتا۔

Carl Segan نے اپنی کتاب Demon - Haunted World میں مذہب پر تنقید کی ہے۔ اہل اسلام

آپ ذرا غور کرنا کہ وہ اتنا بڑا دانشور ہے کہ دنیا میں کاسالوجی، دانشوری، علم اور حکمت پر اتھارٹی ہے، مگر یورپی جابلوں کی طرز فکر پر ذرا غور کرنا۔ واقعہ یہ لکھتا ہے کہ Islam is also against sciences.

وجہ کیا بیان کرتا ہے کہ نجدیوں (وہابیوں) کے شیخ عبدالعزیز نے جو شیخ الحرمین شریفین تھے اپنے ایک فتوے میں یہ لکھا کہ زمین چینی ہے اور بطلیموس نے اسے چینی کہا ہے۔ اور جو زمین کو گول کہے گا وہ خارج از اسلام اور کافر ہے۔ حضرات گرامی! مولوی کا بھی معیار دیکھ لیں کہ خادم الحرمین شریفین نے یہ فتویٰ دیا اور اس کے بعد اس عالم کا بھی فتویٰ دیکھو جو یورپ میں ہے کہ اس نے ایک مولوی کی حماقت کو ایمان اور اسلام قرار دیا۔ آپ دیکھو! کہ آپ کہاں مار کھاتے ہو۔ تو ان جابلوں کی وجہ سے اسلام بدنام ہو رہا ہے۔ اور اب آپ کو اسلام کی کاسالوجی کی ایک آدھ جھلک دکھاؤں۔ دیکھنا بھلا کہ اسلام کی کاسالوجی کیا ہے اور جدید مغرب کی کیا ہے۔ جب بطلیموس یہ کہہ رہا تھا کہ زمین ساکت ہے اور تمام چاند ستارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ تین ہزار سال قبل مسیح کی بات ہے۔ اس کے بعد 1542ء میں کوپرنیکس آیا تو اس نے کہا کہ بطلیموس غلط تھا۔

اس کے ساتھ گلیلیو پلانا اور دونوں نے فیصلہ کیا کہ سورج کھڑا ہے اور باقی چاند ستارے اس کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ حضرات گرامی! بیچ میں قرآن آ گیا۔ یعنی بطلیموس کے بعد اور کوپرنیکس سے پہلے تو نہ استدلال، نہ کوئی دور بین، نہ کوئی ٹیلی سکوپ۔ اللہ میاں نہ اس کی مان رہے تھے نہ اس کی مان رہے تھے۔ فرمایا! وسخر الشمس والقمر ذکل یجری الی اجل مسمی (۳۱) (لقمان: ۲۹) زمین و آسمان میں یہ چاند سورج، ستارے ہم نے مسخر کر دیئے اور کائنات میں ایک اصول ہے کہ ہر چیز چل رہی ہے۔ قرآن میں اللہ تو یہ کہہ رہا تھا اور شیخ عبدالعزیز وہ فتویٰ دے رہے تھے۔ اب آپ انصاف کیجیے کہ اگر آپ قرآن کو عبدالعزیز کی نگاہ سے پڑھیں گے تو آپ کا کیا حال ہوگا اور Carl Segan کی

حماقت دیکھئے کہ بجائے قرآن پڑھنے کے وہ ایک کم علم مسلمان کے دیئے ہوئے فتوے پہ پوری اسلامی تفسیم کو بنیاد بنا رہا ہے۔ خدا اس لیے نہیں ملتا کہ آپ خدا کو اہمیت ہی نہیں دیتے ہو۔ ڈراور خوف ایک اجنبی کی طرح آپ کے دروازوں پہ دستک دیتا رہتا ہے۔ آپ توجہ ہی نہیں دیتے ہو۔ آپ کے لیے اور چیزیں بڑی اہم ہیں۔

آپ صرف اپنے مقاصد میں مصروف ہو۔ ہلکی پھلکی تر قیاں بڑی ضروری ہیں۔ آپ کو کیا پتہ اللہ آپ سے کیا چاہتا ہے؟ وہ تو اب بھی آپ کا انتظار کر رہا ہے کہ امت مسلمہ کے لوگ یہ میرے محمد ﷺ کے ماننے والے کب میری طرف پلٹیں گے۔ کب میں ان کو عزت اور شرف کے مقامات بخشوں گا۔

اور ایک بات اچھی طرح سن لیجیے۔ آپ اپنا مستقبل دیکھ لیجیے۔ اُس کے مطابق تیاری کیجیے۔ ورنہ منانے کو تو وہ کسی کو بھی منا سکتا ہے۔ فراعزہ مصر کو منادیا، نمرود کو منادیا، شدار کو منادیا۔ بش اور بلیر کو خا کستر کر دے گا۔ وہ کسی کو بھی منا سکتا ہے۔ جیسے میں نے آپ سے کہا:

There is only one nation in Islam which is ready for return. It can get back to natural religion and natural understanding. They can go back.

یہ ملک اللہ کے لیے بنا تھا۔ یہ ملک اللہ ہی کو واپس جانا ہے۔ چاہے دنیا جو مرضی کر لے اور اس ملک نے اللہ کو جانا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ جو اللہ کی مرضی کو سمجھیں گے جو اللہ کو جانیں گے اور اللہ کی دوستی طلب کریں گے۔ خدا کا وعدہ ان پہ آئے گا ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (۳) (ال عمران: ۱۳۹) اور سستی نہ کرنا اور نہ ہی غم کرنا۔ تم ہی غالب ہو اگر تم ایمان والے ہو۔ اگر آپ اللہ کو جانتے مانتے ہیں۔ آپ کی جواب دہی کا مرکز اگر پروردگار عالم ہے تو رب کعبہ کی قسم ہے کہ آپ ہی غالب ہو۔ چاہے زمانہ کہیں سے کہیں کیوں نہ چلا جائے۔ کروڑوں اور لاکھوں میزائل ڈیفنس سسٹم کیوں نہ بن جائیں۔ فتح جو ہے اُس کی ہے جو خدا کے ساتھ ہے کیونکہ فتح اور شکست صرف اللہ ہی دینے والا ہے۔

پاکستان کی اسلام سے دُوری

سوال: یہ بات کافی روشن ہے کہ ہم نے یہ ملک خدا کے نام پر حاصل کیا تھا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور یہ ایک انسانی جبلت ہے کہ ہر چیز فطرت کی طرف لوٹ کر جاتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ ہمارا ملک فطرت کی طرف نہیں لوٹ رہا؟ کیا اس کی وجہ غیر فطری عمل سے گزرا ہے؟ اگر گزر رہے ہیں تو غیر فطری کاموں کا موجب کیا ہے؟

جواب: ماشاء اللہ آپ نے بڑا خوبصورت سوال کیا اور خود ہی بڑا مناسب جواب بھی دے دیا۔

بات یہ ہے کہ جب سے پاکستان بنا قوم پرست افراد جو اس میں شریک ہوئے اُن کی اپنی غرض و غایت تھیں۔ قائد اعظم فرمایا کرتے تھے کہ میری جیب میں ڈیڑھ مکہ خالص ہے۔ ایک کھرا اور ایک آدھا کھرا۔ ایک محمد علی جوہر اور دوسرے نواب بہادر یار جنگ۔ قائد اعظم کی بطور قائد اپنی رائے تھی کہ میرے ساتھ بہت سے لوگ مخلص نہیں ہیں۔

انگریز بہت دور کی سوچتے تھے وہ جاتے ہوئے اپنی بہت سی میراث بھی چھوڑ گئے اُن کی ہمدردیاں ہندوؤں کے ساتھ تھیں۔ وہ کسی ایسے ملک کے خوف میں مبتلا تھے جہاں اسلامی نظام حیات کو رائج کیا جائے اور وہ پھر ہمارے خلاف کھڑا ہو جائے۔ یہ سوچ کر انہوں نے بہت احتیاط کی کہ مسلمان اپنے مرکزی تصور کو نہ پلٹیں اور بہت ساری مذہبی تنظیمیں بھی اس میں شامل کر دیں۔ اگر آپ غور کریں تو مسلمان کا تشخص کہیں نہیں ہے۔ طبقہ ہائے فکر کے تشخص ہر جگہ موجود ہیں۔ اگر میری زندگی میں کوئی ایسا لمحہ آئے کہ میں اپنی قبر تک پہنچنا چاہوں تو میں تو قسمیہ کہہ سکتا ہوں کہ میں سوائے مسلمان ہونے کے کسی اور تصور سے نہیں پہنچنا چاہتا۔ مگر بڑی فراست کے ساتھ انگریز نے چھوٹے چھوٹے طبقہ ہائے فکر امت مسلمہ میں داخل کر دیئے تاکہ ان کی دینی قوت ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہے اور یوں آپس میں اختلافات کا شکار رہیں۔ اللہ کے دین کی طرف ان میں فطرت پسندی (Naturalness) کبھی نہ آئے مگر اس کا ایک عجیب و غریب نتیجہ نکلا کہ اگر آپ تمام مذہبی لوگوں کو جمع کر لیں تو یہ چالیس پچاس لاکھ سے زیادہ نہیں۔ ان میں چاہے کوئی بھی جماعت شامل ہو۔ یہ پروفیشنل مذہب پسند لوگ ہیں۔ یہ صاف ستھرے مسلمان نہیں ہیں مثلاً آج اگر کوئی نیا مذہب لیڈر آ گیا، اُس نے نئی جماعت بنائی، یہ اُس کی تحریک میں شامل ہو جائیں گے۔ پھر دو چار سال ادھر رہیں گے۔ پھر کوئی نیا مذہب لیڈر آ گیا۔ اُس نے تحریک چلائی، یہ اُس میں شامل ہو جائیں گے۔ اگر ان کو یوں دیکھا جائے تو بقیہ پندرہ کروڑ مسلمان بالکل لاتعلق ہو گئے۔ انہی مذہب کی ٹھیکیداریوں کی وجہ سے وہ لاتعلق ہوتا چلا گیا۔ وہ کسی بھی جماعت کا ممبر نہیں بننا چاہتا اور حیرت کی بات ہے کہ اجماع امت نے پاکستان کا فیصلہ کیا اور تمام مسلمانوں کی تمام مذہبی جماعتوں نے اس کے خلاف فیصلہ کیا۔ اجماع تو اپنے دین اور ایمان کو سنبھالے ہوئے بیٹھا ہے۔ اپنی محبت رسول ﷺ کو اپنے سینے میں رکھتا ہے اور قرآن حکیم کی اس آیت کے مطابق ان اللہین فرقوا دینہم وکانو شیعاً لست منہم فی شی (۶) (الانعام: ۱۵۹) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے اے پیغمبر ﷺ! تجھے اُن سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ بڑی واضح آیت ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ اس طرح کے کسی گروہ میں نہیں ہے۔ بالعموم حوالہ دینے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت قرآن حکیم ہے کہ تم میں سے ایک گروہ پیدا ہوگا۔ اللہ اُس کو فتح اور نجات دے گا مگر وہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ قرآن کہتا ہے کہ تم میں سے اگر میں اُس گروہ کو پہچاننے سے انکار کر دوں۔ میں تو پندرہ کروڑ عوام میں سے ہوں۔ میں تو وہ ہوں جو خدا اور رسول ﷺ کے شیدائی ہوں اور جب یہ اجماع ہی فیصلہ کر دے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہیں تو وہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم اُن میں سے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ العزیز اگلے برسوں اجماع ہی میں اعلیٰ کٹ منٹ کو واپس ملے گا۔

جیسے پرانا عربی محاورہ ہے الناس علی دین ملوکھم کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پہ ہوتے ہیں لیکن ہمارے جو بادشاہ گزرے ہیں اُن کی دین داریاں واضح تھیں۔ ماشاء اللہ لوگ پھر اُن کے دین میں چلے گئے۔ ایک اور اصول پروردگار نے امتوں کے زوال کا لکھا کہ جس قوم کو رسوا کرنا چاہتے ہیں اُس کے امراء کو عیش و عشرت میں ڈال دیتے ہیں۔ جب کسی قوم کو بہتر کرنا چاہتے ہیں تو اُس کے امراء متقی ہوتے ہیں۔ کوئی غیاث الدین بلبن نکلتا ہے کوئی شمس الدین قنتمش نکلتا ہے۔ یہ بھی تو فوجی جرنیل اور اپنے وقت کے فاتحین تھے۔ جب خواجہ بختیار الدین کا کیگی وفات ہوئی تو آپ نے وصیت نامہ لکھا کہ میرا جنازہ وہ پڑھائے جس نے کبھی تہجد قضا نہ کی ہو اور جس نے اپنی عورت کے علاوہ کسی

غیر عورت کو دیکھنا نہ ہو۔ تو سارے لوگ کھڑے تھے۔ پھر فوج کا وہ جرنیل رونا ہوا نکلا، شمس الدین التمش چپخنے لگا اور کہا ”اے شیخ! امروز مرا پیش خلق رسوا کر دہا۔“ کہ اے شیخ آج تو نے مجھے مخلوق کے سامنے رسوا کر دیا کہ اس بات کا تو کسی کو بھی پتہ نہیں تھا اور یہ غیاث الدین محمد بلبن ہی تھا جنہوں نے اپنی بیٹی خواجہ فرید الدین گنج شکر کو دی۔

اگر آپ حیران نہ ہوں کہ برصغیر میں فوج اور تصوف میں کیا توازن تھا تو خواجہ نظام الدین اولیاء پر سب سے مستند کتاب ایک فوجی جرنیل کی ”نوائذ الفواد“ ہے جو حضرت تجزی نے شیخ نظام الدین اولیاء پر لکھی ہے۔ آپ اس کتاب کو ضرور پڑھیے گا۔ اس کتاب میں آپ کو بڑا مزہ آئے گا۔

محمد غوری آنے سے پہلے معین الدین چشتی اجمیری کی اجازت طلب کر رہا تھا اور محمود غزنوی خود حضرت علی بن عثمان دانا گنج بخش سے درخواست کر رہا ہے کہ حضرت آپ ہمارے ساتھ آؤ گے تو برکت ہوگی ورنہ ہم جنگ کو نہیں جاتے اور شیخ ہجویر محمود غزنوی کے ساتھ آئے۔ محمد غوری معین الدین چشتی اجمیری کی ہدایت پآئے۔ ایک بڑا مشہور واقعہ ہے کہ فوج گزر رہی تھی اور جب انہوں نے شیخ کا سنا تو انہوں نے اصرار کیا کہ ہم تو انہیں ملے بغیر نہیں جائیں گے۔ پھر فوجی کمانڈروں کو دو دن کی چھٹی کرنی پڑی تاکہ لوگ شیخ سے مل سکیں۔ یہ غیر متوازن سلسلہ نہیں تھا۔ یہ نہیں کہ چار چار رخ تھے۔ اُس وقت پوری ملت ایک رخ رکھتی تھی۔ اکتساب جدا جدا تھے۔ اگر کچھ استاد تھے تو کچھ Executionist تھے۔ اگر فوج حکمت پہ تھی تو صوفیاء علم پر تھے اور علم و حکمت کے اس امتزاج سے مسلمانوں نے برصغیر میں اللہ کے نام کو بلند کیا اور یہ وقت اب پھر آنے والا ہے۔

تقسیم ہند میں مذہبی رہنماؤں کا کردار

سوال: کیا ہندوستان کی تقسیم غلط نہ تھی؟ کیونکہ اب آدھے مسلمان پاکستان میں ہیں جبکہ آدھے ہندوستان میں۔ اور آپ نے مذہبی رہنماؤں کے بارے میں جو یہ کہا کہ وہ موجودہ علوم سے ناواقف ہیں کیا یہ غلط بات نہیں ہے؟

جواب: میں متعصب کیسے ہو سکتا ہوں۔ جب مجھے پتہ ہے کہ کیا باپو جی اور گاندھی جی کے افسانے نہیں تھے۔ پورے ہندوستان کے مذہبی علماء میں صرف دو آدمی تھے جو قائد اعظم کا ساتھ دے رہے تھے۔ ان میں ایک اشرف علی تھانوی اور دوسرے مولانا نعیم مراد آبادی تھے۔ مگر حضرات گرامی! علماء کی تضحیک مراد نہیں ہے۔ اُن کی ڈائریکشن ان کے رجحان غلط تھے۔ اب بھی غلط ہیں۔ اب آپ غور کیجیے کہ اس وقت جو بات آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ علماء کا کام جماعت کروانا ہے۔

حضور گرامی مرتبت ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ میرے اللہ نے جو سب سے بڑی نعمت عطا فرمائی کہ تمام زمین میری مسجد ہے۔ اگر مسجد ضروری ہوتی تو کیا آپ صحراؤں میں، گلیوں میں، سواریوں میں نماز پڑھ سکتے تھے؟ آپ نے اپنے میں سے سب سے کم عقل اور بیکار کو مسجد کی امامت دے دی۔ اس میں آپ کی غلطی ہے۔ میں تو آپ کو اپنی غلطی یاد کر رہا ہوں۔ اُس وقت بھی عوام الناس نے اللہ کے نام پر ملک لیا تھا اور اس ملک کو لینے کے بعد وہ عوام الناس بے قدر کر دیے گئے، اختیارات اُن سے چھین لیے گئے اور پھر انہی مذہبی لوگوں نے پھر مسلمانوں کو بائنا شروع کر دیا۔ ان

صاحبانِ اقتدار نے پھر مسلمانوں کو انصافیوں میں ڈال دیا۔ کیا آج کے مسلمان اور آج کے پاکستانی شہری کو یہ معلوم نہیں کہ پچاس سال گزرنے کے بعد بھی یہ واحد ملک ہے جو ایک بھی بنیادی ضرورت اپنے عوام کو مہیا نہیں کر سکتا۔ یہ کس کا قصور ہے؟ کیا گلی کوچوں میں ان لوگوں کا قصور ہے جن بیچاروں نے سینوں پہ گولیاں کھا کے زخم اٹھا کے پاکستان کے لیے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ لگایا تھا یا آپ یہ ان لوگوں کا تقاضا کرتے ہیں جو مساجد میں نماز سجاے اور ٹوپیاں لپیٹ کر اُس وقت بھارت کے حق میں فتوے دے رہے تھے۔

کبھی آپ نے سنا کہ مذہبی سکولوں کی صدارت کافر کریں۔ ابھی کل کی تو بات ہے کہ جشنِ صد سالہ دیوبند میں اندرا گاندھی نے اُس کی صدارت کی۔ اگر آپ تاریخ پڑھ کر دیکھیں۔ کیا ان کے رجحان بدل گئے۔ کیا ان کی طرزِ فکر بدل گئی۔ اس کے باوجود ہم انہیں مکمل تعاون دینے کو تیار ہیں۔ مگر ان کو مکمل تعاون تب ملے گا جب آپ انفرادی طور پر اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوں گے۔ آپ کو قرآن پڑھنا ہے۔ آپ کو حدیث پڑھنا ہے۔ آپ میں سے کتنے ہیں جو مساجد اللہ میں اپنے بیٹوں کو اس خوف سے نہیں بھیجتے کہ وہاں اخلاقی بے راہ روی کا ایک طوفان اٹھا ہے کہ وہ ساری عمر کے لیے اس قسم کی تحارت میں ڈوب جائیں۔ کمپیوٹر ٹیکنالوجی تو آپ سیکھ رہے ہو۔ دنیا کے مشکل ترین معاملات میں غور و فکر تو آپ کر رہے ہو۔ آپ ایک کتاب سادہ کو کیوں نہیں پڑھ سکتے۔ اگر ایک ایم۔ ایس۔ سی کی کتاب ایک میٹرک والا نہیں پڑھ سکتا تو ساری کائنات کے عظیم و حکیم رب کی کتاب ایک اُن پڑھ مولوی پڑھ لے گا؟ وہ آپ کو اللہ کی کتاب نہیں پڑھائے گا۔ وہ آپ کو کنویں کے مینڈک کی طرح اپنی تفسیر بتائے گا اور یہ چیز ہے جو فرق ڈالتی ہے۔ آپ کو یہ جان لینا چاہیے کہ عالم اس کو نہیں کہتے۔ انما یخشى اللہ من عباده العلموا (۳۵) (فاطر): (۲۸) اللہ کے عالم اُس کے لبادے تلے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نماز و روزہ پر اور حفظ پر عزت و مقدار نہیں رکھی بلکہ فرمایا کہ میں جسے چاہتا ہوں درجے عطا کرتا ہوں۔ و فوق کل ذی علم علیم (۱۲) (یوسف): (۶۲) اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔

یہ علم والے ہیں؟ آپ خود فیصلہ کر کے بتانا۔ قرآن حکیم میں خداوند کریم نے اپنے بندوں کی تعریف کیا کی ہے الذین یذکرون اللہ قلیماً وقعوداً وعلی جنوبہم ویتفکرون فی خلق السموت والارض (۳) (آل عمران): (۱۹۱) اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو کھڑے بیٹھے صبح و شام اُسے یاد کرتے ہیں اور ہر لحو زمین و آسمان کی تخلیق پر غور کرتے ہیں۔ وہ کاسالوجسٹ ہیں وہ بیالوجسٹ ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج قرآن کی ایک وضاحت کے لیے ہمیں مسلمانوں کی درس گاہ علمیہ کو ترک کر کے یورپ کے سرجمو جین کی وضاحت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ فرمان خداوندی ہے اولم یر الذین کفرو ان السموت والارض کاننا رتقا ففتقنہما^ط وجعلنا من المآء کل شیء حی (۲۱) (الانبیاء): (۳۰)

کیا کافروں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ زمین و آسمان آپس میں پہلے اکٹھے تھے۔ پھر ہم نے انہیں الگ کیا اور ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ آپ مجھے بتائیں دنیا کے اسلام میں کون سا عالم ایسا ہے جو اس آیت کی وضاحت میں سائنسی حقائق پیش کرے گا۔ اس کو سرجمو جین کی صداقت چاہیے۔ کون مولوی صاحب اس کی وضاحت کریں گے؟

لاہور میں ایک بڑے مولوی صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ یہ سادگی بے حماقت ہے۔ میں اس کا برا نہیں مناتا لیکن انہیں نئی مسلمان نسلوں کو ایسے پیش پابا تیں سکھانے کا کوئی حق نہیں۔

وہ مجھ سے پوچھنے لگے پروفیسر صاحب یہ آدمی جو چاند پہ گیا غلط نہیں ہے۔ میں نے کہا کیوں۔ فرمایا کہ ”تفسیر جلالین“ میں لکھا ہے کہ قریب کی چیز بڑی اور دور کی چھوٹی نظر آتی ہے تو چونکہ چاند چھوٹا نظر آتا ہے اور سورج بڑا۔ تو یہ سورج پہ پہنچے بغیر چاند پہ کیسے چلے گئے۔ اگر یہ علمیت کا معیار ہے۔ تو دجال مغربی دنیا کی عقل و معرفت کو کس طرح آپ چیلنج کرو گے؟ دنیاوی علم و حکمت کے لیے آپ اس مولوی پہ تکیہ کرو گے؟ جس کا حال یہ ہے کہ آج سے پچیس سال پہلے علماء دیوبند کے سامنے یہ سوال پیش ہوا کہ کیا فرماتے ہیں علماء دین بیچ اس مسئلہ کے کہ آلہ مکبر صوت یعنی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال حلال ہے یا حرام؟ بڑی دیر تمام علماء نے میٹنگ کی اور فتویٰ دیا کہ حرام ہے۔ وہ حرام کیوں ہے۔ اس کی بھی وجہ بتائی کہ آدمی کہیں سے بول رہا ہوتا ہے اور کہیں دور سے سنا جا رہا ہوتا ہے تو بیچ میں شیطان کچھ ملا دیتا ہے۔ اس لیے حرام ہے مگر وہ فتویٰ کدھر ہے اور آج کل سب سے زیادہ یہ علماء عصر حاضر ہی لاؤڈ اسپیکرز پر گلا پھاڑ رہے ہوتے ہیں۔ تعلیم دینے کے کیا ”اچھے“ آداب ہیں۔ وہ اللہ جو چاہ رہا ہے کہ آپ غور و فکر کرو۔ وہ اللہ جو یہ چاہ رہا ہے کہ آپ باریک بینی سے اس کے حقائق پڑھو۔ دیکھو سمجھو۔ جو آپ کو علم کی ترغیب دیتا ہے۔ دیکھیے یہ بات معمولی بات نہیں ہے۔ آپ کے پیغمبر ﷺ کا ایک چھوٹا سا فرق آپ کو بتا دوں کہ مسلمان کس علم کی آرزو کرتا ہے۔ لارڈ برٹریڈ رسل نے پورے علم کا خلاصہ کیا اور کہا:

We only know the relationship of things. We do not know the nature of things.

تمام علوم، فلسفے اور ریاضیات کے بارے میں لارڈ رسل کا یہ قول دور حاضر کے عظیم ترین فلسفے کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔

مگر پندرہ سو سال پہلے محمد رسول اللہ ﷺ ایک دعا مانگ رہے ہیں کہ اے پروردگار! مجھے حقیقتِ اشیاء کا علم دے۔ غور فرمائیے آپ کس نبی کی امت میں سے ہیں کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة مگر آج مسلمان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پہ علم بند ہے۔

مجھے مولوی حضرات سے کوئی پیر نہیں لیکن میں دین اور علم کے حوالے سے تعصب ضرور رکھتا ہوں۔ جو شخص بھی مذہب کی ایسی ناقص اور کم تر توجیحات کرے گا جیسے میں نے ابھی آپ کو مثال دی کہ بھلا یہ بات قرآن کی ہے یا حدیث کی کہ جو شیخ عبدالعزیز خام حرمین شریفین دیتا پھرتا ہے۔ وہ کھل کر اس کو اپنی ذاتی رائے کیوں نہیں کہتا:

انہوں نے تو اس کو شخصی رائے نہیں سمجھا۔ انہوں نے سمجھا کہ قرآن یہ کہہ رہا ہے اسلام یہ کہہ رہا ہے۔ یہ پیشکش کا انتہائی بھونڈا طریقہ ہے ہر چیز کو اچھی شہرت ملتی ہے تبھی کامیاب ہوتی ہے اور اللہ کو کتنے بڑے مشتہر ملے ہوئے ہیں۔

اسلام کو کیسے سمجھیں؟

سوال: اسلام کو سمجھنے کے لیے اگر آپ کی باتوں کے مطابق مولوی کے پاس نہ جائیں تو کہاں جائیں؟

جواب: اسلام کسی چیز کی آمیزش نہیں کرتا۔ صرف ایک احتیاط ضرور آپ کو کراتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ

نظریات کی آپس میں آمیزش نہیں ہو سکتی مثلاً آج تک کمیونزم نے اپنے اندر ذرا سی بھی کسی دوسرے نظام کی آمیزش قبول نہیں کی۔ بلکہ ایک دفعہ میکسم گورکی نے لینن کو خط میں لکھا کہ اگر خدا نے چاہا تو ہم کریملن میں ملیں گے تو لینن نے جواب لکھا اگر خدا نے چاہا؟ تم ابھی تک سرمایہ دار ہو۔ تم نے لفظ خدا کیوں لکھا؟ اس نے جواب دیا رامیں نے تو محاورہ لکھا تو اس نے کہا نہیں۔ جب تک خدا تمہارے محاوروں میں سے بھی نہیں نکل جائے گا اس وقت تک تم اچھے کمیونسٹ نہیں بن سکتے۔

اس سیاق و سباق میں سوشلسٹوں اور جمہوریت پسندوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟

چھارب کی آبادی میں ایسے لوگوں کا تناسب کیا ہے؟ بیس کروڑ پچاس کروڑ اور ان کا بنیادی رویہ یہ ہے کہ اگر بارہ پندرہ کروڑ عوام علیحدہ ایک ملک چاہیں اور وہ اپنے کسی سٹم پر عمل کرنے کے لیے کوشش کریں تو وہ اس کی اجازت نہیں دیتے۔ وہ اپنے مقاصد کے تحت اتنے مضبوط بنیاد پرست ہیں کہ وہ جمہوریت اور اس کی آزادیوں کے ناقص تصور کو ساتھ رکھتے ہیں۔ بھی ہم مسلمان جمہوریت تو لے سکتے ہیں لیکن ہم وہ جنسیت اور لذت پسندی کیسے ساتھ لے لیں جو پراپرٹی کے حقوق اسے نیویارک دے رہا ہے ہم کیسے دے دیں۔ اس لیے انہوں نے یہ پراپیٹنڈہ شروع کر رکھا ہے کہ اسلام جدید ہے اسلام پرانا ہے۔ اسلام جدید ترین ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں کسی ازم یا جدیدیت کی آمیزش نہیں ہو سکتی۔

اللہ صرف یہ کہتا ہے کہ اے لوگو! یا ایہا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کآفۃ ولا تتبعوا خطوت الشیطنؑ انه لکم عدو مبین (۲) (البقرہ: ۲۰۸) سٹم میں مداخلت نہ کرو۔ اگر تم نے اسلام کے فوائد لینا ہیں تو تم اس میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اس میں ادھر ادھر کے نظریات شامل نہ کرو کیونکہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اسلام آج تک اسی لیے واپس نہیں ہوسکا کہ دنیا کو اچھی طرح پتہ ہے کہ جہاں یہ ایک بار اپنی اصل نظری صورت میں داخل ہو گیا وہاں پھر اس کو اتارنا یا مغلوب کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

اسلام میں کوئی فکری منتشتا نہیں ہے۔ آپ خود کتاب پڑھو۔ حدیث پڑھو۔ کوئی منتشتا نہیں ہے۔ اگر ہونا تو مجھ میں سب سے زیادہ ہوتا۔ جس نے ایک ایک لفظ پڑھا ہے حدیث پڑھی ہے تاریخ پڑھی ہے سیرت پڑھی ہے۔ اسے قرآن کی تفہیم میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔

اس ضمن میں میرا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے۔ البتہ اسلام کو اس طرح سمجھو جیسے اصحاب رسول ﷺ نے سمجھا۔

Try to get back and try to understand.

اب دیکھیے بہت سے مقامات پر قرآن حکیم کی تفسیر رسول اللہ ﷺ کے اعمال مبارک میں آتی ہے۔ میں ایک چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں۔ قرآن حکیم میں ایک آیت ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین (۲) (البقرہ: ۲۲۲) اللہ تعالیٰ تو بہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کو سمجھنا کتنا آسان ہے۔ مطہرین کا لفظ بڑا مشکل ہے۔ ہم اپنی زبان کے حساب سے دیکھتے ہیں تو اتنی صفا چاہیے کہ غیر ممکن لگتا ہے لیکن جب اس عمل پر ہم رسول اللہ ﷺ کی وضاحت دیکھتے ہیں تو ہم حیران ہوتے ہیں کہ اتنا سادہ۔ کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مطہرین کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا کہ جو ڈھیلے کے بعد آب دست لیتے ہیں۔ وہ لوگ جو اچھا غسل کرتے ہیں۔ پانی سے اپنے اعضاء و جوارح کو جو اچھے طریقے سے دھوتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک مطہر

اور پاک صاف ہیں۔ اب بتائیں جب آپ ایسا عمل کریں گے تو آپ کا مطہرین کی صف میں آنے کے لیے کتنا آسان ہو جائے گا۔ فطری سمجھ بوجھ وہ ہے جو صحابہ کرامؓ کو بیان کی گئی اور انہوں نے سمجھا اور الحمد للہ آپ کے پاس حدیث موجود ہے قرآن موجود ہے۔ آپ کیوں کسی ٹیڑھے انداز فکر کا سہارا لیتے ہو۔ قرآن اس عالم پہ سب سے سخت ہے جو دنیاوی مقاصد کے لیے علم کو استعمال کرتا ہے مگر یہ ضرور کہتا ہے کہ جب انتشار ذہنی پیدا ہو جائے قیاس ہو جائے جب تمہیں پیچیدگی ہو جائے اور جب تمہیں علمی مغالطے لگیں تو ہر آدمی کے پاس نہ جانا بلکہ ان کے پاس جانا و الرسخون فی العلم (۳) (آل عمران: ۷۷) جو علم میں راسخ ہیں فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (۱۶) (التخل: ۴۳) اور اللہ کو یاد کرنے والے لوگوں کے پاس جانا اگر تمہیں علم چاہیے اور وہ یہ اصول علم رکھتے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کو پلٹ جائے گی۔

غیر مسلموں کو مسلمان کیسے کریں؟

سوال: ہماری جنگ ہندو سے نہیں ہندو ازم سے ہے۔ ہم سے پہلے لوگوں نے ہندوستان میں اسلام بڑی تیزی سے پھیلایا۔ اب ہم انہیں مسلمان کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

جواب: اقبال نے بڑی خوبصورت بات کہی تھی کہ:

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
میری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

تو مجھے لازم ہے کہ میں خود بھی اپنے کردار پر ایک نگاہ ڈالوں۔ یہ لازم ہے کہ میں دیکھوں کہ مجھ میں اور ان مبلغین میں کیا فرق ہے کہ ایک آدمی جاتا تھا اور ایک قوم کو تبدیل کر دیتا تھا اور وہ خوبصورت کردار جو اب بھی لوٹے مصلے لے کر نکلتے ہیں۔ ان میں کتنا زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک وقت تھا کہ چند تاجر ماریشس آئے۔ ماریشس سارا مسلمان ہو گیا۔ ایسے ایسے پیچیدہ اور متعصب علاقوں میں گئے اور وہاں اسلام کی شمع روشن ہو گئی۔ پوری دنیا میں اس وقت بھی سب سے بڑی ملتِ ملتِ اسلامیہ ہے۔ ایک ارب سے زیادہ۔ حضراتِ گرامی! مذہب ایک کلچر ہے، ایک خوبصورتی ہے۔ کلچر بڑا متاثر کن ہے۔ صرف نفس مضمون سے یہ متاثر کن نہیں ہوتا۔ جو مذہب آپ کے وجود میں سے ہو کے گزرے گا، اس کا حسن دوسرے محسوس کریں گے، اس کردار کی شناخت محسوس کریں گے، اس کی محبت و انس کو محسوس کریں گے۔

اتفاق یہ دیکھو کہ اچھے بھلے مسلمان باریش حضرات بڑے بڑے کچے نمازی مغرب جاتے ہیں اور پانچ سال کے بعد وہ مغربی ہو کے واپس پلٹتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ایک اچھا بھلا مسلمان مغرب جا کر اپنے کلچر کو قیمتی نہیں سمجھتا۔ ان کے کلچر کو لے کر واپس نکلتا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ اب ہندو کس طرح مسلمان ہوں گے؟ میں کہتا ہوں ہندو اب تو مسلمانوں میں رہتے ہی نہیں ہیں کیونکہ مسلمان اب دیوبندی، ملیوی اور اہل حدیث بن چکا ہے۔ تو وہ بیچارے کس کو مسلمان مانیں؟ اور یہ جو آپ کہتے ہیں کہ یہ تو مسلمان ان کے ہاتھوں نہیں ہوئے ہیں۔ کوئی معین الدین کے ہاتھوں کوئی فرید الدین گنج

شکر کے ہاتھوں کوئی تو حسن زائد ہوگا، کوئی خوبصورتی ان میں زیادہ ہوگی۔ حضرات گرامی! یہ وہ خوبصورتی ہے جو اللہ کہتا ہے کہ میرا بندہ جب چلتا ہے تو اس کے آگے آگے میرا نور چلتا ہے اور وہ لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ اس کے کردار کی عظمتیں ہی وہ چراغ جلاتی ہیں اور وہ آئینے کے پیچھے چھپا ہوا وہ چراغ ہے جس کی روشنی کم نہیں ہوتی بلکہ زمین و آسمان میں پھیلتی ہے جیسے اللہ کا پنا نور۔

آج کے دور میں کتنے ماں باپ ہیں جو حسرت رکھتے ہوں اور یہ کہتے ہوں کہ ہم اپنے بچوں کو اچھا انجینئر بنا سکیں گے، اچھا ڈاکٹر بنا سکیں گے، اچھا فوجی بنا سکیں گے اور فلاں یہ کرے گا، وہ کرے گا لیکن کسی ماں باپ نے آرزو ہی نہیں کی کہ ہم اپنے بچے کو اچھا مسلمان بنا سکیں گے یعنی یہ آرزو ہی موجود نہیں ہے۔ یہ خیال موجود نہیں ہے تو پھر مسلمان کہاں سے آئیں گے۔ بھئی کسی چیز میں جو ڈالو گے وہی نکلے گا۔ دودھ چینی ڈالو گے پاؤ ڈرڈالو گے تو آئس کریم نکلے گی ماں۔ وہ چیز بذات خود تو کچھ نہیں۔ خالی دنیا دار بچے نکل رہے ہیں۔ وہ اللہ کے بندے

سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

کوئی نزلے لوگ تو نہیں تھے۔ سیدھے سادے لوگ تھے۔ حضرت علامہ الحضریؒ اکیڈری کی فتح کو گئے بیچ میں جھیل آگئی تو دیکھا کہ اکیڈری باہر مذاق کر رہا ہے کہ مسلمانوں بس۔ آپ کو پانی نے روک لیا۔ وہ نیل گئے کا شکار کھیل رہا تھا تو علامہ الحضریؒ نے آسمان کی طرف دیکھا اور یہ جملے پڑھے۔ یا علی یا عظیم یا حلیم یا علیم اور سمندر سے گزر گئے اور اسے گرفتار کیا۔ یہی حال عقبہ بن مافع کا ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ کیسے لوگ تھے۔ بلکہ ان پر الزامات بھی لگے۔ کئی غلطیاں بھی پائی گئیں۔ اللہ میاں آپ سے کونسی کاملیت مانگ رہا ہے۔ اللہ میاں کبھی کاملیت نہیں مانگتا۔ اللہ کہتا ہے فلا تزرکوا انفسکم ہو اعلم بمن اتقى (سورۃ النجم آیت ۳۲) تم اپنے پاک ہونے کا دعویٰ نہ کرو کیونکہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کون متقی ہے۔ مگر کوئی کٹ مٹ کوئی شناخت تو اللہ کے ساتھ سلامت رہے۔ ہزار جماعتوں کے باوجود

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اور آپ ﷺ نے فرمایا! اے معاذ بن جبل! اے ابو سعید خدری! اے ابو ہریرہ! جس نے ایک بار دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیا، اس پر نارا دوزخ حرام ہوئی۔ یا رکمال کی بات ہے۔ ایک بار بھی دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں نکلتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آٹھ لوگوں پر نارا دوزخ حرام کر دی گئی ہے اور ان میں ایک یہ ہے کہ اللہ کہتا ہے کہ کسی نوجوان کی آنکھ سے میرے لیے ایک آنسو نکلے، ایک آنسو۔ یہ متاع حیات رسول ﷺ ہے۔ یہ برکت ہے اللہ کے دین کی۔ مگر حضرات گرامی! غور کرو کیا ایسا آنسو نکلتا ہے۔ غم محبوب میں تو نکلتے ہیں، غم آرزو میں نکلتے ہیں، غم والدین میں نکلتے ہیں۔ سب جگہ نکلتے ہیں مگر کیا محبت اللہ اور محبت رسول ﷺ میں بھی آنسو نکلتے ہیں۔ تو مشکل پڑ جاتی ہے۔

Unless you create a culture of Islam, you cannot change anybody.

البتہ آپ کے لیے خطرہ ہو جو ہے۔ آپ ہندو سے عیسائی سے اور جرمن سے بدل جائیں گے۔

Because in the match of cultures, at present Muslims, culture is far more inferior to the culture of West.

ہاں جب آپ مسلمان ہوں گے تو انشا اللہ تعالیٰ العزیز یہ صارا الٹ جائے گا۔

دجال کب آئے گا؟

سوال: دجال کے آنے کا زمانہ کون سا ہے؟

جواب: حضور ﷺ نے فرمایا کہ دجال خراسان سے خروج کرے گا اور اس پر ایک ہاتھ سے روٹیاں پھینکے گا اور ایک ہاتھ سے آگ پھینکے گا۔ افغانستان کی جنگ میں ہم نے یہ دیکھا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ دجال عراق اور شام کے بیچ میں سے گزرے گا اور اس کی بڑی طاقت ہوگی تو ہم نے دیکھا یہ بات پوری ہوئی مگر اس بات کا امکان ہے کہ آنے والا وقت ہے اس کے اوپر جو بڑی جنگ ہے آپ کہہ سکتے ہیں وہ جدل کبیر ہے۔ وہ شام اور سعودی عرب کے محاذ پہ لڑی جائے گی۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ آخر میں دجال کے دور میں وقت بڑا مختصر ہو جائے گا اور جو باتیں ساہا سال میں ہوتی ہیں وہ مہینوں میں ہوں گی اور جلدی جلدی ہوں گی۔ Its like pin fall اور ابھی لگتا ہے کہ یہ جو وقت جا رہا ہے جس میں معاذ اللہ استغفر اللہ صلح و صفائی ہماری اور بھارت کی یہ بظاہر ایک بہت بڑا فساد اور فراڈ ہے جس کے ذریعے سے کسی نئے بہانے کو ڈھونڈا جا رہا ہے اور میرے خیال کے مطابق اگلی فہرست پر جو ملک ہے وہ سعودی عرب ہے اور ابھی امریکہ کو افغانستان اور عراق کے دو انتہائی تلخ تجربے ہو چکے ہیں۔ اس لیے امریکہ اب کوشش کرے گا کہ اسرائیل کو اس بات کی اجازت دے کہ وہ مسلم ممالک پر دھاوا بول دے

This is going to be field which is going to the Syria and Jordan etc.

شروع میں اسرائیلی افواج بڑی تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے سعودی عرب میں بھی داخل ہو جائیں گی۔ اردن اور شام کے ملحقہ راستوں سے یہ مکہ تک بھی پہنچ جائیں گی مگر مدینہ میں داخل نہیں ہو سکیں گی۔

On the return, most probably, some clever Muslim Generals will cut through the enemies on the field of Syria. But I think, it will be mostly built by Pakistani Army.

کیونکہ حدیث یہ کہتی ہے کہ پہلے شکستیں ہوں گی۔ یہ آدھی شکست ہے۔ حتمی فتح جو ہے وہ مسلمانوں کی ہوگی۔ یہ مکمل فتح ہے۔ ابھی کچھ زوال اور باقی ہے اور ابھی مہدی کا جمال باقی ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ اور دجال کی باتیں ہیں مگر یہ بہت بڑا موضوع ہے اور میں تھوڑے عرصے میں اس کے ساتھ انصاف نہیں کر سکوں گا۔

مذہب، انتخاب یا مجبوری

- ☆ لیکچر
- سوالات و جوابات
- ☆ خدا کی بخشش کا یقین
- ☆ مسلمانوں کے بھٹکنے کی وجہ
- ☆ خدا کا انتخاب
- ☆ متحدہ مجلس عمل (ایم۔ ایم۔ اے) کی حکومت
- ☆ وسیلہ کی اہمیت
- ☆ خدا سے پہلے کیا تھا؟
- ☆ حروف مقطعات

مذہب، انتخاب یا مجبوری

خواتین و حضرات! جب سے حضرت انسان نے اس زمین پر اپنے وجود کو پہچانا، اپنے وجود کو محقق کیا، تب سے اس میں دو بنیادی تکبر ات در آئے۔ ایک تو تقابلِ فطرت میں اور دوسرے حیات کے نمونوں میں۔ جب اس نے اپنے آپ کو بہت ممتاز، منفرد اور نمایاں پایا تو اس نے خیال کیا کہ میں اشرف المخلوقات ہوں اور اسی اشرف المخلوقات ہونے کی نسبت سے جب اس نے وہ وجہ ڈھونڈنے کی کوشش کی کہ میں کیوں معزز ہوں، کیوں معتبر ہوں، کیوں خلیفہ بنا، کیوں بڑا بنا تو وہ سب سے پہلے تکبرِ عقلیہ کا شکار ہوا۔ اپنے آپ کو جاننا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اپنے آپ کو واحد مخلوق خدا سمجھنا جو اتنی ممتاز اور معتبر ہو۔ یہ انسان کا دعویٰ رہا ہے۔ اسی تقابل کی وجہ سے انسان نے اپنے اندر ایک ایسا غرور پیدا کیا۔ اپنے مسائل کے حل کے لیے اپنی زندگی کے معاملات کے حل کے لیے اور اپنی تمام تر ذاتی، داخلی اور خارجی عنوانات کی تعبیر کے لیے اس نے اپنی عقل کو ذمہ دار ٹھہرایا۔

ادھر آسمان پہ کچھ عجیب بات ہو رہی تھی۔ جب اللہ نے عقل کو تخلیق کیا تھا اور اسے کہا، مجھے چل کے دکھا اور جب اسے چلتے ہوئے دیکھا تو اللہ نے فرمایا: میں نے کیا خوبصورت تخلیق کی ہے یعنی عقل اللہ کی بہترین تخلیقات میں سے ہے اس لیے جب یہ امانت کسی کو دینے کا وقت آیا تو اللہ نے بے انصافی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ ان عر ضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان ۱ انہ کان ظلوماً جہولاً (۳۳ (الاحزاب: ۷۲) جب اس نے یہ امانت علم و عقل آسمان اور آسمان کے باشندوں کو پیش کی زمین اور زمین کی تمام تخلیقات کو پیش کی، پہاڑوں اور ان کی تمام تخلیقات کو پیش کی، تو سارے ڈر گئے۔ جہاں اتنے انعامات اسی عقل کی وجہ سے موجود تھے۔ وہاں عقل کو انسانی بہتری اور مخلوق خدا کی بہتری کے لیے استعمال نہ کرنے میں کچھ عذاب بھی مقرر تھے۔ اللہ کے نزدیک وہ تمام انسان جو اس اللہ کی دی ہوئی نعمت کو بہتر استعمال نہیں کر سکتے، ان کو ناکام قرار دیا جاتا ہے۔ ان کو کوئی دوسرا موقع نہیں دیا جاتا۔ یہ یاد رکھیے گا، جہاں گناہ کی بہت ساری بخششیں موجود ہیں، جہاں خطاؤں کی بہت ساری مغفرتیں موجود ہیں، وہاں عقل کی ناکامی کی کوئی مغفرت موجود نہیں۔

قرآن حکیم میں پروردگار عالم نے فرمایا کہ جب سکرات^(۱) میں اہل کفر کی آنکھ تیز ہوگئی اور جن چیزوں سے یہ انکار کر رہے تھے اب اس کا اقرار کر رہے ہوں گے اور جب سکرات میں ان کی آنکھیں کھلیں گی تو یہ خدا سے ایک استدعا

(1) موت کا وہ وقت جب انسان کی جان نکل رہی ہوتی ہے۔

کریں گے کہ اے پروردگار عالم! اگر تو ہمیں دوسری مرتبہ زمین پر بھیج دے گا، اگر ہمیں ایک موقع اور دے دے تو ہم نہ صرف یہ کہ تجھے پہچانیں گے اور اپنی حیات کے مقصد کو پورا کریں گے بلکہ تو جو چاہے گا، جو حکم دے گا، ہم اس کی اطاعت فرمائیں گے۔ خداوند کریم فرماتے ہیں کہ یہ غلط کہتے ہیں یہ مکمل ناکامی کا ثبوت ہے۔ اگر ان کو میں سو مرتبہ بھی زمین پر بھیجوں تو پھر بھی اسی کفر کا ارتکاب کریں گے۔ پھر اسی طرح میرے انکار پر جرأت آزما ہوں گے اور پھر اسی طرح زمین و آسمان میں میری رحمت سے مایوس ہوں گے۔ تو حضرات گرامی! اگرچہ یہ بہت بڑا انعام تھا، یہ بہت بڑی نعمت تھی جو اللہ نے انسان کو عطا کی مگر اس ذمہ داری میں بڑے خطرات پوشیدہ تھے۔ اس میں بڑی رکاوٹیں حائل تھیں۔ اس کے خطرات دیکھتے ہوئے زمین نے انکار کیا۔ آسمانوں کی مخلوق نے انکار کیا۔ پہاڑوں اور ان کی مخلوق نے انکار کیا اور انسان نے بڑی عجلت کی۔ آگے بڑھ کر اس نعمت کو گلے لگا لیا۔ دعویٰ کیا کہ عجیب ہے، کیا حسرت ہے کہ میں بندہ خدا ہو کر خدا کو نہ پہچان سکوں۔ ایسی کیا بات ہے کہ جو زمین و آسمان میں خدا کی شناخت سے مجھے روک دے۔ میں تو پیدا ہی اسی لیے ہوا ہوں تو پھر اتنی گراں قدر شے جو میرے پاس موجود ہے، یہ نعمت اول و آخر جو میرے پاس ہے مگر اتفاق یہ دیکھیے کہ اس دعوے کے باوجود عالم کل نے حضرت انسان کے بارے میں ایک جملہ فرمایا، ”کہ بلاشبہ انسان ظالم اور جاہل ہے۔“

حقائق کی بنیاد پر ایک بچے کے بڑے دعوے کو بڑا شخص سن کر مسکرا دیتا ہے اور اس کی حقیقت سے اس کو آشنا کرنا ہے، اسی لیے عالم کل کے شہنشاہ نے اس متقابل دعویٰ کی بات کو سنا اور مسکرا کر فرمایا ”انسان ظالم اور جاہل ہے“ مگر اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو عموماً لوگ لیتے ہیں۔ ظالم وہ ہے جو اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے کیونکہ خدا پر کوئی ظلم نہیں کر سکتا اور جاہل وہ ہے جسے حق اور ناحق کے راستے کا پتا ہے۔ پھر بھی نادانی میں وہ جہالت کا ساتھ دیتا ہے اور ظلم کی دولت سے اپنے آپ کو روشن نہیں ہونے دیتا۔ تو خدا کے ان دو حروف کا مطلب یہ تھا کہ:

This man has overestimated himself and underestimated the job.

تو اس پورے بیان کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے اپنے کام کو ٹھیک طرح سے نہیں سمجھا۔ ہم مسلمان سہی مگر جب اللہ اور انسان کو ہم دیکھیں گے تو ہم اس زمین پر پوری پوری مخلوقات میں جہاں جہاں بھی انسان موجود ہے، ہم اس کو شمار میں لیں گے تو اگر ہم خدا کے اس کلام کو دیکھیں اور آج کے انسان کو دیکھیں تو چہا رب انسان خدا کی یاد سے غافل ہیں۔ اس کے ذہن میں کبھی اس حقیقت کبریٰ کا خیال نہیں آیا۔ اس کو کبھی کائنات کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کا خیال نہیں آیا۔

کیا قرآن میں موجود حوالوں سے آپ آزاد ہوں گے؟ کیا جب ہم قرآن کو پڑھ رہے ہوں گے تو خدا نے اگر کسی دوسرے انسان کو طعن دیا ہے تو آپ اس سے آزاد ہوں گے؟ اگر خدا نے کسی دوسرے انسان کے نقطہ نظر کی شکایت کی ہے تو کیا بحیثیت مسلمان آپ آزاد ہوں گے؟ اسی جائزے کے لیے میں نے آج کا یہ موضوع چنا تھا کہ مذہب مجبوری ہے یا اختیار۔

جب قرآن حکیم میں اللہ یہ کہتا ہے کہ اے انسان! تم اپنے آباؤ اجداد کے دین پر بڑی سختی سے قائم ہو۔ تم اس پر کوئی تجربہ فکر کرنا نہیں چاہتے۔ تم نے کوئی غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ نے ہمیں کیوں مسلمان بنایا ہے؟ ہم مسلمان کیوں ہیں؟ ہم کون ہیں جن کو لوگ مسلمان کہتے ہیں؟ کیونکہ آپ میں سے کسی کو بھی اسلام اختیار سے نہیں ملا۔ آپ میں سب کو اسلام

ورثے میں ملا ہے اور ایک ایسے ورثے میں جس کے بارے میں غور و فکر کرنا آپ کے لیے ایک درجہ محال ہے۔ ایک مشکل ہے آپ نے اتنی محنت کبھی اسلام پر نہیں کی اتنی محنت کبھی تصور خدا پر نہیں کی اتنی محنت مذہب کی غرض و غایت پر نہیں کی، جتنی آپ اس میراث کو سمیٹنے پر کر رہے ہیں۔ وہ بزرگ و بڑے رب کریم تو اہل کفر کو طعن دیتا ہے کہ اگر تم غور و فکر کرتے اور آباؤ اجداد کی میراث کی تقلید نہ کرتے تو تم یقیناً اپنی معرفت پروردگار تک پہنچتے۔

دنیا کی سب سے غالب اکثریت مسلمان مگر خدا شناس کتنے ہیں؟ اللہ کو جاننے والے کتنے ہیں؟ کیا وہ لوگ خدا شناسی کے دعویدار ہیں جو تعویذ اور گنڈے کا بیوپار کر رہے ہیں؟ کیا وہ لوگ خدا شناسی کے دعویدار ہیں جو لوگوں میں جلسازی سے اپنے دعوؤں کو بیچنا بت کرنے میں مشغول ہیں؟ کیا وہ لوگ خدا کے علم کے دعویدار ہیں جنہیں اپنی زندگیوں کے بارے میں ایک حرف تعلیم نہیں آتا؟ ایک ملک جب اپنے بہترین افسران چھٹا ہے تو بڑے سخت امتحان لیتا ہے۔ ایک دنیاوی نظام جب امتحان لیتا ہے تو وہ کسی کم علم کو اعلیٰ ترین منصب زندگی دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ اے مسلمان! اے امت مسلمہ! غور تو کرو۔ ہم نے اللہ کے دعویدار ان لوگوں کو سمجھا ہے جن کے منہ سے رال نکلتی ہے۔ جنہیں ایک حرف شناسائی پروردگار بھی نہیں آتا اور جن کے ذہن و خیال میں دین و دنیا کا کوئی علم اپنی مکمل حیثیت سے نہیں ہوتا۔ کیا یہ لوگ خدا کے نمائندے ہوں گے؟ کیا یہ لوگ خدا کے علم کے دعویدار ہوں گے؟ کیا ان لوگوں سے آپ کو خدا کی شناسائی ملے گی؟ بد قسمتی سے اس کا روبرو حیات میں جتنا بڑا جلسازی ہے اُسے لوگوں کی چند کمزوریوں کا علم ہے۔ کیا رزق اب جادوگری بند کرے گی؟

ہر محلے ہر گلی ہر شہر میں جادوگروں اور ساحروں کی تعداد مارل لوگوں سے زیادہ ہے بلکہ ہر گھر میں کہیں بھتیجی جادو کر رہی ہے، کہیں بھانجی کر رہی ہے، کہیں ساس کر رہی ہے، کہیں بہو کر رہی ہے، کہیں مرد کر رہا ہے، کہیں عورت کر رہی ہے۔ اے کائنات خداوند کے رہنے والو! کیا طلسم ہو شربا ہے کہ یہاں صرف ایک خواجہ عمر و عیار ہے، یہاں صرف ایک طلسم کشا ہے۔ باقی سب جادوگر ہیں۔ خواتین و حضرات! کیا یہ لوگ تعلیم میں آپ کو گائیڈ کریں گے؟ کیا یہ لوگ آپ کی علیت کے مظاہرے آپ سے وصول کریں گے؟ یا اس لیے ہے کہ آپ اللہ کی اس بات کو بالکل توجہ نہیں دیتے کہ اے خدا کے بندو! میں اہل کفر کو جو طعن دے رہا ہوں کہ تم کبھی بھی کفر کے قابل نہ رہتے، اگر غور و خوض کرتے تو میں رب کعبہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں اے امت مسلمہ کے امیدوارو! اگر تم بھی غور و فکر کرو تو جہالت کے ان عمومی تاثرات سے آزاد ہو جاتے اور خدا کو خدا کی طرح چاہتے۔ اللہ کہتا ہے وان یمسک اللہ بضر فلا کاشف له الا هو ط وان یمسک بخیر فہو علی کل شیء قدید (۶) (الانعام): ۱۷۱ اور اللہ جسے تکلیف پہنچانا چاہے تو اس تکلیف کو اس کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر کوئی بھلائی کرنا چاہے تو بھی وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کسی کا جادو کام نہیں آئے گا۔ کوئی تعویذ کام نہیں آئے گا۔ دعا اپنی جگہ ہے۔ دعا بھی تو اللہ کی وجہ سے قبول ہوتی ہے۔ اگر ہم کسی کو ضرر سے چھولیں تو پھر اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں کھول سکتا اور جسے ہم خیر سے چھولیں تو یہ تو قدرت ہمارے پاس ہے۔ کسی انسان کے پاس نہیں۔ کوئی انسان کسی کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ہم رزق ان کو عطا کر دیتے کہ جاؤ تم لوگوں کو پالو۔ تم لوگوں کو زندگی عطا کرو اللہ تعالیٰ

نے قرآن حکیم میں فرمایا کہ ”مگر ہم انسانوں کو رحمت دے دیتے تو یہ بڑے بخیل نکلتے۔ یہ کسی دوسرے انسان تک رحمت پہنچنے نہ دیتے۔ اسی لیے ہم نے وہ اسباب ضرورتاً انسان اپنے پاس رکھے اور کسی کو اس کا سبب عطا نہیں فرمایا۔ البتہ میرا رسول اللہ ﷺ۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کہ دیکھو اللہ عطا کرنے والا ہے۔ عطا کسی اور کے پاس نہیں ہے۔ میں مگر تقسیم کرنے والا ہوں۔“

وہ عقل و معرفت اور تحقیق و جستجو جس پر اللہ نے اپنی شناخت کی بنیاد رکھی اور جس کا طعنہ کافروں کو دیا۔ وہ طعنہ آج آپ پر بھی لاگو ہے اس لیے کہ مذہب کی غرض و غایت رسوم و رواج عبادت نہیں ہے۔ اگر آپ عبادت کا بھی مفہوم اللہ کی زبان سے سن لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ نے عبادت کا کچھ اور مفہوم رکھا ہے۔ اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے کون سا رنگ بہتر ہے کہ ہم اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیں۔ اللہ کا رنگ جہالت نہیں ہے اللہ کا رنگ بے آگہی نہیں ہے۔ اپنی شناخت اور محبت کے لیے اللہ نے علم کو سب سے بڑی دولت قرار دیا۔ اللہ کہتا ہے کہ مجھ سے ڈرنے والے نہیں مجھ سے محبت کرنے والے اور میری محبت میں رونے والے وہی لوگ ہیں جو مجھے زیادہ جانتے ہیں۔ جو زیادہ علم والے ہیں۔ جو زیادہ شناخت والے ہیں اور میرے بہترین بندے بھی وہی ہیں جو نہ صرف عبادت کرتے ہیں بلکہ ہمہ وقت کائنات کے غور و خوض میں مصروف رہتے ہیں۔

ہم لوگ دنیاوی و جاہتوں کے لیے کتنا زور لگاتے ہیں۔ کیا اللہ نے دنیا کو غلط قرار دیا۔ کیا اللہ نے یہ کہا کہ دنیا کو مت حاصل کرو۔ کیا اللہ نے یہ کہا کہ دنیا میں تمہیں کاروبار نہیں کرنا۔ خدا ترک دنیا کے لیے نہیں ہے، اسلام ترک دنیا کے لیے نہیں ہے، نہ اسلام میں رہبانیت ہے نہ اسلام میں فاقہ ہے۔

اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فاقہ فرمایا، مگر فاقہ کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ گھر کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ روزہ رکھے بیٹھے تھے۔ پھر برہ کی طرف سے ایک بھنی ہوئی ران بطور تحفہ آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً روزہ توڑ دیا اور اس سے مشغول ہو گئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ابھی تو آپ نے روزہ رکھا تھا۔ فرمایا نفل روزہ تھا، کل رکھ لوں گا مگر یہ تو نہیں چھوڑوں گا کیونکہ میں تو صبح سے دعا مانگ رہا تھا کہ اے پروردگار فضل و رحمت کا تو مالک ہے مجھے عطا فرما۔ تو یہ جو بھنی ہوئی ران ہے یہ تو فضل و رحمت ہے۔ اس سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔

حضور ﷺ نے اچھا بھی کھایا ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ ام طلحہ کے پاس گئے اور پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ ام طلحہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہنڈیا میں ایک بکرا ڈالا ہوا ہے جو ابھی پکا نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، بھوک سخت ہے نکالو۔ ام طلحہ نے ایک دستی نکالی اور حضور ﷺ نے تناول فرمائی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اور ہے؟ کیونکہ حضور ﷺ کو دستی کا گوشت بڑا پسند تھا۔ پھر انہوں نے دوسری دستی نکالی اور وہ حضور ﷺ نے کھائی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے پھر پوچھا کیا اور ہے؟ تو ام طلحہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ایک بکری میں کتنی دستیاں ہوتی ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا، آج تو سوال نہ کرتی تو دستیاں ہی نکلتی رہتیں۔

خواتین و حضرات! پیغمبر عالی مقام ﷺ نے ہم سب کا کام بہت مشکل کر دیا ہے۔ آپ یقین مانو کہ سب سے بڑی مشکل ہمیں اپنے پیغمبر ﷺ کی وجہ سے ہے۔ میں آپ سے کہوں جب میں عیسیٰ کا سنتا ہوں، میں کہتا ہوں ٹھیک ہے۔ ساری زندگی معجزانہ تھی۔ اول و آخر معجزہ۔ بھلا ہمیں ان سے کیا کام۔ معجزے سے پیدا ہوئے، معجزے سے رخصت ہوئے۔ رستے میں کیا کیا، یہودی کا ہنوں کو صلواتیں سنائیں، ماہیوں کو پینا کر دیا اور مردوں کو زندہ کر دیا۔ یہ ساری باتیں بتاؤ میں کر سکتا ہوں؟ مجھے کیا پڑی ہے۔ میں کہتا ہوں اگر حضرت عیسیٰ ہی آخری نبی ہوتے تو بڑی خوشی کی بات تھی۔ ان کی بیروی کرنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔

حضرت موسیٰؑ عصائے موسوی کے بغیر تو آتے بھی نہیں ہیں اور عصائے موسوی تو اب امت کو مل نہیں سکتا۔ شریعت کا یہ عالم ہے کہ قوم یہود تمام تر عقل دنیاوی مقاصد کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ وہی نعمت خداوندی جو انسان کو اللہ نے اپنی شناخت کے لیے عطا کی۔ ایسی بد بخت قوم ہے کہ ہزار معجزات دیکھ رہے ہیں۔ کبھی مینڈکوں کی بارش، کبھی جوؤں سے بندے ہلاک کئے اور کبھی فرعون کے پہلوٹھی کے بچے کے لیے۔ وہ تو بیچارہ مان گیا اور آخری وقت میں کہا کہ میں رب موسیٰؑ اور ہارون کو مانتا ہوں۔

مگر اس قوم کا حال سنیں جس کے لیے موسیٰؑ سب پا پڑ بیل رہے تھے کہ یہ قوم چلتی ہوئی جب حمص اور بعلبک کے قریب آتی ہے تو کہتی ہے موسیٰؑ بڑا بڑا معجزہ تو نے دکھلایا مگر یہ تو جادوگری بھی ہو سکتی ہے۔ اگر تو واقعی ہمیں خدا کا یہ کرشمہ قدرت دکھائے گا کہ زندہ کرے گا اور مارے گا۔ پھر کیا ہو بڑی مجبوری ہے۔ اللہ سے درخواست کہ اے پروردگار میں ان جاہلوں میں سے نہیں ہوں، اگر تو کرشمہ قدرت دکھا دے۔ موسیٰؑ ذرا غصے والے تھے۔ ذرا ادھر ادھر سے آفت آتی اور لڑ پڑتے۔ اور لڑتے بھی اسی بات پر تھے جس بات پر آج ہم بھی لڑتے ہیں کہ اے اللہ بڑی مشکل سے گھیر گھار کے ایک بندہ تیری طرف لاتے ہیں تو اس کو مصیبت میں ڈال دیتا ہے۔ وہ تھوڑے عرصے کے بعد آ کے کہتا ہے، تسبیح کیا کروں۔ تسبیح تو بربادی ہے۔ جو دووا نے رزق کے پہلے مل رہے تھے اب نہیں ملتے۔ اب اسے کون سمجھائے، بھئی یہ تیری آزمائش ہے مگر وہ کہتا ہے نہیں، مجھے وہ جادوگر چاہیے جس کے تعویذ سے میرا رزق کھلتا ہے۔ آزمائش نہیں چاہیے، صبر نہیں چاہیے۔ سکون نہیں چاہیے۔ اعتبار نہیں چاہیے۔ اللہ نہیں چاہیے، مجھے تو وہ روٹی چاہیے دووا نے جو مجھے مل رہے تھے۔ یہی حال موسیٰؑ کا تھا۔ ہر دوسرے لمحہ خدا کے گریبان پر ہاتھ کہ اللہ میاں تو کیا کرتا ہے۔ بڑی مشکل سے اس قوم کو لایا ہوں۔ تو نے ان کو آتے ہی مصائب میں ڈال دیا۔ اللہ نے فرمایا، موسیٰؑ ٹھہر، یہ بھی کر دوں گا۔ ایسے کر تو دو سو بندے اپنی قوم کے معززین، لائق، دانا اور عقل والے ذرا جدا کر۔ باقی بارہ قبیلوں کو ان پہ گواہ بنا۔ ایسا نہ ہو کہ کل کوئی مکر جائے۔ ایسا نہ ہو کہ صاحب تورات کہیں کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا۔ ایسا نہ ہو یہودی اور قبائلہ حریک کہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

فاخذتکم الصلعة وانتم تنظرون (۲) (البقرہ: ۵۵) پھر اللہ نے برق اتاری اور ان بندوں کو اٹھالیا۔ بنی اسرائیل نے طعنے دیے۔ اے موسیٰؑ اسی لیے ہمیں یہاں لایا تھا۔ تو نے تو ہمیں برباد کر دیا۔ ہماری تو نسلیں اجاڑ دیں۔ ہمارے تو سارے بزرگ لے لیے۔ یہ کیا کیا تم نے۔ بھئی خدا اگر قوم یہود کا ہے تو اس سے کہو کہ ہمارے آباؤ اجداد ہمیں لوٹا دے۔

ثم بعثناكم من بعد موتكم لعلکم تشکرون (۲) (البقرہ: ۵۶) اللہ نے پھر لوٹا دیے۔ کہا، کیا گواہی دو گے؟ اب مجھے مانو گے خدا؟ اب تمہاری عقل کو تسکین ہوگئی؟ انہوں نے کہا، ٹھیک ہے۔ اب ہمیں کون دنیا کی طاقت گمراہی کو لے جاسکتی ہے۔ وہی نعمت عقل اور انسان۔ چلتے چلتے تمہیں اور بعلبک کو گزرے۔ وہاں سرمن راکی خداوند آمون کی Mythologies تھیں۔ بیل اور اشتار کی دیوی کی پرستش ہوتی تھی۔ اصل میں فرعون مصر نے بھی اسی دیوتا کو پرانے اصنام سے قبول کیا۔ بڑے خوبصورت محل تھے وہ اصنام نہیں تھے۔ پر وہت تھے بتوں کے گھر اور مندر تھے۔ انہوں نے بہت لمبے خوبصورت اعلیٰ ترین نقش کاری کر کے سونے کے بت بنائے ہوئے تھے جن میں سے روشنیاں جگمگاتی تھیں۔ بنی اسرائیل بھول گئے کہ اللہ سے کیا کہا تھا۔

کہا، پروردگار اگر تو اجازت دے کہ تو تو بڑا خدا ہے، طاقتور ہے۔ تیرا تو زیادہ حق بنتا ہے کہ تیرے بت رکھے جائیں۔ تو حسن صورت کے کسی مظاہرے میں تو آئے۔ جو نبی موسیٰ طور پر گئے۔ سامری نے پتھر بنایا اور اس پہ خاک پائے جبریل پھونکی۔ حضرت جبریل کو روح الامین کہتے ہیں۔ ان کو الروح بھی کہتے ہیں یعنی وہ شعبہ ارواح کے فرسٹ سیکرٹری ہیں۔ اس شعبے کی نمہانی انہی کے پاس ہے۔ انہی کی وجہ سے ارواح آتی ہیں۔ انہی کی وجہ سے ارواح کو شکل ملتی ہیں۔ اسی لیے حضرت جبریل امین کا نام روح الامین بھی ہے کہ امانت علم و عقل بھی انہیں کے ذریعے انسان کو منتقل ہوتی ہے۔ ایک دفعہ سامری جاوگر نے جبریل امین کو حضرت موسیٰ کے پاس آتے دیکھ لیا۔ سامری نے حضرت جبریل کے گھوڑے کی خاک تھوڑی سی لے لی اور اس پتھر سے پر پھونکی۔ پتھر سے نے پوری زندگی تو نہیں پائی مگر کسی نہ کسی طریق زندگی کی وہ خاک مالک تھی۔ اور اس پتھر سے میں سے آواز آنی شروع ہوگئی۔ اس آواز کی وجہ سے اس پر زندگی کا تاثر ہوا۔ اس تاثر کی وجہ سے بنی اسرائیل نے اس غیر معمولی واقعہ کو خدا سمجھا اور جب حضرت موسیٰ واپس آئے تو تمام کام بگڑ چکا تھا اور باقاعدہ اس پتھر سے کی پرستش شروع تھی۔

کب ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ ہمارے سامنے ظاہر ہوا اور ہمارے مردوں کو جگائے تب ہم اللہ کو مانیں گے۔ ہم تو اس لیے نہیں کہتے کہ وہ اس کائنات میں واحد رسول اللہ ﷺ ہے جن کا ہر لفظ ہر قدم اس عقلیت کے اعلیٰ ترین معیار پر ہے جو انسان کی ضرورت ہے اور ہم زندگی کے کسی ایک شعبے میں بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے گریز کر پائیں۔ یہ ہماری مجبوری ہے۔ ہمارے پیغمبر نے ہر راہ گذر پر ایسے قیمتی خوبصورت اور لازوال نقوش راہبری چھوڑے ہیں کہ اس امت میں کوئی شخص ان سے گریز نہیں کر سکتا۔ یہ ہیں محمد رسول اللہ ﷺ۔ ان کے معجزات اتنے اہم نہیں رہے۔ وہ رسول علم ہیں اور وہ اللہ کی جانب سے آخری استاد ہیں۔ انہوں نے ہمارے لیے کوئی گنجائش معجزات نہیں چھوڑی۔ اللہ کے رسول نے ہر منزل حیات پر آپ کے لیے قابل تعلیم نقوش چھوڑے ہیں۔

خواتین و حضرات! مگر اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے بڑا نقش تعلیم جو چھوڑا ہے وہ یہ ہے کہ مذہب کیوں اختیار کیا جائے۔ اتفاق دیکھیے کہ آج کے زمانے میں تمام زمانہ ہمیں یہ قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ مذہب غیر ضروری ہے مذہب فالتو ہے مذہب رسم و رواج ہے اور مذہب صرف نماز اور روزہ ہے۔ چلو اگر کسی کو مذہب ہی ہونا ہے اپنے گھر جاؤ مصلیٰ بچھاؤ، چار رکعت پڑھو۔ ہمیں کاروبار حیات میں تنگ نہ کرو۔ اس لیے کہ ہمارا معاشی نظام مذہب ہی نہیں ہے اس لیے کہ

ہمارا ٹریفک کا نظام تمہارے مذہبی نظام سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا اس لیے کہ ہماری گورنمنٹ کے نظام تمہارے نظام کے مطابق نہیں ہیں۔ تمہارا مذہب اس میں ہمیں کوئی سبق نہیں دیتا، کوئی دخل نہیں دیتا۔ تم نے مذہبی ہونا ہے تو ہو جاؤ۔ پھر خواتین و حضرات! کیا ہمیں زیب دیتا ہے کہ ہم دنیا کی ترقی بھی چاہتے ہوں، مال و اسباب بھی چاہتے ہوں اور مال و اسباب کے مالک ہوں۔ دنیا کی ترقی کے بزرگ ہمیں درس دے رہے ہیں کہ بھی مذہب نہیں چاہیے تو پھر ہم ایک لمحہ کے لیے سوال نہیں کریں گے کہ یا تو ہم اعلیٰ ترین منافق ہو جائیں۔ ایسے منافق جو مذہب بھی رکھیں اور دور حاضر کے غلام بھی ہوں۔ اصل میں ہماری نیتوں میں محبت تو بے لوث اور بلینئر کے ساتھ ہو اور کبھی کبھی اپنے گوشہ حیات میں ہم محمد رسول اللہ ﷺ کا نام بھی لے لیں۔ مسجدوں میں نعت پڑھیں، مدرسوں میں کلام پڑھ لیں، پرانی کتابیں دہرائیں اور مذہب کے ان بزرگوں سے جن کی اپنی تمام عمر ماشاء اللہ تعلیم خیرات مانگنے میں صرف ہو جاتی ہے اور آج کل اگرچہ حکومت انہی کی ہے مگر بد قسمتی سے وہ بھی مذہب کی غرض و غایت قطعاً نہیں جانتے۔

سوال یہ ہے کہ مذہب کیا ہے۔ ایک چلنے کا راستہ، کدھر جانے کا راستہ ہے۔ اگر یہ چلنے کا راستہ ہے تو کدھر جانے کا راستہ ہے۔ مذہب انسان کو کیا دیتا ہے۔ کیا بخشتا ہے۔ انسان کی مذہب سے کیا مراد ہے۔ کیا غرض و غایت ہے اور کیوں ہم مذہب کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں؟ جیسے کوئی ماں اپنے مردہ بچوں کو سینے سے لگائے پھرتی ہے۔ اسی طرح ہم بیمار فرسودہ بارہویں صدی کی توضیح کے محتاج مذہب کو اپنی آغوش میں لیے پھرتے ہیں۔ خواتین و حضرات! زمانے جب بدلتے ہیں، علم جدید تر ہوتا ہے، تحقیق انسان آگے بڑھتی ہے تو پھر آپ کے تقہر کو خدا کی تعلیم کی مختلف توضیح کرنا پڑتی ہے۔

آج قرآن کی وہ وضاحت نہیں چلے گی جو بوطلی سینا اور امام رازی نے دی ہے مگر ابن عباسؓ کی چلے گی کہ وہ صحابی تھے۔ اللہ نے ان کو تاویل قرآن عطا کی تھی۔ پوچھا گیا، ابن عباس! آج جبکہ تم زندہ ہو، ہمیں قرآن میں اشکال ہو تو تمہارے پاس چلے آتے ہیں۔ کل کیا ہوگا؟ ابن عباسؓ نے فرمایا، ہر زمانہ قرآن کی اپنی تفسیر کرتا ہے۔ آج میں نے قرآن کی تفسیر اپنی معلومات کے مطابق کرنی ہے ورنہ میں ایک ایسے پسماندہ راہرو کی طرح ہوں گا جو کبھی بھی منزل کا سراغ نہیں پا سکتا۔ مجھے خود کو ڈھالنا ہے۔ آج کا سادی نظام جو اس وقت مغربی دنیا کے پاس ہے مجھے اس کی تاویل اور وضاحت چاہیے۔ مجھے یہ چاہیے کہ قرآن کو اس تعلیم کی بنا پر پڑھوں۔ مجھے چاہیے کہ قرآن کو پڑھنا سیکھوں۔ قرآن ضرور علوم جدید سے کچھ آگے کا ہوگا۔ قرآن ضرور کائنات کی بہتر تفسیر دے رہا ہوگا مگر قرآن کا عالم ہمیں کیوں اس تفسیر سے آشنا نہیں ہونے دیتا؟ کیونکہ وہ ابن سینا اور فارابی سے آگے نہیں بڑھتا اور آج جو تفسیر ہم پڑھتے ہیں وہ ملا علی قاری سے آگے نہیں جاتی۔ وہ بہت بڑے عالم تھے ہم ان کا انکار نہیں کر سکتے۔ عبدالوہاب شعرانی بہت بڑے عالم تھے۔ بڑا بڑا محدث اور فقیہ گزر گیا مگر ان کے پاس وہ معلومات نہیں تھیں جو آج کے آٹھویں جماعت پاس پنچے کے پاس ہے۔ جوئی وی پر Discovery کا چینل دیکھ رہا ہے۔ اس کو زیادہ بہتر علم ہے وہ جانتا ہے کہ زمین کے چپنا ہونے پر جو توتوی ہے وہ غلط ہے۔ اس کو علوم ہے کہ کائنات دیکھی جا چکی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مجمع الکوکب (Constellation) دیکھی جا چکی ہے۔ اس کو علوم ہے کہ زمین گول ہے وہ اب کسی معتبر کی بات نہیں مانے گا بلکہ بنسے گا کہ شاید تمام مذہب انہی خرافات کے نتائج سے بھرا ہوا ہے۔

علم کی وجہ سے نہیں بلکہ ان لوگوں کی وجہ سے جو اس علم و عقل کو اللہ کی حمایت میں استعمال نہیں کرتے۔ ان

لوگوں کی وجہ سے جو خدا کی دی ہوئی نعمت کو تحقیق و جستجو میں استعمال نہیں کرتے۔ اس لیے کہ مذہب کا کوئی اور مطلب نہ تھا، نہ ہے اور نہ ہوگا۔ شریعتیں بدلتی رہتی ہیں۔ سلاسل بدلتے رہتے ہیں۔ کوئی چیز بنی اسرائیل میں حرام مطلق تھی اور ہمارے لیے حلال ہے۔ شریعتیں انسان کی بلوغت فکر کے ساتھ بدلتی چلی آئی ہیں حتیٰ کہ آقائے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ختم ہو گئیں مگر آدم سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک مذہب کا صرف ایک مقصد مستقل رہا ہے اور وہ اللہ ہے۔ اللہ کی شناخت اللہ کا جاننا اللہ کی ہمسائیگی کی آرزو۔ مذہب کا یہ بنیادی مقصد اور اولین ترجیح ہے۔ اور جو عقل، جو دانش اور جو علم مذہب آپ کو خدا کی اس ترجیح سے آگہی نہیں دیتا وہ مذہب نہیں۔ رسم و رواج کی اختراع ہے۔ مجموعہ ہے بیکار محض۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو آخری پیغام دیا ہے وہ یہی ہے اور اب ہمارا فرض ہے کہ اس دور حاضر میں جب ہم مذہب کا دفاع نہیں کر سکتے، میں اس میں خصوصی طور پر ان دانشور عالموں کو شریک نہیں کرتا۔ میں عمومی ادارہ کی بات کرتا ہوں اور یہ عمومی ادارہ اسلام کے لیے آنت جان بنا ہوا ہے۔ اسلام کے دو ہی دشمن ہیں، ایک سیکولرسٹ ہے اور دوسرے وہ ادنیٰ درجے کی کم ترین ملائیت جس نے مذہب کو رزق و روزگار کے سوا کچھ نہیں بنایا۔

خواتین و حضرات! ایمان جبر نہیں ہے۔ بہتر ہے یہ روئے جبر اپنے سر سے اتا رو۔ اللہ پر احسان نہ فرماؤ۔ اپنے اوپر رحم کرو، غور و فکر اور سیکھنے سمجھنے کی صلاحیت اختیار کرو۔ قرآن بہت آگے ہے۔ تمام علوم درمیان میں ہیں۔ نلّا بہت پیچھے ہیں۔ قرآن کیوں نہ آگے ہو۔ قرآن تو ابتدائے کائنات سے لے کر آخر کائنات تک وقوع پذیر ہونے والے حالات و واقعات کو سمیٹے بیٹھا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ صاحب علم وہ دانشور کبیر، وہ خدائے مطلق جو ایک طرف خبر دیتا ہے کہ وسخر الشمس والقمر ط کمل یجرى لا جل مسمى (۱۳) (الرعد: ۲) اور سورج اور چاند کو ایک خاص قانون کا پابند بنایا اور ہر چیز کائنات میں ایک مقررہ مدت کے لیے چل رہی ہے۔

پھر تخلیق کے خاتمے کی خبر دی ہے۔ القارعة ۵ ما القارعة ۵ وما ادراک ما القارعة ۵ یوم یكون الناس کالفراش المبثوث ۵ وتكون الجبال کالعهن المنفوش (۱۰۱) (القارعة: ۵ تا ۱۰) کھڑکھڑانے والی، کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی؟ اور تمہیں کیا پتا کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ روئی کی مانند ہوں گے۔ اور دوسری جگہ فرمایا وجمع الشمس والقمر (۵) (القیامت: ۹) چاند اور سورج پھرا کٹھے ہو جائیں گے۔ اور پھر زمین نئی زمین سے بدل دی جائے گی۔ اس خوبصورت آیت کو یاد رکھیے گا کہ زمین زمین سے بدل دی جائے گی۔ آسمان کی جگہ زردسیاہ زو آسمان ہوگا۔ اوزون کے پردے ہٹ جائیں گے اور اصلی کائنات آپ کو نظر آئے گی۔ قوانین حیات بدل دیے جائیں گے۔ پھر اُس دن خداوند کائنات آسمان اول کو رجوع فرمائیں گے اور بڑے بڑے بش اور بلینر قطار میں کھڑے ہوں گے۔ سکرات کا عالم ہوگا، ہمارے بھی چند ایک اُن کے چاہنے والوں کی قطار میں ہوں گے اور آواز آئے گی لمن الملک الیوم ط للہ الواحد القہار (۴۰) (خانہ: ۱۶) اب بتاؤ آسمان و زمین کس کے ہیں؟ اب بتاؤ ورلڈ آرڈر کس کا ہے؟ کون مالک ہے؟ اور کیا خوبصورت آیت ہے و اشرفق الارض بنور ربھا (سورۃ الزمر، آیت ۶۹) اور زمین تیرے رب کے نور سے چمک جائے گی اور رب کائنات محبت رحم اور کرم سے اپنی مخلوق پر نگاہ کرے گا اور صرف اتنی بات ڈھونڈے گا، چھوٹی سی بات جس نے غور و فکر کیا، عقل کو استعمال کیا۔ اس نعمت کو اللہ کے

جاننے کے لیے استعمال کیا تو میزان لگائی جائے گی اور انسان کے تمام گناہ ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے۔ پھر خداوند کریم فرمائیں گے کہ ایک کاغذ کا پرزہ دوسرے میزان میں ڈال دو اور جب وہ پرزہ اس میزان میں ڈالا جائے گا تو تمام گناہ آسمان کو اٹھ جائیں گے اور وہ میزان زمین سے لگ جائے گی جس میں ایک کاغذ کا پرزہ ہوگا اور اس پہ لکھا ہوا ہوگا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

خدا کی بخشش کا یقین

سوال: یہ کیسے پتہ چلے گا کہ خدا نے بخش دیا؟

جواب: یہ بے یقینی کا سوال ہے۔ اللہ اور بندے کے درمیان ایک یقین کا کام کرنا ہے جس کو علوم ہے کہ اللہ بخشنے والا ہے اور جس کو کتاب حکیم پر یقین ہے اور خدا کے مقدس الفاظ پر یقین ہے وہ کبھی اس بارے میں شبہ نہیں کرتا۔ اللہ نے اس کے لیے جو واحد رسیزہ انسان میں رکھی ہے وہ اخلاص ہے۔ اگر آپ اللہ کے لیے شہدے برابر بھی اخلاص محسوس کرتے ہو اور اس کی حاکمیت اعلیٰ میں کسی کو شریک نہیں کرتے تو اللہ کا یہ وعدہ ہے قل یعباد الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہ هو الغفور الرحیم (۳۹) (الزمر)۔

(۵۳) کہ اگر تم سے سارے گناہ بھی سرزد ہو جائیں۔ ساری خطائیں بھی ہوں تو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔

اس سے پہلے حضرت لقمان اور حضرت یعقوب نے مختلف مواقع پر اپنے بیٹوں کو اور بچوں کو درس دیتے ہوئے کہا کہ دیکھو اصل کفر اللہ سے مایوسی ہے۔ کفر یہ ہے کہ آپ اللہ کو معاف کرنے والا نہ سمجھو۔ کفر یہ ہے کہ آپ کو حقیقت انسان کا علم نہ ہو۔ کفر یہ ہے کہ آپ کو پروردگار کائنات کی حیثیت کا عرفان نہ ہو۔ جب خداوند کریم یہ ارشاد فرمائیں کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہونا اور رحیم کے بارے میں یہ متعدد مرتبہ کہا گیا کہ لفظ رحیم کا اطلاق ہی زندگی کے بعد ہوگا۔ اور جب رحمن اور رحیم کی وضاحت ہوئی تو یہ کہا گیا کہ رحمن الدنیا اور رحیم الآخرت ہے کہ دنیا میں وہ رحمن ہے اور آخرت میں وہ رحیم ہے۔ اس میں مفاہمت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ کے اوپر اپنی لفاظی کو مسلط نہیں کرنا چاہیے۔ جب وہ اصولاً ایک مطلق بات کر رہا ہے کہ میں تمام گناہ معاف کرتا ہوں۔ اس کی ایک اور بھی وجہ ہے کہ جتنے بھی میرے گناہ ہیں ایک مختصر ترین مدت کے لیے کرتا ہوں اور میں گناہ کرنے پر مکلف بھی ہوں۔ اس لیے کہ اللہ نے مجھے اپنے ارشاد مبارک کے مطابق ظالم جاہل، عجلت پسند، چھوٹی چھوٹی بات پر شکوہ طراز اور زخیل بھی قرار دیا اور میں Possessive بھی ہوں تو اس حالت میں انسان سے خطا کا ارتکاب فطری بات بھی ہے۔ اس لیے کہ انسان کا سفر خطا سے شروع ہوا۔ دیکھیے گناہ کتنا بڑا ہو سکتا ہے۔ ایک وہ خطا ہے جو خدا کی غیبت میں آپ کرتے ہیں۔ آپ نے خدا دیکھا ہوا نہیں ہے۔ آپ نے خدا کو براہ راست سنا ہوا نہیں ہے۔ آپ اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔ ایک وہ خطا ہوئی جو خدا کے سامنے ہوئی۔ اب بتائیے اس خطا کا کتنا وزن ہوگا۔ وہ کیا عجیب خطا ہوگی جو آدم سے اللہ کے حضور میں سرزد ہوئی۔ وہ کتنی بڑی خطا ہوگی۔ آپ اس خطا کا اندازہ کر سکتے ہو کہ جو اللہ کے حضور میں ہوئی ہو تو اتنی بڑی خطا کو بھی اللہ کریم نے اپنے رحم و کرم سے معاف کر دیا۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ آدم نے جو خطا فرمائی ہے یا آدم سے جس خطا کا ارتکاب ہوا اس کے مداوا کے لیے بھی اُن کے پاس کوئی چیز نہیں تھی۔ اُن کے

پاس نہ انداز فکر تھا، نہ انداز دعا تھا، نہ الفاظ دعا تھے۔ اگر آپ قرآن کا مطالعہ کریں تو دیکھئے اللہ کیا حسن تدبیر سے کام لیتا ہے کہ فرد جرم لگا دیتا ہے۔

فازلهما الشيطان عنها فاخر جهما مما كانا فيه وقلنا اهبطوا بعضكم لبعض عدو
(۲) (البقرہ: ۳۶) یہ تو ہوئی فرد جرم اور سزا فلتقی آدم من ربه كلمت فتاب عليه^ط انه هو التواب الرحيم
(۲) (البقرہ: ۳۷) خفیہ طور پر اس احساسِ ندامت کے جواب میں ایک ایسے شخص کی ندامت کے جواب میں جس کے پاس لفظ ہی نہیں ہے۔ آدم تفسیر خیال بھی نہیں بیان کر سکتے۔ انداز اظہار بھی نہیں ہے۔ وہ اتنے مجبور ہیں کہ اپنی خطا کی عرضِ ندامت نہیں ہے تو خداوند کریم فرماتے ہیں کہ میں نے اس سلسلے میں اپنی اس محبوب مخلوق کو خفیہ طور پر کہا، آدم یا چھوڑ میں تیرا رب، تو میرا بندہ۔ چپکے سے ذرا ان لفظوں سے توبہ کر لے۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخسرين (۷) (الاعراف: ۲۳) ”اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں معاف نہ کرے گا تو ہم یقیناً نقصان اٹھائیں گے۔“ کیونکہ میں تو بیٹھا ہی توبہ قبول کرنے کے لیے ہوں۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو کوئی شبہ رہ جائے تو ساتھ وہ الفاظ جو بنیادی طور پر معاہدے کے الفاظ ہیں، جو خدا کے خود سکھائے ہوئے الفاظ ہیں، اس کے بعد شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

مسلمانوں کے بھٹکنے کی وجہ

سوال: آج کل کے دور میں قرآن پڑھا اور پڑھایا بھی جا رہا ہے اور سنت پر لوگوں کو چلتے ہوئے سڑکوں پر دیکھ بھی سکتے ہیں۔ بیس لاکھ کا سالانہ مجمع بھی ایک بہت بڑی نمائش ہے۔ اس کے باوجود مسلمان اپنے صحیح راستے کو ابھی تک کیوں نہیں پہنچے؟

جواب: جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں

بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لا نہیں کرتے

بد قسمتی سے بندوں کو توبہ کرنے کا عمل صرف اللہ کے پاس محفوظ ہے، بندے گنہگار نہیں ہو سکتے اور ہم

مسلمان کہلا سکتے ہیں، مومن نہیں کہلا سکتے کیونکہ ظاہر کا فیصلہ آپ کے پاس اور باطن کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے۔

قیامت کے دن حتمی طور پر جو کاؤنٹ ڈاؤن ہوگا، سوائے ایک طبقہ خیال کے، بڑے ہی محترم لوگ

ہوں گے۔ پھر ایسا زمانے میں کبھی نہیں ہوا کہ ایک پوری امت ایک پورے دور کو اللہ کی تحریری سفارش

(Written Recommendation) حاصل ہو۔ وہ اصحابِ شجرہ کو عطا ہوئی کہ اے پیغمبر ﷺ! انہوں نے تمہارے

ہاتھ پر بیعت نہیں کی، میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ پھر خداوند کریم نے فرمایا کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

(۹) (التوبہ: ۱۰۰) اللہ ان سے راضی ہو اور یہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اب اس کے بغیر ہمارے پاس کوئی سند نہیں۔ وہ لوگ

گزر گئے، جن کو لکھا ہوا دیا گیا۔ یہ اصحابِ عشرہ مبشرہ ہیں، یہ اصحابِ بدر ہیں۔ یہ اصحابِ شجرہ بیعت رضوان ہیں۔ یہ وہ لوگ

تھے جن کو اللہ نے لکھ کے دے دیا۔ اب اس کے بعد اس قسم کی کوئی گنجائش امت مسلمہ کے لیے باقی نہیں رہی۔ اب ہم

اپنے منصف آپ نہیں ہو سکتے۔ اب خدا کا فیصلہ بھی ہم پر اس طرح کتاب میں لکھا ہوا نہیں آ سکتا اس لیے اب ہجوم کوئی معنی نہیں رکھتا۔ چاہے وہ بیس لاکھ یا دس لاکھ کے ہوں۔

کے از مغز دو صد خر
فکر انسان نمی آید

یہ کسی کی توہین نہ سمجھئے گا۔ جو میں بات آپ سے کہہ رہا ہوں، اسے غور سے سنیے گا۔ اندھا دھند تقلید ایک ماتص انداز کی تائید اور اپنی محرومیوں کے بدلے اس طرح کا عمل کرنا ایمان نہیں سمجھا جاسکتا۔

آپ نبیوں میں اللہ کو یاد کرتے کرتے مر جاؤ تو اس کا کوئی ثواب آپ کو نہیں ہوگا کیونکہ آپ کی عقل حرکت میں نہیں آئی۔ آپ کو مسئلہ درپیش نہیں ہوا۔ آپ کی جواب دہی بیدار نہیں ہوئی۔ شیطان سے آپ کا مقابلہ نہیں ہوا۔ جہاں مقابلہ نہیں ہوگا وہاں ثواب نہیں ہوگا۔ چاہے بیس لاکھ ہوں یا چالیس لاکھ یا اسی لاکھ۔ اس سے کوئی فرق نہیں ہوگا۔ تین سو تیرہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی کرامت علمیہ کا کمال ہے کہ آج میں قسمیہ طور پر کہہ سکتا ہوں کہ ماں باپ کی وجہ سے نہیں، برادری کی وجہ سے نہیں، تقابل ادیان (۱) کی وجہ سے، خیالات کے مجادلے (۲) کی وجہ سے میں قرآن کی وجہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے مسلمان ہوں۔ وہ جو ہمیں سبق دیتے ہیں کہ تبلیغ ایسے نہیں ہوتی، اگر وہ کرتے ہیں اور خوش ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے مگر قرآن کہتا ہے کہ تبلیغ ایسے نہیں ہوتی۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلہم بالتی ہی احسن (۱۶) (النحل):
۱۲۵) آپ لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجیے اور ایسے طریقے سے مباحثہ کیجیے جو بہترین ہو۔ پہلے تجھے عقل چاہیے۔ یہ حکمت کیا ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ گولیاں پینا حکمت ہے، ہو میو پیٹھی حکمت ہے۔ حکمت، علم کی Execution ہے۔ علم کی Execution کو جب مرتباً خلاق میں ڈھالا جائے تو اس کو ہم حکمت کہتے ہیں۔ ایک مانج ہے ایک Execution ہے۔ Execution حکمت ہے۔ خداوند کریم فرماتے ہیں: یہ نعمت غیر مترقبہ ہے۔ یہ عموم میں نہیں ملتی۔ جسے چاہتا ہوں، حکمت عطا کرتا ہوں۔ یوتی الحکمة من یشاء ومن یوتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا (سورۃ البقرہ آیت ۲۶۹) اور جسے میں نے حکمت عطا کی اسے میں نے خیر کثیر عطا کر دی۔ اب تبلیغ پر جو اللہ نے پابندی لگائی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک تجھے خیر کثیر حاصل نہ ہو، تبلیغ کے لیے نہ جا۔

پہلا مرحلہ یہ ہے کہ تو علم میں کمال حاصل کر۔ اس کی Execution میں کمال حاصل کر اور پھر ادھر مقام ختم نہیں ہوا۔ ہو سکتا ہے ایک شخص صاحب حکمت ہو مگر انداز بیان نہ ہو۔ پھر فرمایا تجھ میں کلام کا حسن بھی ہونا چاہیے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کلام میں سحر ہے، کلام میں اثر ہے۔ یہ وہ واحد چور ہے جو ہاتھ میں چراغ لیے پھرتا ہے۔ یہ دن دیہاڑے چوری کرتا ہے۔

ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اس لیے کلام دلوں میں گھس جاتا ہے۔ ایک شاعر نے بڑا خوبصورت شعر کہا ہے کہ

ع نگہم نقب پہ گنجینہ دلہا می زد
میری نگاہ لوگوں کے دلوں میں نقب لگایا کرتی تھی۔

ع مژدہ باد امل ریا را کہ زمیراں رنم

اب میں جا رہا ہوں۔ میرے بعد امل نفاق اور منافقوں کو مبارکباد دو۔ وہ تو چلا گیا جو دلوں کے خزانوں میں نقب لگایا کرتا تھا۔ اب تم بدی کے خزانوں میں نقب لگایا کرو۔ اس لیے تبلیغ کا یہ دوسرا حصہ بہت ہی اہم ہے۔ مردہ تھی، مردہ دلی اور مردہ کلامی سے تبلیغ کا اللہ نے حکم نہیں دیا، اس لیے کہ ان دو مراحل کے بعد ایک بڑا کٹھن مرحلہ آتا ہے۔ بحث و مباحثہ، جنگ و جدل اور الفاظ کا کشت و خون ہوتا ہے۔ بڑے بڑے معجز بیان لوگ دلائل پر آ کے ہار جاتے ہیں تو فرمایا، وجادلہم بالسی ہی احسن (سورۃ النحل، آیت ۱۲۵) Dialectics کو جدلیات کہتے ہیں کہ بحث و مباحثہ میں اگر جدلیات میں کمزوری آگئی تو تو اللہ کو Present نہیں کر سکتا۔ اگر جدید ٹیکنالوجی پر کوئی حرف آ گیا تو شاید اللہ کی طرف سے آپ جو اب نہ دے سکیں۔ میں کچھ دن پہلے علامہ ذاکر حسین کو سن رہا تھا اور وہ فرما رہے تھے کہ اسلام میں بھی سیکولرازم ہے۔ اب بتائیے اگر عالم ایسا ہوگا کہ وہ انکار خدا کو اسلام کا حصہ قرار دے گا۔ سیکولرازم کو اسلام کا حصہ قرار دے گا تو میں اسے الزام نہیں دیتا، اس لیے کہ خداوند کریم نے کہا و فوق کل ذی علم علیم (۱۲) (یوسف: ۶۶) ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے مگر جب مخالف سنے گا تو ضرور ہنسے گا کہ یہ محکوم مذہب ہے جس کو یوں پیش کیا جا رہا ہے۔ اسلام میں کوئی فلسفہ شریک نہیں ان الدین عند اللہ الاسلام (۳) (آل عمران: ۱۹) نہ صرف یہ کہ اسلام کے علاوہ کہیں نجات ممکن ہی نہیں ہے۔ اسلام کے رستے کے سوا خدا کسی رستے سے مل نہیں سکتا۔ اگر اسلام کے سوا کسی اور راستے پہ چل کے آئے تو میں قبول نہیں کروں گا۔ اسلام میں ہم جیسے لوگ ضرور موجود ہیں۔ یہ وہ خوبصورت قبوہ ہے جو ہم جیسے اگلدانوں میں پڑا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ سوائے اسلام کے آج تک ایک بھی دنیا کا فلسفہ ایسا نہیں ہے جو نظریاتی طور پر مابعد الطبیعیاتی ہو۔

اسلام وہ واحد مذہب ہے جو مابعد الطبیعیات کا مذہب ہے۔ یہ واحد مذہب ہے جس کی حرکتیں مسلسل پروردگار عالم کی طرف ہیں۔ باقی سب تجرید میں کھو جاتے ہیں۔ کوئی انسان کو خدا کہتا ہے، کوئی انسانیت کو خدا کہتا ہے تو کوئی تقدیر کو خدا کہتا ہے۔ صرف اسلام کی تحریک خدائے واحد کی طرف ہے اور اس کی ہمسائیگی کی خواہش کو اسلام کہتے ہیں۔ اس لیے جب آپ بحث کرنے جاؤ تو مظلوموں کی طرح بحث نہ کرو۔ اسلام مظلوم نہیں ہے۔ اسلام ہر زمانے پر غالب ہے۔ اسلام آج بھی غالب ہے۔ عراقیوں نے بغداد بیچا ہے ہارا نہیں ہے۔ افغانستان میں اسی کروڑ ڈالر لگا ہے، اسلام نہیں ہارا۔ آج بھی آپ کے ملک میں چوروں کے فلسفے کے نام پر سیکولرازم کے نام پر ایک ایسا گھناؤنا عمل جاری ہے کہ خدا اور اس کے رسول محمد ﷺ کی آرزو آپ سے چھینی جا رہی ہے۔ اس کی قبولیت کیا ہے؟ اس کی قبولیت یہ ہے کہ یہ فلسفہ اخلاقیات کو اپنے اندر آنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کون ہے خدا جو زما سے منع کرتا ہے۔ کیوں خدا چوری کی سزا رکھتا ہے۔ کیوں خدا ہمارے فلسفوں کو حسن قبولیت عطا نہیں کرتا۔ جیسے مشہور مفکر جس نے کتاب "God and Religion" لکھی۔ اس نے کہا، اب اگر خدا کو کائنات میں رہنا ہے تو انسانوں کے گناہوں کو قانونی شکل دینا پڑے گی۔ تو تبلیغ میں انسان کا اعتماد اس کے علم، اس کی Execution، اس کے دفاع، اس کی غیر محکوم ذہنیت پر آتا ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میں ان تینوں چیزوں میں سے ایک بھی چیز

آج کے دور کے مبلغین میں نہیں پاتا۔

مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ میں ایسے بہت سے لوگوں سے ملا ہوں۔ اسلام کو میں مگھوم دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اللہ کہتا ہے سستی نہ کرنا، زمانے کا غم نہ کرنا، کون بڑا کون چھوٹا ہے اس کا غم نہ کرنا۔ مجھے عزت و جلال کی قسم ہے تم ہی غالب ہو۔ اگر تم ایمان والے ہو۔ آپ دیکھو تو سہی نقص کدھر جا رہا ہے۔ ادھر تو بڑی وضاحت سے لکھا ہے ذرا اپنے ایمان کی خبر لو۔ جائزہ تو لو کیا ہم واقعی صاحب ایمان ہیں؟ کیا پتہ ہے

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

خدا کا انتخاب

سوال: ہم لوگ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے اس لیے ہم نے اسلام کو اپنا انتخاب کیا۔ جو شخص ایسی جگہ ہو جہاں تصور خدا کبھی اس کے سامنے لایا ہی نہ گیا ہو تو وہ خدا کو کیسے انتخاب کرے گا؟

جواب: جب لوگ بوڑھے ہو جائیں تو جوانوں کی دوڑ میں جاتے ہیں جس کو رکاوٹوں والی دوڑ کہتے ہیں۔ اس میں بوڑھوں کو رعایت دیتے ہیں۔ دس پندرہ گز آگے کھڑا کر دیتے ہیں۔ شاید کوئی بوڑھا بھاگتا ہو اور دوڑ جیت جائے۔ خداوند کریم نے پیدائشی طور پر اسلام آپ کو دے کر صرف رکاوٹ کی رعایت دی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی رعایت نہیں دی۔ اس سے آپ ما جائز فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ آپ کو دوڑ میں حصہ لینا ہے۔ یہ مت سمجھیں کہ ہم جو پندرہ کروڑ مسلمانوں کے نام رکھتے ہیں، ہم مسلمان ہیں۔ اسی ملک میں سوشلزم اور کمیونزم آیا تھا اور پیدائشی مسلمانوں میں سے دو ڈھائی کروڑ مسلمان سوشلسٹ اور کمیونسٹ ہو گئے۔

اب یہ اصول لاگو نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جو ہندو ہیں۔ وہ لوگ جو عیسائی ہیں۔ وہ لوگ جو تبت کے لامائی ہیں۔ وہ لوگ جو افریقہ کے شامان ہیں، ان سب میں سے مراد وہ پائے گا جس کے دل میں اللہ کی آرزو جاگے گی خواہ وہ کسی مذہب سے ہو۔ ہمیں صرف پہلے سے تعلیم کا فائدہ ہے۔ اس سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ مگر عذاب بھی دگنا ہے اور وہ عذاب ہم سہہ رہے ہیں کہ خدا کو پیدائشی طور پر جاننے، ماننے کے باوجود اس کے احکام سے بالکل اسی طرح بھاگتے ہیں جیسے کسی اچھے استاد سے مالا لائق طالب علم کلاسوں سے گریز کرتا ہے۔ یہ کوئی فائدے کی بات نہیں ہے۔ ہر اس ہندو کو اسلام ملے گا جس کے دل میں خدا کی آرزو جاگے گی۔ ہر عیسائی کو ملے گا، ڈاکٹر فاطمہ بارکر کوملا ہے تبت کے لاما کوملا ہے کے۔ ایل۔ گلابا ہندو کوملا ہے۔ اسی طرح اگر آپ میں سے بھی کسی کے دل میں خدا کے علاوہ کسی فلسفے کی آرزو پیدا ہوئی تو اس کو کارل مارکس ملے گا۔ ڈیکارٹ ملے گا۔ Michael Sholokhove ملے گا۔ بش اور پلیئر ملے گا۔ ان کی سعادتیں ان کے ضمیر میں ضرور ہوں گی۔

متحدہ مجلس عمل (ایم۔ ایم۔ اے) کی حکومت

سوال: سرحد میں ایم۔ ایم۔ اے کی جو موجودہ حکومت ہے کیا یہ ایک اسلامی معاشرہ ہے؟ اگر ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس پر معذرت کرتے ہیں۔ اگر نہیں تو وضاحت فرمائیے کہ اس معاشرے میں کیا نشانیوں ہوں گی؟

جواب: خواتین و حضرات! یہ ایک سیاسی سوال ہے اور میں انہیں کے گھر میں مہمان بھی ہوں مگر سچ تو بولنا ہے اور ہر حال میں بولنا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ تاریخ کے طالب علموں کو علم بنے والا کوٹے کا معرکہ گواہ ہے کہ اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ علماء کو حکومت ملی تھی۔ انہوں نے پشاور فتح کیا تھا اور مولوی حضرات کی حکومت قائم ہوئی تھی۔

اتفاق دیکھیے کہ جونہی یہ غیر تکنیکی حکومت قائم ہوئی، پان بند، سگریٹ بند، رسم و رواج بند، پاؤں کے نخنے نکلنے، سروں کی مشقتیں، بالوں کے کاٹنے کی سزا اور اس قسم کی بے شمار حرکات انہوں نے کیں۔ خواتین و حضرات! حکومتیں یہ کام اس وقت کرتی ہیں جب لوگوں کے مسائل حل کر لیتی ہیں۔ مسلمانوں نے مناسب انداز سے ایسی نادان مسلمان حکومت کے مقابلے میں مہارا چہرہ نچیت سنگھ کی حکومت کو چنا اور ہری سنگھ ٹلوا کا ساتھ دیا۔ اگر آج ان علماء کی حکومت ہے تو ان کو تاریخ کا علم ہونا چاہیے کہ بالاکوٹ بڑا قریب ہے اور یہ مسلمان غذا نہیں تھے ان کو غذا رکھنا آسان ہے مگر جو اتنی غلط پالیسی بنائے گا کہ آزاد لوگوں کی زندگی تنگ کرے گا تو لوگ اسی طرح کریں گے جس طرح اس علاقے کے لوگوں نے پہلے کیا تھا۔ مگر اب کی بار بات کچھ ایسے ہے کہ تعلیم بہت آگے بڑھ گئی ہے اور میری آپ سے یہ ضرور درخواست ہوگی کہ اگر ان سے احمقانہ لغزشوں کا ارتکاب ہو۔ آپ خلوص دل سے بحیثیت مسلمان معاف کیجیے گا اور ان کو اتنا موقع ضرور دیں کہ شاید یہ بہتر عقل و معرفت سے زندگی کے بیشتر مسائل کو حل کرنے کے قابل ہوں۔

اسلام فہم و فراست مانگتا ہے۔ بائیس سال قرآن اترتا رہا، بائیس سال لوگوں کی اخلاقی تربیت ہوتی رہی۔ بائیس سال سرور کائنات ﷺ خدا کی طرف سے لوگوں کے اعمال کے نگران رہا اور ان بد تمیز ترین لوگوں کو اسحاب رسول ﷺ میں بدلا مگر بائیس سال کی تعلیم و تربیت میں آپ ایک واقعہ نہیں بتا سکتے کہ اس استاد محترم نے کسی کو کونسا دیا ہوا چھری لے کے کسی کو پیٹا ہوا۔ اللہ نے شراب منع کی مگر تین منازل میں۔ سو منع کیا مگر خطبہ الوداع والے دن۔ تو ان چیزوں کے لیے انسان کی تیاری بڑی لازم ہے۔ ایم۔ ایم۔ اے کا کوئی ہوم ورک نہیں۔ ہوم ورک کے بغیر حکومتیں بے ترتیبی اور بے اعتباری کا شکار ہو جاتی ہیں۔

وسیلہ کی اہمیت

سوال: ایک طرف تو آپ اللہ سے براہ راست رابطے کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ وسیلے کو بھی درست سمجھتے ہیں، یہ تناؤ کیوں ہے؟

جواب: تناؤ اس لیے نہیں ہے کہ اللہ نے کبھی اپنے رسول اللہ ﷺ کو کبھی اپنے سے جدا ہی نہیں کیا۔ اس لیے میں کیسے جدا کر سکتا ہوں۔ لوگ اسے بڑا عجیب و غریب سمجھتے ہیں مگر میرے لیے خدا اور رسول اللہ ﷺ میں صرف ایک فرق ہے کہ اگر میں کسی سے پوچھوں کہ اللہ کتنے ہیں اور مجھے کہا ایک اور خالق اور عطا کرنے والا کون ہے اور وہ کہا اللہ۔ تو میں چاہتا ہوں کہ بعد کی ساری عزتیں محمد رسول اللہ ﷺ کو جائیں۔

میں غالب کا ایک شعر سنا ہوں۔ ویسے تو بڑے بڑے لٹے سیدھے شعر اس نے کہے ہیں مگر ایک شعر

نعت رسول اللہ ﷺ میں لکھا کہ ۔

غالب ثناء خواجہ بہ یزداں گدا شمیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

ہم میں نہیں۔ آپ میں نہیں بلکہ انسان کے تصور میں نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کو کتنے محترم ہیں۔ کسی شخص نے کہا تھا کہ آج تک نفس کے فریب کتنے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے مقامات کتنے ہیں مجھے کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ ایک عام سا اندازہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔ قرآن کے الفاظ پر آپ ذرا غور کیجیے گا اور پھر مجھے بتائیے گا کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کا اللہ کے نزدیک کیا مقام ہے اور آپ کے نزدیک کیا مقام ہے۔

ذرا تین آیات پر غور کیجیے کہ مخلوقات عالم کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ نے ایک معاہدہ لکھا کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ (۶) (الانعام: ۵۴) کہ میں نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرمایا۔ پھر اپنے آپ کو فرمایا الحمد للہ رب العلمین (۱) (الفاتحہ: ۲) کہ میں تمام جہانوں کا پالنے والا ہوں اور جب تمام جہانوں کا ذکر فرمایا تو قرآن کی اس آیت کا مطلب یہ بنے گا کہ تمام عالم کو پالنے سے پہلے میں نے ایک چیز لازم قرار دی کہ میں ان پر رحمت فرماؤں اور ساری کائنات کی رحمت سمیٹ کر اس نے فرمایا وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (۲۱) (الانبیاء: ۱۰۷) اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تعریف نہ کی وہ اصل اور نسلی بخیل ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حق ادائیگی نعمت شکر نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کہ تم لوگ جہنم کے گڑھوں پر کھڑے تھے میرا یہ حال ہے کہ تمہیں کمر سے کھینچ کے پیچھے لارہا ہوں۔ تم آگ میں جلدی کرنے کی کر رہے ہو میں تمہیں مشکلوں سے گھسیٹ کے پیچھے لارہا ہوں۔

خواتین و حضرات! اللہ کو تو آپ نے کم دیکھا ہے مگر جو شخص آپ کے لیے اتنا جاں سپا رہے قیامت میں بھی اس کی زبان پر امت کے علاوہ کوئی فریاد ہی نہیں ہے۔ اس سے آپ کیا محبت کر سکو گے۔ اب آپ دیکھیے حدیث رسول ﷺ۔ یہ مستند ترین حدیث ہے۔ اس کے صرف دو حصے آپ کو سنا رہا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے واسطے دوستی کی اور اللہ کے واسطے دشمنی کی اس نے ایمان کی حلاوت پائی۔ جس نے اپنی جان و مال و اولاد اور تمام اسباب سے بڑھ کر مجھے چاہا۔ آپ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو کتنا چاہ لیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو تو ان لوگوں نے چاہا کہ جن کے بارے میں حسان بن ثابتؓ دربار رسالت ﷺ میں یہ شعر پڑھ رہے تھے کہ آقا و رسول ﷺ آپ کی کیا صفات عالیہ بیان کروں۔ محبت رسول ﷺ میں نہیں کیا کلام کہوں۔ سوائے اس ایک جملے کے کہ اے رسول اللہ ﷺ آپ کو اللہ نے اسی طرح بنا دیا جس طرح آپ نے خواہش کی۔ وہ یہ شعر پڑھ کے ہٹے تو جبریل امین حاضر ہوئے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ آسمان والے بھی حسان کے اس شعر کی داد دے رہے ہیں۔

خواتین و حضرات! اللہ اپنے ساتھ بڑی گستاخیاں معاف کرتا ہے۔ ایسی بلندی ایسی پستی! کہاں وہ کہاں ہم۔ بیچ میں چونکہ فاصلہ بہت بڑا ہے اس فاصلے میں آپ سانس لے سکتے ہو۔ آپ کو پتہ ہے بہت اونچا ہے پروا نہیں کرے گا۔ سو آپ نے کوسنے دینے طعنے دیے۔ آپ نے اللہ کو عورتوں کی طرح بھی پکارا۔ مردوں کی طرح بھی پکارا چھوڑو جی دیکھ لیا ہے بڑا آزمایا ہے۔ اللہ بھی کسی کا نہیں بنتا۔ اللہ بھی ہم غریبوں کو مار رہا ہے۔ اللہ سنتا رہتا ہے۔ اُسے مطلق پروا

نہیں۔ اس کی عظمت آپ کی یہ خطائیں درگزر کر دے گی مگر

Never in front of Prophet ﷺ of Islam.

ع با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

گستاخ رسول ﷺ کی سزا رسول اللہ ﷺ نے نہیں دی۔ آپ ﷺ تو اتنے مہربان اور اتنے کریم ہیں کہ بدترین دشمنوں کو معاف کرتے ہیں مگر اللہ اپنے دوست کی صفات پر خراش بھی برداشت نہیں کرتا۔ یہ سزائے قتل جو تو جین رسالت ﷺ پر آئی ہے خدا نے دی ہے اور فرمایا کہ یہ لوگ خانہ کعبہ کے پردوں سے بھی لپٹے ہوئے ہوں تو انہیں قتل کر دو۔ اس لیے کہ محبوب کائنات ہے۔ ہم اور آپ لوگ زیادہ قریب کے نہیں ہیں:

ان کی حریم ناز کہاں اور ہم کہاں
نقش و نگار پردہ در دیکھتے رہے

خدا سے پہلے کیا تھا؟

سوال: ایک دوست پوچھنا چاہتے ہیں کہ خدا سے پہلے کیا تھا؟

جواب: خواتین و حضرات! اس سے پہلے کہ میں اس کا جواب دوں آپ کو اس کے خطرات سے آگاہ کر دوں۔ ایک مرتبہ علمیہ پہ جا کے شاید آپ اسی سوال پر غور کرتے ہیں۔ اسلام ایک مابعدالطبیعیاتی دین ہے اور اس کے ایک مقام میں یہ بحث ضرور آئے گی۔ اسلام ہے اللہ ہے کائنات ہے اور پھر اس کے بڑے بڑے وہ مظاہر جو ہمارے اور آپ کے علم میں نہیں ہوں گے لیکن اگر آپ مسلسل مطالعہ کرتے رہیں اور کائنات کی توجیہ فرماتے رہیں اور اس کے علوم کی شناخت کرتے رہیں تو آپ کو اس سوال کا جواب مل جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ سوال کریں گے کہ اس کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے کس کو پیدا کیا حتیٰ کہ آخر میں سوال کریں گے اللہ کو کس نے پیدا کیا۔ مگر آپ ایک تو گر امر کے اعتبار سے بڑے غلط ہوتے ہیں اس لیے کہ اللہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے تھا۔ تو ظاہر ہے کہ اس پر یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ خدا سے پہلے کیا تھا۔ یہ گر امر کی رو سے اور معنوی طور پر غلط ہے کیونکہ آپ اللہ اسی کو کہیں گے جو سب سے پہلے تھا اور اگر اللہ سے پہلے کوئی تھا تو وہ اللہ ہوگا۔ یہ اللہ نہیں ہے۔ یہ فقرہ ہی غلط ہے اس کی حرفی ساخت ہی غلط ہے۔ اللہ کہتے ہی اول کو ہیں۔ اللہ کہتے ہی آخر کو ہیں، اللہ کہتے ہی ظاہر کو ہیں، اللہ کہتے ہی باطن کو ہیں۔ جو یہ سوال کرتے ہیں ان صاحب کو ضرور گر امر پر دھنی چاہیے۔

ہوپکنز سمجھدار دانشور تھا اور کونیات (Cosmology) میں بڑا معتبر نام ہے۔ وہ کائنات کی توجیہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ Events of Universe are determined ایک چیز جو کائنات کے مطالعے سے پتہ چلتی ہے اگر مجھے معلوم ہو جائے خدا Big Bang سے ایک لمحہ پہلے کیا کر رہا تھا تو میں تمام وضاحت کر دوں۔ اگر اس نے حدیث اور قرآن بغور پڑھا ہوتا تو قسم ہے پروردگار کی کہ آج سے پندرہ سو سال پہلے ہوپکنز مسلمان ہوتا۔ یہ غفلتِ علوم اور غفلتِ

مذہب ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اللہ دنیا بنانے سے پہلے کیا کر رہے تھے؟ فرمایا اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ آئیے ذرا اس کے مدارج دیکھیے کہ اللہ کیا فرماتا ہے۔ اللہ اس وقت پانی سے تخلیقات زندگی فرما رہے تھے۔ آپ قرآن کی دوسری آیت کو اس کے ساتھ ملائیے کہ ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا تو رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ابھی دنیا نہیں بنی تھی۔ ابھی یہ کرہ ارض چھ بلین سال کی یہ کائنات اور چار بلین سالوں کی یہ دنیا بھی سورج سے جدا ہو کر قرار پکڑ رہی تھی۔ آپ کو یاد ہے کہ قرآن کیا کہتا ہے کہ ایک دن اور دو دن اور دو اور دن یہ ہوئے چھ دن کائنات کی عمر چھ بلین سال ہے اور ایک بلین سال ایک دن کے برابر ہے

تو اللہ نے فرمایا کہ دو دن لگائے میں نے زمین کو بنانے میں یعنی سورج سے علیحدہ کر کے اسے ٹھنڈا کرنے میں اور دو دن لگائے اس میں اشیائے ضرورت انسان رکھنے میں۔ یہ ہوئے چار دن اور اس کے بعد ثم استوی الی السماء فسوھن سبع سموت (۲) (البقرہ: ۲۹) ہم بلند ہوئے آسمانوں کو اور سات آسمان تخلیق کیے۔ یہ ہوئے چھ اور دن۔ اب ذرا غور فرمائیے کہ وقت کا پیمانہ بدل جاتا ہے انسان پر اور ہے تخلیق پر اور ہے کائنات میں اور ہے کہیں بے حساب ہے اور کہیں حساب والا ہے۔

کائنات کی تخلیق سے پہلے پروردگار بادلوں میں تھے۔ اُس کے اوپر بھی ہوا تھی اور اُس کے نیچے بھی ہوا تھی۔ ”عما“ میں تھے یعنی اُس کے ساتھ اور کوئی چیز نہیں تھی۔ اے حضرت انسان خوش نہ ہونا اللہ آپ کو بنانے کے بعد تکھا نہیں تھا۔ آپ اکیلے نہیں ہیں۔ اس کائنات میں سات زمینیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ زمینیں زندہ ہیں کہ مردہ ہیں؟ تو فرمایا اللہ الذی خلق سبع سموت ومن الارض مثلھن ۷ یتنزل الامر بینھن لتعلمو ان اللہ علی کل شیء قدیور (۶۵) (الطلاق: ۱۲) اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اور اسی کی طرح کی زمینیں بنا کیں اور ان میں میرا حکم چلتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ان تمام زمینوں میں میرا حکم اترتا ہے۔ یہ بات تمہیں اس لیے بتائی ہے کہ تم اکیسویں صدی تک پہنچو گے بائیسویں صدی تک پہنچو گے۔ تم میں بڑے بڑے دعویٰ دار ڈاکٹر ہو ڈاکٹر ہو ڈاکٹر ہو اور ہو پکنز جیسے پیدا ہوں گے۔ یہ بات میں پندرہ سو برس پہلے کہہ رہا ہوں کہ دیکھو تم زمین کو اکیلی سمجھو گے۔ ہم نے سات زمینیں تخلیق کی ہیں۔ تم کائنات کو ایک سمجھو گے۔ ہم نے سات کائناتیں پیدا کی ہیں تاکہ تم جان سکو کہ وہ چھوٹی قدرت والا نہیں۔ تم چھوٹی مچھلی کی طرح وہیل کو اللہ نہ ماننا۔ وہ بے حساب قدرتوں والا ہے۔ ولو انما فی الارض من شجرة اقلام والبحر یمده من بعد سبعة ابھر ما نفلت کلمت اللہ ان اللہ عزیز حکیم (۳۱) (لقمان: ۲۷) اگر دنیا کے تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام اشجار زمین بھی کلب گوہر بن جائیں تو تمہارے رب کی باتیں پوری نہ ہوں۔ سو اللہ پر سوال کرنے سے پہلے اپنے دامن کے چھوٹے پن پر نظر رکھنی چاہیے۔

حروف مقطعات

سوال: قرآن کریم کے حروف مقطعات پر کسی نے بھی تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی اور نہ صاف بات کی ہے۔ آپ اس پر روشنی ڈالیں؟

جواب: خواتین و حضرات! اسرار خداوند ہیں۔ قرآن کی تفسیر اور تلاش و تربیت کے مراحل سے گزرتے

ہوئے اللہ نے مجھے توفیق دی کہ میں اُن پر غور کرتا۔ میں آپ کو اس کے اصول بتا دیتا ہوں۔ اللہ آپ کو توفیق دے اور آپ جاننے کی کوشش کریں مگر اس کے لیے بڑی محنت اور بڑا خلوص چاہیے۔

اللہ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے کچھ بنیادی Categories بنا کیں۔ یہ بنیادی Categories اسی طرح کی ہیں جیسے ایک بہت بڑی لائبریری میں آپ نے کسی کتاب تک پہنچنا ہو تو اس کی تقسیم الف بائی ہوگی اور اگر آپ کے مصنف کا نام 'اے' سے شروع ہوتا ہے تو آپ بجائے ساری لائبریری میں بھٹکنے کے سیدھے 'اے' کی کیبنیگری میں چلے جائیں گے۔ اب آپ کو نظر آ رہا ہے کہ 'اے' تک تو میں پہنچ گیا۔ آپ کی اصل تلاش آسان ہوگئی۔ اس کے بعد آپ کی جزئیاتی تلاش ہوتی ہے۔ اب 'اے' کے ساتھ شروع ہونے والا 'ڈبلیو' پر ختم ہو رہا ہے یا 'این' پر یا 'ایم' پر تو آپ ڈھونڈو گے کہ 'اے' کہاں تک جا رہی ہے۔ فرض کرو کہ 'الف' کی کیبنیگری میں 'ل' اور 'م' ہے تو آپ کو سوچنا پڑے گا کہ یہ 'الف' میں 'ل' اور 'م' کیسے شامل ہے تو اگر آپ آغاز کائنات دیکھو تو آپ کا یہ مرحلہ آسان ہو جائے گا۔ پہلے صرف اللہ تھا، پھر صرف محمد ﷺ یعنی مقصد کائنات محمد ﷺ تھے۔ اللہ نے اپنی شناخت کے لیے جس فرد واحد کی تخلیق چاہی اور جو بنیادی اسکیم بنائی وہ محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ پھر پوری تخلیق کو جس کتاب میں سمیٹا وہ لوح محفوظ تھی۔ تو آپ کو سمجھ آ رہا ہے کہ 'الف ل م' کی بنیادی کیبنیگری کہاں سے شروع ہوئی یعنی پہلے اللہ پھر لوح محفوظ پھر محمد رسول اللہ ﷺ۔ تو آپ دیکھیں گے کہ 'الف ل م' سے آگے چلنا ہوا جب اس میں رسالت ﷺ شامل کی گئی تو 'الف، ل، م، ز' بھی آ گیا۔ پیغام کی سہولت بھی آگئی تو تمام حروف مقطعات

is the knowledge of the basic categories.

ایک اشارہ حضرت ابن عباسؓ سے ملتا ہے کہ اللہ کے اسرار ہیں۔ حروف مقطعات میں۔ صفات الہیہ اتریں اور تخلیق کاری شروع ہوئی۔ اور اگر آپ وضاحت سے نوٹ کریں گے تو یہ بھی اسی بنیادی کیبنیگری کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

ایک اور اشارہ اہل بیت کی مستند حدیث سے ملتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ علیؓ! یہ کیا سبب ہے کہ کچھ لوگ نیک نہیں ہوتے مگر ہمارے دل اُن کی طرف کھینچتے ہیں اور کچھ لوگ بڑے نیک ہوتے ہیں مگر دل اُن کی طرف نہیں کھینچتے۔ یہ کیا اسرار ہیں؟ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ امیر المؤمنین! یہ سوال مجھے بھی بڑا تنگ کیا کرتا تھا تو میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ نے ارواح کی جنم دیا (1) پیدا کیں تو کچھ سے کچھ کی محبتیں ٹھہرا دیں اور کچھ سے کچھ کی عداوتیں ٹھہرا دیں۔ تو جب وہ زمین پر آتے ہیں تو محبتیں اسی طرح کام کرتی ہیں اور عداوتیں بھی اسی طرح کام کرتی ہیں۔

لیکن اگر آپ نے دیکھا ہو کہ محبتیں اور عداوتیں کن میں ہیں تو آپ حروف مقطعات دیکھ لیں۔ یہ انس، محبت اور تنافر (2) کی کیبنیگری ہیں۔ چونکہ تمام کام اسمائے الہیہ کی سرکردگی میں ہوتے ہیں تو جب اسماء کی ایک کھیپ بلند ہوتی ہے تو دوسری کھیپ اس کی مخالفت میں نیچے ہوتی ہے۔ اس کو تنازع اسماء کہتے ہیں۔ اور جب ایک فرد واحد بلند ہوتا ہے تو اُس کے

قرب و جوار کے دوسرے اسماء اُس کا ساتھ دیتے ہیں تو پھر اُس کو محبت اسماء اور موافقت اسماء کہتے ہیں۔
 (۱) چونکہ میں خود قرابت داری کے موضوع پر غور کر رہا تھا، مجھے ایک بڑی مضبوط سند مل گئی۔ میں نے وہ پورے پراسیس کرنے شروع کر دیے۔ جیسے سولہ + سولہ = تیس مہروں کی چالیس ایک ارب سے زیادہ ہیں۔ جب آپ ایک بنیادی حرف کی کیٹیگری ختم کر لیتے ہیں تو اس کے جو امتزاج شروع ہوتے ہیں، وہ بے پناہ مصیبت کا باعث بنتے ہیں۔ بطور مثال اسم احمد ہی کو لیجیے۔ اب اسم احمد میں چار حروف ہیں، جو علیحدہ علیحدہ حیثیت میں کہاں ہو رہے ہیں۔ ”ح“، ”میم“، ”حج“ میں آگئے۔ ”الف“، ”دھر اور“ ”دال“، ”دھر آ گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چاروں بڑے اور مؤثر حروف ہیں۔ ”الف“ میں طاقت کا نشہ ہے۔ یہ حرف ہر حال میں مغلوبیت کے خلاف ہے۔ وہ اختیارات کو اپنی تحویل میں رکھنا چاہتا ہے، اس لیے بخیل ہے۔ ”الف“ کی بنیادی نشانی یہی ہے کہ یہ دو چیزوں، اختیارات اور نکل کے لیے منضبط ہے۔ یہ نہ تو آسانی سے دیتا ہے اور نہ آسانی سے چھوڑتا ہی ہے۔

آگے آگئی ”ح“۔ ”ح“ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوا کہ یہ تو پوری حیات ہے۔ ابتداء ہی ”ح، میم“ سے ہے۔ وجعلنا من الماء کمل شئی ۽ حی (سورۃ الانبیاء، آیت ۳۰) اس میں ”ح، میم“ کا تذکرہ ہوا ہے۔ ”ما“ کی ”میم“ اور ”ح“ حیات کی یہ پہلی ”ح م“ تھی جو اللہ نے پیدا کی یعنی پانی سے حیات شروع کی۔

اب ان کی صفات کہ ”ما“ ساکن ہے جبکہ ”ح“ حرکت والی ہے۔ جب دوسری ”ح، میم“ پیدا کی تو آپ دیکھیں گے کہ ہر وہ چیز جو ”ما“ میں حرکت کرتی ہے یہ دوسری زندگی ہے۔ پہلی طرز زندگی میں ایک چیز پائی جاتی ہے۔ وہ حرکت اور اشتعال ہے۔ جس چیز میں ”ح“ یا ”خ“ ہوگی، اُس میں یہ بنیادی صفت پائی جائے گی کیونکہ وہ حیات ہے۔ اسے چین نہیں آسکتا۔ اپنے اندر بہترین ڈسپلن کے ساتھ وہ اسے متحرک رکھے گی۔

آگے ”میم“ آ گیا۔ ”میم“ متشکر ہے۔ ”میم“ بھی دو ہیں۔ بعض اوقات یہ رنگ میں چلا جاتا ہے۔ ایک ”میم“ ماء البحر ہے۔ ایک ”میم“ ماء دریا ہے۔ صاف ستھرا پانی اچھلتا ہوا، زندگی کو سیراب کرنا اور آنکھوں کو بھلا لگتا ہوا۔ یہ صاف رنگ والی ”میم“ ہے۔ دوسری ماء البحر کہتے ہیں، سمندر کی ”میم“ ہے۔ یہ تارک، متشکر، وسیع، انتہائی گہری آسانٹوں کا مرکز، بہت گہرے پردوں کے اندر اور اس میں بے پناہ وسعتیں چھپی ہوئی ہیں۔ جب آپ ”میم“ کا رنگ سانولا اور اس میں رنگ پائیں گے تو وہ حرکت ہوگی۔ ایک ”میم“ باہر کی طرف اور دوسری اندر کی طرف رجوع رکھتی ہے۔

اب دو انتہائی مشتعل لفظوں ”الف“ اور ”ح“ میں موجود تیسری ”میم“ ہے وہ رنگ پر جائے گی۔ اگر ”میم“ کا رنگ گندی یا سیاہ ہے تو یہ دبی ہوئی ہوگی۔ دبا ہوا اثر پہلے دو مشتعل اثرات کو کنٹرول کرتا ہے۔ آگے آگئی دال، جو سستی و جود کے بوجھل پن، بے پناہ تقویٰ اور شدت غضب کی ہے۔ اب ان تینوں چیزوں میں ”الف“ کنٹرول کر رہا ہے۔ ”ح“ کنٹرول کر رہی ہے۔ ”میم“ دبی ہوئی ہے۔ ”دال“ دوبارہ غصہ دلاتی ہے تو پیام احمد انتہا درجے کی کارکردگی کو جائے گا مگر اس کے ساتھ ایک انتہا درجہ والے غصے کی حساسیت کی وجہ سے تلخی اور بے چینی کا شکار بھی ہوگا۔ محقق ہوگا، مگر پیار ہوگا۔

اگر آپ کے مامان میں سے ہیں تو آپ اپنی فطرت کو بڑی آسانی سے جان سکتے ہیں۔ یہ جو تمام خصائص میں نے بیان کیے ہیں ان میں کوئی گیس ورک نہیں۔ غلطی کا کوئی چانس نہیں۔ غلطی صرف استاد کرتا ہے علم نہیں کرتا۔

خواتین و حضرات! نماز کا وقت قریب ہے۔ اس سے زیادہ شاید میں اس کی وضاحت بھی نہ کر سکوں۔ سوچنے سمجھنے والے کے لیے اس میں بے حد و حساب اشارات ہیں۔ میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی توفیق بخشی اور آپ کو بھی کہ ہم نے مل بیٹھ کر داستانِ محبت رقم کی اور نہ اس خلوص سے اتنی گرمی میں سننا عمل محال ہے۔ تو جو پسینہ آپ کے بدن سے گرا میں اُس کے لیے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کے کام آئے اور آپ کے امراض کی شفا ہو۔

تصوف، آج اور کل

- ☆ لیکچر
- ☆ سوالات و جوابات
- ☆ تصوف کا شریعت سے واسطہ
- ☆ دنیا میں بھیجنے کی وجہ
- ☆ اسلام میں پردے کا حکم
- ☆ قرآن اور سائنس
- ☆ ہمارا حال برا کیوں ہے؟
- ☆ شیخ کے بغیر تصوف میں کامیابی
- ☆ مصروف دنیا میں اللہ کیسے ترجیح اول
- ☆ دنیا میں جن گناہوں سے ممانعت ہے، جنت میں انہیں کی ترغیب
- ☆ خدا شناس، صوفی یا ولی کیسے پہچانا جائے؟
- ☆ عالم دین کا انداز
- ☆ اللہ کے دوست صرف اسلام میں ہی کیوں؟
- ☆ کیا مذہب بنیادی طور پر Impractical ہے؟
- ☆ جہاد
- ☆ تفسیر قرآن
- ☆ غیبت
- ☆ مہدی اور دجال
- ☆ تصویر کشی

تصوف، آج اور کل

”وقت کیا چیز ہے
 اک لمحہ فکر
 ایک زندانِ تخیل جس میں
 ذہنِ انسانی ہے مجبوسِ ازل سے ایسے
 جس طرح گنبد بے در میں کوئی
 چینٹا چائنا پھرے تا جاہد
 کوئی دروازہ دریچہ نہ کہیں روزن ہے
 عقلِ عیار کی مشعل لیے کوئی عمر و (1)
 آج تک پہنچا نہ پہنچے گا کبھی
 یہ طلسمات نہ ٹوٹے گا کبھی“

زمان و مکاں کے وہ تصورات جو اس وقت اور اس ماحول میں اور اس زمین و آسمان پہ محیط ہیں، تمام کے تمام ایک بنیادی اساس رکھتے ہیں؛ چاہے وہ کسی سیکولر فلاسفی سے پیدا ہوں یا کسی گمراہ سوسائٹی کی پیداوار ہوں۔ ان سب کا خیال یہ ہے کہ وقت ہمیں زندہ رکھتا ہے اور وقت ہمیں مارتا ہے۔ بھلا ایسا بھی کوئی وقت ہوگا کہ بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑے۔ خواتین و حضرات! ایک بنیادی مسئلہ خدا کی پہچان میں اس کو جاننے میں تمام صدیوں میں درپیش رہا کہ ایک تو وہ اکیڈمک لوگ تھے جن کے نام بڑے اونچے، جن کے رتبے بڑے بلند، جن کی تعلیمات دوسروں کی تہذیب کا معیار تھیں؛ مگر ان کے پاس کوئی ایسا خصوصی تجربہ نہیں تھا جیسا کہ ہم Diogenes اور اسکندر اعظم کے درمیان مکالمے میں دیکھتے ہیں۔ Zeno, The Stoic of Ilia میں دیکھتے ہیں؛ ماس ایکویناس میں دیکھتے ہیں سینٹ آگسٹائن میں دیکھتے ہیں اور یونان کے پلینیئس GREECE میں دیکھتے ہیں۔ یہ ایک ساختِ نئی انسانوں کی، جو فکری اور ذہنی طور پر جدا ہوتی گئی اور ان کے مقاصد کچھ علیحدہ ہو گئے۔ ان کا خیال کچھ اور ہو گیا مگر بد قسمتی سے یہ فیصلہ نہ ہو سکا۔ کبھی آج تک اکیڈمک فلسفی یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ خدا ہے کہ محض تصور خدا ہے۔

(1) طلسم ہوشربا کا مشہور عیار کردار

خواتین و حضرات! سب سے بڑی آفت جو انسانی ذہن پر پڑی اور آج تک پڑ رہی ہے اور شیشہ گران مغرب نے اپنی فسوں کاری سے اعداد و شمار کا ایسا طلسم آئینہ بند تخلیق کیا کہ ہر مفکر، ہر مفسر، ہر دانشور، ہر ادیب اور ہر سوچنے سمجھنے والا ان اعداد و شمار میں جب کسی خدا کو نہیں پاتا تو اس بات کی تسلی کر لیتا ہے کہ خدا محض ایک تصور ہے۔ خدا محض ایک خیال ہے۔ اگر چہ آج سے بہت پہلے والٹیز نے کہا کہ خدا نہ ہوتا تو خدا کا تصور بھی نہ ہوتا۔ یعنی اگر اس کا تصور موجود ہے تو خدا موجود ہے۔ اور انسان وہ بد تہذیب جانور ہے کہ اپنے تخیل میں وہ سوچیں بھی پال لیتا ہے جو کبھی موجود نہ تھیں۔ مگر خواتین و حضرات! اگر ان سارے کالمات میں خواہ نیکل کے ہوں کارل مارکس کے ہوں تو ایک بات بڑی واضح نظر آتی ہے کہ وہ کسی عملی خدا پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

ان کے ہاں خدا موجود نہیں۔ اگر یہ چند سپیشلسٹ موجود نہ ہوتے جنید بغدادی نہ ہوتے۔ کوئی بایزید بسطامی نہ ہوتے۔ کوئی بغداد کے عبدالقادر جیلانی نہ ہوتے اور ہجویر کے علی بن عثمان المعروف حضرت داتا گنج بخش نہ ہوتے تو لوگوں کے پاس ایسی کوئی شہادتیں موجود نہ تھیں۔

پیغمبر عالی مقام ﷺ نے اپنے اذہان کی بلندیوں پر جس حقیقت کا عرفان حاصل کیا اور جو حقیقت انہوں نے آپ تک پہنچانا چاہی بد قسمتی سے تمام لوگ اس معیار عقل کے نہیں تھے۔ تمام لوگ ان ذہانتوں کے مالک نہیں تھے۔ پیغمبر اپنے زمانے کا ذہین ترین شخص ہوتا ہے اور اگر وہ ذہین ترین شخص نہ ہو تو کہیں رستے میں اٹھتے ہوئے ذہانتوں کے جھوٹ میں لپٹے ہوئے بڑے بڑے منافقین عقل ان کو طعنہ دے سکتے تھے کہ یہ کم عقل لوگ ہم ذہین لوگوں کو کون سی خدائی کا سبق پڑھا رہے ہیں مگر آپ کتاب رسالت کو دیکھیں، کتاب موجود اور موجود کو دیکھیں تو ایک حیرت کی بات جو آپ کو نظر آئے گی کہ یہ تو طعنہ دیا گیا کہ پیغمبروں کا خاندان اچھا نہیں تھا، یہ تو طعنہ دیا گیا کہ یہ نعمت علم و عقل ان بچک منگولوں کو ہی دینی تھی، مگر یہ طعنہ نہیں دیا گیا کہ کسی پیغمبر کی ذہنی سطح اس کی امت سے کم ہے۔ لامحالہ جب ہم ایسے مقام تک پہنچتے ہیں کہ پیغمبری اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے اور لوح محفوظ سے اتر ا ہوا کلام خاتمے کو پہنچ رہا ہے تو جس پیغمبر نے آنا تھا تو اس کے بارے میں ایک بات تو یقینی ہونی چاہیے کہ اس کا علم، اس کا فضل، اس کی دانش ہر زمانے سے بلند و بالا اور ہر زمانے سے بہتر اور کسی بھی معقول سے آگے معقول اور کسی بھی منقول سے بہتر منقول کی مالک ہو۔

خواتین و حضرات! سب سے بڑی خطا اس وقت واقع ہوتی ہے جب ذہن ایسے سوال اٹھاتا ہے جس کو حل کرنے کی اس میں استطاعت نہیں ہوتی۔ بد قسمتی سے اللہ خدا، رب کائنات، پروردگار عالم ایک ایسی ہستی مبارک تھی کہ جو انسان کے اعداد و شمار کی گرفت میں نہیں آتی۔ چونکہ یہ گرفت میں نہیں آتی تو دیکھیے آج تک کوئی ایسا بڑا فلاسفر نہیں گزرا کہ جس نے خدا کا انکار کیا ہو، کوئی بھی ایسا نہیں گزرا۔ انہوں نے صرف یہ کہا کہ ہمارے اندازے میں ہمارے بیان میں ہمارے سائنسی تجسس میں ہماری روشن خیالی میں جو چیز معقول نہیں ہے، ہم اس کو نہیں مان سکتے۔ انہوں نے عذر پیش کیا، انکار نہیں کیا اور میرا خیال یہ ہے کہ بہت ہی کم درجہ کے عقل والے لوگوں نے صرف شاید ذاتی تکبر ات میں خدا کا انکار کیا۔ اور غور تو کیجیے کس نے کیا، نمرود نے کیا، فرعون نے کیا، وہ تمام لوگ جن کی قوت و استعداد عقلی نہیں، جسمانی تھی۔ جنہوں نے اعداد و شمار کی برتری پر بنیاد رکھتے ہوئے خدا کا انکار کیا مگر ذہانتوں کے مالک ان دانشوروں نے اللہ کا انکار نہیں کیا۔ کچھ

لوگوں نے یہ ضرور کہا کہ ہم ایسے خدا کو نہیں مان سکتے جو ہماری بحث و تمحیص کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ جو ہمارے تجسس اور انکوائری کا سامنا نہیں کرتا۔ مگر کیا یہ واقعی صحیح بات تھی؟ کیا خدا کے بارے میں کوئی دلیل نہ تھی؟ کیا خدا کا وجود اور اس کی موجودگی اتنی بالائے عقل تھی بالائے شعور تھی تو مجھے یہ بتانے کہ وہ جو قرآن میں جو کتاب اول میں صحائف موسیٰ و ابراہیم میں جو نعمات سلیمان میں بڑے بڑے دعوے کرتا ہے کہ اہل عقل و شعور ہی مجھے پہچان سکتے ہیں۔ مگر خواتین و حضرات! ایک بد قسمتی جو تمام سوچنے والوں کے ساتھ تھی اب بھی آپ اگر یورپ کے تمام بڑے مفکر دیکھیں تو ان میں ایک بڑی عجیب بات آپ کو نظر آئے گی کہ وہ خدا کے قائل اس لیے نہیں ہیں کہ خدا ہے۔ وہ تراحم کی وجہ سے مرونا خدا کے قائل ہیں۔ وہ تمام کے تمام تصور خدا کو سوسائٹی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ کانٹ نے کہہ دیا کہ اللہ نہ بھی ہوتا تو ضرورتاً انسان تھا ہم خود تخلیق کر لیتے۔

کسی نے کہا کہ اس معاشرے میں کرب و بلا اتنا ہے اتنے ظلم و ستم ہیں اتنی پسماندگی ہے اتنی ذلتیں ہیں کہ اگر خدا کا تصور بھی نہ ہو اور خدا نہ ہو تو شاید انسانوں کی بلائیں ان کی حد و حساب سے آگے بڑھ جائیں۔ کئی لوگوں نے کہا کہ یہی تو وجہ ہے کہ یہ اس تصور کی بلا ہے کہ اس نے انسانوں سے جد و جہد چھین لی۔ خواتین و حضرات! پھر خدا کہاں تھا؟ خدا کون ہے؟ خدا کیسے انسانی پس منظر میں ایک آسیب کی طرح نکلتا چلا آ رہا ہے۔ کیا یہ جائز سوال نہ بنتا تھا کہ ہم اپنے آپ سے پوچھتے کہ میں کسی ایسے واہمہ پر کتنی دیر تک یقین کر سکتا ہوں اور جب کسی پیغمبر کے واقعات پیش ہوئے۔ جب معجزات کا ذکر ہوا؟ جب کرامات الاولیاء کی بات ہوئی تو نفسیات دانوں نے بڑی آسانی سے کسی کو نفسیاتی مریض (Psychopath) قرار دیا۔ کسی کو پراگندہ ذہنی (Schizophrenia) کا تصور قرار دیا۔ کسی نے اس کو جنونی افسردگی (Maniac Depression) کہہ دیا۔ پروفیسر میکڈوگل نے کہا کہ محمد ﷺ لگتا تو ہے کہ نفسیاتی مریض تھے (نعوذ باللہ)۔ ان کا انداز ان کی زندگی، ان کے اعداد و شمار ان کی میٹرکس یہی تھی مگر مسئلہ تو یہ تھا کہ اگر ایک چھوٹی سے چھوٹی کتاب پڑھنے کے لیے ایک ذہنی معیار کی ضرورت ہے، ایک ایف۔ اے کی کتاب پڑھنے کے لیے بھی میٹرک پاس ہونا ضرور تھا تو جس کتاب کو آپ چیک کرنا چاہتے ہیں جس انفارمیشن کو آپ چیک کرنا چاہتے ہیں جو خدا کے بارے میں واحد انفارمیشن ہے، آخر اس کتاب کا بھی تو کوئی معیار ہوگا۔ اگر ایم۔ ایس۔ سی کی کتاب میٹرک کے طالب علم کو دے دی جائے تو نتائج کچھ زیادہ خوشگوار نہیں نکلیں گے۔ اب دیکھیے خدا نے عیسائیت کو تو قبول کیا۔ لیکن کتاب عیسیٰ کو نہیں۔ موسیٰ کو قبول کیا تو رات کو نہیں۔ زمانہ جب اپنے مقام آخر تک پہنچا تو اس نے بالکل کھلے انداز سے اعلان کر دیا کہ اب اگر آپ نے مجھے جستجو و تحقیق کے پہلوؤں میں جانچنا پرکھنا ہے، اب اگر تم نے میرے لیے دلیل ڈھونڈنی ہے تو پھر اس کتاب کو دیکھنا جو میں نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔ جو قرآن ہے اور اس کی میں نے خود حفاظت کی ہے۔ اور آپ سوچیں کہ کون سی ایسی کتاب ہے جو پندرہ سو برس سے مسلسل پڑھی جائے اور اس میں تحریف بھی نہ ہو۔ خیال کی تحریف نہ ہو اور اس کے وجود میں انحراف نہ ہو۔ بہر حال ہم اس دلیل کو اس لیے بھی نہیں مانتے کہ بہت سارے لوگ اس کے وجود سے ہی انکار کر دیں اور قرآن کو کتاب اللہ ماننے سے انکار کر دیں۔

مگر خواتین و حضرات! مذہب سے نجات کتنی ضروری ہے۔ اپنی اس حالت میں اپنے اس خیال میں ہم خدا کو

جواب دہ نہیں ہیں مگر خدا بہر حال ہمارے پس منظر میں ایک بچت کی محفوظ راہ تو ہے کہیں نہ کہیں تو ہم بچ کے اس کی طرف نکلتے ہیں۔ ہم اپنی مایوسیوں میں ادا سیوں میں ان مراحل میں جب ہمیں کوئی طاقت سہارا نہیں دے رہی ہوتی تو ہم اپنے Voodoo پر کچھ نہ کچھ یقین رکھتے ہیں۔ یہ ساطیر الاولین میں سے جو خدا نکلتا چلا آتا ہے جو ہر معاشرتی طبقات سے جو امراء و روساء و غرباء سے تمام صورت حال سے جو زمین آسمان میں ایک مستحکم سایے کی طرح ہمارے سر پہ مسلط رہتا ہے تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ وہ جرأت مند انسان جو سوچنے کا عزم رکھتے ہوں جو خیال رکھتے ہوں جو دعویٰ علمیت رکھتے ہوں۔ حتیٰ کہ جو اس صدی میں بھی یہ دعویٰ رکھتے ہوں کہ انسان بہت ترقی کر گیا ہے۔ جس کو یہ دعویٰ ہے کہ میں نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ میں اپنی حکمت کے نفع و نقصان پر غالب آ گیا ہوں وہ اب مالک الملک نہیں میں مالک الملک ہوں۔ اس کو یہ چاہیے کہ کچھ ایسے مضبوط حقائق کے ساتھ اس خدا کے وجود پر کچھ ایسی تنقیدات سامنے لانا کہ کم از کم جملہ مسلمین کی اور مومنین کی نہ سہی جملہ انسانوں کی یہ سزا ختم ہوتی اور بہت سارے ایسے آسب ہمارے سروں سے ٹل جاتے۔ خواتین و حضرات! ایسا نہیں ہوا۔ ہماری تہذیب انسانوں کی چند ایک بنیادی دینی ہوئی حیات سے مرقع ہے۔ تمام بڑی طاقتوں کو جو پہلے گزریں جو اب گزر رہی ہیں۔ بزغم خود ایک خیال ضرور رہا کہ اب کی بار ہمارا غلبہ دنیا کی کوئی طاقت کم نہیں کر سکتی۔ چاہے وہ جو لیس سیزرتھا چاہے سلطنت شرق تھی۔ کوئی بھی دنیا کا طاقتور بادشاہ یا فرمانروا یا کوئی خاندان جب برسر اقتدار آیا تو وہ بھی آج کے امریکہ کی طرح یہی سمجھتا تھا کہ یہ اقتدار اب دائمی ہے۔ اور اب یہ قیامت تک یا نسل انسانی کے خاتمے تک محیط ہونا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے تاریخ عالم کا مطالعہ نہیں کیا۔ کیا دور حاضر کا فلسفی، دانشور یا جنگجو بھی تاریخ سے بے بہرہ ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ تاریخ کے قوارڈ سے گزرتے ہوئے ان حقائق کو پہچانتے نہیں۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ آج کے دور حاضر کے لوگ دور حاضر کے حکمران دور حاضر کے مفکر و مفسر جو ہیں ان کے نزدیک نیشے کے الفاظ میں خدا مرچکا ہے اور اب اسے اس دنیا سے باہر پھینک دینا چاہیے۔ (نعوذ باللہ)۔ وہ اللہ کے وجود سے ذہنا، عملاً، عقلاً فارغ ہو چکے ہیں۔ اب ان کا خیال یہ ہے کہ یہ اعداد و شمار اتنے بڑے ہیں یہ جو میٹرکس تخلیق ہو گئی ہے یہ اتنی معزز اور محترم ہے کہ اب اس کی وجہ سے کوئی کمی بیشی کا امکان نہیں رہے گا اور اب ہماری طاقتوں اور دوسری طاقتوں میں اتنا فرق پڑ گیا ہے کہ اب ہم ان انسانوں کے دیوتا یا خدا ہو سکتے ہیں۔ اب اللہ کی زمین پر براہ راست کوئی ضرورت رہی نہیں۔

صوفیاء دوسری قسم کے لوگ تھے۔ بہت ساری Specializations میں بہت سارے لوگوں نے جیسے اپنی اپنی Specializations کیں، تو ان میں سے ایک انوکھی ہی قسم تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا، کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے، غم کی وجہ سے، کسی حادثہ محبت کی وجہ سے، کسی کے ماں باپ کے نقصان کی وجہ سے۔ کوئی نہ کوئی ایسا سانچہ اور بعض اوقات بڑے کامیاب تعلیمی تجسس کی وجہ سے کچھ لوگوں نے معاشرے سے ہٹ کر ایک نئی روش اپنائی۔ وہ خدا کو ماننا چاہتے تھے یا خدا کو جاننا چاہتے تھے۔ تصوف کی دراصل بنیادی تعریف یہ نہیں ہے کہ وہ اشارے سے نامزد ہو یا کسی نے کہا کہ یونانی فلسفہ کے اثرات سے پیدا ہوا۔ کسی نے کہا کہ اس پر شرق و مغرب کے فلاں فلاں نظر یہ کا اثر ہے ایسا بالکل نہیں ہوا۔

تصوف کی بڑی سادہ سی تعریف یہ ہے کہ جس شخص نے مناسب عمر میں یہ فیصلہ کر لیا کہ میں فلسفہ ترجیحات پہ غور کروں گا اور میری زندگی کی اولین ترجیح میرا رب ہے تو وہ صوفی ہے۔

جس شخص نے بھی اپنی زندگی میں یہ فیصلہ کر لیا کہ پیشتر اس کے کہ میں زندگی شروع کروں۔ پیشتر اس کے کہ میں اپنی زندگی پوری کر لوں۔ اور یہ عجیب سی بات ہے کہ پورے معاشرے میں ہندوانہ اثر کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم اپنی پیشتر ترجیحات اور مضبوط ترین ترجیحات کا فیصلہ بالکل عمر کے آخر میں آ کر کرتے ہیں۔ اس عمر میں نہیں کرتے جس عمر میں ہم باقی اکیڈمک فیصلے کر رہے ہوتے ہیں۔ اس عمر میں نہیں کرتے جب ہماری ہمت جواں ہوتی ہے۔ ہمارے خیالات میں ندرت ہوتی ہے اور ہماری حسِ جمال تیز ہوتی ہے۔ جب ہم میں پرکھ ہے شناخت ہے حرکت ہے۔ اس وقت یہ فیصلہ نہیں کرتے۔ اس وقت جب آپ کو یہ دنیا بیکار محض قرار دے دیتی ہے۔ جب دنیا آپ کو معاشرے میں ریٹائر کر کے ایک گوشہٴ عافیت میں بٹھا دیتی ہے۔ اس وقت ہم خدا کا موضوع چننے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں میں اس ہندوانہ معاشرے کا اثر ہے کہ جس نے زندگی کو چار بڑی واضح اقسام میں بانٹ رکھا تھا۔ اس نے برہم چاری آشرم تخلیق کیا۔ پچیس برس تک اس نے گربست آشرم تخلیق کیا۔ اگلے پچیس برس تک گربھ آشرم تخلیق کیا۔ جب سو برس کے آخری پچیس برس آئے تو اس نے کہا کہ اب تم خدا کی طرف متوجہ ہو اور رشی مونی آشرم میں داخل ہو۔ چاہتے نہ چاہتے ہوئے مسلمان اسی روٹین کی پیروی کر رہے ہیں۔ مگر قسمت کی خرابی دیکھیے، کوئی سو برس تک پہنچتا ہی نہیں اور آخری پچیس برس جو رشی مونی آشرم کے ہیں۔ جو خدا کی تلاش کے ہیں، وہ ما کارہ عمروں کے حوادث میں گزر جاتے ہیں۔

خواتین و حضرات! جب یہ طلب کسی دل میں پیدا ہو جائے کہ میں اپنی زندگی کی ترجیحات کا مناسب فیصلہ کروں گا اور پھر اس میں ترجیح اول کا انتخاب اللہ کو کرے تو وہ صوفی ہے۔ ہماری بہت بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ ہم نے ہمیشہ کمال سے حقیقت کو دیکھا۔ ہم نے اس کو درجہ بلاغت سے دیکھا ہے۔ ہم نے تصوف کو اس وقت دیکھا ہے۔ ہم نے صوفی کو اس وقت دیکھا جب وہ شیخ عبدالقادر قطب الاقطاب غوث زمانہ بن چکے تھے۔ ہم نے اس وقت علی بن عثمان کو دیکھا کہ جب ان کو قطب الاقطاب بنا کر سرزمین ہند پر بھیجا گیا۔ ایک وہ وقت بھی تو ہوگا، جب اس شیخ زمانہ نے درس اولین بھی تو شروع کیا ہوگا۔ میری اور آپ کی طرح اس نے بھی آرزو کی ہوگی، ایک قدم لیا ہوگا۔ کبھی نوجوان بھی رہے ہوں گے۔ کبھی جلتوں سے اُن کی کشمکش بھی ہوئی ہوگی۔ کبھی جواب دہی کے مراکز تبدیل بھی ہوئے ہوں گے اور کبھی اس زور و نفس کی کشمکش میں ان سے بھی بھول چوک ہوئی ہوگی۔ کبھی انہوں نے بھی خدا کے حضور معذرت کی ہوگی۔ آخر انسان کا آغاز کیا ہے۔ غلطی ہی تو ہے اور انسان کا ثواب کیا ہے۔ ایک تو یہی تو ہے۔ باقی تو رسم و رواج مذہب ہیں۔

مگر خواتین و حضرات! جن لوگوں کا بھی سوچنے سمجھنے کا عمل جاری رہا، انہوں نے ایک بات ضرور سوچی کہ کیا کوئی واقعہ ایسا ڈیٹا موجود ہے جس سے ہم خدا کے بارے میں کوئی چیز متعین کر سکیں۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ وہ کتاب حکیم و قرآن جو جز دانوں میں سجا ہوا عقیدتوں کا مظہر بے شمار بوسوں کی جگہ موجود ہے مگر اس سے زیادہ اس کی وقعت نہیں مگر کیا حیرت ہو اس عقل کو جو یہ سوچے کہ وہ شرق و مغرب، وہ جو یہ پکار رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ خدا کے بارے میں کوئی ڈیٹا ہے تو کتنا آسان ہوگا خدا کا انکار۔ کتنا مشکل ہے خدا کو ماننا اور کتنا آسان ہے اس کا انکار کہ خواتین و حضرات!

بندہ ہزار خطا کرے تو بندہ ہے اور اللہ ایک خطا کرے تو اللہ نہیں رہتا۔ تو اتنی بڑی کتاب میں ایک خطا کا ڈھونڈنا کیا مسئلہ درپیش ہو سکتا ہے۔

اگر آپ یہ جانتے ہوں کہ یہ کتاب اللہ ہے۔ آپ یہ جانتے ہوں کہ یہ سب سے بڑے علم والے اور حکیم کی کتاب ہے تو کم از کم اس کے پڑھنے کے لیے اپنا معیار عقل بھی بڑھانا پڑے گا۔ اپنے آپ کو کسی ایسے عالم ذہن میں تو لانا پڑے گا کہ خدا کی کوئی بات ہمیں پوری طرح سمجھ میں آجائے۔ اس کتاب کا عجب سافٹ ویئر ہے کہ اسے ان پڑھ بھی پڑھ لیتا ہے۔ درمیانی عقل والا بھی پڑھ لیتا ہے مگر وہ کتاب جن کو اپنا قاری سمجھتی ہے وہ ذرا مختلف ہے۔ وہ کوئی عبادت گزار لوگوں کو اپنا قاری نہیں سمجھتی۔ وہ روزہ داروں کو شب زندہ داروں کو اپنا قاری نہیں سمجھتی۔ وہ تو اپنا قاری ان لوگوں کو سمجھتی ہے جو اللہین یذکرون اللہ فیما وقعوداً وعلی جنوبہم ویتفکرون فی خلق السموات والارض (۳) آل عمران: (۱۹۱) کہ دن صبح رات لوگ اللہ کی یاد میں رہتے ہیں اور خدا کی ہر چیز پر غور و فکر کرتے ہیں اور خدا کی کتاب پر غور و فکر کرتے ہیں۔ عجائبات عالم سے وہ اللہ کی پہچان تک آتے ہیں۔

قرآن کو سمجھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تمام علوم پر ایک ایسی نظر ڈالنا پڑتی ہے جس میں ہم قرآن کے زمانے کا تعین کر سکیں۔ جیسے بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ قرآن نے فلاں فلاں سفر کی بات دہرائی ہے، فلاں فلاں سائنسدان کی بات دہرائی ہے۔ فلاں زمانے سے فلاں چیز اٹھا کے اس میں نقل کر دی تو کم از کم ایک ایماندار طالب علم کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کے ابتدائی علوم سے لے کر قرآن تک جتنا بھی علم و فراست اور تحقیق ہے اسے خوب اچھی طرح دیکھے اور پھر یہ دیکھنے کی کوشش کرے کہ ارسطو اور افلاطون کی کونسی بات قرآن نے نقل کی ہے۔ یہ تو ایک عجیب سی بات ہے۔ خدا اس وقت بھی تھا جب ارسطو اور افلاطون تھا۔ اس سے پہلے بھی موجود تھا۔ اگر انہوں نے خدا کی ویسی کوئی بات اختیار کر لی تو اور بات ہے مگر قرآن پہلے زمانوں کی تعلیمات نقل نہیں کرتا۔ اس کے بعد آپ آگے بڑھیے۔ قرآن سے آگے بھی زمانے گئے ہیں۔ بہت وقت گزرا تو آپ آج کے وقت تک تمام علوم کا احاطہ کر لیجیے۔ اگر آپ کو خدا کے بارے میں کوئی شرمندگی ہے، اگر آپ سمجھتے ہیں کہ خدا ایک مفروضہ ہے اور حقیقت سے بعید ہے تو آپ آج تک کے گزرے ہوئے بلکہ آج تک کے اس لمحے کو پہنچے ہوئے سائنسی علمی تحقیقی انکشافات کا اپنے سامنے ڈھیر کر لیجیے۔ اعداد و شمار جمع کر لیجیے اور دوبارہ قرآن کو پلٹنے۔ اس دعویٰ کے ساتھ کہ ہمیں اس میں شک نظر آئے گا، غلطی نظر آئے گی۔ قرآن ضرور ایک عام سی کتاب ہوگی، قرآن ضرور ایک وہم اور وسوسہ کے لوگوں نے ترتیب دیا ہوگا۔ آپ کم از کم اس دعویٰ تحقیق کے ساتھ تو ضرور قرآن کو پڑھیے۔

آج تک انسانی نتائج بدلتے رہے۔ آج تک خدا کی بات نہیں بدلی۔ پندرہ سو برس پہلے اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ تم گمان کرتے ہو کہ پہاڑ کھڑے ہیں، یہ تو نہیں کھڑے۔ ہی تَمُورُ مَرَّ السَّحَابِ (۲۷) (النمل: ۸۸) یہ تو اڑتے ہوئے بادلوں کی طرح گزر رہے ہیں۔ اگر اس نے پندرہ سو برس پہلے اپنی کتاب میں کہہ دیا وجعلنا من الماء کل شئیء حی (۲۱) (الانبیاء: ۳۰) ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔ تو یہ جذباتی حقائق نہیں یہ سائنسی حقائق ہیں۔ ایک مدت گزری ہے کہ پروردگار عالم نے انسان کی تکمیل علم تک کے تمام نتائج اپنی کتاب حکیم میں لکھ کر اسے بند کر دیا اور فرمایا وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها۔ زمین پر ایسا کوئی ذی حیات نہیں جس کے اسباب رزق ہم پر نہ ہوں۔

ويعلم مستقرها ومستودعها كل في كتب مبین (۱۱) (ہود: ۶۰) اور وہ جانتا ہے کہ کس شخص نے کس فرد نے کہاں رکنا ہے کہاں جانا ہے کہاں اٹھنا کہاں بیٹھنا ہے۔ کہاں اس کی زندگی ہے کہاں وہ سو نپا جائے گا۔ ایک ایک حرف ہم نے کتاب مبین میں لکھ دیا۔ کمال ہے حد و حساب سے گزرا ہوا حساب ہے۔ ابھی انسان وجود میں نہ آیا تھا اس خدا کا بھی تو دعویٰ دیکھیں کہ ابھی زمین بنی نہ تھی تو رسول گرامی مرتبت ﷺ سے اصحاب رسول ﷺ نے پوچھا کہ اللہ زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے کہاں تھا؟ فرمایا وہ جہاں تھا اس کے اوپر بھی ہوا تھی اس کے نیچے بھی ہوا تھی بادلوں میں تھا۔

پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ خدا زمین کی تخلیقات سے پہلے کہاں تھا۔ فرمایا اس کی بلندیاں پانیوں پر تھیں۔ وہ ہر چیز پانی سے تخلیق کر رہا تھا۔ پوچھا گیا اے پروردگار عالم! یہ زمین و آسمان اور کائنات بنی کیسے؟ فرمایا تم کو کیسے پتا لگ سکتا ہے؟ اولم یوالدین کفروا ۵۱ تم بھی اتنی جرأت رکھتے ہو کہ میرا انکار کرو۔ کیا تم بہت پڑھ لکھ کر دانشور ہو گئے ہو؟ اے دانا و بیبا! تمہیں پتہ ہے کہ سب سے پہلے یہ زمین و آسمان اور کائنات ایک تھی اولم یوالدین کفروا ان السموات والارض (۲۱) (الانبیاء: ۳۰) یہ زمین و آسمان سب اکٹھے تھے پھر ہم نے ان کو پھاڑ کر جدا کر دیا مگر تم پھر بھی ایمان لانے والے نہیں۔ ایمان تصور خدا نہیں ہے ایمان خدا ہے وہ اللہ جو آپ کی زندگی کے پہلے باب سے لے کر اس کتاب حیات کے آخری باب تک مسلسل مداخلت کرنا نظر آتا ہے وہ سب سے پہلے جو بات کہتا ہے کہ ذرا اپنا موازنہ کر کے دیکھو۔ ذرا خیال کرو حضرت انسان کیا تو اس قابل ہے کہ تو اکیلا وجود میں آسکتا؟ اگر میں پہلے سے تیرا تعین نہ کرتا تیرا گھر نہ بنانا تجھے ماں باپ نہ دیتا وہ کون سے لوگ ہیں جو اعتماد ذات رکھتے ہیں جو یہ دعویٰ رکھتے ہوں کہ کوئی بھی انسان زمین پر ایسا پیدا ہوا جس کے حالات پہلے سے متعین نہ تھے۔ اگر آپ ہی زندگی گزارتے ہو آپ ہی دعویٰ تکمیل رکھتے ہو۔ آپ ہی رزق کما تے ہو تو کبھی اپنی چیز سے باہر بھی آپ نے دیکھا۔ کیا باہر اور مخلوق نہیں ہے۔ ایک بلین مخلوق تو اس خطہ زمین پر ہے۔ جس کے شاید آپ کو نام ہی نہ آتے ہوں۔ پندرہ بیس کے بعد ہماری یادداشت ہی ختم ہو جاتی ہے مگر اس ایک بلین مخلوق کو رزق دینا کیا انسان کا کام ہے؟ کیا انسان اسے رزق دیتا ہے یا دے سکتا ہے؟

حضرت عیسیٰ نے کیا خوبصورت بات کہی کہ یوحنا قریب سے گزر رہے تھے تو پوچھا! یوحنا یہ تیری بغل میں کیا ہے؟ کہلایا نبی اللہ دوروٹیاں۔ کہا یوحنا دوروٹیاں کس لیے؟ کہا نبی اللہ ایک آج کے لیے ایک کل کے لیے۔ کہا یوحنا تم نے تو کل میں ہمیں پرندوں سے بھی نیچے گرا دیا۔ کبھی کسی پرندے کے گھونسلے میں بھی دو وقت کا کھانا دیکھا ہے؟ کیا تمہیں خدا پر یقین نہیں کہ کل تجھے رزق دے گا؟ ایک روٹی دریا کی مچھلیوں کو دے اور ایک روٹی میں سے آدھی اس وقت کھا اور آدھی کل کے لیے رکھ۔

بہت سارے سائنسی دعوے ایسے ہیں جو معیار حقیقت تک نہیں پہنچتے۔ تصوف میں اور دیگر علوم میں ایک بنیادی فرق ہے کہ یہ علوم آپ سے کردار کا تقاضا نہیں کرتے۔ علوم آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ جب تک آپ نیک اور پرہیزگار نہیں ہوں گے جب تک پانچ وقت نماز نہیں پڑھیں گے جب تک آپ روزہ نہیں رکھو گے اس وقت تک ہم آپ کو ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کی ڈگری نہیں دے سکتے۔ آپ پی۔ ایچ ڈی نہیں کر سکتے۔ دنیا کی کوئی یونیورسٹی یہ معیار نہیں رکھتی۔ کوئی کردار سازی کو علم کا حصہ نہیں بناتی اور دوسری بات آپ کے ذاتی جذبات کا اثر آپ کے تجربات پر نہیں ہوتا۔ آپ چاہے

آنکھوں سے آنسو گر رہے ہوں، ادا اس ہوں۔ مگر آپ کے اجزاء وہی نتیجہ دکھائیں گے جو انہوں نے دکھانا ہوتا ہے مگر تصوف ان تمام علوم کا علم ہے۔ ظاہر ہے۔ جب آپ موجودات کی حقیقت کے لیے اتنا تر و در فرما رہے ہوں تو حقیقت کبریٰ کے لیے آپ آگے بڑھو گے تو آپ کو بہت ساری پیچیدگیوں سے واسطہ پڑے گا۔ غور تو کیجیے کہ ایک ذرا سی لغزش خیال آپ کے نتیجے کو بدل دے گی۔ تصوف وہ علم ہے جس میں ایک ذرا سا جلی اور خنی تکبر آپ کے نتائج بدل دیتا ہے۔ ایک جھوٹ آپ کے نتائج مسخ کر دیتا ہے۔ قلب ویران کی ایک کیفیت زمین و آسمان کے نقشے بدل دیتی ہے۔ یہ کیسی سائنس ہے کہ جس میں تحقیق و جستجو کی بجائے غائبانوں کے باوجود آپ کو کچھ اور بھی ساتھ لے کر چلنا ہوتا ہے۔ اس سائنس میں انسان کے متغیر نفس کا وجود ناقابل برداشت ہے۔

تصوف جذبات کی سائنس ہے۔ نفسیات ایک بدتر نفس کو بہتر نفس میں ڈھال دیتی ہے۔ وہ آپ کو مشورے دیتے ہیں۔ اس ڈیٹا پر پرکھ کر کچھ علاج ہوتا ہے، کچھ شناخت ہوتی ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ یہ بدتر اور نا کارہ نفس معاشرے کا کارآمد نفس بن جائے مگر نفسیات کا یہ کوئی کام نہیں ہے کہ بندے کو خدا تک پہنچا دے۔ جہاں بھی نفسیات کی آخری حدود شروع ہوتی ہیں وہاں سے تصوف کا ابتدائی قدم اٹھتا ہے۔

مابعد الطبیعیات، طبیعیات کے بعد ہی شروع ہوتا ہے۔ مابعد النفسیات، نفسیات کے بعد ہی شروع ہوتا ہے۔ کتنی ایسی باتیں تھیں جو پہلے نفسیات ہوا کرتی تھیں۔ آج کے زمانے میں آپ دیکھیے کہ کتنے تصورات تھے جو مابعد الطبیعیات ہوا کرتے تھے جن کو ہم مابعد النفسیات کہتے تھے مگر آج کے علوم کی روشنی میں وہ تمام مابعد النفسیات خالق اب نفسیاتی ہو چکے ہیں۔ ہر نفس ایک جہلوں کا مجموعہ ہے۔ بہت ساری جہلتیں جو بظاہر ہمیں نظر آتی ہیں کہ کھانا ہے، تولید (Reproduction) ہے، جارحیت (Aggression) ہے، بقا (Survival) ہے مگر جب یہ جہلتیں ایک دوسرے پر اثر کرتی ہیں تو یہ شطرنج کی بازیوں سے بھی زیادہ چالیں چلتی ہیں اور اگر چھتیس مہروں کی چالیں ایک بلین تک چلی جاتی ہیں تو آپ کی جہلتیں جب ایسا عمل کرتی ہیں تو ہزار ہا پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ شاید اسی لیے تصوف میں مرشد کی ضرورت پڑتی ہے۔

اصل میں مابعد النفسیات کے ادارے کا کچھ علم اسلام کے تصوف میں گڈ مڈ کر دیا گیا ہے۔ جیسے عظیمیہ سلسلے کے ایک شخص نے بہت باہمی آمیزش کی ہے اور بہت سارے تبت کے لامائی تصورات اور اسی طرح افریقہ کے شامان کے تصورات تصوف میں ملائے ہیں جس سے اسلام کا عمومی تصوف کا تصور بہت مبہم ہو گیا ہے۔

مگر تصوف کے نام پر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ یہ وہ علم تھا جس میں کم علم گزر نہیں سکتا تھا۔ یہ وہ رستہ تھا جس کی نشاندہی کے لیے بھی انسانی علوم سے آگے گزرنے والے کو رستہ ملتا تھا مگر آپ ایک نظر دیکھیں تو جیسے سڑک کے کنارے ایک مداری میڈیکل سائنس کا منہ چڑا رہا ہوتا ہے۔ پورے معاشرے میں ہزار ہا بے تصور تصوف کو خراب تر کیے جا رہے ہیں۔ ان کی کوئی شناخت نہیں۔ ان کی کوئی پہچان نہیں۔ اگر آپ تصوف کے مستند ترین اصولوں پر کھیں تو آپ حیران ہوں گے کہ تصوف ایک طرف رہ گیا ہے اور متصوف دجل و فریب کے حقائق پیش کر کے آپ کی تمام توقعات کو پس پردہ کیے جا رہے ہیں۔ نہ علم رہا نہ آگہی رہی، نہ وہ روشنی جس سے علمائے فطرت خدا کے عالم لوگوں کے مصائب کے رخ جان لیتے تھے۔ خدا

کے عالم میں اور ایک عام عالم میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ ایک وہ شخص جسے آپ صوفی کہتے ہیں اور ایک وہ شخص جو ایک عام درس گاہ کا تعلیم یافتہ ہے، اس میں کچھ فرق تو ہونا چاہیے۔ اس میں شناخت کا فرق ہونا چاہیے۔ اس میں اتنا تو فرق ہونا چاہیے جو حدیث رسول ﷺ ہے کہ خدا جسے اپنا علم دینا چاہتا ہے، اس کی آنکھ اس کے اوپر کھول دیتا ہے۔ اتنا فرق تو ہونا چاہیے کہ وہ کچھ اپنے آپ کو جانتا ہو۔ کچھ آپ کو جانتا ہو۔ اس کا تشخیص صحیح ہونا چاہیے۔ وہ واہمہ اور وسوسے کی بات نہ کرے وہ خوابوں کی بات نہ کرے ہزاروں مقدسین ہمارے گلی گلی کوچے کوچے میں ہیں۔ ایسے لگتا ہے صوفیوں کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ ہر کونے میں ہر گوشے میں ایک معزز جو جو جو تعلیم سے بالکل ناواقف ہے، وہ تصوف کے ایسے نقوش ابھار رہا ہے جیسے ہندو دیومالائی قصوں کو عام کرتے ہیں۔ آج بھی اتنے تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اگر آپ کبھی ہندوؤں کا ٹیلیویشن دیکھیں تو کیا عجب بات ہے کہ ان کی عقل کو قطعاً کوئی شرمندگی نہیں ہوتی، دیوی دیوتاؤں کے قصے پیش کرتے ہوئے۔ اگر یہی علیست کا کمال ہے کہ نہ اپنے آپ سے سچ بولوں نہ کسی سے سچ بولوں، یہ آج کی بات نہیں ہے۔ ہر زمانے میں اتنے کذاب صوفی ہوئے، بے شمار جھوٹے لوگوں نے تصوف کا دعویٰ کیا ہے۔ حضرت دانیال کے زمانے میں ستر جھوٹے نبی تھے۔ شاید یہ کذب و افتراء جو اللہ کے اس بہترین شناخت کے علم پر جاری ہے، اس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس کا انس زیادہ ہو گیا۔

خداوند ایہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں:

کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

تصوف یقیناً ایمان کی ایک جہت ہے۔ تصوف ایک جذبہ ہے جس کو اس لیے ہم نے تصوف کا نام دے دیا کہ اگر اس کو دوسرا نام دیتے۔ اگر میں یہ کہتا کہ ولایت کی یہ تعریف ہے، اگر میں آپ سے یہ کہتا کہ مومن کی تعریف یہ ہے کہ وہ خدا کی جستجو سے اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے اور اس میں مسلسل آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور خدا کے عرفان اور ادراک تک پہنچنے کے لیے یہ زندگی صرف کر دیتا ہے کہ:

نشان مرد حق دیگر چہ گویم

چوں مرگ آید تبسم برب اوست

اور اس سے آخری بات کیا ہو سکتی ہے۔ کیا تصوف کے معیار واضح نہیں؟ کیا بیچارگی تصوف ہے؟ کیا اوٹ پناگ حرکتیں تصوف ہیں؟ کیا فاتحہ کو اللہ نے قرآن میں رد نہیں کیا؟ کیا بے اعتماد لوگوں کے بارے میں ایک جملہ نہیں فرمایا اور مسیحی رہبانیت کے بارے میں اللہ نے نہیں کہا کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے اتنی مشقتیں نکال لیں، ہم نے نہیں کہا تھا۔ اور ان کی داستانوں میں تڑکیہ باطن جو ہے وہ پانیوں میں بارہ برس کھڑے ہونے سے نکلتا ہے یا کسی قبر میں چلہ معکوس سے نکلتا ہے یا کنویں میں التالٹکنے سے نکلتا ہے۔ کیا یہ تصوف ہے؟ تصوف تو بالکل مضبوط ترین عقل کی راہ تھی۔ یہ تو اتنا یقینی راستہ ہے کہ اس کا پہلا قدم بھی آپ کو یقین خدا دلا دے۔ اس پر چلنے والے کا پہلا قدم بھی آپ کو خدا کا شعور دیتا ہے۔ خدا کی محبت سے آشنائی دیتا ہے مگر کیا بد قسمتی کی بات تھی کہ یہ کائنات کا اللہ کا انسانیت کا علم بھی اماڑی لوگوں کی نذر ہو گیا۔ گلی کوچوں کی نذر ہو گیا۔ اس سے مراد یہ تھی کہ ایک سادہ سا انسان خدا نہیں پا سکتا۔ ایک سادہ ترین

انسان بھی صوفی ہو سکتا ہے خدا کا شعور رکھ سکتا ہے۔

جب شیطان نے کہا کہ اے مالک! تو نے مجھے بہت رسوا کر دیا۔ تو نے میرا مقام، عزت انسان کو دے دی تو اب مجھے اتنی مہلت دے کہ انسان جس کی عقل فطرت پر تو نے بڑا دعویٰ کیا ہے، میں تجھے ثابت کر دوں کہ تیرا یہ دعویٰ انسان پر درست نہیں۔ میں ان کے آگے سے آؤں گا، پیچھے سے آؤں گا، اوپر سے آؤں گا، نیچے سے آؤں گا۔ میں ان کو ہر طرف سے گھیروں گا۔ میں ان کو راہ راست سے اغوا کروں گا۔ خدا نے کہا تو یہ کرے گا، بہت سے انسان ماکارہ اور نا کام ہو جائیں گے مگر اتنی بات یاد رکھنا چاہیے وہ آدمی پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ ہو یا سادہ ہو یا پیچیدہ ہو۔ تو اس شخص کو کبھی نہ بہکا سکے گا۔ الا عباد اللہ المخلصین (۳۷) (الصف: ۴۰) جس کے دل میں میرے لیے ایک ذرہ برابر بھی خلوص ہوگا تو کبھی اس پر قابو نہیں پاسکے گا۔

تو یہ وہ اخلاص ہے جس کی بنیاد ہر دل میں ہے اور تصوف اسی سے آغاز کرتا ہے۔ شریعت بغیر طریقت کے ایک بے معنی کوشش ہے۔ جب تک اس کے پیچھے خدا کے حصول کی نیت نہ ہوگی۔ آپ کے اعمال کبھی رنگ نہ پائیں گے۔ آپ کے خیال کبھی رنگ نہ پائیں گے۔ طریقت شریعت سے جدا نہیں ہے، طریقت اور شریعت دراصل خیال، نیت اور عمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں ایک وجود ہیں اور عمل کی حیثیت رکھتے ہیں اور جب تک آپ اپنے خیالوں میں اپنے اعمال خیر میں خدا کے حصول کی نیت نہ رکھیں گے، آپ کے اعمال آپ کو کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ یہ وہ جنگ ہے جو دور حاضر میں اکیڈمک لوگوں میں اور اہل دل میں جاری ہے۔ اہل دل یہ قطعاً نہیں کہتے کہ وہ شخص جو کسی قیمت پر بھی شریعت کی اہمیت کو کم کرتا ہے، وہ اہل تصوف میں ہے۔ صرف وہ تین آدمی اللہ نے اس حساب سے نکال دیے۔ ایک تو وہ بچہ جس پر ابھی شرع لاگو نہیں ہے، ایک وہ مجنون جس کو کارزندگی کا علم نہیں ہے۔ ایک وہ سویا ہوا جس پر کوئی قانون لاگو نہیں۔ ان کے علاوہ کسی انسان پر شریعت سا تو نہیں اور یہ خیال قطعاً غلط ہے اور کوئی صوفی ایسا نہیں ہے، کوئی بھی اللہ کا ولی ایسا نہیں جس میں یہ مجال اور یہ طاقت ہو کہ وہ شرعی اعمال کی حیثیت کم کر سکے۔ شرع کسی حال میں بھی قابل استفسار نہیں ہے۔

تصوف آپ سے صرف ایک بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تمہارے قول و فعل کے باوجود تم منافق ہو سکتے ہو۔ آپ کی عملی زندگی کے انداز میں قول و فعل کی ہم آہنگی ضرور ہونی چاہیے مگر دل آپ کو کہہ رہا ہے کہ قول و فعل کے باوجود آپ کا دل تقسیم شدہ ہے۔ اس لیے کہ ایک بہت بڑی قوت اور بھی ہے جو قول اور فعل دونوں پر فیصلہ دیتی ہے اور وہ آپ کی فکر ہے۔

The only difference between the dogmatics and the people of heart is very simple.

صوفی یہ کہتا ہے کہ ان تینوں چیزوں میں یہ اتحاد خلاصہ ہے، اتحاد ناہی نہیں ہے۔ یہ صرف قول و فعل کی ہم آہنگی نہیں ہے بلکہ قول و فعل اور فکر جب اکٹھے ہوتے ہیں اور خدا کی طرف رغبت فرماتے ہیں تو اس وقت ایک صوفی اپنی ابتداء کرتا ہے۔ اس وقت ایک صوفی اپنے سفر کا آغاز کرتا ہے اور یہ سفر ایمان کا سفر ہے۔ یہ سفر وصال خداوندی کا سفر ہے اور یہ معجزہ یہ دوسری تیسری باتیں یہ کشف قبور کے جو ڈھونگ رچے ہوئے ہیں، آپ یقین جانیے کہ کسی بڑے صوفی سے اس قسم کی احمقانہ

روایت جاری نہیں ہوئی۔ آپ کو یہ دیکھنا ہے یہ فرق کرنا ہے کہ وہ سند کیا ہے جو صدیوں سے کائناتی سند چلی آرہی ہے۔ یہ نہیں کہ صوفی آج پیدا ہوا۔ تمام محاورہ تمام انداز فکر صوفیاء کے تمام کارنامے ایک جیسے ہیں بالکل ایک جیسے ان میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔

میں آج بھی محسوس کر سکتا ہوں کہ اشراقیہ کے ولی کیجی سہروردی نے کیسے سوچا تھا۔ البتہ صفات کا فرق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ صوفیاء کا ایک گروہ کرم پر زیادہ زور دے۔ ایک صوفی خدمت خلق پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اس سے باقی چیزوں کی حیثیت کم نہیں ہوتی اور دور حاضر میں پوری اسلامی دنیا پر اتنا بڑا بحران ہو تو ایک سوال جو ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ مالک و کریم! کیا ہمارے گناہ ایسے حد و حساب سے گزر گئے کہ تیری ترجیحات اس قوم بے نصیب کی طرف نہیں پلٹیں مگر خواتین و حضرات! بات یہ ہے کہ پروردگار تو وعدے کر کے کتاب بند کر بیٹھا۔ اب اس سے گریز ہمارا گریز ہے۔ وہ تو کہہ بیٹھا ہے ولا تہنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (۳) (آل عمران: ۱۳۹) کہ سستی نہ کرنا، غم نہ کرنا میرے بارے میں۔ تم ہی غالب ہو اگر تم ایمان والے ہو۔ تو بار بار ذہن میں خیال آتا ہے یہ جو ذلت اور مرادی کے جو انداز بن رہے ہیں یہ جو امت مسلمہ انفرادیت اور مکمل ذہنی امتیاز میں مبتلا ہے جن کے حکمران بجائے قوم سے ہمدردی کرنے کے جان بوجھ کر اور سوچ سمجھ کر ان پر خوف کے سائے لاد دیتے ہیں۔ اگر کسی میں لڑنے کی ہمت ہے تو بھی نہ لڑے۔ تو خواتین و حضرات! خیال آتا ہے کہ کیا مسئلہ ہے۔ اللہ کیوں نہیں توجہ فرماتا۔ ایک ہی چیز جس کا یقین ہوتا ہے کہ شاید ہم ان کنتم مومنین کی تعریف میں نہیں آتے شاید ہم ایمان والے نہیں۔ اگر بظاہر ایمان والوں سے مراد عبادات والے ہیں تو اتنے سارے بے شمار لوگ پچیس لاکھ عبادات والے رانیونڈ میں جمع ہو جاتے ہیں پچیس لاکھ اسلام آباد میں جمع ہو جاتے ہیں۔

پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا کہ جب تک ایک بھی زمین پر اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے تو قیامت نہیں آئے گی۔ تو خواتین و حضرات! سوچنا پڑتا ہے کہ نقص کہاں آیا؟ مسئلہ کہاں آڑے آیا؟ یہ مسئلہ ہماری ترجیحات کے بحران میں ہے کیونکہ اب اللہ ہماری ترجیح نہیں رہا۔ اب اللہ صرف ایک تصوراتی وجود ہے۔ وہ ایک حقیقی وجود کی طرح ہمارے اذہان میں نہیں ہے۔ ہم خیال میں اس کو محاورہ بنا ضرور استعمال کرتے ہیں مگر ہمارے دل و دماغ میں کوئی مرکز جواب دہی اللہ کی جانب نہیں۔ جب رجعت نہیں رہی خدا کی شناخت نہیں رہی خدا کے عالم نہیں رہا اور وہ خدا کے عالم جو اللہ کے لبادہ علمی کے تحت ہیں جو اللہ کے علم سے اپنے علم کو روشن کرتے ہیں اور اگر ایسے سوالوں سے واسطہ پڑ جائے تو دیکھو اکیڈمک کے پاس کچھ نہیں ملے گا یہ تو تمہیں ان لوگوں کے پاس ملے گا۔ جو صبح و شام ہماری یاد میں رہتے ہیں۔ جو قرآن میں رہتے ہیں اور تسبیحات پروردگار میں رہتے ہیں۔

صرف اسلام میں آ کے اللہ ساتوں کائناتوں کا مالک ظاہر کرنا ہے اس لیے کہ پہلے انسان میں اس کی وسعت اور اس کے ادراک کی اتنی صلاحیت ہی نہ تھی۔ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جہاں معیار مستقل ہو رہے تھے۔ معیار زندگی قائم ہو رہے تھے۔ معیار حقانیت قائم ہو رہے تھے۔ اللہ اس ذات گرامی پر کشادہ ہو کے آیا۔ اللہ اس ذات گرامی میں اپنی پوری تعریف کے ساتھ آیا اور اپنے شخصی وجود سے گریز کرتے ہوئے اپنے اس کائناتی وجود کی جھلک دے دی ہے۔ اس کاملیت کی جھلک دی ہے۔ جب ہم Multiverses کے تصورات دیکھ رہے

ہیں۔ آج بھی قرآن ہی کا خدا حقیقی خدا نظر آتا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ پچھلے مذاہب مذاہب نہیں تھے یا پچھلے مذاہب میں خدا کا وجود جعلی اور غیر حقیقی تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ شخصی خدا کے تصورات تھے جو کبھی بنی اسرائیل کے تھے، کبھی قوم یہود کے تھے اور کبھی کسی قوم کے تھے۔

اگر آپ قرآن کو کھول کر دیکھیں تو پہلی مرتبہ اللہ رب العالمین کی حیثیت سے پہلی آیت قرآن میں نمودار ہوتا ہے اور اسی طرح وہ اپنے پیغمبر ﷺ کو رحمت اللعالمین فرماتا ہے۔ اب وہ شخصی خدا نہیں رہا، اب وہ اپنی کائنات کی ملکیتیں ظاہر کر رہا ہے۔ اپنی کائناتی حکمتوں کو ظاہر کر رہا ہے۔ اب وہ خدائے بحر و بر ہے۔ خدائے ہفت کائنات ہے اور اسی خدا کی تلاش اور جستجو میں تافلہ امل دل نکلتا ہے۔

کہیں تو ہوگا شب ست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینہ غم دل

ہمارا نقصان ہمیں صاف بتا رہا ہے کہ ہماری عبادات ہماری زندگیاں خدا سے خالی ہیں۔ اگر آپ اللہ کی عبادت دیکھو تو پہلے پارے میں اللہ کی کتنی خوبصورت آیت ہے جو نثار دہی کرتی ہے کہ ہم میں کیا چیز ہونی چاہیے جس سے اللہ ہمیں اپنے محبوب بندے بنا لے گا صبغة اللہ ومن احسن من اللہ صبغة ونحن له عبدون (۲) (البقرہ: ۱۲۸) اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے کون سا رنگ بہتر ہے اور ہم عبادت کرنے والے ہیں۔ عبادت انہی کا مقوم ہے۔ عبادت انہی کا مقدر ہے، عبادت انہی کی زندگی ہے جو اللہ کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ آپ اسے فنا فی اللہ کہو، فنا فی الرسول ﷺ کہو۔ آپ کچھ بھی اسے کہہ لو مگر جو صفات پروردگار کے لیے جدوجہد کرنا ہے جو محبت ذات خدا کے لیے جدوجہد کرنا ہے وہ کبھی بھی خدا کو فرضی نہیں سمجھ سکتا۔ چاہے کتنی ہی بڑی میٹرکس کی دنیا اس کے ارد گرد آبا د ہو، ہم جانتے ہیں کہ سراب میں بھی بڑی حقیقت ہوتی ہے۔

ایک شخص صحرا میں جاتا ہے سراب دیکھتا ہے بڑا عقلمند ہے۔ کہتا ہے یہ تو پانی ہے ہی نہیں۔ میں کتنا عقلمند ہوں کہ میں نے سراب کو سراب ہی سمجھا ہے تو شاعر کہتا ہے کہ:

زلفش تشہ لبی داں ز عقل خویش مناز

اے بیوقوف اپنی پیاس کا نقصان سمجھ۔ یہ سمجھ کہ تیری پیاس ابھی مکمل نہ تھی۔ بے عقل تو اپنی عقل پر ناز مت کر۔

دلت فریب گر از جلوہ سراب نہ خورد

اگر تیرے دل نے سراب سے فریب نہیں کھلایا تو یہ تیری عقل کی ناز کی بات نہیں ہے، تیری پیاس ہی ابھی پوری نہ تھی۔

مجھے امید ہے انشاء اللہ تعالیٰ العزیز کہ خدا ہمارے دلوں میں اپنی محبتوں کی لوزروردے گا۔ ویسے تو کچھ لوگ وہ بھی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ خدا کو اتنا یاد کر کہ تیرا دل ایک ویرانے کی طرح ہو جائے اور اس میں ایک چراغ جلتا ہو اور وہ خدا کی یاد کا چراغ ہو۔ پھر فرمایا کہ جب لوگ خدا کو اتنا یاد کریں گے تو خدا ان کے ساتھ ہو جائے گا۔ خدا ان کا انداز ہو جائے گا۔ خدا ان کی زبان ہو جائے گا۔ خدا ان کے اشاروں سے بادل برساتا ہے۔ خدا ان کے اشاروں سے حکومت بدلتا ہے۔ خدا ان کے اشاروں سے زندگی اور موت کے مسائل طے کرتا ہے۔

تصوف کا شریعت سے واسطہ

سوال: آپ نے فرمایا کہ تصوف اللہ کی طرف جانے کا راستہ ہے۔ اگر اللہ عشق سے ملتا ہے تو عشق پر تو کوئی شریعت نافذ نہیں ہوتی۔ پھر تصوف کا شریعت سے کیا واسطہ ہوا؟

جواب: بہت ساری غلط فہمیاں جو اس معاشرے میں ہیں ان میں یہ بھی ایک غلط فہمی ہے کہ عشق پر کوئی شریعت لاگو نہیں ہوتی۔ ایک آدمی رستے میں کھڑا تھا تو حضرت ابراہیم خواص گزرے تو وہ گلی سرئی حالت بڑی بری طرح کے آسیب کا شکار بیچارہ مردوں کی طرح پڑا تھا۔ تو حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں پاس سے گزرا تو میں نے کہا کہ اس بد بخت نے کون سا ایسا گناہ کیا کہ اللہ نے اس کی یہ حالت کی۔ میں نے سوچا دل میں مگر وہ شخص چونک کے اٹھا اور اٹھ کے کہا ابراہیم خواص تو اللہ کے بندوں کی دل میں غیبت کرنا ہے۔ تجھے معلوم نہیں یہ جو حالت ہے میری میں نے اللہ کے انعام کے طور پر قبول کی ہوئی ہے۔ اب جو عشق کی بات کرتے ہیں، آپ غور کریں کہ عشق کس حالت تک پہنچاتا ہے اور عاشقوں کے بارے میں اللہ میاں نے یہ کہا کہ کچھ لوگ میری چادر کے تلے چھپے ہوئے ہیں۔ ان کا نہ میرے کسی پیغمبر کو علم ہے نہ کسی ملک کو علم ہے۔ اب اگر ایسے ہی لوگ ہوں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ دنیا کی نظر سے بھی چھپے ہوئے ہوں گے اور دعویٰ عشق خرابی ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ ہم محبت کے قائل ہیں، عشق کے قائل نہیں ہیں۔

پروردگار عالم نے محبت کا ذکر کیا ہے اور جہاں بھی کسی چیز میں ہو جائے اسے مودت کہا جاتا ہے۔ محبت اور مودت میں بڑا فرق ہے۔ جہاں استحصال اجسام آجائے جہاں ملاوٹ آجائے جہاں جسم آجائے جہاں خواہشات نفس آجائیں اس کو اللہ نے مودت کہا ہے۔ خدا نے کہا کہ پتھروں سے محبت بھی ہے۔ سونے سے محبت بھی ہے اور بتوں سے محبت بھی ہے مگر محبت صرف اللہ کے لیے ہے۔ والذین امنوا آشد حبا لله (۲) (البقرہ: ۱۶۵) اور یہ محبت منافی محبت ہے۔ اس محبت کا تعلق حصول دنیا سے نہیں ہے۔ یہ قطعاً ایک ذہنی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ ترین ذہنی سطح پر جا کر آپ خدا کی صفات کو محسوس کر کے اپنے اندر پیدا کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں، اس کو ہم عشق نہیں کہتے۔ ویسے تو اقبال محترم عشق کا بڑا ذکر کر گئے اور ایسے لگا کہ علم بڑی ناقص سی چیز ہے اور عشق کوئی بڑی پائیدار شے ہے مگر اقبال صرف فلسفاتی علوم کی ماہلیت کا قائل ہوا کیونکہ اس کا تسلسل آ رہا تھا ایک ایسی درسگاہوں کی طرف سے جہاں شکوک و شبہات منطقی تشکیک پڑھاتے پڑھاتے بالآخر وہ اس مقام پر پہنچا جب اس کو احساس ہوا کہ ان تمام تعلیمات سے میں اپنی ترجیح اول کو حاصل نہیں کر سکتا تو اس بیچارگی کے عالم میں اقبال نے مجاذیب کی تلاش شروع کر دی۔ اس کے باوجود وہ اپنے وقت کا بہت بڑا مجدد اور تفسیر قرآن کا ماہر تھا۔ ایک غلطی اس سے ہو گئی اور وہ غلطی یہ تھی کہ فلسفہ اور تشکیک کی راہوں سے گزرتے ہوئے اس کی ترجیحات بیچ میں تبدیل ہو گئیں اور خدا کی بجائے کبھی وہ سیاست ہو گئیں، کبھی امت مسلمہ ہو گئیں، کبھی فلسفہ ہو گیا۔ جب انہیں احساس ہوا کہ مجھ سے کیا غلطی ہو گئی تو آپ کو پتہ ہے وہ آخری زندگی میں کبھی ایک مجذوب کا سنتے تو اس کی طرف بھاگتے۔ اس مقام پر آ کر انہوں نے خیال کیا کہ علم شاید خدا کی طرف کا راستہ نہیں دیتا کیونکہ اقبال تصوف میں جن استادوں کی پیروی کر رہے تھے وہ بذات خود سلسلہ تصوف کے مستند لوگ نہیں تھے جن میں رومی بھی تھے، جن میں امام رازی بھی

تھے جن میں ابن سینا بھی تھے ابن رشد بھی تھے۔

ایک بہت بڑی غلط فہمی جو عالم اسلام میں جاری رہی کہ لوگوں نے بہت سے متصوف لوگوں کو صوفی بنا دیا۔ کسی نے خیام کو صوفی بنا دیا۔ کسی نے حافظ کو صوفی بنا دیا۔ کسی نے سعدی شیرازی کو صوفی بنا دیا۔ جیسے میں نے آپ سے عرض کیا کہ کسی چیز کی اعلیٰ اور کلدت کو ہم تصوف نہیں کہتے۔ تصوف نام ہے کانٹ چھانٹ کا۔ ایک قینچی جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر آپ کا شعر بھی آپ کو سرور دے رہا ہے۔ آپ کا خیال آپ کو سرور دے رہا ہے اور آپ کو لذت نفس میں ڈال رہا ہے اور وجود کی خوبصورتی کا تامل کر رہا ہے اور ایک مخصوص رویہ پیدا کر رہا ہے اور کہیں آپ کو اس طرز کے مناظر دکھا رہا ہے تو صوفی کے ہاتھ کی قینچی بڑی بے رحم ہوتی ہے۔ تصوف کا بنیادی قانون ہے کہ جس نے نفس کے ساتھ ہمدردی کی وہ تصوف کے علم کا ایک ذرہ بھی نہیں حاصل کر سکتا۔

دنیا میں بھینچنے کی وجہ

سوال: خاتون پوچھتی ہیں کہ رزق، زندگی، موت، عزت، ذلت یہ سب کچھ تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ تو ہمیں اس دنیا میں آخر کیوں بھیجا؟

جواب: جب ہم تخلیق کائنات کا مقصد دیکھتے ہیں تو میں اپنی اصطلاح میں کہوں گا میں خدا کی اصطلاح میں نہیں کہوں گا کہ اللہ ایک جبر مسلسل کے ذریعے اپنی مخلوقات سے عبادت کروا رہا ہے۔ جیسے اس نے آسمانوں کو کہا کہ میں نے تم میں یہ امر ڈال دیا ہے چاہو تو آؤ چاہو تو نہ آؤ۔ تو ایک جبر تھا جو اس کی بر مخلوق پر تھا چاہے وہ ملائکہ تھے چاہے زمین و آسمان تھے چاہے شجر و حجر تھے۔

کہتے ہیں کہ صفت شعر کو دو چیزیں خراب کرتی ہیں۔ تحسین ما شناس و خاموش سخن شناس کہ اگر کلام کی قدر و قیمت کو جاننے والا کلام سن کے چپ رہے گا تو کبھو کہ ما قدری ہو گئی اور اگر ایک ان پڑھ بیوقوف آدمی شعر سنتے ہی اچھل کود شروع کر دے اور داد دینی شروع کر دے تو وہ بھی شعر کی بربادی کا باعث بنتی ہے۔ یہی حال کچھ اللہ کے ساتھ ہوا کہ اتنا خوبصورت خدا اللہ جمیل و یحب الجمال خود حسن اور خالق حسن۔ ایسی ایسی خوبصورت تخلیقات یہاں حسن کہ:

ہر لمحہ شان حسن بدلتی رہی جگر

ہر آن ہم جہان دگر دیکھتے رہے

ایسی ایسی خوبصورت تخلیقات اور پھر تعریف کرنے والے۔ اللہ۔ الحمد للہ۔ الحمد للہ۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ نہ ان میں عقل، نہ معرفت، نہ چناؤ، نہ خصلت دید۔ ان کی آنکھوں میں وہ رنگ و روپ نہ اپنے محبوب کی مناسب قدر افزائی۔ یہ ایک انتہائی علیم حکیم رب کی جبریت۔ اب اللہ کو محسوس ہوا کہ اب میں کروں کیا۔ میں جو ایک چھپا ہوا خزانہ۔ بھئی اکیلے رہو۔

کار جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

تو آپ اکیلے نہیں رہ سکتے۔ اللہ نے سوچ سوچ کے ایک فیصلہ کیا۔ ایک بڑا عجیب و غریب فیصلہ کہ کسی میں حس

انتخاب پیدا کر کے دیکھوں۔ ایسی مخلوق پیدا کروں جسے چننے کا اختیار دوں اور دیکھوں بھلا پھر بھی مجھے کوئی چنتا ہے۔ بندوں پر تکیہ کر بیٹھا تو خیال کیا کہ میں انتخاب کا اختیار دیتا ہوں، چننے والا ذہن دیتا ہوں۔ میں کسی ایسی مخلوق کو یہ اختیار دیتا ہوں اور پھر دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے چنتا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، چاہا کہ آشکار ہو جاؤں۔ میں نے مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔ تعارف کے لیے حضرت انسان تشریف لائے۔ اب حضرت انسان نے بھی سوچا کیا۔ میں کہاں جاؤں گا جی، کہا زمین دوں گا۔ کہا جی وہاں مجھے پالے گا کون؟ کہا ذرا نفع رکھوں گا۔ پھر اس سوال و جواب میں پوری کی پوری ایک دنیا کے آخری مراحل تک تخلیق ہوئے۔ آنا رو باقیات تخلیق ہوئے۔ اس میں اس نے کہا کہ دیکھو میاں تیرا کوئی کام نہیں زمین پر۔ تو نے پیدا ہونا ہے اور زندگی گزارنا ہے تیرا رزق میرے ذمہ ہے۔ تیرے بیوی بچے میرے ذمہ ہیں، تیرا سفر میرے ذمہ ہے۔ تیری زندگی، موت میرے ذمہ ہے اور تیری شفاء اور مرض بھی میرے ذمہ ہے اور تیرا صرف ایک کام ہے تجھے جو عقل دی تو نے اس اختیار انتخاب کا استعمال کرنا ہے۔ چار ڈگری میں انسان کی وحشت خیال کو پورا کیا اور فرمایا۔ ہل اتی علی الانسان حین من المدھر لم یکن شیئا مذکوراً (۶۷) (الانسان: ۱) تو کوئی قابل ذکر شے نہ تھا۔ پھر میں نے خیال کیا، میں کچھ اس کو دیکھوں آزماؤں، چلو اس کو آگے بڑھاتا ہوں۔ انا خلقنا الانسان من نطفة (۶۷) (الانسان: ۲) میں نے انسان کو سنگل سیل سے ڈبل سیل میں بدل دیا، کہاں یہ ایسا تھا۔ اب اس نے ڈبل سیل ہونا شروع کر دیا۔ صدیاں گزر گئیں۔ حضرت میں کوئی جدت نہ دیکھی گئی۔ اب اس کو ذرا اور آگے بڑھاؤں۔ چاہا کہ اسے آزماؤں امشاج نبتلیہ فجعلنہ سمیعاً بصیراً (۶۷) (الانسان: ۲) اسے سماعت دی، اسے بصارت دی اور کوشش کی کہ یہ سمع و بصیر ہو جائے مگر ابھی بھی انتخاب کے قابل نہیں تھا۔ میں تو کہوں گا کہ شامت پروردگار حضرت انسان کو آخری سٹیج پر لائے اور فرمایا انا ہدینہ السبیل اما شاکراً واما کفوراً (۶۷) (الانسان: ۳) اب میں نے اسے عقل و معرفت روشنی اور چٹاؤ بخشا۔ چاہے تو مانے چاہے تو نہ مانے۔

مگر ہم اس پوری لیبارٹری کا اندازہ انتخاب دیکھتے ہیں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ پروردگار کی غرض و غایت ہر بندے سے نہیں ہے۔ وہی بات ہوئی کہ اگر ہزاروں تعریف کرنے والے سے ایک اچھے شعر کی شناخت کرنے والا ایک با ذوق انسان ہی شاعری کی مراد ہوتا ہے تو اسی طرح حضرت انسان زیادہ تر پیر و کار ہیں اور انسان کی تعریف اللہ کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح کی دوسری نعمی حدیث میں فرمایا کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، مجھے اس بات سے انس ہوا کہ میں پھانسا جاؤں تو میں نے محمد ﷺ کو تخلیق کیا۔ میری تو حسرت پہچان محمد ﷺ کی تعریف سے پوری ہو گئی۔ میرے بندے نے مجھے بڑی اچھی طرح چاہا، بڑی اچھی طرح پیار کیا۔ میں نے اس کا یہ صلہ دیا اپنے بندے کو کہ آسمانوں پر وہ میری تعریف کرنے والا احمد تھا تو میں نے اس کا صلہ یہ دیا کہ زمینوں پر وہ تعریف کیا گیا۔ میں نے پوری علمی، ادبی، فکری زندگی میں کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا کہ ایک لاکھ چھبیس ہزار حدیث اس سے منسوب ہوں اور ایک احادیث بھی اس کی ذاتی تعریف میں نہ ہو۔ یہ وہ محمد ﷺ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح رکھا اور پھر خدا کیوں نہ چاہے ان کو۔

یہ باقی کائنات اس تعریف کے عوض چل رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر نہ کوئی مطلوب و مقصود کائنات

ہے نہ کوئی مطلوب و مقصود پروردگار ہے۔

اسلام میں پردے کا حکم

سوال: قرآن میں پردے کا سختی سے حکم ہے۔ یہاں آپ نے مردوں عورتوں کو اکٹھے بیٹھایا ہوا ہے یہ کون

سادین ہے؟

جواب: قرآن میں پردے کا سختی سے حکم ہے، یہ لفظ سختی غلط ہے۔ قرآن میں پردے کا حکم ہے سختی سے نہیں۔

قرآن میں پردے کے حکم کا پس منظر بھی ہے اور اس کے واقعات بھی پیش آئے۔ جنگ یرموک میں اجنادین میں اور احد میں مسلمان عورتوں کی بہت ساری سرگرمیاں ہیں۔ ہر جگہ عورتوں کا چہرہ کھلا ہوا آیا ہے۔ یہ اس طرح کے نقاب، پراسرار قسم کی خواتین قدیم اہل عرب اسلام میں نہیں پائی جاتیں۔ اسلام میں اس قسم کا ورثہ نہیں پایا جاتا۔

مگر میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ اگر کوئی خاتون اتنی حجاب والی ہیں۔ اگر وہ اپنے آپ کو سختی سے ڈھانپتی ہیں تو اس پر ان کے لیے کوئی حرج بھی نہیں ہے مگر پردے کا حکم دو چار مثالوں سے شروع ہوا کہ بنو قریظہ کے بازار میں ایک مسلمان عورت ایک یہودی کی دکان پر گئی۔ اس یہودی کی نیت خراب ہوئی اور پھر اس مسلمان عورت نے شور و غوغا کیا تو قریب سے ایک مسلمان گزر رہے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودی نے مرتے مرتے اپنے لوگوں کو آواز دی اور یہودیوں نے مل کر اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی۔ آپ ﷺ نے ان کو طلب کیا اور جواب طلبی کی تو انہوں نے کہا کہ یا محمد ﷺ اوہ عورت بھی تو باقی عورتوں کی طرح تھی، ہم کیسے پہچانتے کہ یہ مسلمان عورت ہے؟ یہ ایک پہلا قدم بنا اور مسلمان عورت کو ایک جداگانہ نشان مل گیا۔

ام المؤمنین حضرت سوہہ رات کو باہر نکلیں۔ ان کا قد لمبا تھا تو سیدنا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو پہچان لیا۔ حضرت سوہہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ میں رات کو باہر گئی تھی۔ عمرؓ نے مجھ پر آواز لگائی۔ حضور ﷺ خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ کی نیت یہ تھی کہ خواتین محترماً اس طرح نہ نکلا کریں، یہ کچھ ڈھانپ کے نکلا کریں۔ یہ عمرؓ کی نیت تھی تو اس وقت قرآن کی آیات اتریں اور گریبان ڈھانپنے کا حکم ہوا اور چادر سر پر لینے کا حکم ہوا مگر یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ عورتوں نے وہ تمام تر خدمات سرانجام دیں جو آج کل کی باقاعدہ ملازمی سرور انجام دیتی ہیں۔ یرموک کی چوتھوں کی فتح کم از کم تین مرتبہ عورتوں کی استقامت کی ممنون ہے اسی لیے کہتوں میں کام کرنے والیاں اور اسی طرح بہت ساری معاشرتی عورتوں پر اس قسم کی کوئی قدغن موجود نہیں تھی مگر پردہ

It should have been natural with the women. It should have been general with the women.

امریکہ میں لیڈی ڈاکٹر نے مجھ سے پوچھا کہ قرآن میں پردے کا کتنا حکم ہے؟ میں نے کہا، اتنا ہے۔ تو مجھے کہنے لگی، یہاں تو سارے لوگ بڑے شریف ہیں، اتنے نیک ہیں۔ آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتے تو یہاں آدمی اگر کھلا ڈھلا پھرے تو کیا حرج ہے؟ میں نے کہا دیکھو خاتون بات یہ ہے، میں تمہاری بات سمجھتا ہوں، مانتا ہوں۔ بہت نیک لوگ ہیں بلکہ

ہمارے پاکستان کے لوگوں سے بھی زیادہ نیک اور شریف لوگ ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ اگر میں دور کھڑا ہوں اور بہت ساری خواتین اکٹھی کھڑی ہیں تو آپ کو میں ان میں سے ہی ایک سمجھوں گا۔ ہاں اگر آپ نے حجاب لیا ہوا ہے، تھوڑا بہت اسلام ہے، سینہ ڈھانپا ہوا ہے تو میں بہت دور سے یہ سمجھ جاؤں گا کہ یہ مسلمان عورت ہے اور خواتین و حضرات! پھر ایک عجیب و غریب سا واقعہ پیش آیا کہ ایک ہوٹل میں کچھ حبشیوں نے دھاوا بول دیا اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ایک عورت نے حجاب پہنا ہوا تھا۔ وہ اس کے قریب آئے اور کہا:

Sister you are a Muslim you be on one side.

اس سے کم از کم پردے نے اس خاتون کو ڈاکوؤں کی لوٹ مار سے بچالیا۔

قرآن اور سائنس

سوال: آپ اپنی تقریروں میں قرآن کو سائنس سے بہت زیادہ ملاتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی بہت سی آیتیں غیر سائنسی ہیں۔ آپ قرآن کو اس طرح ڈی ویلیو کیوں کرتے ہیں؟

جواب: مسئلہ یہ ہے کہ بعض سائنسدان کہتے ہیں کہ آپ قرآن کو سائنس میں نہ نکالو اور قرآن والے کہتے ہیں کہ آپ اس کو سائنس کی نگاہ سے نہ دیکھو۔ یہ تقسیم اللہ کے نزدیک نہیں ہے۔ یہ تقسیم ہمارے نزدیک ہے۔

قطعاً ایسا نہیں ہو سکتا۔ سائنسز کی کیا مجال کہ قرآن کو ثابت کرے۔ سائنسز تو ابھی اس درجہ کمال تک نہیں پہنچیں۔ ابھی تو پروردگار کے بے شمار فرامین ایسے ہیں کہ سائنسز کو پتہ نہیں کتنی محنت اور ہمت کرنی پڑے کہ وہ خدا کے احکام کی وضاحت کر سکیں۔ بہت سے قوانین قرآن پہلے متشابہات تھے اب محکمت ہیں انہی علوم کی ترقی اور ترقی کی وجہ سے بدل گئے۔ اللہ عظیم بھی ہے، اللہ حکیم بھی ہے اور خدا حکمت کو اتنا پسند کرتا ہے بیوتھی الحکمت من یشاء (سورۃ البقرہ آیت ۲۶۹) کہ جسے چاہتا ہوں حکمت عطا کرتا ہوں۔

خدا کہتا ہے بہترین بندے وہ ہیں جو صبح، دوپہر، شام میرا ذکر کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی تخلیقات پر غور کرتے ہیں۔ اگر آپ ان سب کو آپس میں ملا دیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصول علم کی وضاحت صرف سائنسز سے ممکن ہے، آسپ اور وسوسہ سے نہیں۔ انسانی حکمتوں میں خدا کے اصولوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ پھر اگر پروردگار عالم نے یہ فرمایا ہو کہ میں نے والسماء بنینہا باید وانا لموسعون (۵۱) (الذریات: ۴۷) ہم نے آسمانوں کو اپنے زور قوت سے بنایا۔ بازوؤں سے بنایا اور ہم انہیں وسیع کرتے جاتے ہیں۔ جب میں یہ آیت پڑھتا ہوں تو قرون وسطیٰ کی ساری سفارشات اور وضاحتیں پڑھتا ہوں۔ تو یہاں آیت کا مطلب لکھا ہوا ہے رزق کی کشائش۔ جب میں ”نائمغز“ کا ایک رسالہ دیکھ رہا ہوں جو آئن سٹائن کی صد سالہ برسی پر شائع ہوا تو اوپر لکھا ہوا ہے Expanding Universe of Einstein۔ کائنات اگر وسیع تر ہو رہی ہے اور قرآن اگر یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے کائنات بنائی اور اسے وسیع تر کر رہے ہیں تو اس کی وضاحت مجھے کوئی مولوی نہیں دے گا۔ اس کی وضاحت مجھے حکیم دے گا، اس کی وضاحت مجھے آج کا سائنس دان دے گا۔ قرآن کی جو اطلاع ہے اور قرآن کا جو سائنسی اور عملی اظہار ہے اس سے آج تک کسی بڑے سے بڑے فلسفی

سائنسدان اور دانشور نے انکار نہیں کیا۔ اگر قرآن نے یہ کہا وجعلنا من الماء كل شئی حی (سورۃ الانبیاء آیت ۳۰)۔ آج بھی اس کی تردید نہیں ہو سکتی۔

اگر قرآن نے یہ کہا کہ وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی (سورۃ فاطر آیت ۱۳) ہم نے چاند اور سورج مسخر کئے اور یہ تمام وقت مقررہ تک چل رہے ہیں تو آج بھی کوئی سائنسدان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو بات قرآن نے پندرہ سو سال پہلے بغیر کسی سائنسی تجربے کے کہی، وہ بالکل درست ہے۔

ہمارا حال برا کیوں ہے؟

سوال: احکام قرآن مجید اور سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں ہمارا حال بُرا کیوں ہو رہا ہے اور جو مسلمان نہیں ہیں وہ اوپر جا رہے ہیں اور ہم جو مسلمان ہیں وہ نیچے جا رہے ہیں؟

جواب: اصولاً اس زمانے میں شکوک و شبہات اور جدید میٹریکس کا اتنا دباؤ ہے کہ ہر مسلمان اس شک کا شکار ہو جاتا ہے کہ خدا محض ایک تصور ہے جب میں نے کہا کہ جواب دہی کا محور و مرکز اللہ نہ ہونے کی وجہ سے ہر وہ مسلمان جو بظاہر مسلمان ہے، ہم اس کو اس لیے مسلمان نہیں کہہ سکتے کہ اس کا نام مسلمانوں کا سا ہے بلکہ جب بھی ہم تفسیلات میں جائیں گے تو پتہ چلے گا کہ جیسے کمیونزم یا سوشلزم کی تحریکیں اس معاشرے میں آئی ہیں اور دیکھتے دیکھتے دو کروڑ مسلمان سوشلسٹ یا کمیونسٹ ہو گئے تو اس لحاظ سے جو اعتبار وہ اللہ پر رکھیں گے وہ فرضی اور تصوراتی ہوگا، حقیقی اور اصل نہیں ہوگا۔ میں نے آپ سے یہ بات کہنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کسی شک و شبہ فریب اور بلا کا شکار رہوں۔ آپ کو اتنی تحقیق ضرور کرنی چاہیے کہ آپ اللہ کے بارے میں غور و فکر کریں۔ سوچیں سمجھیں۔ یہ اعتراضات مشرق و مغرب دونوں طرف سے اٹھتے ہیں۔ آپ ان کا جواب تلاش کریں، آپ ان کی سچائی کی جھلک دیکھیں پھر جو آپ کا اعتبار ایک ایسے ایمان پر ہوگا جس کا آپ دفاع کر سکیں گے، اس لئے کہ قرآن حکیم میں اللہ نے خود ایک بند ذہن کے ایمان کی انتہائی مذمت کی ہے اور فرمایا ہے کہ ان شر الدوآب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون (۸) (الانفال: ۲۴) کہ بدترین انسان میرے نزدیک وہ ہے جو غور و فکر نہیں کرتے، اندھے اور بہرے لوگوں کی طرح دین کو قبول کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ فرمایا کہ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے میری تسلیم کی تو یہ سن لو لیلہک من ہلک عن بینة و یحیی من حی عن م بینة ط وان اللہ لسمیع علیم (۸) (الانفال: ۲۴) کہ جو ہلاک ہو او وہ دلیل سے ہلاک ہوا، جو زندہ ہو او وہ دلیل سے زندہ ہوا اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اب یہ سوال کہ آپ غریب ہیں اور اقوام عالم میں آپ کا درجہ کم ہے تو اس سے قطعاً مذہب کی غیر افادیت یا افادیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ وقت بہت پہلے بھی آچکا ہے جب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حضور ﷺ کفار مکہ کے بازاروں سے گزرتے تھے تو ریشم و کھواب اور بنات کی چادریں تنی ہوئی ہوتی تھیں اور گلہ بھی فرمایا حضور ﷺ نے کہ اے میرے پروردگار! کافروں کے تو بازار ساز و سامان سے بھرے ہیں اور محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لیے ایک وقت کا کھانا بھی نہیں تو حضور ﷺ پر قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ اے پیغمبر! اگر ایک مصلحت مانع نہ ہوتی تو ہم اہل کفر و شرک

کے درود یوار چاندی کے کر دیتے ہیں ان کی سیرھیاں چاندی کی کر دیتے اس لیے کہ اللہ نے اہل کفر سے کوئی وعدہ نہیں کیا مگر اس نے ایک جگہ پر فرمایا ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ جب مجھے نہ ماننے والے حشر کے میدان اور روز حساب تک پہنچیں تو مجھ سے گلہ کریں کہ ہم نے تجھ کو نہ مانا تھا تو انتقاماً تو نے ہمیں دولت دنیا سے بھی محروم کر دیا۔

شیخ کے بغیر تصوف میں کامیابی

سوال: کیا شیخ کے بغیر تصوف میں کامیابی ہو سکتی ہے؟

جواب: شیخ کا جو بنیادی تصور ہے وہ ایک قسم کا چرچا ہے۔ جیسے باقی مسلمانوں میں چرچا بنے ہوئے ہیں تو تصوف میں بھی چرچا پیدا ہوئے۔ سلاسل کی صورت میں۔ پیروں کی صورت میں۔ گدی نشینوں کی صورت میں۔ اور چونکہ اسلام میں کسی چرچا کا وجود نہیں اس لیے جذبہ خالص کے عروج میں اس کی حرکت میں اور وصال پروردگار میں کسی قسم کا کوئی چرچا حائل نہیں ہے۔ ابتدائے اسلام میں جب تصوف تبع تابعین سے شروع ہوا اور جو تبع تابعین کے تمام مقتدر صوفیاء تھے ان کے کوئی مرشدین نہیں تھے بلکہ ایک اصطلاح جو ان کے لیے استعمال کی جاتی ہے وہ صوفیائے الہیاء تھی۔ جیسے رابعہ بصری کا کوئی مرشد نہیں ہے۔ حسن بصری نے اگرچہ حضرت حسن ابن علیؑ سے ہدایات لیں مگر اس کے باوجود بیعت و رشد کا کوئی سلسلہ نہ تھا۔ اسی طرح حبیب عجمیؒ ہیں۔ جنید بغدادیؒ نے براہ راست کچھ درس حضرت سری سقطیؒ سے لیے تو پہلی مرتبہ ہمیں بیرو مرشد کا ایک تعلق نظر آیا۔ بایزید بسطامیؒ کا کوئی مرشد نہیں۔ تو مرشد کا ہونا لازم نہیں ہے مگر جہاں علم میں کمی ہو اور معاملات نفس پیچیدہ ہوں اور شدتِ حواس غالب ہوں وہاں استادوں کی ضرورت اعتدال کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

مصروفیات دنیا میں اللہ کیسے ترجیح اول ہو؟

سوال: آج کی اس مصروف دنیا میں سونے کا وقت ہمیں مکمل نہیں ملتا اتنی محنت درکار ہے۔ آپ نے جو

اللہ کو ترجیح اولیٰ بنانے کے لیے کہا فی زمانہ اس کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں ایک پارہ جب شروع ہوا تو فرمایا کہ اقل ما اوحی الیک من الکتب و

اقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر ط ولذکر اللہ اکبر (۲۹) (العنکبوت) (۴۵) کتاب کی تلاوت کرو اور امر اور نہی سے آگاہی حاصل کرو۔ دس منٹ گتے ہوں گے۔ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ایک وقت اور ایک دن میں قرآن ختم کرو۔ اللہ نے کہا کہ چلو تھوڑا سا وقت۔ اگر دن میں تمہیں کام بہت ہیں تو رات کو مجھے یاد کر لیا کرو۔ اب زمانے ہی تبدیل ہو گئے ہیں۔ دن ہی بارہ بجے شروع ہوں گے تو پھر آپ کیا کرو گے۔ مگر اس کے باوجود میں یہ کہوں گا کہ اگر دن کا آغاز سورج طلوع ہونے سے نہ ہو۔ تو دو ہی صورتیں ہیں دن کے طلوع ہونے کی۔ ایک تو آپ سورج کو طلوع ہونا دیکھیں اور ایک اپنی آنکھ کو کھلتا ہوا دیکھیں۔ فرض کرو کہ آپ کی آنکھ ہی گیا رہ بارہ بجے کھلتی ہے تو اس وقت بھی آپ اس تھوڑے سے عرصے میں دس پندرہ منٹ اللہ کی کتاب کے لیے مخصوص کر لو۔ ایک صفحہ نہ سہی خواہ آدھا

ورق کرلو۔ ایک قول مبارک۔ اصحاب رسول کی عادت مبارک یہ تھی کہ کبھی کبھی ایک ایک کو سارا سارا دن پڑھا کرتے تھے۔ اس پر غور کیا کرتے تھے۔

یہ سٹم کی بات ہے۔ آپ دنیا کے کسی بھی مہذب ترین نظام کو دیکھیں تو کوئی بھی نظام ایسا نہیں جو اپنے اندر کچھ نہ کچھ پابندیاں نہ رکھتا ہو۔ چاہے وہ قطار میں کھڑا ہونا ہے۔ ان میں وقت بھی لگتا ہے۔ اگر آپ اللہ کو مانتے ہوں تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ اللہ کے قوانین سے بیک وقت اتفاق کر رہے ہوں۔ کوئی سٹم ایسا نہیں کہ جس سے لوگ اتفاق کر رہے ہوں۔ میں نے ایک امریکی سے پوچھا بھی تمہیں آج کا اپنا نظام بڑا پسند ہے، کہا نہیں یہ انتہائی واہیات ہے۔ ہم نے تو انگریز کے خلاف اس لیے بغاوت کی تھی کہ انہوں نے بہت ٹیکس لگائے ہوئے تھے۔ آج ان لوگوں نے ہم پر وہی ٹیکس لگائے ہوئے ہیں۔

تو تمام سٹم کو پسند نہیں کیا جا سکتا۔ نہ کوئی بندہ اس سارے سٹم کو پسند کرتا ہے لیکن اگر ہم اللہ کے بندے ہیں، اللہ کا کلمہ پڑھنے والے ہیں اور خداوند کریم کو اپنا رب تسلیم کرتے ہیں تو اس سٹم میں جو واحد چیز ہماری زندگیوں میں مداخلت کرتی ہے وہ نماز ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ نماز ہر حالت میں ہر انداز میں پڑھی جا سکتی ہے۔ آپ اندازہ کرو کہ اس لازم ترین نماز میں بتیس رخصتیں ہیں۔

بعض اصحاب کے نزدیک بعض مسائل ایسے ہیں کہ جن میں ہم اس لیے ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ایک فقہیہ کہتا ہے کہ اڑنا لیس میل پر کسر ہے۔ ایک فقہیہ کہتا ہے اٹھارہ میل پر کسر ہے۔ مگر جب ہم قرآن و حدیث کو براہ راست پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہر سے باہر نکلے تو حکم آگیا، واپس آ جاؤ تو آپ نے کہا ٹھہرو میں کسر پڑھ لوں۔ تو اصحاب نے عرض کیا کہ علیؑ ابھی تو یہ مدینہ کے مکان نظر آ رہے ہیں، فرمایا ابھی ہم داخل تو نہیں ہوئے۔ اور اگر آپ فقہ عمرؓ کو اٹھا کر دیکھو تو حضرت عمرؓ ہر تین میل پر کسر کرتے تھے۔ اب اگر آپ کے ذہن میں ایک سادہ سا سوال ہو، سوچنے سمجھنے اور دین کی فہم کا اور اگر میں آپ سے سوال کروں کہ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اٹھارہ میل پر کسر ہے اور ایک صاحب فرماتے ہیں نہیں، اڑنا لیس میل پر کسر ہے تو سترہویں میل پر آپ کس حال میں تھے۔ سفر میں ہی تھا بھی۔ بارہویں پر بھی سفر ہی میں تھا اور مجھے یہ بتانے کا ایک عام فہم سا سوال ہے کہ کسر سفر پر آئی ہے کہ میل پر آئی ہے تو پھر آپ کے بہت سارے مسائل جو ہیں غور و فکر سے اتنے آسان ہو جائیں گے کہ دین کبھی بھی آپ کو مشکل نہیں لگے گا۔

خداوند کریم نے قرآن حکیم میں فرمایا مَا انزلنا علیک القرآن لتشقی (طہ: ۲۰) ہم نے قرآن کو مشقت کے لیے نہیں اتارا۔ اس چھوٹے سے دعویٰ کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں اگر تمام سٹم بھی سہولتیں پیش کریں تو قرآن زندگی گزارنے کے لیے اس سے زیادہ سہولتیں پیش کرتا ہے لیکن اگر آپ کو اس دور حاضر میں قرآن کا عذاب پہنچ رہا ہے، تکالیف پہنچ رہی ہیں، سزائیں پہنچ رہی ہیں۔ اس کی آسانیاں نہیں پہنچ رہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی فقہ ناقص ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ فہم فراست جو آپ کو قرآن کی تفہیم کے لیے چاہیے وہ ابھی پوری نہیں ہوئی۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آج تو آپ زندہ ہو، ہمیں قرآن میں مشکلات ہوتی ہیں تو ہم تمہارے پاس چلے آتے ہیں اور تم سے پوچھ لیتے ہیں۔ کل جب تم نہیں ہو گے تو ہم قرآن کیسے سمجھیں گے۔ ذرا ملاحظہ

فرمائیے یہ سوال کہ ہم قرآن کیسے سمجھیں گے؟ کیا قرآن کو سمجھنا مشکل ہے؟ تراجم پڑھے ہیں اور پھر ساری زندگی پڑھی ہیں۔ پھر بھی وہ شخص سوال کر رہا ہے کہ آج تو تم زندہ ہو۔ تم فقیر ہو اور اگر تم کل کو نہ ہوئے تو ہم قرآن کو کیسے سمجھیں گے۔ فرمایا اللہ قرآن یفسر الزمان ہر زمانہ قرآن کی اپنی تفسیر کرتا ہے۔ اس لیے کہ مسائل جدا ہوں گے۔

مسائل یہ کہ آپ جہاز میں بیٹھے ہوں۔ اگر فرض کرو کہ فقیر یہ کہتا ہے کہ فرائض نیچے اتر کے پڑھنے ہیں تو میرا خیال ہے کہ آپ جہاز سے بڑی آسانی سے نیچے اتر سکتے ہو اور ہمیشہ کے لیے نماز سے فارغ ہو سکتے ہیں۔ تو یہ ضروری ہے کہ ہم فقیروں کو بطور فقیر ہی سمجھیں۔ پہلے ایک فقیر ایک قوم کا ہوتا تھا۔ ایک شہر کا ہوتا تھا۔ کیا عجیب بات ہے کہ اہل سنت فرماتے ہیں ہمارے چار امام ہیں۔ اثنا عشری اپنا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اگر چار امام اہل سنت ہی کے ہیں تو ایک سنی دوسرے امام کی بات کیوں نہیں مانتا؟ حنفی جو ہے شافعی کی بات کیوں نہیں مانتا؟ شافعی جو ہے حنابلہ کی بات کیوں نہیں مانتا؟ مالکیہ کی کیوں نہیں مانتا؟ اس لیے کہ ہم نے آسانیاں حاصل کرنا نہیں سیکھا۔ ہم مذہب کو جنون کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔ اگر اللہ مجھے ایک سہولت بخش رہا ہے میں کتنا متکبر ہوں گا کہ اس سہولت کا انکار کروں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ یہ جو قضا آئی ہے یہ جو سفر آیا ہے جس میں کمی بھی اللہ کے صدقات ہیں۔ میرا تجاہل دیکھو میں اللہ سے کہتا ہوں تیرا صدقہ مجھے قبول نہیں۔ ادھر ادھر سے اپنے تقویٰ و طہارت کا ثبوت دینے کے لیے حضرت پوری نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح کی حماقتیں مذہب کو پیچیدہ کرتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا زمانہ جب گزر گیا تو حضرت عمر فاروقؓ بقید حیات تھے تو کسی نے پوچھا حرج کیا ہوتا ہے۔ تو فرمایا کہ یمن کے کسی چرواہے کو بلاؤ اور پوچھو کہ حرج کیا ہوتا ہے اور جب اسے بلا یا گیا اور پوچھا گیا کہ حرج کیا ہوتا ہے تو اس نے کہا ہمارے ہاں جانور ایک جھاڑی کھاتے ہیں اور وہ جھاڑی کھانے چنگنے کے قابل ہوتی ہے مگر اس کے ارد گرد کانٹے اتنے آگے آتے ہیں کہ جانور کی زبان اس کے دانت اس ٹہنی تک نہیں پہنچتے۔ ہم اسے حرج کہتے ہیں۔ اس کا مطلب بڑا واضح ہے کہ جب آپ کا دل علم کی بات قبول نہ کرے گا اور اس کے ارد گرد مقامی علاقائی طبقہ ہائے فکر کے تعصبات کے انبار لگے ہوں گے تو رب کعبہ کی قسم ہے آپ کبھی علم حاصل نہیں کر سکتے۔

دنیا میں جن گناہوں سے ممانعت ہے جنت میں انہی کی ترغیب

سوال: خدا تعالیٰ کی یہ کیا حکمت ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ جن گناہوں سے روکتا ہے جنت میں انہی کا لالچ

دے رہا ہے؟

جواب: ماشاء اللہ سوال بڑا خوبصورت اور فطری ہے مگر آپ کا سوال ہی آپ کا جواب ہے کہ اگر ایک شخص نے بدکاری کا دھیان آتے ہوئے اور موقع ملتے ہوئے اپنے آپ سے یہ کہا کہ اے اللہ! یہ فریضہ مجھے بے پناہ مرغوب ہے مگر چونکہ تو نے دنیا میں ممانعت قرار دی ہے میں اس کے بدلے جنت میں تجھ سے فراغت اسی عمل کی حاصل کروں گا۔ آپ کے تمام اعمال ترغیب وار ہیں جیسے تین بڑی کہشائیں ہیں۔ ان میں سے ایک ایک جنت کی چوڑائی زمینوں اور آسمانوں کی طوالت سے زیادہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ساتوں کائناتیں جب ختم ہوتی ہیں تو ان کے اوپر

ایک ما قابل تصور حسن ہے۔ ایک بے مثال خوبصورتی ہے اور اس میں خواہشات کے توازن کو اس طرح رکھا گیا ہے۔ اب مجھے یہ بتائیے کہ زمین پر اگر طریقہ تولید یہ ہو جو ہم میں ہے تو جنت میں طریقہ تولید کچھ اور بھی تو ہو سکتا ہے۔ یہ جو ہماری دنیا ہے اس قسم کی دنیا ہماری اس پوری گلیکسی میں وجود نہیں رکھتی۔ اس دنیا کو بنانے کے لیے غیر فطری قوانین بنائے گئے۔ یہ فطری قوانین نہیں ہیں۔ آپ کی زندگی کے لیے پروردگار عالم نے باقی گلیکسی آرڈر سے ہٹ کر قوانین بنائے۔ اگر ایک لاکھ میل سورج ادھر ہو جائے اور ایک لاکھ میل سورج ادھر ہو جائے تو ادھر زندگی جل جائے گی، ادھر منجمد ہو جائے گی۔ اگر چاند نہ ہو تو بہت سارے انسانی اعمال منفعیل ہو جائیں۔ اگر خداوند کریم نے انہی اطراف سے انہی شعاعوں سے پہاڑوں میں دو ارب سال پہلے سیسہ کو بلور (Crystal) میں نہ بدلا ہوتا تو آج آپ یورینیم نہیں نکال سکتے تھے۔ تو یہ سارے حالات مصنوعی ہیں۔ اب سوال کا گمان اس چیز پر ہے کہ شاید یہی طرز حیات وہاں موجود ہوگا۔

جنت میں آپ قدر ہوں گے۔ آپ نے خیال کیا، آپ کو چیز مل گئی۔ آپ نے پھلوں کا سوچا، پھل آپ کے پاس آگئے۔ یہ تصرف فی الوجود آپ کو جنت میں عطا ہوگا کہ چاہوں تو درخت اگالوں، چاہوں تو ستر حوریں بنا لوں۔ جو چاہے کر لوں۔ جس طرح کی چاہے زندگی گزار لوں۔ تمہیں اب تصرف فی الوجود عطا ہوا ہے اور اتنی بڑی کہکشاؤں میں اس تصرف کے بغیر گزارہ بھی نہیں ہو سکتا۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے زندگی میں زبان سے ایک مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کہا، اس نے جنت میں اپنے گھر میں ایک درخت لگایا۔ تو یہ تسبیحات یہ ذکر الہی جو اب آپ کرتے ہو اور جن سے آپ صلہ مانگتے ہو، اگر آپ نے اس دنیا کو نہیں چھوڑنا اور وہاں بھی آپ نے اسی قسم کے صلے مانگنا ہیں تو سو بسم اللہ۔ پھر جنت میں اللہ میاں آپ کو آزر دہ تو نہیں رہنے دے گا۔

خدا شناس، صوفی یا ولی کیسے پہچانا جائے؟

سوال: آج کے زمانے میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جن کی بہت سی تہنیفات ہیں اور ہزاروں لوگ جن کے پاس صبح و شام حاضر ہوتے ہیں۔ وہ کیا طریقہ ہے جس سے پہچانا جاسکے کہ یہ شخص خدا شناس ہے، صوفی یا ولی ہے؟

جواب: یہ دراصل بڑا مشکل سوال ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے بھی پوچھا تھا کہ کچھ تو پڑھے لکھے لوگ ہیں، بڑا غور و فکر کرتے ہیں، خدا کے رستے کو پہنچ جاتے ہیں۔ پھر وہ شناخت کے قابل ہو جاتے ہیں اور اللہ تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے:

ان کی حریم ناز کہاں اور ہم کہاں
نقش و نگار پردہ در دیکھتے رہے

مگر جس شخص کو اتنی اہلیت حاصل نہ ہو، اتنی شناخت حاصل نہ ہو تو وہ کیا کرے گا تو میں نے کہا کہ دیکھو اخلاص تجسس و جدان کے رستوں کو کشادہ کرنا ہے اور حریم ناز تک پہنچانا ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ خیال ہو کہ میں اس قابل نہیں ہوں تو پھر اس کو کوئی نہ کوئی خدا شناس تلاش کرنا پڑتا ہے مگر مقاصد تو دونوں کے ایک ہیں۔ جب آپ کا دل

مضمین ہو کہ اس استاد سے ملی ہوئی راہ مجھے خدا کے قریب پہنچا رہی ہے تو وہ استاد ٹھیک ہے مگر جس استاد کو ملنے کے بعد یہ خیال ہو کہ میں اس استاد سے برسوں آگے کبھی بڑھ ہی نہیں سکتا اور اگر یہ تصور شیخ کی خرافات جو اگر آپ کے ذہن میں شامل ہو گئیں تو پھر لامحالہ آپ اپنے مقام سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ان تمام باتوں کا فیصلہ وہ آرزو کرتی ہے جو آپ کے دل میں ہے۔ وہ آپ کی قوت فیصلہ کو متحرک کرتی ہے۔ فرض کرو آپ بیس برس ایک استاد علم و فکر کے ساتھ رہے اور بیس سال کے بعد آپ نے محسوس کیا کہ میں تو خدا کے کہیں پاس بھی نہیں پہنچا۔ زیادہ سے زیادہ انہیں حضرت کے پاس ہوں تو پھر میرا خیال ہے کہ آپ کو یہ یقین ہو جائے گا کہ میرا یہ رسمہ مناسب نہیں تھا۔

مجھے ایک صاحب ملے جو ایک بہت بڑے بزرگ اور دعویٰ کنناں بزرگ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ مجھے دیکھیے جی کہ مجھ میں اہلیت شناخت موجود ہے۔ فرمایا کہ تم تو قطب کے مقام سے گزرنے والے ہو۔ حضرت فوراً بیعت ہوئے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے قطب کی پہچان کی تو وہ صاحب قطب الاقطاب تھے۔ پھر آٹھ سال گزر گئے فرمایا حضرت وہ قطب والی بات تو میں نے اپنے میں کوئی بھی نہیں دیکھی۔ آپ نے تو فرمایا تھا کہ میں قطب کے مقام سے گزروں گا۔ انہوں نے کہا کہ بھی ہم تو عطا کرتے تھے تم میں اہلیت ہی نہ تھی۔ اگر ہر مرشد گرامی نے آٹھ دس سال کے بعد آپ کو یہی کہہ دینا ہے تو میں آپ کو ایک بات بتا دوں اس میں سال نہیں گتے، مہینے نہیں گتے۔ میں خدا کی طرف سے بڑی آسانی سے قسم اٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ جس کا پہلا قدم اللہ کی راہ میں اٹھتا ہے خدا سے پہلے قدم سے پہلے آن لیتا ہے۔

عالم دین کا انداز

سوال: ننو آپ نے واڑھی رکھی ہے نہ آپ کا لباس ویسا ہے۔ آپ کس طرح کے عالم دین ہیں؟
 جواب: لاہور شہر کو میں اپنے لیے بڑا محترم جانتا ہوں کہ اس شہر میں ہمیں ابتدائی طالب علمی کی حالت میں تھا۔ بڑا کھومتا تھا، بہت پیدل چلا۔ بہت ساری جماعتوں سے گزرے۔ بہت ساری تعلیمات سے مستفید ہوئے۔ تو میں نے اکثر خیال کیا کہ اللہ کو اس وقت میری کون سی چیز پسند آئی۔ میں نے پورے اٹھارہ سال لاہور میں کبھی شلوار قمیض نہیں پہنی۔ پتلون ہی میں رہے۔ جیکٹس ہی میں رہے سوٹ میں رہے۔ اب میرا اعتبار اس چیز سے اٹھ گیا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر ان اٹھارہ برسوں میں جہاں میں پروردگار کے حضور میں استعداد کرنا رہا اور میں نے علم و حکمت کا جو کچھ میرا حصہ تھا، میں نے اللہ کے حضور سے وصول کیا تو کیا وہ میرے شلوار قمیض اور میرے کوٹ پتلون پہننے سے مایوس ہو جائے گا یا میرے لباس کی تبدیلی سے وہ مایوس ہو جائے گا؟ یہ میرے ذہن میں آج تک نہیں آیا کہ کسی لباس کی قید میں تصوف بھی چھپا ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کی نیتیں اور اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

معاف کیجیے گا میں آپ کی توہین نہیں کرنا چاہتا۔ نہ آپ میں سے کسی بزرگ کے مراتب کم کرنا چاہتا ہوں مگر میں آپ سے اتنا ضرور کہوں گا کہ میں انتہائی کٹر مسلمان ہوں اور یہ میں اس لحاظ سے کہتا ہوں کہ میں نے اتنا سوچ سمجھ کے اسلام قبول کیا ہے اور اتنے متضاد خیالات کے درمیان ایک سخت ترین چناؤ سے میں نے اسلام قبول کیا ہے کہ میں خدا کی قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اپنے مسلمان ہونے پر کسی طبقہ خیال کی معمولی سی آمیزش بھی گوارا نہیں۔ میں نہ دیوبندی نہ

بریلوی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں اپنی قبر تک صرف مسلمان کی حیثیت سے پہنچ جاؤں تو میں حضرت علیؓ کی طرح موت کے وقت یہ کہنے میں کامیاب ہوں گا کہ خدا کی قسم میں آج کامیاب ہوا۔ اگر میں ایک مسلمان ہونے کے تشخص سے اپنی قبر تک پہنچ جاؤں۔

اللہ کے دوست صرف اسلام میں ہی کیوں؟

سوال: لوگوں نے آج کل اللہ کو ڈھونڈنے کے بہت سارے طریقے نکال رکھے ہیں جس میں یوگا وغیرہ شامل ہیں۔ اگر یہ سب خدا شناس ہیں تو مسلمانوں کا اس میں کیا درجہ ہے؟

جواب: میں قرآن کو مانتا ہوں۔ میں عیسائیت کو مانتا ہوں، میں بدھ ازم کو مانتا ہوں۔ میں ان سارے مذاہب کو مانتا ہوں۔ میرے پاس کوئی وجہ نہیں ہے کہ میں توریث مانوں اور انجیل نہ مانوں۔ انجیل مانوں اور قرآن نہ مانوں۔ میرے پاس کوئی ایسی وجہ نہیں ہے کہ میں قرآن کے بغیر مذہب کی تاریخ مکمل کر دوں۔ جب مجھے قرآن کو شامل کرنا ہے تو مجھے اس بات کی تصدیق حاصل کرنی ہے کہ قرآن ان آیات کو اپناتا ہے یا نہیں۔ قرآن کہتا ہے میں نہیں کہتا۔ ثم بحرفونہ من بعد ما عقلوہ و ہم یعلمون (۲) (البقرہ: ۷۵) ان میں کچھ سچ ہے، کچھ غلط ہے۔ ان کم سختوں نے دنیاوی وجاہتوں اور مال و عزت کی خاطر میری آیات بدل دی ہیں۔ اب میں ان کو نہیں اپناتا۔ میں اسی کتاب کو اپناؤں گا جس کے ایک ایک لفظ کی میں نے خود حفاظت کی ہے۔ انا نحن الذکر وانا له لحفظون (۱۵) (الحجر: ۹) یہ قرآن ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

آپ باقی مذہبوں میں مسیحائی کی کوئی گنجائش ڈھونڈتے ہیں کہ چلو یا رکسی تبت کے لامہ کو ولی سمجھ لو۔ چلو کسی افریقہ کے شامان کو ولی سمجھ لیں مگر ایک چیز کے بارے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے بعد کسی مذہب میں کوئی اللہ کا دوست نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس لیے کہ پہلی مرتبہ اللہ کریم نے کہا ان الدین عند اللہ الاسلام (سورۃ آل عمران آیت ۱۹) کہ اب ہمارے نزدیک صرف ایک دین ہے اور وہ اسلام ہے۔ آگے جا کے اس کی مزید وضاحت فرمائی اور کہا ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه (۱۳) (آل عمران: ۸۵) اگر اب تم میرے پاس اسلام کے علاوہ کوئی دین لے کے آئے تو میں اسے قبول نہیں کروں گا۔

ایک شاعر کتنا ہی پھلپچر ہو مدتیں گزر جائیں، طبع آزمائی کرنا کرنا کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی خوبصورت شعر کو تخلیق کر لیتا ہے۔

تیرے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا

کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

تو کہیں نہ کہیں کوئی ایسا شعر تخلیق کر لیتا ہے۔ ہر علم کا ایک تصوف ہے۔ وہ چاہے سائنس ہو۔ اس کا ایک سلسلہ مدارج ہے جس کا ایک اپنا مقام ہے۔ تمام علوم کی ایک ایسی ہی مخصوص حیثیت ہے۔ جب ہم تزکیہ نفس کرتے ہوئے تبت کے ایک لامہ کو دیکھتے ہیں کہ بیس ہزار فٹ کی اترائی پر استغراق حاصل کر رہا ہے شراق (Telepathy) کے لیے تو

ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے نفس کے ارتقاء سے اتنا بلند ضرور ہو جائے گا کہ کوئی نہ کوئی صفت اس میں پیدا ہو جائے مگر تصوف نہیں ہے۔ تصوف میں اور ان تمام علوم میں ایک بنیادی فرق ہے۔ صوفی خدا کے لیے ہے، خدا کی خاطر اپنے نفس کے تمام ارتکازات کو ختم کرنا ہے اور باقی تمام جگہ میں جس کو آپ صوفی اشرافیہ کہتے ہیں، ایک تصوف ہے اور ایک صوفیانہ رویہ ہے۔ پُراسراریت جس کا ہر ذہن تمنا کرتا ہے، وہ چاہے یوگا میں ہو، لامائی اداروں میں ہو۔ وہاں لوگ کچھ تو توں کے حصول کے لیے نفس کے حق میں ارتکاز کرتے ہیں اور تصوف میں واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الہوی (سورۃ النزعۃ، آیت ۴۰) خدا کی حمایت میں نفس کے خلاف ارتکاز ہوتا ہے۔

یہ بہت بڑا فرق ہے جو آپ کے ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ صوفی خدا کے حق میں نفس کے خلاف جدوجہد کرتا ہے اور باقی تمام علوم کے ارتکاز میں لوگ اپنے حق میں نفس کے ارتکاز میں جاتے ہیں۔ اس لیے ان میں سے کوئی صوفی نہیں ہو سکتا۔ مجھے ایسے ہی سلسلے کے ایک شخص سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم بڑی بڑی روحوں کو جمع کرتے ہیں۔ پھر ایک دن تشریف لائے، فرمایا کہ کل ہم نے آپ کے حضور ﷺ کو بلایا تھا۔ میں نے کہا، سبحان اللہ ہمارے رسول ﷺ کو بلایا تھا؟ یہ ارواح کو جمع کرنے کے اس قسم کے تمام چبکرا اس بکھرے ہوئے ذہن کی پیداوار ہیں کہ جب وہ سچائی کو نہیں پاتا تو جب ایک شخص اپنے مرشد کی باتیں برسرِ ریاضت کرتا ہے عبادت کرتا ہے اور آخر میں اس کو انکشاف ہوتا ہے کہ مرشد تو بالکل خالی ہے۔ میں تو بالکل ہی جھک مارنا رہا تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ میرا مرشد خالی ہے، وہ یہ نہیں کہے گا کہ میرا مرشد خالی ہے، وہ یہ نہیں کہے گا کہ میرا مرشد بے کار نکلا، احمق نکلا بلکہ وہی لبادہ مکرو فریب جو اس کے استاد نے پہنا ہوا ہے، وہ اپنے اوپر پہن لیتا ہے تاکہ رسم مکرو فریب آگے چل سکے۔

کیا مذہب بنیادی طور پر Impractical ہے؟

سوال: ایک شخص ایمانداری سے اپنی زندگی میں نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے اور پوری ایمانداری سے قرآن سمجھنے کی بھی کوشش کرتا ہے، لیکن جب اس کی زندگی میں فیصلے کا کوئی وقت آتا ہے جیسے بیٹی کی شادی، دوسری شادی، تقسیم جائیداد جہاں پر وہ اپنے خاندان کو یا اپنے معاشرے کی پیروی کرتا ہے تو کیا آپ کو ایسا نہیں لگتا کہ مذہب بنیادی طور پر Impractical ہے؟

جواب: میں نے لیکچر بھی اسی بات پر دیا ہے کہ سارا سلام Literal ہے، پر یکینکل نہیں ہے۔ بلکہ کلمہ پڑھنے کے بعد مسلمان کی جدوجہد یہی ہوتی ہے کہ میں Literal سے پر یکینکل کو آؤں۔ جو میرا ایمان ہے۔ اگر میں اپنے اللہ پر یقین رکھتا ہوں تو پھر اسے میرے جھوٹ میں مداخلت کرنی چاہیے۔ میرے قبضہ غاصبانہ میں اسے مداخلت کرنی چاہیے۔ میں اگر اللہ کو جو ابدا ہوں تو میرے رشتوں، ماطوں میں اللہ کو مداخلت کرنی چاہیے۔

یہ میرے ایمان کی بات ہے کہ ایک دفعہ ایسے ہی ہوا۔ میری بہن کی شادی تھی اور ایک مجلس بیٹھی ہوئی تھی تو مجھے کسی نے آکے کہا کہ میری بہن اس شادی پر ناخوش ہے اور اس میں اس کی مرضی شامل نہیں۔

ادھر تین سو چار سو مہمان آئے ہوئے تھے۔ میں نے کہا کیا تمہیں پورا یقین ہے؟ تو اس نے پھر کہا، وہ راضی

نہیں۔ یہ سن کر میں بہن کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم اس شادی پر راضی نہیں، لیکن خدا نے تمہیں یہ حق بخشا ہے اور میں تمہیں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ یہ تین سو مہمان میری نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، یہ کھائیں پیئیں گے۔ وہ میرے مہمان ہیں۔ وہ کھاپی کر چلے جائیں گے مگر تیرے بارے میں میں زیادتی نہیں کر سکتا۔ تو میرے بڑے بزرگ آگئے اور ان سب نے کہا، ”جی نہیں، نہیں جی! ایسی طرح ہوندا ای اے۔“ میں نے کہا دیکھیں۔ ایک بات آپ کو بتا دوں۔ تمہاری بزرگیاں وجل و فریب پر مشتمل ہیں۔ اب ایک طرف خدا کا قانون کھڑا ہے اور ایک طرف تمہاری بزرگیاں۔ اور قرآن میں اللہ نے مجھے وضاحت سے حکم دیا اور میں اس وقت اس کا پیٹن ہوں اور مجھے اللہ نے کہا کہ اگر تمہارا باپ اور بھائی بھی غلط بات کرنے کو کہیں تو اللہ کی ماننا، ان کی نہ ماننا۔ یہ سن کر سب چپ ہو گئے۔

اگر آپ اتنا فیصلہ کر لو کہ دن میں ایک ہی بات اللہ کی ماننا ہے تو آپ اچھے مسلمان بن جاؤ گے۔ صرف ایک بات۔ ایک صدقہ ایک خیرات۔ ایک اچھی بات۔ آپ اگر اتنا ہی فیصلہ کر لیں۔ ابتداء میں تو اتنا ہی بڑا ہوتا ہے کہ میں نے تو صرف ایک مسئلے پر اللہ کی بات ماننا ہے۔

جہاد

سوال: جہاد اور تشدد میں کیا فرق ہے؟

جواب: جہاد کی اسباب کے ساتھ اپنے سے بالاتر قوتوں سے جنگ کرنا اور اپنی کمی اسباب کو خدا کی مدد سے پورا کرنے کا نام ہے اور جو دہشت گردی ہے یہ انسانوں کا اپنی جہنموں کے تحت انسانوں کو جواب ہے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ حق بجانب ہے مگر اسلام کے نقطہ نظر سے نہیں۔

جب آپ ایک گھر کو لوٹتے ہو، اسے تباہ کرتے ہو، اسے برباد کرتے ہو۔ ان کے غم و غصہ کی پروا نہیں کرتے ہو تو پھر ان میں سے کوئی چنگاری آپ کے خرمن کو بھسم کر جائے تو عین ممکن اور جائز ہے۔ آپ تھوڑے سے عرصے کے لیے تو کسی کو ذلیل و رسوا کر سکتے ہو مگر ایک طویل عرصے کے لیے کسی بھی قوم کو ذلیل و رسوا نہیں کر سکتے۔ اس کا رد عمل آپ سے زیادہ خوفناک صورت میں سامنے آ سکتا ہے مگر اسلام اس قسم کی کسی بھی چیز کی حمایت نہیں کرتا۔ اسلام انقلاب نہیں ارتقاء ہے۔ اسلام دہشت گرد نہیں تیار کرتا ایک پوری قوم جہاد کے لیے تیار کرتا ہے۔ اسلام میں فرد کی اس طرح کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات ایک پوری قوم کو ایک ایسی جدوجہد کے لیے تیار کرتی ہے جو بالآخر فاتح عالم ہوتے ہیں۔

میں آپ کو جزل ٹومی فرینکس کا اقرار سنا رہا ہوں کہ ہم نے عراق جنگ پیسے دے کے جیتی۔ ہم نے عراقی فوجیوں اور جرنیلوں کو رشوتیں دیں اور ان سے گارنٹی طلب کی ہے کہ جنگ کی صورت میں آپ کس کا ساتھ دو گے تو انہوں نے پیسے لے کے ہمیں عہد دیا ہے کہ ہم آپ لوگوں کا ساتھ دیں گے۔ اس کے نمائندے جو ہیں ہم انہیں مسلمان کہتے ہیں۔

اسلام تو اس چیز کا قائل ہے کہ آپ کے اندر خدائی شعور ایک خدائی محبت پیدا ہو۔ ایمان کی دو بڑی علامات یہ ہیں کہ اگر جنگ لڑو تو اللہ کے لیے۔ دشمنی رکھو تو اللہ کے لیے۔ اور دوستی رکھو تو اللہ کے لیے۔ اور دوسری علامت یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت اپنی جان سے اپنے مال و دولت سے اپنے اناٹوں سے اپنی آل و اولاد سے زیادہ ہو۔ میرا خیال ہے ہمیں

بھی دیکھنا چاہیے کہ ہم ایمان کی ان دو قسموں کے ساتھ کہیں موجود ہیں یا نہیں۔ خدا کے انتخاب کڑے ہوتے ہیں۔

تفسیر قرآن

سوال: میں مذہب کو جہاں آج سے سو سال پہلے دیکھتا ہوں تفرقے کے لحاظ سے جماعتوں کے لحاظ سے مکتب اور مسلک کے لحاظ سے۔ آج بھی اس کو وہیں دیکھتا ہوں۔ کیا کوئی ایسی تفسیر قرآن موجود ہے جس سے سب استفادہ کر سکیں؟

جواب: موصوف نے بڑا صحیح مسئلہ پیش کیا ہے اور چونکہ فرقے بھی اتنے زیادہ ہو گئے ہیں۔ مگر باتیں اتنی زیادہ ہو گئیں کہ جب ہم کسی تفسیر کو پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تو بڑی مشکل پڑتی ہے۔ اس کا ایک بہت سادہ ساحل جو میں نے اپنی زندگی کی ابتداء میں ڈھونڈا تھا وہ یہ ہے کہ میں نے قرآن کو اس طرح دیکھنے کی کوشش کی کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ دیکھا کرتے تھے۔

خوش قسمتی سے ہمارے پاس احادیث موجود ہیں۔ اصحاب رسول ﷺ کے روئے موجود ہیں اور وہ اتنے مکمل ہیں کہ اس کے بعد قرآن حکیم میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ قرآن اب بھی موجود ہے جس کو تفسیر بالحدیث کہتے ہیں۔ یہ ”فوائد سلفیہ“ کے نام سے بھی مشہور ہیں اور ”اشرف لخواشی“ بھی اسے کہتے ہیں۔ اس میں قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کے ساتھ بالکل اسی طرح تفسیر تھی جس طرح رسول اللہ ﷺ سے اصحاب نے سیکھی، لیکن جب اس کے نیچے آیا تو وحید الزمان وحیدی کی تفسیر تھی۔ میں نے کوشش یہ کی کہ صرف اس تفسیر تک رہوں جیسے اصحاب رسول ﷺ نے قرآن کو سمجھا تھا تو میرا خیال ہے کہ مجھے اس کے بعد سے ابھی تک کوئی قرآن کی تفسیر میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ آپ اس تفسیر کو دیکھ لیں تو بہت سارے آپ کے شکوک و شبہات انشاء اللہ تعالیٰ دور ہو جائیں گے۔ آپ فرقہ وارانہ تقاسیر نہ پڑھو۔ آپ صرف وہاں تک رہو جیسے اصحاب اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر بیان کی ہے تو آپ کو خاصی وضاحتیں نصیب ہو جاتی ہیں۔

غیبت

سوال: غیبت کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے؟

جواب: غیبت غیاب سے ہے۔ پورے کے پورے غیبت کے باب میں صرف ایک معافی ہے کہ اگر کوئی مظلوم کسی ظالم کی غیبت کرے تو اس کی اجازت ہے اور کسی کو نہیں۔ وہ اگر پکار کر کہے یا چھپا کے کہے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی نے ایک اور گنجائش کی ہے۔ اس سے کم از کم صحافیوں کے لیے گنجائش موجود ہے کہ حاکم وقت کی خطا کاریوں کا تذکرہ کرنا اور ان پر راضگی کا اظہار کرنا۔ یہ غیبت بھی معاف ہے۔

اصل میں غیبت ان گناہوں میں سے ہے کہ جو باطنی رجحانات کو مسخ کر دیتے ہیں۔ غیبت مقدر پر شکوہ طرازی کا نام ہے۔ غیبت مقابلتا اس تقدیر پر اعتراض کرنا ہے جو آپ کی بجائے کسی اور کے نصیب میں ہے۔ صفاتی اور عددی اعتبار

سے غیبت ظاہر گناہوں سے بہت بڑا گناہ ہے۔ غیبت والا ہمیشہ خدا سے غیاب میں رہتا ہے اور کبھی اس کی حضوری کی صفات نہیں پاتا اس لیے یہ بڑے گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔

لوگ بعض اوقات تفسن کی خاطر غیبت کی نشستیں جمالیتے ہیں مگر ایک بات یاد رکھیے گا کہ آٹھ ساٹھ بیٹھ کے ایک دوسرے کو تفسن کی خاطر صفات گنوا دیں یا خرابیاں بتا دیں اس کو غیبت نہیں کہا جائے گا۔ ایسی غیبت جس کا اس کو پتہ ہے کہ میری غیبت اس ضمن میں ہو رہی ہے اس کو غیبت نہیں کہتے، لیکن معاملہ نازک ہے۔ اس میں اصل نقصان یہ ہے کہ غیبت کرنے والا دوسرے بندے سے اس چیز کا گلہ کر رہا ہوتا ہے جو خدا نے اسے عطا کی ہوتی ہے اور یہاں شکرگزاری اور تقدیر کا گلہ ہوتا ہے اس لیے یہ بدترین قسم کے گناہوں میں آتا ہے۔

مہدی اور دجال

سوال: مہدی اور دجال کا کیا تصور ہے؟ کیا زمانہ حاضر میں امریکہ اور انگلینڈ کو دجال کہا جاسکتا ہے؟
 جواب: اگر آپ اجازت دیں میں دوبارہ آؤں گا۔ یہ اتنا بڑا موضوع ہے کہ اس پر معمولی سی گفتگو نہیں ہو سکتی۔ مختصراً آپ کو بتا سکتا ہوں۔ امریکہ میں ایک ڈاکٹر تھے۔ ان کا نام شریف یا شبیر تھا۔ انہوں نے جملہ احادیث متعلقہ مہدی سے انکار کر دیا کہ اس قسم کی احادیث موجود ہی نہیں۔ احادیث میں مہدی کا جو تصور موجود ہے وہ غلط ہے۔ اصولاً دیکھا جائے تو شاید ڈاکٹر صاحب کے علم میں بھی یہ بات ہو کہ تاریخ بھی اپنے اعمال مسلسل دہراتی ہے اور مسلمانوں کی تاریخ میں بھی اور باقی تاریخ عالم میں بھی جب بحران بڑھ جائے، قحط الرجال ہو جائے معاشرے برباد ہونا شروع ہو جائیں تو لازماً کسی ایسی شخصیت کا ظہور پذیر ہونا جو معاملات کو درستگی کی طرف لے جائے، ایک قدرتی امر ہے۔ مہدی قومیتوں کا قائل نہیں ہے۔ اگر آپ غور کریں تو مہدی امت محمد ﷺ میں ہیں۔ مصر، روم، یونان، پاکستان اور بھارت میں نہیں ہیں۔ مہدی امت محمد ﷺ میں سے ہیں اور جب امت محمد ﷺ کو اپنی رسوائی کا احساس ہوگا، بربادیوں کا احساس ہوگا تو مہدی کا ظہور ہو سکتا ہے۔ فی الحال تو امت محمد ﷺ کا ایک حصہ دوسرے کی بربادی پر خوش ہے۔ فی الحال تو وہ احساس پیدا ہی نہیں ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابھی مہدی کے آنے میں کچھ وقت ہو سکتا ہے مگر جب امت محمد ﷺ اس افسوسناک مراحل سے گزرے گی اور مہدی کی آرزو کرے گی تو ایسا ممکن ہے۔

حضرت علیؑ سے پوچھا گیا کہ مہدی کب آئیں گے؟ تو انہوں نے ایک بڑی خوبصورت مثال دی، فرمایا اس لہن کی طرح جو شب زفاف اپنے خاوند کا انتظار کرتی ہے اور بے شمار آرزوؤں سے گزرتی ہے کہ پتہ نہیں میرا خاوند کیسا نکلے۔ جب مسلمان اتنی آرزو لے کر مہدی کی آرزو کریں گے وہ تب آئیں گے۔ اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے نہیں آئیں گے۔ اور ویسے بھی ایران کے مہدی کو پاکستانی نہیں مانیں گے اور سعودی والے پاکستانی مہدی کو نہیں مانیں گے۔ ابھی کچھ زوال اور باقی ہے اور ابھی مہدی کا جمال باقی ہے۔

(۱) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ آخر میں اس جدوجہد میں مسلمانوں کا سردار ایک نیک مسلمان ہوگا۔ اس

وقت تو شاید بدترین حاکم ہیں اور جو آخری ہو گا تو وہ ٹھیک ہو گا۔ خدا اس آخری مسلمان کو چھپائے گا۔ ظاہر ہے اللہ کو چھپانا تو پرانا ہے۔ فرض کریں ایف۔بی۔آئی کو پتہ چل جائے تو وہ پاکستان میں کسی بھی مسلمان کو اٹھا کر لے جاسکتے ہیں تو مہدی بیچارہ بھی مارا جائے گا مگر خدا کی مخبری کا نظام بالکل مکمل ہے۔ وہ وقت سے پہلے اس آدمی کو دنیا سے اسلام میں رسوا نہیں ہونے دے گا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ اور دجال کی باتیں ہیں مگر یہ بہت بڑا موضوع ہے اور میں تھوڑے عرصے میں اس کے ساتھ انصاف نہیں کر سکوں گا۔

تصویر کشی

سوال: تصویر کشی اور سنگ تراشی پر دور حاضر کے مطابق وضاحت فرمائیے کہ کیا یہ اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟
 جواب: شروع شروع میں تصویر کشی اس لیے حرام ہوئی کہ عرب کا ایک شخص صحرا سے گزر رہا تھا تو اسے ایک خوبصورت منقش پتھر نظر آیا۔ اس کا نام عمرو بن لہی تھا تو اس نے وہ پتھر اٹھایا۔ اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر اسے معزز ترین پتھر سمجھا۔ پھر رفتہ رفتہ اسے کعبہ میں نصب کر دیا۔ جب لوگوں نے وہ خوبصورت پتھر دیکھا تو اس کی پرستش شروع کر دی۔ پھر جس قسم کے پتھران کی رغبتوں میں آتے تھے کوئی جبل بنا، کوئی لات، کوئی منات اور اس طرح یہ سلسلہ ہائے احنام شروع ہو گیا۔

ایک تو انسان آج اتنا بالغ نظر ہو چکا ہے کہ شاید پتھروں سے خدا اس نے بنا کر بند کر دیے ہیں مگر میں جیسے آپ سے کہہ رہا ہوں کہ ساتھ کا ملک دیکھتے ہیں تو اتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو اتنی خوفناک مورتیوں کے سامنے سجدہ ریز دیکھتے ہیں تو خیال آتا ہے کہ انسانوں میں ابھی بت پرستی کا رجحان ختم نہیں ہوئے۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں ”انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن“ کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

There is such a geometrical precision about the oneness of God in Islam that no mythology is possible. If no mythology is possible, you cannot draw.

حضور ﷺ کے زمانے میں بھی منقش تصویروں والے پردے تھے۔ پھر وہ پردے ہٹا دیے گئے کیونکہ ان سے شرک کی بُرائی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک ایسا وقت تھا کہ پورا عرب قدیم بت پرستی سے اسلام کی جانب مڑا تھا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس صورتحال میں بڑے محتاط تھے کہ ایسی کوئی بھی صورت نہ ہو کہ یہ لوگ کسی بھی چیز کا سہارا لے کر دوبارہ بت پرستی کو پلٹ جائیں۔ بعد میں عباسیوں اور امویوں کے ادوار میں تصویر کشی کی اجازت دے دی گئی۔

آپ کی دوسری بات یہ کہ Body Vision لینا درست ہے یا نہیں ہے۔ ایک عام انسان کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ

اگر تو ایک Objectivity کسی بھی چیز میں ایسی پہنچ سکتی ہے کہ جس جسم کو آپ Draw کر رہے ہو اس کا

معمولی یا غیر معمولی اثر آرٹس پر نہ آئے۔ تو پھر میرا خیال ہے بات مناسب لگتی ہے لیکن اگر دنیاوی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بات غیر ممکن بھی لگتی ہے۔ اگر کسی قسم کا تعلق تصویر میں اور تصویر کش میں موجود ہے کوئی رغبت، محبت، کوئی انس ہے جس کی وجہ سے وہ تصویر کھینچ رہا ہے اور وہ شرعاً اور اخلاقاً ایک دوسرے کے مخالف ہیں تو پھر اتنی احتیاط تو کرنی پڑے گی جتنی اللہ آپ کو بتاتا ہے۔ ان پر کوئی اتنے بڑے التزام نہیں لگتے۔ آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ فقہ اسلامی میں اگر دو غیر محرم اس درجہ بھی قریب ہوں کہ وہ یکجا ہوں تو بھی ان پر وہ التزام نہیں لگتا جو عام طور پر کسی بڑی سزا کا ہوتا ہے۔ اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ فرد سے فرد تک، آدمی سے آدمی تک اور Situation سے Situation تک اس حکم کا اطلاق مختلف انداز سے ہوگا۔

حضور ﷺ سے پہلے بھی تصاویر تھیں۔ ان کو تصاویر نہیں، تماثیل کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان جنوں سے اپنی تماثیل بنوایا کرتے تھے اور قرآن حکیم ان کا منقہ طریقے سے ذکر نہیں کرتا۔ حکومت سلیمان اور شوکت سلیمان ظاہر کرنے میں قرآن کی آیت موجود ہے کہ اللہ کے وہ نبی جنوں سے کام لیتے تھے اور تماثیل بنوایا کرتے تھے۔ ایسی تصاویر کشی کرایا کرتے تھے تو اس میں اس قسم کی کوئی ممانعت نہیں۔ واحد ممانعت جو موجود ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہے اور وہ اس وجہ سے کہ عرب بڑے تازہ تازہ بت پرستی سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور خدا کے رسول ﷺ اس بات میں محتاط تھے کہ ان کو کوئی چیز دوبارہ بت پرستی پر مائل نہ کرے اس لیے ہر قسم کے ایسے آثار کی ممانعت فرمائی۔

اسلام اور عصر حاضر، عروج یا زوال؟

- ☆ لیکچر
- ☆ سوالات و جوابات
- ☆ مذہب اور اخلاقیات
- ☆ دعا
- ☆ قرآن کے تلفظ کی ادائیگی
- ☆ پاکستان اور اسلام
- ☆ مسلمانوں کے زوال کی وجوہات
- ☆ خدا سے محبت یا ڈر

اسلام اور عصر حاضر، عروج یا زوال؟

خواتین و حضرات! سیالکوٹ آنے کا یہ تیسرا ایسا چوتھا موقع ہے۔ اپنی طرف سے جو بہترین خیال میں نے پائے بہترین بات اور بہترین مشورے جو ممکن تھے آئندہ آنے والے وقتوں کے لیے آپ کی نذر کیے۔ یہ اتفاق کی بات نہیں ہے بلکہ جب میں آخری مرتبہ متقابل نظریات پر گفتگو کر رہا تھا تو اُس وقت میں نے حضرات سے عرض کیا تھا کہ جس دن اہل مغرب میں سے کوئی ملک، کوئی فرد انسان کی ہو، ہو نقل بنانے کے قابل ہو گیا تو آپ یہ سمجھئے گا کہ عصرِ دہ ل شروع ہو گیا۔ اس کے پورے نو مہینے کے بعد کلوننگ آگئی۔ اسی موقع پر قرآن حکیم ہی کے مطالعے سے وہ تمام باتیں وقوع پذیر ہو سکتی ہیں۔ اس کے لیے کسی اہل دل یا اہل نظر کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ ذرا سا غور و فکر، ذرا سا مطالعہ، ذرا سی جانچ پرکھ آپ کو بڑی آسانی سے اس ہنگامہ کبریٰ تک، جہاں تک انسان نے جانا ہے۔ ایک ایک واقعہ، ایک ایک حادثہ، ایک ایک ترقی، ایک ایک کمی، ایک ایک بیشی، اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے ہم پر واضح کر دی۔ مگر ہوتا یہ ہے جیسے ایک مغربی مفکر نے کہا کہ عجیب سی بات ہے کہ:

Where there is oil, there is Muslim, and where is Muslim, there is oil.

بڑی حسرت سے اس نے کہا کہ یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ جہاں مسلمان ہے وہاں تیل ہے اور جہاں تیل ہے وہاں مسلمان ہے۔ برمانہ منائیے گا۔ میں تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ آپ کی توجہ اس سے بالکل الگ حقیقت کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ جہاں جہاں مسلمان ہے وہاں وہاں اسلام کوئی نہیں اور جہاں جہاں اسلام ہے وہاں مسلمان کوئی نہیں۔ یہ تفاوت یہ دوری اس وجہ سے زیادہ پیدا ہو گئی کہ وہ مذہب جو عروج و زوال سے بے نیاز تھا۔ وہ مذہب جس کو اپنے زوال کے وقت اتنی عزتیں اور عظمتیں حاصل تھیں کہ اس کے اعداء اور اس کے دشمن اس مازک وقت میں بھی مسلمانوں سے مقابلہ کرتے گھبراتے تھے۔ ایک چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں کہ ابن ابی عامر جو اسپین کی جھاڑیوں پر جا رہا تھا۔ مورخین اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ دو سو سال کے بعد بھی کسی قسطلہ کے مات کسی شہزادے اور کسی طلیطلہ کے عیسائی بادشاہ کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ جھنڈا اتارے مگر پھر خواتین و حضرات! کہتے ہیں کہ یہ ہمارے آباؤ اجداد تھے اور یہ ہم ہیں کہ سوچے سمجھے طریقے سے انتہائی غور و فکر کے ساتھ ایک مسلسل حوصلہ شکن پر و پیمانہ تمام مسلم امہ میں جاری ہے اور وہ اس لیے ہے کہ یہ وہ فاتحہ کش جو کبھی کبھی روح محمد ﷺ کی وجہ سے جاگ جاتے ہیں، وہ فاتحہ کش کہ شاید کسی وقت حمیتِ اسلامیہ کی وجہ سے جاگ پڑیں۔ ان کو اتنا ڈراؤ، ان کو اتنا مغلوب کر دو کہ یہ کبھی غالب آنے کا نہ سوچیں۔ یہ کبھی اپنے عروج کی داستان نہ

دہرائیں مگر خواتین و حضرات! چاہے کچھ ہو تاریخ اپنے ادوار سے گزرتی ہے۔ زمانہ پھر اسی مقام پر آ جاتا ہے جہاں سے وہ پہلے کبھی گزرا ہوتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس قسم کی عظمت کی داستانیں جو ہماری طرف یورپ اور دوسرے ممالک کی یا امریکہ کی بکھری ہوئی ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود وہ ممالک عروج اسلام سے بہت خوفزدہ ہیں اور تمام تر کوشش کی جاتی ہے کہ مسلمانوں میں جو چند ایک ایسے تصورات ہیں جیسے تصور مہدی اور تصور ظہور مسیح۔ یہ تمام تصورات غلط ثابت کر کے خوش کن خواہش کا سراپا بنا کر کے ان کو ایک آرزوئے معطل ثابت کر دیا جائے تاکہ مسلمان کسی بھی قسم کے عروج کو ترک کر کے اس وقت غلامی کی وہ سند بخوشی قبول کر لیں جو امریکہ، یورپ اور بڑے ممالک اسلام کی گردن میں ڈالنا چاہتے ہیں۔

مگر میں اب آپ کو بڑے نئے انداز سے ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ یہ قانون فطرت ہے کہ جو آدمی ابنارمل یا ”سب مارل“ ہے وہ مارل نہیں ہے تو ہم سب مارل اس کو کہیں گے جس کو آپ معذوری کہتے ہیں جو معمولی سا بھی اپنی حرکات و سکنات کو قابو نہیں رکھ سکتا اور جس کا مریں کنٹرول ہمیشہ خراب رہتا ہے۔ دوسری طرف ایک ابنارمل ہے کہ جس کی رفتار ذہن تیز نہیں ہوتی اور جب اس کی رفتار ذہن تیز ہو جائے تو اس کے عملی Incidence آہستہ ہو جاتے ہیں اور وہ ایک ایسے مرض کا شکار ہو جاتا ہے جسے آپ پراگندہ ذہنی (Schizophrenia) کہتے ہیں اور یہ پراگندہ ذہنی اس کی زندگی تسادات سے بھر دیتی ہے اور وہ الگ تھلگ ہو جاتا ہے۔ وہ عام انسانوں میں زندہ رہنے کے قابل نہیں رہتا اور خواتین و حضرات! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے علاج کتنے مخصوص اور متعین ہیں۔ کسی مریض کو پرانے زمانے میں التانیکا کے مرچوں کی دھونی دی جاتی تھی اور آج کے زمانے میں اسے بجلی کے جھٹکے دیے جاتے ہیں۔ اگر سچ پوچھئے تو پرانے پیر فقیر اور آج کا ڈاکٹر ایک ہی کام کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس تیز رفتار دماغ کو کسی بھی طریقے سے آہستہ کیا جائے تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اسے سلا دیا جائے اور اتنا سلا دیا جائے کہ اس نیند میں اس کے تخیل کا نظام رک جائے اور شاید وہ واپس پلٹنا شروع کر دے۔ جب وہ بے قابو ہو جائے تو اسے بجلی کے جھٹکے دیے جائیں۔ خواتین و حضرات! اس بے قاعدگی (Anomaly) کو یاد رکھیے گا۔ اب آپ دیکھیے کہ دو ارب سال سے انسان زمین پر موجود ہے مگر اس کا جو تشخص بحیثیت آدم کے ہے وہ صرف چالیس ہزار برس کا ہے۔ پتھر کے نئے زمانے سے پہلے ہم آدمی کو اس طرح نہیں جانتے۔

ہمیں بڑی مشکل ہے اس آدمی کو آدمی کہنا۔ وہ انسان ضرور ہے مگر اسے آدمی کہنا بڑا مشکل لگتا ہے اور چالیس ہزار برس ادھر ہم دیکھتے ہیں کہ اچانک یہی انسان آدمی بن کے بستیاں بنا رہا ہے۔ بچے پال رہا ہے۔ طریقے سے حکومت چلا رہا ہے اور وہ ایک ایسی قسم کا اجراء کر رہا ہے اور ایسے انسان تخلیق ہو رہے ہیں جو مسلسل با شعور سوچنے والے اور جن میں عقل کی نمائندگی جاری ہے مگر خواتین و حضرات! اس چالیس ہزار سال پرانے انسان کو اس نسل آدم کو اللہ نے آہستہ آہستہ اسی طرح بالغ کیا جس طرح آج آپ اپنے بچے کو بالغ کرتے ہیں۔ جب یہ پیدا ہوا، معصوم ہوا، حد شعور تک پہنچا جس طرح آپ کسی بھی بے شعور بچے پر وہ بوجھ نہیں ڈالتے جو اس کی شعوری کاوشوں کا ہونا ہے اسی لیے چودہ برس تک شرع ساکت ہوگی کہ یہ معصوم جان ابھی اچھے برے کی تمیز نہیں کر پایا۔ اس کا دماغ ابھی اتنا ترقی یافتہ نہیں ہوا کہ وہ اپنے مسائل اپنے گناہ و ثواب اور اپنے اخلاق و کردار کا کوئی اچھا تعین کر سکے۔ اسی طرح نسل انسان بھی ابتدائے حال سے گزری اور

رفتہ رفتہ کبھی ایک، کبھی دو اور کبھی تین اس کو ایک ایک قانون خداوند دیا گیا حتیٰ کہ انسان کا ذہن اس قابل ہو گیا کہ وہ پورے قانون کو برداشت کر سکتا۔ یہ وہ وقت ہے کہ جب انسان جو ہے معجزات کے شوق سے آگے گزرتا ہوا حیرت کے انکشافات سے آگے گزرتا ہوا نہ ہمیں موسیٰ کی طرح نئے معجزات دکھا رہا ہے نہ حضرت عیسیٰ کی طرح غیر عقلی مظاہرات دکھائے جا رہے ہیں بلکہ اب اس کو اس قابل سمجھا گیا کہ اپنے معاملات زندگی پر اپنی شعوری کاوشوں کے ذریعے بڑا سوچ سمجھ کے فیصلہ دے سکتا ہے تو اس موقع پر اللہ کی طرف سے پورا پیغام اسے دے دیا گیا۔ اسے قرآن دے دیا گیا اور اسے محمد رسول اللہ ﷺ عطا کر دیے گئے۔

پہلے تو یہ تھا کہ جبلت عقل پر حکمران تھی، اب یہ ہوا کہ عقل جبلت پر حکمران ہو گئی اور انسانی ذہنوں نے بڑی تیزی سے سوچنا شروع کر دیا مگر اس کے باوجود اگر آپ اچھے طالب علم ہیں تو آپ کو پتہ ہوگا کہ چالیس ہزار برس میں بھی دوسو برس پہلے تک کا انسان ست، کامل الوجود اور کسی قسم کی اخلاقیات سے عاری لگتا ہے۔ اگرچہ وہ بہت بڑا فلسفی ہے، دانشور ہے، اگرچہ ان میں ابن الہیشم جیسے لوگ بھی ہیں۔ ابن حیان جیسے لوگ بھی ہیں اور افلاطون، ارسطو بھی ہیں مگر مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو ایجادات کی بھرمار کی یہ دنیا وہاں پائی نہیں جاتی۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد یہ پوری نسل انسان ذہنی پراگندگی میں مبتلا ہو گئی۔ ایسی تیزی سے اس کے دماغ نے سوچنا شروع کیا اتنی سرعت آگئی اس کے فکر کے اعجاز میں اتنی برق رفتاری آگئی انسانی ذہن کی ترقیاتی سکیموں میں کہ یہ انسان ان تمام انسانوں سے انوکھا، علیحدہ اور مختلف ہو گیا۔

جس ہستی کو بھی خواب عظمت کا المیہ ہو جائے وہ دوسروں کی عظمت پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے اور آج کے انسان کو بھی یہ بہت بڑا المیہ درپیش ہے کہ وہ اس عقل و معرفت کی وجہ سے جو اس کے ذہن میں آئی مارل نہیں ہے۔ اب بھی انسان کی یہ ترقی مارل نہیں ہے۔ اتنی تیزی سے آگے بڑھتا ہوا انسان کچھلی صدیوں کے توازن کھو چکا ہے۔ کچھلی صدیوں کے اخلاقی، علمی، ذہنی توازن ضائع کر چکا اور یہ ایک ایسا انسان نظر آ رہا ہے جو بڑی سرعت کے ساتھ آخری ہلاکت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہی علاج جو آپ پراگندہ ذہنی کا کرتے ہو، ایک شدید جھٹکا، بہت بڑا جھٹکا یا التالٹا کے مرچوں کی دھونی یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک طویل نیند۔ ایک بات جو بڑی جنگ کے حادثے کے نتیجے میں کہی جاتی ہے کہ انسان کا ذہن ایٹمی دھماکے سے بالکل شل ہو کے رہ جائے گا اور بڑے مزے کی بات ایک حادثے نے انسان کو سوچ دی اور ایک حادثہ انسان سے وہ سوچ چھین لے گا۔ آج تک کوئی بھی دنیا کا چھوٹا بڑا سائنس دان حتمی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ انسان نے کب اور کیسے سوچنا شروع کیا۔

ہاں ایک بات شیخ محی الدین ابن عربی نے کہی۔ ایک بات ول ڈیورنٹ نے کہی۔ دونوں ایک جیسی ہیں۔ ابن عربی نے کہا کہ اللہ نے انسان کو بنایا اور پچاس ہزار سال اس پر نظر کرتا رہا۔ ول ڈیورنٹ نے کہا کہ ایسے لگتا ہے کہ خوابیدہ اور سست الوجود دور میں انسان پر کہیں باہر سے ایک بہت بڑا بجلی کا جھٹکا لگا ہے جس سے اس کی ذہنی صلاحیت بڑھ گئی ہے اور یہ چیمپزی سے انسان بن گیا اور اس نے سوچنا شروع کر دیا۔ ایک حادثے نے اس کو عقل دی اور ایک حادثہ اس کی عقل چھین لے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسانوں نے پھر ادھر واپس جانا ہے، پھر اسی کچھ کو واپس جانا ہے، پھر اسی انداز

ہے دیا ر غیر میں۔ نہ اس کی وجہ سے کوئی گناہ کرتا ہے نہ اس کی وجہ سے کوئی خاصانہ قبضہ چھوڑتا ہے نہ اس کی وجہ سے کوئی اپنے گھر والوں سے محبت کی آرزو کرتا ہے نہ کوئی بچوں سے شفقت کرتا ہے۔ یہ کونسا خدا ہے؟ میٹھے نے ایک دفعہ کہا تھا! اس نے تو شاید اپنی قوم کے بارے میں کہا تھا مگر میں کہتا ہوں کہ آج کل وہ ہم پر زیادہ سچ اترتا ہے۔

The mankind has become so mature now they have thrown God out of their kingdoms.

اب انسان اتنا بالغ نظر اتنا سمجھدار ہو گیا ہے جیسے کیرن آرمسٹرونگ (Prof. Karen Armstrong) نے کہا کہ اب اگر اللہ کو زمین پر آنا ہوگا تو اسے کچھ مسخکتیں اختیار کرنی ہوں گی۔ اب دیکھو میں کہتا ہوں کہ امریکہ میں میں نے ہم جنسیت کا قانون بنایا ہوا ہے۔ اب اگر اللہ کو مجھ سے داد لینا ہے تو اسے یہ قانون قبول کرنا ہوگا۔ پہلے قوم عاد و ثمود کے ساتھ جو ہوا تھا وہ ہو گیا۔ اب میں اتنا ترقی یافتہ اتنا متمدن انسان ہوں میں آخر کم از کم پراگندہ ذہن انسان ہوں میں اتنا دانشور ہو گیا ہوں صبح و شام نئی سے نئی ایجادات کر رہا ہوں اختراعات مرتب کر رہا ہوں۔ اب میرا یہ حق ہے کہ میں اللہ سے کہوں!

ع کار جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

اب بہت وقت ہو گیا۔ اب مجھے موقع دے کہ میں اپنے قوانین خود بناؤں اپنے اصول خود مرتب کروں۔ یہ وہ واحد فرق ہے جو یورپ اور ایشیا میں ہے۔ میں آپ سے ایک چھوٹا سا سوال کرتا ہوں کہ ہمیں کس بات کی شرمندگی ہے۔ امریکہ کے سامنے سر نہ اٹھانے کی۔ بہت بڑی طاقت ہے۔ نام نہاد سپر پاور ہے۔ میں اسے سپر پاور کہنا دین کے خلاف سمجھتا ہوں۔ بہر حال آپ سپر پاور کہہ لیجیے۔ کتنی گہری شناسائی ہے۔ بات بات پر اس کی مثال دی جاتی ہے۔ بات بات پر امریکہ کو سراہا جاتا ہے۔ اب اگر دنیاوی طریق تمدن ہی دیکھا جائے تو اتنی بڑی قوت کے ساتھ آپ کی اتنی بڑی محبت ہی کافی ہے۔ آپ کی ترقی اور عظمت خیال کے لیے پھر آپ کو برا کیوں لگتا ہے کیوں آپ دن رات امریکہ کو کوستے ہیں۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ مذہب کے خلاف ہے۔ اگر وہ آپ کے مذہب کے خلاف بھی ہے تو آپ اپنے مذہب سے کتنا انس رکھتے ہو۔ آپ نے اپنے مذہب سے کتنی شناسائی رکھی ہوئی ہے۔

جب چنگیز خان کی افواج بغداد کو تاخت و تاراج کر رہی تھیں تو شیخ نجم الدین کبریٰ اس وقت زندہ تھے تو ان سے کسی نے کہا کہ دعا کیوں نہیں کرتے؟ جیسے آج سخت گیر مسلمان کم ظرف مسلمانوں کو کہتے ہیں۔ اب شیخ عبدالقادر سے کہو کہ بغداد بچالیں۔ اس وقت بھی یہ واقعہ پیش ہوا جب چند لوگ شیخ نجم الدین کبریٰ کے پاس گئے۔ اے ولی عصر! آپ دعا تو کریں۔ کم از کم یہ نکتہ تار بغداد سے مل جائے۔ تو خواتین و حضرات! حضرات شیخ نجم الدین کبریٰ نے کہا کہ میں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے تو مجھے ہاتف کی صدا آئی، اے کافر و ماروان منافق مسلمانوں کو۔ اگر درجہ بندی کافر ہو تو ایک سچ بولنے والا کافر ایک منافق مسلمان سے بہتر ہے لہذا جب ہم مقابلاً خدا کی مدد چاہیں۔ اس کی اعانت طلب کریں یا اس کی امداد کا کوئی دعویٰ ہمیں چاہیے یا کوئی معجزہ چاہیے تو ہمیں کم از کم ایک ایسا مسلمان ہونا چاہیے جس کی زندگی کا خیال جس کی محبتیں جس کی رغبتیں جس کی نافرتمیں سب اللہ کے لیے وقف ہوں۔ ہر زمانے میں معجزات ہوتے رہے۔ پین میں جب حکومتیں الٹیں تو الغزالی پیدا ہوئے اور پھر دوسو برس کے لیے پین میں اسلام قائم ہو گیا۔

سلطنت بغداد و اجڑی توشیح عبدالقادر جیلانی پیدا ہوئے اور پھر اسلام دوسو برس راہ شوکت پر گامزن ہوا۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ عروج و زوال کا دور ہے۔ قرآن کی حکمت سے ذرا دیکھیے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ کس کا عروج ہے اور کس کا زوال ہے؟ خدا کہتا ہے کہ ہم نے سرکشوں کی قوم کو اس وقت پکڑا جب وہ اپنی معیشت پر ماز کر رہے تھے۔ غریب آدمیوں کو اللہ نہیں مارتا۔ کم از کم مرے کو مارے شاہ مدار و الامحاورہ اللہ پہ صادق نہیں آتا۔ اللہ تو قوموں کو اس وقت پکڑتا ہے کہ جب ان کی معیشتیں اتنی مضبوط ہوتی ہیں کہ کبھی Hanging gardens of Babel اور کبھی اتنے اتنے بڑے Palaces جیسے بنوسبا کے Palaces تھے۔ ویسے نظر آتے ہیں اور کبھی

Temple of the Goddess of Astarthe.

نظر آتے ہیں۔ جب انتہائی متمدن شاندار Riches تک تو میں پہنچتی ہیں تو خدا پھر ان کو تباہ کرنا ہے پہلے نہیں کرتا۔ یا اصول پروردگار ہے۔

اب اگر آپ دیکھیں تو دنیا کی وہ بڑی قومیں جو اپنی معیشتوں میں مازاں اور جو اس کو As Example پیش کرتی ہیں۔ اپنے تفاخر اپنے تمدن اور اپنی Achievements کی مثال Quote کرتی ہیں اور ہمیں یہ بتاتی ہیں یا باقی دنیا کو یہ بتاتی ہیں کہ یہ انتہائی ترقی یافتہ تمدن ہے۔ یہ انتہائی ترقی یافتہ سائنٹیفک دور ہے اور اس میں We are the leaders of all the world اس لیے باقی قوموں پہ حکمرانی کرنے کا ہمارا استحقاق بنتا ہے۔ اس کے برعکس اب مسلمان ہیں۔ مسلمان کا Basic فریضہ تو یہ تھا کہ ان میں سے بھی کوئی اٹھتا۔ البیرونی کی طرح بارہ سال ہندو بن کے ان کے ٹمپل میں وقت گزارنا اور مکمل انفارمیشن لے کے پھر اخبار ہند جیسی کتاب لکھتا۔ ہم میں سے صرف دو چار ہی ایسے نکلے کہ جنہوں نے یورپ اور دوسری جگہ جا کے ایک ریگولر Espionage کی اور بڑے Thrilling رزلٹ نکالے۔

جیسے آپ کے سائنس دانوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ It is recommendable.

دیکھیے آپ تمدن میں ان کے برابر نہیں ہو سکتے ہو۔ اگر آپ چاہو کہ آپ بھی ایک نیویارک تعمیر کرو تو شاید نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جس ملک کی آپ بات کرتے ہو اس کے پاس تیرہ فیصد دنیا کے ذرائع پیداوار اور آپ کے پاس 0.013 بھی نہیں۔ اب اتنے ذرائع پیداوار میں ہو سکتا ہے کہ آپ آسانٹا میں شاید وہ ایک بڑا درجہ حاصل نہ کر سکیا شاید ہمیں کچھ دیر ہو گئی ہے یا ہم کمزور پڑ گئے ہیں مگر بلاکت کے سامان میں برابر ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اگر ایک ملک بائیس سو ایٹمی ہتھیار لیے بیٹھا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ آپ کے پاس بھی پورے بائیس سو ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے بائیس کارآمد نکلیں۔ اس طرح ہلاکتوں میں ملک برابر ہو جاتے ہیں اور کسی بھی قوم کے عروج و زوال کے قوانین وہ نہیں ہیں جو بظاہر نظر آتے ہیں۔

اسباب معیشت نہیں ہیں اسباب جنگ نہیں ہیں اب اوسط وہی ہے۔ اگر غز وہ بدر میں دو گھڑ سوار اور ایک تلوار والا۔ اور باقی کچھ لوگوں کی چھڑیاں جو آگے لگی ہوتی تھیں غز وہ بدر کی تمام قوت جو تین سو تیرہ پر تھی ان کا مقابلہ اگر اعداء اسلام کی ان قوتوں سے کیا جائے تو اوسط وہی بنے گی جو آج عراق اور امریکہ کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج کا دانشور کہے کہ آسمان سے برستی اس آگ کا کیا علاج ہے مگر یہ بھی تو بتائیے کہ عالم اسلام کے اتنے دانشور بچے اتنے بزرگ اتنے علم

والے آدمی ہیں۔ ان کے ذہن میں کیوں نہ اس کا ایک حل نکلا کہ ہم آسمان سے برستی اس آگ کا کچھ علاج کر سکتے ہیں۔ یہ سستی کیوں کیوں نہیں ہم نے اس کا حل نکالا۔ اگر ایئر فورس ہی تباہی کا باعث ہے۔ اگر یہی ایک خوفناک ترین حربہ ہے تو ہماری اتنی بڑی امت میں سے ایک دو آدمیوں کو غور و فکر کر کے اس کا علاج ڈھونڈ لینا چاہیے تھا۔

کیا خوف کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ایک مستقل آفت تسلیم کرتے ہوئے اپنے تحفظات کو بالکل معطل کر دیں اور ہمارے پاس جو عقل و ذہن موجود ہے اس میں ایک شتمہ برابر بھی امت مسلمہ کو نصیب نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عصر وہ ل میں زمانے بہت تیزی سے گزریں گے۔ آپ دیکھیے وہ دریا فتنیں وہ ایجاد جو پہلے برسوں میں ہوتی تھیں مہینوں میں ہوتی تھیں۔ اب ہم ہر روز جب اخبار اٹھاتے ہیں تو کسی نئے کرشمہ عقل کا اظہار ہو رہا ہوتا ہے۔ اب زمانے مختصر ہو گئے ہیں اور ان زمانوں کے اختصار کا مطلب یہ ہے کہ پراگندہ ذہنی اور تصویریت پسندانہ انسان کو اب بہت جلد بجلی کے جھٹکے سے گزرنا ہے یا اس کو طویل تر خواب سے گزرنا ہے یا پھر اس کو ان بڑے دھماکوں سے گزرنا ہے۔ اور یہ سب کچھ زیادہ دور کی بات نہیں۔ اس سے اب عروج و زوال کی توضیح اس طرح نہیں ہو سکتی جیسے تاریخ کے پچھلے ادوار میں ہوئی۔ باقی رہے مسلمان کوئی تنظیم اسلامیہ جو ستر سال یا سو سال سے اس ملک میں قائم ہے اس نے کسی قسم کے خصوصی مقاصد میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا بلکہ اگر آپ تھوڑا سا تکنیکی مطالعہ فرمائیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ وہ جماعتیں جو بڑے جوش و خروش سے منظر عام پر آئیں اور جنہوں نے بڑی جلدی پذیرائی حاصل کرنے کی کوشش کی اس وقت وہ زوال پذیر ہیں اور لوگ ان سے گریز کرتے ہیں۔

ایک اور بڑی بات۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ امت محمد ﷺ چند لاکھ جماعت کے لوگ ہوں گے چند لاکھ تبلیغ کرنے والے لوگ ہوں گے۔ کیا امت محمد ﷺ چند لاکھ اہل حدیث ہوں گے اور چند لاکھ دیوبندی ہوں گے۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔ اگر آپ احادیث رسول اللہ ﷺ پر اٹھیں تو پتہ چلتا ہے کہ خدا کے رسول کی امت وہ ہے جو بنام و نشان ہے جس کا کسی جماعت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ پہلے تو اللہ نے قرآن میں حضور ﷺ کو تنبیہ کی اور پھر یہ کہا کہ اے پیغمبر! تو ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو علیحدہ گروہ بناتے ہیں شناخت بناتے ہیں جو دین میں فرق کرتے ہیں کہ پیغمبر کسی گروہی عبادات کے مسلک میں نہیں ہے۔ پیغمبر آفاقی ہے کائناتی ہے ہر بندے کا ہے ہر عورت کا ہے ہر مرد کا ہے پیغمبر کسی گروہ کا نہیں ہے۔ یہ واحد علامات قرآن حکیم ہیں جو ہمیں تنبیہ کرتی ہیں کہ اگر تم نے قبروں تک پہنچنا ہے تو کوئی امتیازی نشان لگا کے نہ پہنچنا۔ کوشش کرنا کہ مسلمان ہو کے پہنچو۔ تمہارا واحد تشخص مسلمان ہونے کا تشخص ہے۔

حضور گرامی مرتبت ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ آخر میں بنو عفرہ (نبلی آنکھوں والے لوگ) کی حکومت ہوگی۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس وقت مسلمان بڑے کم ہوں گے؟ فرمایا نہیں مورو ملخ کی طرح ہوں گے مگر یہ کہ ان پر دنیا غالب ہوگی۔ خواتین و حضرات! یہ ہم ہیں یہ آپ ہیں جو مورو ملخ کی طرح گروہوں میں قید ہیں جو گنہگار ہیں جو بے ایمان ہیں جو جلساز ہیں مگر ہم میں شاید یہ وصف باقی ہے کہ ہم گنہگار ہیں تو بہ کرنے والے ہیں خدا کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ اگر کسی وقت بھی اسلام میں کوئی بڑی تہدیلی آئی تو کسی مذہبی جماعت کی طرف سے نہیں آئے گی۔ بیان لوگوں کی طرف سے آئے گی جو منزل ڈھونڈ رہے ہیں۔ وہ لوگ جو اردگرد کے ان مذہبی کیساؤں سے تنگ ہیں جو مختلف مسالک سے تنگ

ہیں۔ جو بڑی سادہ دلی کے ساتھ محبت رسول اللہ ﷺ کو اپنے دل میں نہیں رکھتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو تقدیر اسلام کو بدلنے کا باعث بنیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو زمین و آسمان کو بدلیں گے مگر ان کو کوئی فوجی آمر نہیں بدل سکتا۔ ان کو کوئی سیاسی نظام نہیں بدل سکتا۔ امت مسلمہ کی بنیادی تبدیلی اداروں سے نہیں آتی۔ ہمیشہ استادوں سے آتی ہے۔ یہ ایک واحد امت ہے جو استادوں کی وجہ سے بدلتی ہے یہ جامہ وں کی وجہ سے نہیں بدلتی، یہ علم کی وجہ سے بدلتی ہے۔ جب تک ان کو ان کی شناخت نہ دی جائے گی، جب تک ان کو یہ نہ بتایا جائے گا بقول اقبال کے:

سبق پھر پڑھ عدالت کا، صداقت کا، شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

انہوں نے دو بڑی خوبصورت رباعیات کہیں۔ لوگ کہتے ہیں وہ مہدی کو نہیں مانتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کے آنے کے قائل نہیں تھے مگر جو شعرا میں آپ کو سنا رہا ہوں، یہ ان کے آخری ہیں اور اس میں ایک بڑی خوبصورت بات کہتے ہیں، وہ اپنے احساس کو جاگر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ:

سرورِ رفتہ باز آید کہ ناید؟

نسیبے از حجاز آید کہ ناید؟

کہ کیا وہ وقت ہوگا کہ وہ بھولا ہوا سبق ہمیں یاد آئے گا کہ وہ پرانا سرور ہمارے ذہنوں کو پھر سرور کرے گا۔

سرآمد روزگار ایں فقیرے

اس فقیر کی تو عمر تمام ہو چکی۔ اقبال کہتے ہیں کہ میری موت تو اب قریب آچکی ہے۔

دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

مگر وہ دانائے راز کب آئے گا، وہ راز کی بات کب بتائے گا۔ وہ کیا بتائے گا مسلمانوں کو۔ میں نے تو عمر تمام کی۔ میں تو زور لگا چکا مگر میں وہ نہیں ہوں کیونکہ جو بات اس نے کہنی ہے وہ میں نہیں کہہ سکتا اور وہ بات بڑی سادہ ہی ہے:

اگر می آید آں دانائے رازے

بدہ او را نوائے دل گدازے

ضمیر امتاں را می کند پاک

کلیمیے یا حکیمیے نئے نوازے

اگر وہ وقت حال آئے تو میرا یہ غمگین سا پیغام اسے سنا دینا کہ امتوں کے ضمیر کو جنگ و جدل نہیں صاف کرتیں، امتوں کے ضمیر کو حادثے نہیں صاف کرتے، امتوں کے ضمیر کو یا کوئی کلیم بدلتا ہے یا پھر اچھے انداز گفتگو والا حکیم بدلتا ہے۔ اچھی بات کہنے والا دانشور بدلتا ہے۔ اچھی بات کہنے والا مفکر قوموں کے ضمیر کو بدلتا ہے۔ اب اگر آپ دیکھیے تو آج سے سو برس پہلے آج کے ہونے والے واقعات کے بارے میں جو علامہ کہہ گئے تھے کہ:

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے مخراب مسجد پر

یہ نادان گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا

یہی حال افغانستان کا ہوا۔ یہی حال عراق کا ہوا۔ یہی حال اب کچھ عرصے کے بعد سعودی عرب کا ہونے والا ہے۔ یہاں سجدے میں گرتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ خدا سے حفاظت کی توقع رکھتے ہی نہیں۔ اللہ بہت دور ہے۔ آسمان بہت دور ہے اور یہ یقین رکھنا۔ تمام امت اس وقت لکھے ہوئے ایمان پر قائم ہے۔ لفظی اعتقاد پر قائم ہے اور تمام مذہب لفظی اعتقاد سے عملی اعتقاد کو آنے کا نام ہے۔ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے خدا پر بھروسہ ہے یہ صرف لفظ ہے اور جب زندگی کے حادثات میں واقعات میں تسلسل میں جب تک وہ صورت حال پیدا نہیں ہوتی جہاں میرا مقابلہ ہوگا سب اور اللہ کے ساتھ۔ تب آپ کہنے کے قابل ہوں گے کہ میں نے اللہ پر توکل کیا۔ جب تک یہ صورت حال نہیں آئے گی، آپ کا تمام تر اعتقاد لفظی ہوگا۔ تمام امت اس وقت لفظی اعتقادات کے لیے سے گزر رہی ہے۔ ہم صرف خدا کا حوالہ دے رہے ہیں۔ ہر جگہ ہر کتاب ہر صفحے پر ہم نے خدا کا اتنا حوالہ دیا ہے کہ میرا خیال یہ ہے کہ

We are most vocal about the existence of God.

مگر تمام تر تصور خدا عادلانہ ہے۔ کل کی بات ہے کہ سعودی شہزادے سے جب کسی نے پوچھا کہ آپ کی حفاظت کون کرے گا؟ اس بیچارے نے ایک لمحہ بھی نہیں سوچا کہ لفظاً کہہ دوں کہ اللہ۔ اس نے کہا امریکہ۔ وہ عرب قوم پرستی جس نے مشرق وسطیٰ کی بنیاد میں اتنی خود غرضی، اتنی ذاتیات بھردی ہے کہ عراق کے ستون گرنے سے مصر اور اردن کو خوشی ہوتی ہے۔ یہ وہ امت مسلمہ نہیں ہے جس کے عروج و زوال کے لیے کسی کی داستان آپ سوچ رہے ہو۔

May be its you.

میں کہتا ہوں کیا ضرورت پڑی ہے مسلمان ہونے کی۔ کیا تعصب ہے آپ کو اسلام کے ساتھ۔ ایک لفظی اعتبار کے لیے کیوں آپ اتنی جان سپاری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کیوں اتنے جلوس نکالتے ہو خدا کے لیے۔ کیا وہ خدا جو آپ کے جلوس میں اور بیہرز میں ہوتا ہے جو آپ کی باتوں میں ہوتا ہے۔ کبھی اس خدا نے آپ کو جھوٹ بولنے سے روکا۔ کبھی مفاد حاصل کرنے سے روکا۔ کبھی کسی کارشر سے روکا۔

I don't think any thing happens because of God. I am not talking of individuals or a few people.

جب تک اللہ ہر مسلمان کی جواب دہی کا مرکز نہیں بنتا، آپ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ یہ نام کی مسلمانی جو ہے اس سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں۔ خدا اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ ام حسبکم ان تدخلوا الجنة ولما یا تکم مثل الذین خلوا من قبلکم ط مستہم الباساء والضرآء وزلزلو حتی یقول الرسول والذین امنو معہ متی نصر اللہ ط الا ان نصر اللہ قریب (۲) (البقرہ: ۲۱۴) تم خیال کرتے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے جبکہ تمہیں ابھی وہ مصائب پیش ہی نہیں آئے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں کو پیش آئے۔ ان پر اس قدر سختیاں اور مصیبتیں آئیں جنہوں نے انہیں ہلا کے رکھ دیا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ خود اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے سب پکاراٹھے کہ اللہ کی نصرت کب آئے گی؟ سن لو! اللہ کی نصرت قریب ہی ہے۔

تم سمجھتے ہو تمہیں یونہی جنت میں داخل کر دیا جائے گا، ٹھنڈی سڑک ہے۔ مال روڈ پر آئے جنت میں داخل ہو

گئے مگر جب آپ آزمائش کے مراحل میں کچھ کامیابی حاصل کرو گے تو ملے گی نا۔ آپ صرف نعرے بازی سے اللہ کو قائل نہیں کر سکتے۔ دو ہی تو چیزیں ہیں جو مذہب کو خراب کرتی ہیں۔ ادھر سیکولر ازم خراب کر گیا۔ ادھر علمائے دین خراب کر گئے۔ انہوں نے دین کی اپنی تشریح کی اور انہوں نے مذہب کے خلاف ابھارنے میں ان لوگوں کی مثال دی۔ مذہب یہ بھی نہیں مذہب وہ بھی نہیں۔ مذہب بنیادی طور پر معاملہ دل بے معاملہ محبت ہے یہ دوسری ہے یہ خیال ربو بیت ہے یہ کرشمہ انس ہے محبت سب سے پہلے احساس ہے ایک شدید فطری احساس۔ اس احساس کے بعد اعمال کو آپ شرع کہتے ہیں۔ جب تک کسی انسان کے سینے میں قربت الہی کی طلب پیدا نہیں ہوتی تو وہ اس کو لہو کے تیل کی طرح ہے جو رسوم مذہب میں دن رات مصروف ہے اور اسے ان رسوم کے مقاصد کا بھی علم نہیں۔ خداوند کریم نے جہاں بھی ذکر کیا اس نے کہا دیکھو محبتوں کے مقابلہ کو مذہب کہتے ہیں لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون (۳) (آل عمران: ۹۲)

It's a match of possession.

اگر میرے دل میں باقی ساری محبتیں سلامت ہیں تو خدا نہیں آسکتا مگر خدا کوئی یہ بھی نہیں کہہ رہا کہ تم رہبانیت اختیار کرو۔ فاقہ کسی اختیار کرو۔ یہ تو نہیں کہتا۔ نہ تو مذہب میں فاقہ ہے نہ رہبانیت ہے۔ اللہ صرف ایک چیز چاہتا ہے صرف ایک چیز آپ کا انس آپ کی محبت۔ اے لوگو! مجھے حسرت ہے کہ تم میں سے کوئی میرا بھی سوچتا۔ میرا بھی خیال کرنا۔ میں جو تمہیں پیدا کرنے والا تھا۔ میں جو تمہیں سکھ دینے والا تھا۔ میں نے تمہیں اتنے آرام سے بسایا تمہارے آنے سے پہلے دنیا و مافیہا میں ہر چیز میں نے پیدا کی۔ تمہیں پانی کی ضرورت تھی۔ میں نے پانی پیدا کیا اور تمہارے زمین پر آنے سے پہلے تمہیں ماں باپ دیے۔

آج کا انسان اسی قسم کے طلسم ہو شرابا میں کھویا ہوا ہے۔ جدھر دیکھتا ہے اُسے اپنی آب و تاب نظر آتی ہے۔ وہ گریز کرتا ہے عقل و معرفت کا کریڈٹ اللہ کو دینے سے۔ وہ یہ تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے کہ میری یہ عقل و معرفت کسی کی عطا کردہ ہے۔ وہ ادھار کی چیز کو اپنی سمجھتا ہے۔ وہ ادھار کی زندگی کو اپنا سمجھتا ہے۔ ایسا شکر گزار انسان پہلی صدیوں میں کم ہوا کرتا تھا۔ آج زیادہ ہے۔ چاہے مغرب کا ہو چاہے شرق کا۔ اور عروج و زوال بھی ایک جیسا ہے، شرق کا اور مغرب کا۔

There are not two parties.

عروج و زوال میں ہم شرق و مغرب کو جدا نہیں کرتے۔ عروج و زوال میں ہم صرف یقین کو بے یقینی سے علیحدہ کرتے ہیں چاہے آپ میں ہو چاہے کسی اور میں ہو۔ اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ مغرب میں دجال موجود ہے تو کیا آپ کے ملک میں نہیں ہے؟ کیا اس کی بیروی کرنے والے موجود نہیں ہیں؟ کیا تعریف اور توصیف کرنے والے آپ کے ملک میں موجود نہیں ہیں؟ کیا امریکہ کو خدا سمجھنے والے آپ کے ملک میں موجود نہیں ہیں؟ کیا یورپی تمدن کو آسائش و زندگی کا قرینہ سمجھنے والے آپ کے ملک میں موجود نہیں ہیں؟ بہت ہیں۔ آج کا مقابلہ حضرت انسان کا حضرت انسان سے ہے۔ آج کی کتاب حقیقت یہ بتاتی ہے کہ تمام انسان بلاکتوں کے گڑھے پر پہنچے ہوئے ہیں۔ جب کسی نے ایک دفعہ مجھ سے سوال

پوچھا تھا کہ What is so particular about Islam

تمہاری اپنی طرز عبادت، ہماری اپنی طرز عبادت۔ ہماری نمازیں ہمارے ساتھ۔ تبت کا دلائی لامہ بیچارہ بیس ہزار فت

ہا یہ کی ترائی پر غور و خوض میں مصروف ہے۔ ہوا میں معلق ہونے کے عمل سے گزر رہا ہے۔ افریقہ کا شامان کہیں بیٹھا ہوا اپنی زندگی میں مصروف ہے۔ آپ کو کیا فرق پڑا۔ آپ کہاں سے لاڈ لے ہو گئے۔ سب کی اپنی اپنی عبادات ہیں تو میں نے کہا، آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ میں رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ عبادات کے رنگ سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا مگر مصیبت یہ ہے کہ اب خدا کسی اور مذہب سے نہیں ملتا۔ اب اللہ عیسائیت سے نہیں ملے گا نہ ملتا ہے۔ اب اللہ بدھازم سے نہیں ملے گا۔ اب اللہ ان مذاہب سے نہیں ملے گا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا۔ ایک تو کہتا ہے کہ میں نے تمہیں علم کی پختگی بخشی ہے علم میں نے ختم کر دیا ہے۔ اب تم اگر یہ چاہو کہ پوسٹ گریجویٹ ہونے کے بعد اپنے نام کی تختی لگاؤ اور اس پر لکھا ہوا ہو کہ فلاں سکول سے پرائمری پاس کی تو بڑی عجیب سی بات ہوگی۔ تمام مذہب اپنے ارتقا کو پورا کرتے ہوئے اسلام پر آ کے ختم ہو گئے۔ اب پچھلی طرف رجعت کرنا اپنے علم کو کم کرنے کے برابر ہے۔

اب اگر اسلام اور قرآن کے ہوتے ہوئے واپس جاؤ گے انجیل کو یا اساطیر الاولین کو واپس جاؤ گے یا تورات کو واپس جاؤ گے یا نعمات سلیمان کو واپس جاؤ گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ایک ترقی یافتہ ذہنی حالت سے زوال پذیر عقل کو جا رہے ہیں اور خدا یہ کہتا ہے کہ اب میں ایک عقل کے ایک خاص درجے پر نصیب ہونا ہوں۔ ایک کتاب کے معیار پر نصیب ہونا ہوں اور وہ معیار کتاب قرآن ہے اور اس کتاب کا ٹیچر تمہارا رسول اللہ ﷺ ہے۔ اب اس کے بغیر میں تمہیں کسی اور رستے سے نہیں ملوں گا۔ ان الدین عند اللہ الاسلام (سورۃ آل عمران، آیت ۱۹) مگر ہو سکتا ہے کہ ایک ارب مسلمانوں میں ایک بھی خدا رسیدہ نہ ہو لیکن اگر کہیں ایک خدا رسیدہ ہے تو وہ مسلمان ہوگا۔ اسلام سے باہر نہیں ہو سکتا۔ ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه (سورۃ آل عمران، آیت ۸۵) تو خواتین و حضرات! اتنے بڑے کائناتی بحران میں تہذیب کے بحران میں بڑا مسئلہ وہی رہے گا کہ خدا صرف پاکستان کے لیے تہذیبی نہیں لائے گا۔ خدا امت مسلمہ کے لیے تہذیبی نہیں لائے گا۔ خدا اپنے مخلص بندوں کے لیے تہذیبی نہیں لائے گا۔ خدا ان کے لیے تہذیبی نہیں لائے گا جنہیں ان سے محبت ہے۔ جس سے ان کو محبت ہے اور ایک آدمی بھی اگر دنیا میں ایسا موجود ہے تو خدا اس کے لیے بھی تہذیبی ضرور لائے گا۔ پوچھا گیا رسول اللہ ﷺ! کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ فرمایا: جب زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہا تو قیامت آئے گی۔ اس میں مذہب کی کوئی تخصیص نہیں اور نہ نظریاتی اختلافات کی کوئی تخصیص ہے۔ اللہ کو اپنے مقصد کا اگر ایک آدمی بھی مل گیا تو آپ کی دنیا آباد رہے گی۔ اب بھی اگر مہدی اور عیسیٰ آخرا زمان آئیں گے تو وہ یقیناً ایک اصول کے تحت آئیں گے۔ ایک بہت بڑے اصول کے تحت کہ جب تمام انسانیت انحراف ذات پروردگار پر ہوگی تو وہ چند لوگ جو اپنے لیے آرزو کریں گے اخلاص کی:

برات عاشقان در دل

جو محبت پروردگار اور ہمسائیگی پروردگار کی آرزو کریں گے تو خدا ان کے لیے ضرور انقلاب لائے گا۔ خدا ان کے لیے ضرور عروج کی وہ ساعتیں لائے گا جو ان کے زوال کے غموں کو دور کر دے گا۔ مختصراً میں آپ سے عرض کر رہا ہوں کہ بہت سارے ڈینا پرست لوگ بہت سارے اعداد و شمار کی پرستش کرنے والے لوگ جب یورپ جاتے ہیں ان کی ثروت مندی دیکھتے ہیں:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعتی مگر جھوٹے گلوں کی ریزہ کاری ہے

تو ہم اس سے متاثر ہیں۔ ترقیوں کا کریڈٹ تو جانا چاہیے مگر ان کو کریڈٹ دینا اور ذہنی طور پر مرعوب ہو جانا دو بڑی علیحدہ ہی چیزیں ہیں۔ اور چاہے امریکہ یا کوئی بھی بندہ کسی وقت بھی مزاحمت اور مدافعت کر سکتا ہے اور کرتے رہتے ہیں لیکن اگر آپ غور کریں تو جدید ٹیکنیک ایسی ہے جیسے امریکہ نے بہت پہلے سوچ لیا تھا کہ افغانستان کے پاس کوئی جوانی دفاعی کارروائی نہیں ہے اور یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ عراق کے پاس بھی کوئی جوانی دفاعی کارروائی نہیں ہے اس لیے اس نے کشادہ دلی سے ہتھیار نہ کارروائیاں کیں۔ مگر خواتین و حضرات! اس تمام ڈیٹا کے باوجود ایک چھوٹا سا نقطہ آپ کو نظر آئے گا۔ عراق کی اس جنگ میں جب گرموصل میں داخل ہو رہے تھے تو ترکی نے دھمکی دی بلکہ اس نے اپنی فوج عراقی علاقے میں داخل کر دی تو ترکی کے خلاف عالمی قوت کا کیا جواب تھا کہ نہ صرف دوڑتے ہوئے ان کے پاس گئے، منت سماجت کی بلکہ ان سے عرض کی کہ آپ موصل میں اپنے نمائندے بھیج دیں، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں وہاں کوئی گرنہیں۔ تو جو یہ سارے دھمکی آمیز ڈیٹا چل رہے تھے یہ بڑے غرق ہوئے تھے مگر پہلی دفعہ شاید امریکہ کو یہ شبہہ ہوا کہ واقعی ایک خاص فوج میرے مقابلے میں آئی جیسے ترکی کی ہے تو اس صورت کے ساتھ انہوں نے گریز کیا جنگ کے ساتھ۔ اور کیا کچھ نہ کیا انہیں یقین دلانے کے لیے تو بات یہ ہے کہ

پس پردہ ہیں یہ فریب کار کیا کیا

بجائے اس کے کہ ہم خوفزدگی کے عالم میں رہیں۔ آپ تھوڑی سی تیاری تو کرو۔ تھوڑا سا حوصلہ تو پکڑو۔ لڑنے کا نہیں۔ یہ بہت دیر کی بات ہے اور ایک بات یاد رکھو مسلمان ویسے ہی لڑائی میں کبھی پہل نہیں کرتا مگر اپنے تحفظات کو خوف کی نظر تو نہیں کرنا چاہیے۔ مایوسی کی نظر تو نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کہاں کی غفلت ہے کہ میں دوسروں کے گن گانا پھروں اور اپنے لوگوں کی اخلاقی اور نفسیاتی ہمتیں ہی پست کرنا پھروں۔ یہ جو سوچی سمجھی کوششیں ہو رہی ہیں امت مسلمہ کو شکست کے صدمے دینے کی جو کوشش کر رہے ہیں یہ قطعاً غیر منطقی ہیں۔ میں دو احادیث پر اپنی بات ختم کروں گا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میری امت کسریٰ سے جہاد کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ میری امت قیصر سے جنگ لڑے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ میری امت چھٹے چہرے ڈھال والے لشعے کے جوتوں والوں کے ساتھ جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی اور زمانہ آخر میں میری امت دجال سے جنگ کرے گی اور اس پر بھی غالب آئے گی۔ یہ کمال امت ہے جو صادق اور امین کی بات پر یقین ہی نہیں رکھتی مگر ایک بات انہی احادیث کی روشنی میں کہ اب اس امت کے لیے آدھی شکست اور پوری فتح ہے۔ اب ہمارے نصیب میں ایک آدھی شکست اور لکھی ہوئی ہے مگر اس آدھی شکست کے بعد آپ کو ایک انتہائی مکمل فتح نصیب ہوگی اور اس کے بعد یہ جنگ وجدل کے فسانے ختم ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ العزیز اللہ چاہے گا اور آپ لوگوں کا اخلاص خدا سے یہ رعایت طلب کر کے رہے گا، آپ کی محبتیں روئے یزداں پر کچھ نہ کچھ رنگ تو بکھیریں گی، اس عمل کے پیچھے بھی کوئی حرکت تو ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ اس کے روئے زیبا سے نقاب اٹھ جائیں گے اور آپ کے دل بھی ایمان کی روشنی سے منور ہوں گے اور اللہ کی یہ بات سچی ہوگی۔ ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم لا علون ان کنتم

مومنین (سورۃ آل عمران، آیت ۱۳۹) کہ تم ہی غالب ہو اگر ایمان والے ہو لیکن اگر کبھی غالب نہیں آئے ہو تو یہ ضرور پیچھے پلٹ کے دیکھنا کہ ہم میں کوئی ایمان والا تھا کہ نہیں۔

مذہب اور اخلاقیات

سوال: ہمارے ہاں نمازی اور مساجد بڑھ گئی ہیں لیکن اخلاقی اقدار شدید انحطاط کا شکار ہیں۔ مغرب میں مذہب نہیں ہے مگر ان کی اخلاقی اقدار ہم سے بہتر ہیں۔ تو یہ صورتحال دو سوال پیدا کرتی ہے کہ:

☆ ہمارے مذہب میں ہماری جو اقدار ہیں ان کو نمایاں کرنے میں یا ان کو عملی صورت دینے میں کیا ہمارا مذہب ناکام ہو چکا ہے؟

☆ کیا حقوق اللہ کی زیادہ متابعت حقوق العباد کی طرف سے توجہ کم کر رہی ہے؟

جواب: یہاں آپ نے جو لفظ ”مورل“ استعمال کیا ہے وہ محل نظر ہے کیونکہ آج تک دنیا کے کسی بھی دنیاوی سسٹم نے اخلاقی نظام نہیں دیا۔ کوئی بھی دنیا کا ایسا نظام نہیں ہے جو زمین پر انسانوں کے ہاتھوں سے بنا اور پروان چڑھا ہو اور اس نے کوئی اخلاقی نظام دیا ہو۔ دوسری طرف اللہ نے کوئی اخلاقی نظام کا اختیار انسان کے ہاتھ میں نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ کہ آج کا جو نمائندہ ترین نظام سیکولرازم ہے اور سیکولرازم کی تعریف انسائیکلو پیڈیا میں درج ہے کہ مذہب کو ہر اس اقتدار کی مسند سے ہٹا دینا جہاں وہ دنیاوی معاملات میں دخل دے سکے۔ یہ بہت پہلے کی بات ہے کہ جب انگوٹزی کا دور شروع ہوا تو انہوں نے یہ محسوس کیا کہ مذہب دنیاوی معاملات میں مداخلت کر کے ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ یہ اس لیے ہوا کہ:

Christianity has no practical morality. Christianity is a religion of intention.

اور اس میں نیتوں پر اس قدر زور دیا گیا کہ اس کی جوتیوں عملی پہلو تھا وہ بالکل سامنے نہیں آتا۔ جیسے اگر کسی نے ایک تھپڑ تھپڑ ہارے ایک گال پر مارا ہے تو بجائے بدلے کے تم اسے دوسرا گال بھی پیش کر دو تا کہ وہ حسرت و ظلم منالے اور مظلومیت کی وجہ سے آپ خدا کے قریب تر ہو جائیں۔

دوسری بات آپ جن ملکوں کی کر رہے ہیں وہاں غیر عملی مسیحی فلاسفی تھی۔ اس کے نتیجے میں خود انجیل کے ایک سو چھتیس متن ہیں اور پاپائے روم نے ان کو اکٹھا کرنے کے بعد ایک واحد متن تیار کیا جسے Black Bible کہتے ہیں۔ اب اگر دیکھا جائے تو ہم میں سے بڑے بڑے لوگ انجیل اور قرآن کا موازنہ کرتے ہیں جو بالکل غلط ہے کیونکہ موازنہ میں اس وقت کروں جب وہ یہ نہ مانتا ہو کہ میری کتاب میں کوئی نقص نہیں ہے۔ جب وہ خود اس کو اچھی طرح تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری انجیل کے ایک سو چھتیس متن ہیں اور پھر ان کو اکٹھا کرنے کے بعد ایک بلیک بائبل بنائی گئی تو اس کے بعد میرا خیال ہے کہ ہم پر لاگو نہیں ہوتا کہ ہم ان کے موازنہ اور قرآن کی حقانیت ثابت کرتے پھر اسے قرآن اور انجیل میں بہت فرق ہے۔

مگر آپ اندازہ کیجئے کہ جب بہت بڑے فلاسفر اور دانشور لارڈ رسل سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ

Why should I? All gospel truth is alike.

انجیل اور قرآن میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس کی ایک وجہ ہے کہ خداوند کریم نے بڑی وضاحت سے کہا کہ میں ان کتابوں کو اب تسلیم نہیں کرتا۔ جب وہ پیغمبر تھے تو میں ان کتابوں کو تسلیم کرتا تھا اور اب ان میں بنیادی تحریفات ہو چکی ہیں۔ قرآن میں بڑی وضاحت سے اللہ نے کہا تم بحر فونہ من بعد ما عقلوہ وہم يعلمون (سورۃ البقرہ آیت ۷۵) اس لیے اب میں انہیں تسلیم نہیں کروں گا یہ میری نہیں ہیں اور اگر آج کسی کو خدا سے کوئی نبوت درکار ہو گیا اس کو خدا سے کوئی بحث کرنا ہے یا خدا کو غلط یا صحیح ثابت کرنا ہے تو اس کے لیے جو حوالے کی کتاب ہوگی وہ نہ تورات ہوگی نہ نعمات سلیمان ہوں گے نہ انجیل ہوگی نہ عہد نامہ قدیم و جدید ہوگا بلکہ صرف اور صرف قرآن ہوگا اور قرآن اس چیلنج کا ہر طرح سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہے۔

دوسرے یہ کہ مسیحی اخلاقیات اس وقت اس قدر خراب ہو چکی تھی جو اب شاید ہمارا حال ہے بلکہ اس وقت شاید کہیں اس سے بھی بدتر حال تھا کیونکہ اس وقت عیسائی سند جاری کیا کرتے تھے جسے سند نجات (Certificate of Redemption) کہتے تھے۔ پانچ پونڈ کا، دس پونڈ کا، پچاس پونڈ کا۔ جنت کے بہت سارے حصے بنائے ہوئے تھے اور پادری حضرات فرماتے تھے کہ تم نے کونسی جنت کو جانا ہے۔ بڑی جنت کو جانا ہے پچاس پونڈ کیسا کوڑو چھوٹی جنت میں جانا ہے تو دس پونڈ۔ میں دیکھتا ہوں کہ اتنے سالوں کے بعد ماشاء اللہ مسلمانوں میں بھی اب یہ عادات آگئی ہیں کہ بڑی بڑی تنظیمیں چندہ دینے والوں کی رشوتیں معاف کر دیتی ہیں تو منطقی طور پر یہ ایک جیسا طریق کار ہے۔ وہ مذہب اس وقت بھی عملی نہیں تھا۔ پھر یورپ میں بہت عرصے تک پاپائے روم کا ریڈنیل کی وجہ سے اور ان کے مذہبی رہنماؤں کی وجہ سے ہمیشہ سیاسیات میں بھی پورا عمل دخل رکھتا تھا۔

مذہب ایک عملی طاقت کی طرح یورپ کی رہنمائی کرتا رہا حتیٰ کہ یورپی لوگ انتہائی سنجیدگی سے سوچنے لگے کہ مذہب اب آنت الہی بن گیا ہے اور ہمارے لیے عذاب و مصیبت بن چکا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس کی مخالفت شروع کر دی اور جب روشن خیالی کا دور آیا، جب مسلمانوں کی کتابیں وہاں پہنچیں، جب الغزالی اور ابن رشد پہنچے تو اس کے بعد آکسفورڈ میں جب الغزالی، ابن رشد اور ابن سینا پڑھائے گئے تو یہ فیصلہ ہوا کہ وہ اب مسیحیت کا دفاع نہیں کر سکتے۔

میں پھر زور دوں گا کہ اس وقت کے دانشوروں نے دیکھا کہ علمی اور تحقیقی تجسس کے معیار پر انجیل پوری نہیں اترتی تو انہوں نے دین کو دنیا سے خارج کرنے کا فیصلہ کیا اور فرانسس بیکن جو ایک بڑا تاریخ ساز مفکر ہے، اس نے یہ بڑا مشہور جملہ بولا جو آج بھی ہماری تمام سیکولر فلسفہ اور تمام سیکولر لازم ذہن کی بنیاد ہے اور وہ یہ ہے کہ:

Religion is a private matter. Even today most of us think that religion

is a private matter.

اور انہی کے اثرات جب برصغیر میں آتے گئے تو انگریزوں نے جس فلسفہ کا سب سے پہلے اضافہ کیا وہ مذہب اور اس کی

Dogmatic Approach سے متعلق تھا۔ ایک Dogma ہے اور ایک Theme ہے۔ Dogma سوال برداشت نہیں کر سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب انگریزی تعلیم برصغیر میں آئی تو ماشاء اللہ بڑے بڑے نیک اور عبادت گزار دہریے ہو گئے۔ حتیٰ کہ اب اگر کسی کو وہی کوفت نہ ہو تو میں آپ کو ان بڑے بڑے بڑے بڑوں کے نام بتاؤں کہ جو اس انگریزی تعلیم کی وجہ سے دہریے ہو گئے تھے۔ ان میں بڑے مشہور مفسر قرآن حضرت قبلہ عبدالماجد دریا بادی بھی تھے۔ یہ سارا سوال اس لیے پیدا ہوا کہ اس وقت سیکولرزم کے اس حملے کو اسلام نے روک دیا۔ صرف ایک وجہ سے اور وہ وجہ یہ تھی کہ قرآن کی جو معلومات تھیں اور قرآن کا جو سائنسی اور عملی پہلو تھا وہ آج تک کسی بڑے سے بڑے فلسفی، سائنسدان اور دانشور سے غلط ثابت نہیں ہو سکا۔ اگر قرآن نے یہ کہا وجعلنا من الماء کل شیء حی (سورۃ الانبیاء آیت ۳۰) اس سے آج بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اگر قرآن نے یہ کہا کہ وسخر الشمس والقمر کل یجرى لا یجل مسمی (سورۃ فاطر آیت ۱۳) ہم نے چاند اور سورج مخر کیے اور یہ تمام وقت مقررہ تک چل رہے ہیں۔ تو آج بھی کوئی سائنسدان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو بات قرآن نے پندرہ سو سال پہلے بغیر کسی سائنسی تجربے کے کہی وہ بالکل درست ہے۔

ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے امریکہ سے ایک دانشور تشریف لائے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی تھے اور اسلام پر نئی کتاب لکھ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے آ کر کہا کہ ایک سوال کی تلاش میں بڑی دور گیا ہوں اور یہی سوال میں آپ سے کر رہا ہوں تو انہوں نے کہا کہ مسیحیت میں ابتدائے کائنات کا عرصہ چھ ہزار سال کا ہے اور ہندومت میں کوئی اٹھارہ ہزار سال کا ہے۔ اسلام اس کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ میں نے اسے کہا کہ بات یہ ہے کہ میں کوئی وضاحت نہیں کروں گا۔ ایک سادہ سی قرآنی آیت سناؤں گا اور اس کا ترجمہ بھی سادہ سی انگریزی میں کروں گا۔ اگر آپ کو سمجھ آ جائے تو ٹھیک ہے۔ آپ ابتدائے کائنات کے مسئلہ کو خدا کے حوالے سے سمجھ جائیں گے۔ میں نے اسے یہ آیت سنائی اولم یوالدین کفروا ان السموات والارض کاننا رتقا ففتقنہما (سورۃ الانبیاء آیت ۳۰)

In the beginning heavens and earth all were one mass. Then we (Allah) forceably tore them apart.

تو میں نے کہا کہ قرآن میں ابتدائے آفرینش کے بارے میں یہ مذکور ہے۔

He said its classic, its big bang.

آج ہمارے پاس چھپن یا چھتیس کے درمیان جو بھی تھیمز ہیں جو کائنات کی ابتدا کے بارے میں گردش کر

رہے ہیں۔

They all say one and the same thing that in the beginning, heavens and earth were one mass and then they were torn apart by some centrifugal force.

اب اگر غور کیجیے تو ان حقائق کی وجہ سے قرآن اپنے خلاف ہونے والے حملے کو برداشت کر گیا اس لیے قرآن کو غلط کہہ کر اسے لوگوں کے سینوں، دلوں اور دماغوں سے نکالنا نہیں جا سکتا جیسے مسیحیت میں بڑا آسان تھا کہ سائنسدان کہتے تھے کہ ہماری تحقیق یہ ہے۔ ہم یہ فکر کر رہے ہیں لیکن آپ کی عیسائیت یہ کہہ رہی ہے۔ جب بات عملی زندگی کی آئی تو دوبارہ

قرآن عادتاً زندگی کے ہر شعبے میں مثبت مداخلت کرتا تھا۔ قرآن بتاتا ہے کہ ایک قوم کو اس لئے تباہ کر دیا کہ یہ کم تولتے تھے۔ واقیمو الوزن بالقسط ولا تخسرو المیزان (سورۃ الرحمن، آیت ۹) اور وزن کو انصاف سے تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔ وہ طرز حیات بتا رہا ہے اخلاق بتا رہا ہے اور طریق زندگی بھی بتا رہا ہے اور

All those decencies, which are now being practiced in the West are simply a part of Islamic civilization, which passed from the East to the West.

تہذیبوں کا اس طرح تبادلہ ہوتا رہتا ہے جیسے زبانوں کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ مغرب نے ہم سے قریباً قریباً تمام اچھی اقدار لے لی ہیں۔

اب آپ اس وقت پاکستان میں دیکھ لو، یورپ میں دیکھ لو، کہیں بھی دیکھ لو۔ جمہوریت کا سب سے بڑا ہتھیار چونکہ اکثریت ہے اور

Majority of the people is never Immoral. You must remember this.....

لہذا جمہوریت میں اکثریت فیصلہ ساز ہوتی ہے جیسے برطانیہ میں ایک ہاؤس آف لارڈز ہے جو نام نہاد تعلیم یافتہ طبقہ ہے اور ایک دارالعوام ہے جو ان پڑھوں یا عام لوگوں کے لیے ہے۔ اب دارالعوام نے ایک قانون ہم جنسیت تین مرتبہ ہاؤس آف لارڈز کو پیش کیا۔ اصولاً تین مرتبہ انگریزی قانون کسی ترمیم سے انکار نہیں کر سکتا، لہذا ان کو قبول کرنا پڑا یعنی جو جبلی اکثریت تھی بالآخر اس نے عقل والی لارڈ شپ کو بھی متاثر کیا اور قانون بن گیا۔ اگر آپ دیکھیں تو دنیا کے جتنے اخلاقی جرائم کو قبولیت کی سند دی گئی وہ جمہوری ممالک میں دی گئی۔ ان تمام اخلاقی جرائم کی اجازت ایک مذہب کے نزدیک یا مہذب معاشروں میں ہمیشہ سے جرائم سمجھے جاتے رہے ہیں۔ ایک جمہوری ملک ہی ایسی اجازت دے سکتا ہے۔ کوئی بھی مذہب یا کلاسیکل معاشرہ نہیں دے سکتا۔

They would call it liberties.....

Last time when I was in U.S.A, I saw a big procession, which was almost comprising of all these people.

اور اس میں انہوں نے یہی مطالبہ کیا اور اسی شام مجھے پتہ چلا کہ وہ مطالبہ بھی تسلیم کر لیا گیا کہ آدمی کی آدمی سے شادی کی اجازت ہے اور یہ کہ ایسے جوڑوں کو کم از کم نیویارک میں حقوق ملکیت بھی دیے جائیں۔ جب میں امریکہ سے واپس آ رہا تھا تو میں سوچ رہا تھا کہ اسی لیے اخلاقیات کبھی بھی اللہ نے دنیاوی لوگوں کو نہیں دی کیونکہ یہ اپنی مرضی سے ان اخلاقی اقدار کو تشکیل دیتے ہیں انہیں خراب کرتے ہیں۔ چونکہ اکثریت ہمیشہ جبلی اقدار کے قریب ہوتی ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ اکثریت مل کے فیصلہ کر لے کہ چوری ٹھیک ہے تو چوری ٹھیک ہوگی۔ اس میں اخلاقیات کا جو فیصلہ ہے وہ اکثریت کے پاس ہے۔ عقل و فہم و فراست کے پاس نہیں۔

ہم لوگ عبادات زیادہ کرتے ہیں اور یورپ عبادات سے فارغ ہے۔ یورپ عبادات سے فارغ ہونے کے بعد ترقی پذیر ہے اور مشرق عبادات کے ساتھ زوال پذیر ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ اہل کفر کی ثروت اور امارت سے پریشان ہوتے تھے اور بعض اوقات دعا کرتے تھے کہ محمد ﷺ و آل محمد کے لیے دو وقت کی روٹی بھی نہیں ہے اور دشمنوں کے کاروبار بچے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اگر ایک مصلحت مانع نہ ہوتی تو ہم اہل کفر کے درو دیار سونے چاندی کے کر دیتے، ان کی سیڑھیاں بھی سونے چاندی کی کر دیتے مگر مصلحت جو مانع تھی وہ یہ کہ پھر اس دنیا میں کوئی مسلمان ہی نہ رہتا۔ ظاہر ہے جب تمام نعمتیں اہل کفر کو ملتی ہیں تو ایک بڑی غلط قسم کی توجیہ کی جاتی ہے کہ وہ دین کو چھوڑ کر آسودہ حال ہیں اور ہم دین کو اختیار کر کے غریب ہیں۔ حالانکہ منطقی طور پر یہ بات بڑی غلط ہے۔ اگر ہم پاکستان والے یا شرقی دین چھوڑ بھی دیں تو بھی شاید ہم اسی طرح غریب رہیں۔ جیسے اقبال نے کہا کہ اگر کوئی کالا حبشی بھی اسلام قبول کرے تو رہے گا وہ کالا حبشی ہی۔ اس کو فرق کوئی نہیں پڑتا۔ وچہ صرف یہ ہے کہ ہماری اقدار خوبصورت ہیں، شاندار ترین الفاظ اور لباس میں ملفوف ہیں اور ہم ان پر فخر کرتے ہیں، نمازاں ہیں مگر ہم میں کوئی معاشرتی اور سماجی شعور نہیں ہے۔ ہم ان اقدار کو اپنی عملی زندگی میں کبھی بھی استعمال نہیں کرتے۔

اب ایک سوال کرنے والے نے تو بہت سمجھ کر سوال کیا کہ جس ملک میں تین سو تیرہ اللہ کا نام لینے والے پیدا ہوئے یا تین ہزار مسلمان بیعت شجرہ و رضوان کے وقت موجود تھے۔ انہوں نے تو وقت کی دو بڑی انتہائی طاقتور سلطنتوں کا تختہ کر دیا اور ہمارے اخبار میں بڑے اعلیٰ بیانات آتے ہیں کہ بیس لاکھ فرزند ان تو حید کا اجتماع۔ اور ایک صاحب سے میں نے سنا کہ پانچ لاکھ فرزند ان تو حید یہاں جمع ہیں اور ہمارے پیچھے پانچ کروڑ فرزند ان تو حید اور بیٹھے ہیں۔ اب اتنے سارے فرزند ان تو حید جب جلسوں سے فارغ ہوتے ہیں تو پاکستان کے نصیب میں کوئی اور ذلت شامل ہو جاتی ہے۔ اتنے لوگ مل کے دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں اور دیکھا یہ جاتا ہے کہ اس کے بعد کوئی بڑا فاسق تخت پر آ کر بیٹھ جاتا ہے اور کوئی زیادہ بڑا ظلم ملک کے ساتھ ہو جاتا ہے اور کوئی زیادہ بڑی ذلت نصیب دشمنان نہیں نصیب دوستاں ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے خدا اس پر خوش نہیں۔ آپ خدا کو کیا الزام دے سکتے ہیں۔ آپ اللہ کی بد قسمتی سمجھو یا اللہ کی خوش قسمتی۔ وہ دلوں کے حال جانتا ہے۔

واعلم متبذون و ماکنتم نکتمون (سورۃ البقرہ آیت ۳۳) اور قول و فعل میں ہم آہنگی کے باوجود آدمی منافق ہو سکتا ہے۔ ہاں قول و فعل اور فکر جب تینوں ایک جگہ ہوتے ہیں تو پھر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ آدمی مخلص ہے۔

As for as the progress of the West is concerned, they had not built any moral philosophy, no moral fabric is there, but they have definitely created a commercial morality.

مثال کے طور پر جب آپ امریکہ یا یورپ میں کسی پل سے گزرتے ہیں تو آپ اس کو سکھ دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے Thank you, have a nice day, enjoy!! اور اگر سکھ نہیں دیتے تو ساتھ ہی بڑی انگریزی گالی آپ کو سننے کو ملتی ہے۔ عملاً یہ ایک تجارتی انداز کی اخلاقیات ہے کیونکہ انہوں نے کسی بھی معاشرے کو تجارتی نقصان سے بچانے کے لیے جن سہولتوں کا تعین کیا ہے اس کو ہم فلاسفی نہیں کہہ سکتے۔ اگر آپ مہذب ہو جائیں۔ آپ کے ملک میں سہولتیں مہیا ہوں۔ آپ کے ملک میں بھی طرز زندگی بہتر ہو جائے تو آپ بھی خوشحال ہو جائیں۔ آپ کی جو فلاسفی ابھرے ہوگی۔ وہ کمرشل نہیں ہوگی۔

نیچرل اور اسلامک ہوگی۔ اگر ایک گھر کو آگ لگی ہوئی ہے تو ہر آدمی کو شش کرنا ہے کہ سب سے پہلے قیمتی چیز بچائے۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ آج اسلام کے ہر گھر میں ایک ایسی آگ لگی ہوئی ہے کہ ہم اگر خدا کے تصور اور ترجیح کو بچا جائیں تو یہی سب سے بڑا کارِ ثواب ہے۔ خدا نے قرآن میں ہر جگہ گناہ کو خسارہ کہا۔ ایک خسارے کا پہلو ہے ایک نفع کا۔ گناہ تمام تر خسارے میں آتا ہے۔ ایک چیز اللہ نے آپ کو بہتر مقاصد کے لیے دی ہے اور وہ چیز آپ اچھے اور صاف سحرے مقاصد کے لیے استعمال کریں گے تو وہ دیر پا ثابت ہوگی، تسکین بخش بھی ہوگی اور وہ زندگی بھر آپ کا ساتھ بھی دے گی۔ اگر آپ اس کو غیر منطقی چیز کے طور پر استعمال کریں گے تو وہ جلدی ضائع ہو جائے گی۔ فرض کیجیے کہ انسان اور عورت میں ایک تولیدی قوت ہے جس کو آپ ایک جگہ جوڑتے ہیں ایک ملاپ کا سلسلہ ہوتا ہے اور اس سے بچے پیدا ہوتے ہیں اور اس سے ہر کوئی راضی ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ اسے غیر قانونی طور پر استعمال کرنا شروع کر دیں تو اللہ اس کو اس لیے خسارہ کہے گا کہ اس کے پیچھے جو اخلاقی ضمیر ہے وہ آپ کو اتنے کچھ کے لگائے گا کہ نہ آپ کو چین لینے دے گا اور نہ اس قوت کے زوال پذیر ہونے کا سبب بنے گا۔ تمام گناہ ایک خسارہ ہیں جو آپ کے توازن کو خراب کرے گا اور ثواب اسی طرح عملاً آپ کے فوائد میں سے ہے۔ اللہ کو آپ کے گناہ و ثواب سے کوئی غرض نہیں ہے۔ شریعت اس لیے ہے کہ بہت سارے خسارے بہت تھوڑی سزا سے زمین پر پورے ہو جائیں۔ اللہ کی بنیادی غرض انسان کی نیت اور خیال کی کمنٹ سے ہے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ جو چیز کسی نے دی ہے اس کا عوض اس نے قبول کرنا ہے۔ اللہ نے اگر انسان کو کوئی خاص چیز دی ہے تو وہ عقل دی ہے۔ فہم و فراست دی ہے اور اس کا مقصد یہ بتا دیا کہ تجھے یہ عقل اس لیے دی ہے کہ تو غور و فکر کرنے کے بعد مجھے ماننے اور پہچاننے کے قابل ہو جائے۔ اگر انسان اس میں ناکام ہو گیا تو اس نے اپنی پیدائش، تخلیق اور خدا کی تخلیق کے مقاصد پورے نہیں کیے۔

اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ گناہ اکتساب کا سبب بنتا ہے۔ بعض اوقات توبہ آپ کی آسودگی کا سبب بنتی ہے کیونکہ حضرت آدمؑ نے جو پہلا کام خدا کے حضور کیا وہ خطا تھی اور خداوند کریم نے سب سے پہلا کام جو انسان کے حق میں کیا وہ توبہ قبول کی۔ عبادات تو بہت بعد میں آئی ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو تافلدا انسان خطا اور توبہ سے شروع ہوا ہے۔ ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ توبہ آپ کا خسارہ پورا کر دیتی ہے۔ توبہ ایک ایسی چیز ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے توبہ کی وہ ماں کے پیٹ سے تازہ جنا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا توبہ ایک ایسی چیز ہے جو ایک مرتبہ سے حتمی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بعض اوقات جہلت اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ وہ ایک توبہ سے پوری طرح اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی۔ پھر جب تھوڑی دیر یہ قائم رہے گی پھر آپ گناہ کریں گے پھر اس پر گناہ کی سرزنش آئے گی پھر آپ توبہ کرو گے تو بسا اوقات حدیث مبارکہ کی رو سے اگر ساری زندگی انسان خلوص دل سے توبہ کرتا رہے تو اس کی توبہ قبول کی جاتی رہے گی۔ اس کی ایک وجہ ہے کہ

Toba is not a fixation---man is variable unit.

آدمی ہر وقت ایک بدلتا ہوا یونٹ ہے۔ اس کا اخلاق ایک وقت میں بہت اچھا، ایک وقت میں کم اچھا، ایک وقت میں سرے سے ہونا ہی نہیں۔ ایک دن میں انسان پر اتنے مراحل آتے ہیں کہ وہ کسی چیز پر نکتا ہی نہیں۔ آپ کی کوئی

دوسری نماز پہلی جیسی نہیں ہوتی اور آپ کے مراحل آپ کے خیال آپ کی فکریں ہر جگہ آپ کو تبدیل کرتی رہتی ہیں۔ پھر اگر انہی خطا کاریوں میں آپ کسی خطا کے مرتکب ہو جائیں تو مسئلہ یہ نہیں کہ آپ توبہ کے بعد پھر توبہ کیوں کریں گے یا توبہ کے بعد توبہ کرنے کا مقصد نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب بھی خطا ہو، خلوص دل سے توبہ کرنی چاہیے۔ چاہے آپ کو ستر مرتبہ توبہ کرنی پڑے۔ جب جہلت کمزور ہوگی تو توبہ غالب ہو جائے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن ضرور آئے گا کہ حضرت انسان اپنی خطا کاریوں کی روش سے انکار کرنے کے قابل ہو جائے گا۔

دعا

سوال: دعا کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: میرا یہ خیال ہے کہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پر واز مگر رکھتی ہے

بندے اور خدا کے درمیان دعا انتہائی ذاتی تعلق رکھتی ہے۔ دعا ایک خصوصی تعلق ہے۔ یہ ایک برآمدہ ہے۔ مجھے ایک بہت بڑے اور مشہور نجومی سے بات چیت کا اتفاق ہوا تو میں ان سے کہہ رہا تھا کہ اللہ نے زمین و آسمان میں کچھ برآمدے ضرور رکھے ہیں کہ

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

تو اس نے کہا نہیں پروفیسر! سیزھیاں۔ تو جب اس نے سیزھیاں کہا تو میں بڑا چونکا ہوا اور اس سے کہا کہ میں غلط لفظ استعمال کر رہا ہوں۔ اصل میں قرآن میں لفظ ہی معارج استعمال ہوا ہے تو میں بڑا حیران ہوا کہ میں قرآن کی ذرا اپنے انداز سے غلط تشریح کر رہا تھا اور اس نے سائنسی طور پر صحیح تشریح کر کے بتایا کہ اس کائنات میں کچھ سیزھیاں ہیں اور ان سیزھیوں کے ذریعے آپ بڑی آسانی سے یہاں انتہا پھیلے ہوئے سراب کے فاصلے وصل کے حقائق میں بدل سکتے ہیں اور کوئی بھی شخص ایک خاص فریکوئنسی پر ان سیزھیوں سے گزرتا ہے تو خدا کے قرب و جوار میں جا رہتا ہے۔ دُعا اس فاصلے کی وہی سیزھی ہے۔ دُعا بھی ایک ایسی سیزھی ہے جو تمام فاصلوں کو ختم کر دیتی ہے۔

اسی لیے جب دعا کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ اتنی ساری دعاؤں کے باوجود کیوں دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟ تو فرمایا یہ مت کہو۔ ان ربی لسمیع الدعاء (۱۴) (ابراہیم: ۳۹) بلاشبہ میرا رب دُعا سنتا ہے۔ اللہ اس لیے جواب نہیں دیتا کیونکہ اللہ کے نزدیک وژن اور تعلیم آپ کے پورے احاطہ زندگی کو لیے بیٹھی ہے۔ اس کو یہ معلوم ہے کہ اگر میں اس کو بیرون ملک میں داخلہ دے دوں جیسے اس کے ماں باپ چاہتے ہیں اور یہ بیرون ملک چلا جائے اور یہ وہاں تعلیم یافتہ ہو تو یہ کبھی گھر نہیں پلے گا۔ اس کو یہ اچھی طرح علم ہے کہ یہ ہمیشہ کے لیے دین سے جائے گا مگر نیک ماں باپ یہ آرزو کرتے ہیں کہ بچہ پڑھ جائے نیک بن جائے اس کو کہیں وظیفہ مل جائے یا باہر چلا جائے مگر اس بچے

کو باہر داخلہ نہیں ملتا کیونکہ خدا کہتا ہے کہ مجھے یہ علم ہے کہ اگر یہ باہر چلا گیا تو پھر یہ تمہارے کام کا نہیں رہے گا۔ اگر تم اس کے لیے نیکی کی دعا میں مانگ رہے ہو تو پھر نیک نہیں رہے گا۔ پھر یہ اسی طرح گوسفندانِ قدیم میں سے ایک گوسفند ہوگا۔ اسی کی طرح کا آدمی ہوگا۔ اس کا حشر بھی وہی ہوگا اور کم از کم یہ دعا نہیں ہے جو تم اس کے لیے کر رہے ہو، یہ بد دعا ہے۔ اس لیے بعض اوقات ہمیں غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ اس کا بڑا سادہ سا قانون ہے وہو کبرہ لکم وعسی ان تکرھوا شیئاً وهو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیئاً وهو شر لکم واللہ یعلم وانتم لاتعلمون (۲) (البقرہ: ۲۱۶) اور یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو مانگا اور سمجھا اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور یہ کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو، بے شک اللہ ہی خوب جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

قرآن کے تلفظ کی ادائیگی

سوال: آیت کے تلفظ کی ادائیگی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کئی دفعہ ہم قرآنی آیات گفتگو کے انداز میں پڑھ جاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

جواب: اگر آپ اس کی ادائیگی کو جان بوجھ کر غلط نہیں پڑھ رہے، بعض اوقات روانی میں، بعض اوقات یادداشت کی غلطی کی وجہ سے، بعض اوقات ذہنی جھکن کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ آپ کسی قرآنی آیت کو غلط پڑھ دیں مگر اللہ آپ کی نیت جانتا ہے اور آپ کو اس کی پریشانی نہیں ہوتی۔ جان بوجھ کر غلط آیت پڑھنے والا یقیناً گنہگار ہے۔

پاکستان اور اسلام

سوال: مسلمانوں کے زوال اور بزدلی کے زمانے میں تمام مسلمان حکمرانوں میں سے صرف ایک مسلمان لیڈر مہاتیر محمد جس طرح بیانات دے رہے ہیں، کیا آنے والے وقتوں میں مہاتیر محمد کوئی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں؟ (اس وقت مہاتیر منصب اقتدار پر نہیں ہیں)۔

جواب: مہاتیر محمد کا لہجہ کم از کم مسلمانوں کا سا ہے، حالانکہ اس کے پاس وہ آلات بھی نہیں ہیں مگر میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ اسلام کی بنیاد اس کی اساس پاکستان پر ہے۔ دنیا میں دو ملک ہیں جو اللہ کے لیے بنے یا دین کے لیے بنے۔ ایک اسرائیل اور ایک پاکستان۔ دونوں میں ایک بڑا فرق یہ رہا ہے کہ اسرائیل اپنے وجود میں آنے کے بعد اب تک اپنے وجود کو مستحکم کرنے میں یا اپنی ندھی اپروچ کو مستحکم کرنے میں لگا رہا اور پاکستان کے ساتھ یہ بد قسمتی ہوئی کہ پاکستان بننے کے فوراً بعد ہی پاکستان کے جملہ حکمران اس کی بنیاد کو غیر مستحکم کرنے میں لگے رہے مگر ایک بڑا فرق یہ رہ گیا کہ اسرائیل مستحکم ہونے کے باوجود اور پاکستان غیر مستحکم ہونے کے باوجود اپنے مراتب میں برابر چلتے گئے۔ اگر ادھر وہ ایٹمی پاور ہے تو ادھر پاکستان بھی ایٹمی پاور ہے۔ جملہ مکر و فریب جو اس ملت اسلامیہ میں جاری ہے اور تمام مکر و فریب جو ہمارے حکمرانوں میں جاری ہے، اللہ کے فضل و کرم سے دو بڑی بنیاد پرستیاں اس پاکستان کی زمین میں دھڑکتی ہیں۔ ایک اللہ کو ماننا اور ایک محمد رسول اللہ ﷺ سے پیار کرنا اور یہی ایمان ہے۔

مسلمانوں کے زوال کی وجوہات

سوال: مسلمانوں کے زوال کی وجہ یہ تو نہیں کہ ہم نے اسلام کے قوم پرستی کے تصور کو بھلا دیا ہے اور مغربی قوم پرستی کو اپنا لیا ہے جو کہ علاقے کو بڑھاتا ہے۔ ہم نے نبی کریم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کو فراموش کر دیا جہاں انہوں نے فرمایا کہ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ آج عربی اپنے آپ کو برتر سمجھتا ہے جبکہ عجمی بھی۔ کیا یہ نظر یہ پاکستان کی بھی نفی ہے؟

جواب: ایک تو آپ عربوں کی بدسلوکی سے شاکا نظر آتے ہیں مگر بات یہ ہے کہ ہر نودو لئیے کا یہی رویہ ہے بلکہ آپ دیکھیے جواب کیسے مختلف ہو جاتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ جب رستم بہارا رمنی کے دربار میں گئے تو بڑے پیش قیمت قالین پڑے ہوئے تھے تو حضرت مغیرہ نے نیزے کی نوک سے انہیں چھیدا تو اس نے کہا، یہ کبخت کہاں سے آگئے ہیں جن کو قالینوں کا نہیں پتا۔ تو اس نے حضرت مغیرہ سے پوچھا کہ آپ عرب سے سفیر آئے ہو تمہیں سلطنت کی کیا سوجھی کیونکہ تم لوگ تو سوسمار اور گوہ کھانے والے ہو۔ اگر تم مناسب سمجھو تو ہم تمہیں پیسے دیتے ہیں اور تم واپس چلے جاؤ ورنہ تمہارے پاس ہے کیا جو تم ہم سے لڑو گے۔ تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اس سے کہا کہ تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ ہم ایسے ہی تھے جیسے تم کہتے ہو۔ ہم باہمی اشتقاق و افتراق میں الجھے ہوئے تھے۔ آپس میں لڑتے تھے قتل و غارت میں مصروف تھے۔ پھر اللہ نے ہم پر کرم فرمایا، پھر ہم میں محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ پھر ہمیں رحمت دو عالم نے طریق زندگی بتایا۔ پھر ہمیں خدا کی وحدانیت کا سبق دیا۔ پھر ہم جمع ہوئے ایک امت بنے اور اب ہم آپ کو کچھ کہنے آئے ہیں۔ یہ پیغام اچھی طرح سن لو یا جز یہ دینا قبول کرو۔ یہ ہمارے مقام اور چیزیں چھوڑ دو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، تو وہ بھڑک کے کہنے لگا کہ تم لوگوں کے پاس چیتھڑوں کے سوا ہے کیا کہ جس کے بل بوتے پر تم جنگ کرنے آئے ہو تو حضرت مغیرہ نے اپنے چیتھڑوں سے تلوار بے نیام کی تو وہ سورج کی کرنوں کی طرح چمک رہی تھی اور کہا چیتھڑے تو ضرور ہیں نیام کی جگہ مگر تلوار کی کاٹ بڑی تیز ہے۔

اب فرض کرو کہ دیہات میں بیچاری خواتین کو مزدوری کرنا پڑتی ہے اس لیے انہیں پانچھ اٹھا کے چلنے کی عادت ہوتی ہے۔ ان کے پاس اتنے طور طریقے تو نہیں ہوتے۔ فرض کرو اگر ایک خاتون امیر ہو جائے تو وہ عادتاً کچھ دیکھ کر اتنے ہی پانچھ اٹھائے گی جتنے ادھر خشک زمین پر اٹھاتی تھی۔ تو یہ جو نودو لئیے پن ہوتا ہے یہ عربوں بیچاروں میں بھی آیا اور ہمارے ساندربھی موجود ہے اور میرا خیال ہے کہ کوئی بندہ بھی اتنا مصلحت پسند اور اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوتا۔ اگر آپ نے منگلبر میں کوئی بڑی نشانی دیکھنا ہو تو یہ لازماً ہوگا کہ منگلبر کہیں احمق ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ احمق نہ ہو تو ہر وہ چیز جو اسے خدا کے فضل و کرم سے نصیب ہو رہی ہے اس میں کس چیز کا کریڈٹ وہ اپنی طرف لیتا ہے۔ زندگی ادھار کی، مال و اسباب ادھار کے، رزق ادھار کا، بچے ادھار کے، حال ادھار کا، مستقبل ادھار کا، کون ایسا احمق شخص ہے جو خدا کو مانے اور پھر کسی چیز کا کریڈٹ خود لے اس لیے جس کو آپ خود کریڈٹ لیتا دیکھو وہ ضرور بیوقوف ہوتا ہے۔ ماشاء اللہ عربوں نے تو حماقتوں کی انتہا کی ہے۔

خدا سے محبت یا ڈر

سوال: میں خدا سے محبت کرتا ہوں اور بچپن سے مجھے یہ بتایا جاتا ہے کہ خدا ایک ایسا سخت گیر ہے جو ذرا ذرا سی بات پہ خفا ہو جاتا ہے جس کی فرشتوں کی ایک فوج ہے جو انسان ذرا سا گناہ کرتا ہے اس کو یہ فوج ڈنڈے مارنا شروع کر دیتی ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ خدا محبت کرنے والا ہے یا ڈرانے والا؟

جواب: اصل میں مصیبت یہ ہے کہ ہر آدمی خدا کی ذات کا گمان اپنی طرح کر لیتا ہے تو مولوی عبدالغفور نے بھی یہی سمجھا کہ خدا میری طرح کا ہوگا مگر خدا اس کی طرح کا ہے نہیں۔ خدا بات بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرتا ہے۔ ایک شخص فوت ہو گیا ڈرتے ڈرتے جب خدا کے حضور پہنچا تو اللہ نے کہا میں نے تو تجھے ڈرنے کے لیے نہیں کہا۔ اگر تو پیچھے سے ڈرنا آیا ہے تو ادھر بھی ڈرنا رہ۔ تو اس کو سکون و فرحت نصیب نہیں ہوئی۔ مختصراً میں سمجھتا ہوں کہ خدا کو صرف محبت عزیز ہے کہ فا ذکر و اللہ کذکر کم ابا کم او اللہ ذکر (۲) (البقرہ: ۲۰۰) ایسے مجھے یاد کرو جیسے اپنی ملکیتوں کو کرتے ہو۔ ذرا زیادہ کرو تا کہ مجھے یہ احساس ہو کہ تم ہر چیز سے بڑھ کر مجھے پیار کرتے ہو۔ تو خدا کی کتاب میں عذاب کسی ماننے والے کو نہیں۔ خدا کی کتاب میں عذاب صرف اس کو ہے جو اس کو صاحب محبت نہیں مانتا۔ کافر کو ہے مشرک کو ہے مگر مسلمان کو نہیں ہے۔ مسلمان کے لیے اتنے سارے رستے کھلے ہوئے ہیں۔ اللہ کے انس کے پیار کے جاننے کے۔

ایک حدیث ابو سعید خدریؓ نے نقل کی ہے اور وہ ایسی حدیث ہے جس کو سن کر انسان کے قلب کے تمام دروازے خوشی سے کھل جاتے ہیں کہ جس نے ایک مرتبہ دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا اس پر اللہ نے مار دوزخ حرام کر دی۔

اسلام آج اور کل

- ☆ لیکچر
- ☆ سوالات و جوابات
- ☆ کوشش کیوں؟
- ☆ جنت یا دوزخ
- ☆ حضور ﷺ سے محبت کا اظہار
- ☆ حضور ﷺ کی محبت صرف آپ کے چہرے سے ہی نہیں
- ☆ سائنس کی رو سے مسلمانوں کا زوال
- ☆ خلوص اور اخلاص
- ☆ غیر مسلم بچے کا حساب
- ☆ علم کے واسطے چین تک
- ☆ Kat Stevens
- ☆ وسوسہ اور الہام
- ☆ فلاح پانے والا فرقہ
- ☆ کمپیوٹرائزڈ نسل
- ☆ شعور کی عمر کا تعین
- ☆ جذبات کی مخالفت
- ☆ اسلام میں تفریح کا تصور
- ☆ اللہ کے ولی جو عراق میں دفن ہیں

اسلام آج اور کل

خواتین و حضرات! میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔ ان حضرات محترم کا بھی جنہوں نے اس تقریب سعید کا افتتاح کیا اور مجھے کچھ پرانے دوستوں سے ملاقات کا شرف بخشا۔ یہ پرانے دوست بڑی خطرناک شے ہوتے ہیں۔ ذوق فرما گئے ہیں:

اے ذوق کسی ہدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

آپ دیکھیے کہ مسیحا کے قریب آنے کا وقت ہے اور ہمیں دوستوں کو خیر باد کہنا پڑے گا۔ آج کا موضوع شاید کسی مخصوص ترکیب کا حامل نہیں۔ پروردگار عالم اس دنیا کے بننے سے پچاس ہزار سال پہلے مقصود ازل لکھ کے نقد پر زندگی لکھ کے لوح محفوظ میں محفوظ کر بیٹھا۔ پھر ایک دوسرا اتفاق ہوا کہ اس کے بعد اس نے پوری کی پوری تعلیم انسان کو کتاب حکیم میں اور تعلیم کے معلم کے حصول کو اسی کتاب میں محفوظ کر دیا اور علم ختم ہوا۔ معلمین ختم ہوئے۔ کتاب ختم ہوئی، رسالت ختم ہوئی۔ اگر آپ غور کیجیے تو یہ بڑا عجیب سا مرحلہ ہے۔ یہ کیا ہوا کہ مذہب تو اپنی بساط لپیٹ چکا ہے اور انسان ابھی رہگوار حیات سے گزر رہا ہے۔ پندرہ سو برس پہلے اللہ نے جو کچھ کہنا تھا، کہہ دیا۔ اس کی تعلیمات ختم ہو چکی ہیں۔ قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اگر آپ غور کیجیے تو ایک انسان یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ آخر یہ کس قسم کا سبب علم ہے۔ یہ جو بیچ کے فاصلے ہیں۔ یہ صدیاں جو ہمارے اور قرآن کے درمیان حائل ہیں، زمانہ جو اتنا آگے بڑھ گیا ہے، زمانہ جو ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ زمانہ جو سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر رہا ہے۔ زمانہ جو نفع و حکمت کے اسباب ڈھونڈ رہا ہے۔ زمانہ جو اپنے آپ کو خدائی کے القاب دے رہا ہے، زمانہ جو آتش اور بلیئر بن چکا ہے۔ آخر اتنا آگے بڑھتا ہوا زمانہ جو ہے، وہ پندرہ سو سال پہلے والی کتاب سے کیا استفادہ کرے گا اور پندرہ سو سال پہلے گزرے ہوئے استاد سے کیا استفادہ کرے گا۔

ایک بہت بڑا مرحلہ ہے جو بے یقینی کا ہر انسان میں آتا ہے۔ وہ وقت ہے جو ہمارے اور قرآن کے درمیان گزرا ہے۔ وہ زمانہ جس میں قرآن نازل ہوا۔ وہ معاشرہ جس میں قرآن اترا۔ وہ تہذیب جس میں قرآن اترا، اس کا اور اس تہذیب کا کتنا بڑا فرق ہے۔ کیا کوئی ایسا سبب نظر آتا ہے، کیا کوئی ایسی وجہ نظر آتی ہے کہ آج سے پندرہ سو برس پہلے کی کوئی کتاب اب بھی لاگو ہو۔ آج سے پندرہ سو برس پہلے کا کوئی کلمہ، تہذیب کا کوئی انداز، ہمارے اندر سلامت ہو۔ اب

ہم ان کو اساطیر الاؤ لین کہتے ہیں۔ اب آٹا رو باقیات کہتے ہیں۔ اب ہم انہیں اپنی زندگی کا خاصہ نہیں بناتے۔ ہم اپنی زندگی میں ان علوم کو دخل تو نہیں دیتے۔ اب بطلیموس ہمارا حکیم تو نہیں ہے، اگرچہ ان کے نام کتاب علم پر مرقوم ضرور ہیں مگر اب سقراط تو ہماری رہنمائی نہیں کرنا، افلاطون تو ہمارا رہنما نہیں، اس زمانے کے علوم تو ہماری رہنمائی نہیں کرتے، اس زمانے کے عقلمند حضرات جو ہیں، اس زمانے کا ماہر علم نجوم جو ہے، اس زمانے کا سائنسدان جو ہے، اس زمانے کے ماہرین علم جو ہیں وہ تو اب پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے۔ ہاں ان کے نام ضرور سلامت ہیں۔ ہم اپنے سلسلہ تعلیم کو منقطع نہیں کرتے۔ ہم نے ان بزرگوں کو اس لیے ساتھ نہیں رکھا کہ آج کے دور میں ہم ان سے ہدایت طلب کرتے ہیں، بلکہ اس لیے رکھا ہوا ہے کہ رنگوار علم میں جو مختلف منازل کے نشان ہیں وہ نمایاں رہیں۔

مگر خواتین و حضرات! یہ کیا کتاب ہے جو آج بھی زندگی کے ہر لمحے میں ہر سال میں ہماری ابتداء میں ہماری انتہا میں ہمارے کچھ میں اخلاق میں غرضیکہ ہر چیز میں دخل دیتی ہے۔ تو کیا انسان اس قسم کی مداخلت برداشت کرے گا؟ آج کا انسان۔ کیا آج ہم قرآن کی افادیت کو اسی طرح تسلیم کریں گے، جیسے آج سے پندرہ سو برس پہلے کرتے تھے۔ یہ سوال آج کے انسان کا ہے۔ یہ سوال ہر اس انسان کا ہے جو تہذیب حاضرہ کا متعلم ہے کہ انسان آج بھی جب پیدا ہوتا ہے اور جب مرتا ہے تو اس کی پوری زندگی انہی ابتدائی قوانین حیات سے گزرتی ہے، انہی غموں سے انہی تراکیب سے گزرتی ہے، انہی انسانی اشرافی رویوں سے گزرتی ہے۔ اسی کمی اور بیشی کے بحران سے ہر انسان گزرتا ہے۔ اسی اخلاقی چپقلش سے گزرتا ہے۔ اسی طرح اس کے ذہن میں ذہنی تصادم ہیں جو آج سے پندرہ سو برس پہلے کے انسان کے ذہن میں جنم لیتے تھے۔ انسان نے فلک بوس عمارتیں تعمیر کر دیں۔ انسان نے سیٹلائٹ طیارے بنا لیے۔ انسان نے بجلی سے چلنے والی خود کار سیڑھیاں بنالیں، انسان نے جدید ترین مشینوں کے اس شور و غوغا میں اپنے آپ کو معتبر اور متکبر جانا، مگر آج تک کوئی انسان ایسا نہیں جس نے اپنی بنیادی اخلاقیات کو تبدیل کیا ہو، جس نے اپنے بنیادی اخلاقی رویوں کو تبدیل کیا ہو۔ یہ تمام عروج انسان، یہ تمام ترقی، یہ تمام قدر و منزلت جو انسان نے آج تک حاصل کی ہے، اس کے باوجود آج کا بھی وہی جبلی انسان ہے جو پندرہ سو برس پہلے تھا اور جو پیغام اس کی داخلی زندگی کو استوار کرنے کے لیے آج سے پندرہ سو برس پہلے دیا گیا، وہی پیغام انسان کے لیے معتبر اور مستند ہے۔ اگر عا د و شمو د ایک بدکاری کی وجہ سے تباہ کیے گئے تو آج بھی جدید ترین ممالک کے انسان میں وہی افعال و پذیر ہیں، اگر کسی خرابی کی وجہ سے، کم تو لنے کی وجہ سے قوم شعیب کو برباد کیا گیا تو آج بھی انسان اسی قسم کے مکرو فریب اور ریا کاری کا شکار ہے جیسے اس وقت تھا۔ انسان کی بنیادی ترکیب اس کی جبلی ترکیب اور اس کے مکرو فریب اور ریا کاری کی تکنیک نہیں بدلی۔ انسان آج بھی اسی ہدایت کا مستلاشی ہے جیسے آج سے پندرہ سو برس پہلے کے انسان تھے۔ اگر آپ اس دورِ جہالت اور آج کے دورِ جہالت کا مطالعہ کریں تو ایک عجیب سا بنیادی فرق جو ہمیں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت کے ابتدائی معاشرے میں انسانی معاشرے میں کچھ خصائص ایسے موجود تھے جن کی وجہ سے اللہ نے ان کو چنانچہ ان کو بزرگ و برتر کیا، ان کو اصحاب رسول ﷺ کا مقام دیا، محمد رسول اللہ ﷺ کو ان میں پیدا کیا اور ان کو سارے زمانے سے معزز کیا اور آج کے اس معاشرے میں جبکہ ایک رب مسلمان موجود ہیں، اللہ کو ایک ایسا بندہ نظر نہیں آ رہا جس کی خاطر وہ زمانے کو بدل دے۔ جس کی خاطر وہ زمین و آسمان کو بدل دے، جس کی خاطر وہ

اسلام کو قوت و عظمت دے۔ جس کی خاطر اُس کا قہر و غضب اعدائے اسلام پر گرنے جس کی خاطر محبت اور انس کی وہ فضا قائم ہو جو آج سے پندرہ سو برس پہلے قائم تھی۔

خواتین و حضرات! چالیس کی دہائی میں میں پیدا ہوا، ساٹھ کی دہائی میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوا۔ علوم شرقیہ، علوم مغربہ، دونوں پڑھے۔ میرا خیال تھا کہ علم تسکین پیدا کرتا ہے۔ میں بے چین تھا، بے قرار تھا، میرا خیال تھا کہ علم تسکین پیدا کرتا ہے، علم امن دیتا ہے، سنا بھی یہی تھا، پڑھا بھی یہی تھا کہ جوں جوں علم بڑھتا ہے تسکین بڑھتی ہے، سکون بڑھتا ہے۔ ایک پائیدار اعتدال نصیب ہوتا ہے، مگر ایسا ہوا نہیں۔ جوں جوں علم بڑھتا گیا اضطراب و بحران بڑھتا گیا۔ نقائص ذات بڑھتے گئے۔ خیال کے حادثات بڑھتے گئے، وہ ذہن جو کم علمی پر مطمئن تھا، کم از کم اندھے ایمان کی جہالت پر مطمئن تھا۔ جب اسے تشکیک کی روشنی ملی اور آفاق علم واضح ہوئے تو پھر یہ اور بے چین اور مضطرب ہونا گیا اور کبھی کبھی میں پکار کے کہتا تھا پروردگار! علم کہاں ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں قوم پرستی، تشکیک، انفرادیت پسندی اور وجودیت ہزار ہا ایسے چھوٹے چھوٹے فلسفوں کے تازہ تازہ رخ بن رہے تھے جو تمام کے تمام انسان کے وجود کو اُس کی روح کو برتری بخش رہے تھے اور تمام کے تمام آفائیت سے اندر آتے ہوئے انسان کی وجودیت پر زور دے رہے تھے اور خیال کیا جا رہا تھا کہ وہ تمام تصوراتی فلسفے جو ان عظیم یومانی فلسفیوں سے چل کر دور حاضر تک پہنچے تھے وہ مشینوں کی تیز رفتاری میں ان کے پہیوں کے چلتے ہوئے چکروں میں۔ وہ تمام کے تمام فلسفے انسان کی مادیت پر مرکز ہو رہے تھے اور کہاں کمیونزم، تشکیک، وجودیت اور منطقی اثباتیت (Logical Positivism) اور کیا کیا ایسا فلسفہ نہ آ رہا تھا جس کی زد براہ راست تصور خدا پر پڑ رہی تھی۔ خواتین و حضرات! بڑی واضح سی بات تھی، ایک ایسے عصر میں وجود پانے سے ایک ایسے کل میں کہ جس میں تمام کا تمام فلسفہ تمام کے تمام خیالات تمام کے تمام رجحانات جو ہیں خدا کے وجود کو سراہ اور تخیل ثابت کر رہے ہوں۔ اس کے بعد آپ کے پاس یہ حق ہی نہیں رہ جاتا کہ آپ اپنے اسی قدیم تصور پر جا بلوں کی طرح اپنی توجہ مرکوز رکھیں اور اس تصور سے ہٹنے کی کوشش نہ کریں۔ اس وقت جتنے بھی علم کے طریقے آ رہے تھے، جتنے بھی دینی طریقے آ رہے تھے، اتفاق دیکھیے ان میں کوئی طریقہ بھی اندرونی نیتوں کا نہیں تھا۔ سارے کے سارے ایک Dogmatic Practical Move پر جا رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا کہ اسلام صرف ایک سسٹم ہے، کمیونزم کے خلاف اسلام صرف ایک نظام ہے، اس میں کوئی ایسی غیر معمولی چیز نہیں ہے جو تمام نظاموں سے اسے اعلیٰ تر اور برتر مقام عطا کرے۔ اصولاً یہ بھی ایک ایسا ہی سسٹم ہے جیسے کمیونزم ہے، جیسے سوشلزم ہے، جیسے جمہوریت ہے۔ ایک ایسا سسٹم ہے جسے آپ آمریت کہہ سکتے ہو۔ تو پہلا سوال ذہن میں اٹھتا تھا کہ اگر خدا کے نظام میں اور انسان کے نظام میں اداروں کا ہی فرق ہے تو پھر خدا کو اتنی مصیبت کیا پڑی تھی کہ اسلام کو ان الدین عند اللہ الاسلام (سورۃ آل عمران آیت ۱۹) کہتا۔ اتنی کیا مصیبت پڑ گئی تھی اللہ کو۔ کیوں نہ اس نے نظام بنا کر انسان پر چھوڑ دیا۔ اُس نے عقل تو دی تھی، یہ حق کیوں نہ بخشا کہ نظام آپ خود استوار کرو۔ کیا ضرورت تھی نظام اوقات نماز دینے کی۔ کیا ضرورت تھی زکوٰۃ دینے کی، کیا ضرورت تھی صدقات کی، کیا ضرورت تھی سود سے منع کرنے کی۔ ہدایت کرنے کی، کیا ضرورت تھی ہمسائے کے حقوق کی نگہداشت کرنے کی۔ کیا ضرورت تھی آپ کو جنسی رویدنا، مالیاتی رویدنا، اخلاقی رویدنا اور بات چیت کے فرائض آپ کو بتانا، اٹھنے بیٹھنے کے طریقے آپ کو

بتاتا۔ خواتین و حضرات! ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام ایک امید ہے۔ اللہ پر اگر کوئی اور گمان نہ ہو تو اللہ ایک امید ایک بہت بڑی امید جو دنیا کا کوئی نظام نہیں دیتی۔ دنیا کا کوئی نظام وہ امید نہیں دیتی جب میں کہکشاؤں کے بلین سالوں کے توازن میں اپنے ساتھ برس دیکھتا ہوں تو ناامید ہو جاتا ہوں۔ میری تو زندگی کوئی شے ہی نہیں۔ یہ ساٹھ سال کہاں ایڈجسٹ کروں گا۔ میں تو ایک خودرو پودے کی طرح ہوں۔ اپنے آپ کو زمین کے دامن سے اگتا ہوا بڑھتا ہوا اور پھر مرجھاتا پتی پتی ہو کے بکھر جاتا ہوا دیکھتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری زندگی کیا ہے کون انسان ہے جو اس زمین پر اپنی روٹین سے باہر نکلنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیا ہم سب کی وہی روٹین نہیں ہے۔ ہمارے پیشے جدا ہوں گے مگر اسی زمین پر رہتے ہوئے ایک طرح سے ہم پیدا ہوتے ہیں ایک طرح سے ہم زندگی کی جدوجہد کرتے ہیں ایک ہی طرح سے ہمارے معاملات طے ہوتے ہیں ایک طرح سے ہم بوڑھے ہوتے ہیں ایک ہی طرح سے ہم اپنی اپنی موت کو نکل جاتے ہیں۔ کوئی حادثات کے ذریعے کوئی چھوٹی سی اندھیری قبر کے اندر جا گھستا ہے۔ یہی ہمارے جینے مرنے کا طریقہ ہے اور تمام فلسفہ ہائے حیات جو باقی ہیں وہ صرف ہمیں یہی ایک بات بتاتے ہیں کہ آپ صرف زندگی میں ایک بار جینے کے لیے آئے ہو اور پھر دوسری بات کیا بھلا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے کیا بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑے گی کیا ہمیں دوبارہ ایک نئی زندگی عطا کی جائے گی۔ خواتین و حضرات! ان تمام باتوں میں صرف مذہب ایک ایسی امید دیتا ہے صرف مذہب ایک ایسی امید دے رہا تھا کہ تمہاری یہ معمولی سی زندگی جو ہے یہ عذاب ہے نہ ثواب۔ یہ قدر ہے پیمائش ہے۔ اس تھوڑے سے وقفہ حیات سے

یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

یہ معمولی سا وقفہ ہے۔ زندگی ایک سفر کا وقفہ ہے۔ صرف مذہب ہمیں بتا رہا تھا کہ مستقر و متاع الٰہی حین (۲) البقرہ: ۳۶) بہت معمولی سی ہے تھوڑی سی ہے۔ اس پر گمان حقیقت نہ کر بیٹھنا۔ اس سراب کو پانی نہ سمجھ بیٹھنا۔ یہ تھوڑا سا عرصہ ہے تھوڑا سا قیام تھوڑا سا فائدہ۔ تو اس تمام بحران میں جب انسان کو جو بڑا سوچنے والا ہے اپنی زندگی کے ماحولوم قدر کی شناسائی ہوتی اور اس بحران سے واسطہ پڑا تو رب کعبہ کی قسم خدا کے سوا کوئی یہ امید نہیں دیتا کہ ہم اس زندگی کے بعد بھی ایک طویل ترین زندگی کے حق دار ہیں۔ صرف اور صرف اللہ آپ کو یہ امید دیتا ہے کہ اس زندگی کے بعد بھی زندگی ہے۔ اس زندگی میں اگر میں رحمن ہوں تو اس دنیا میں میں رحیم ہوں اس دنیا میں تھوڑا کرم کرتا ہوں اللہ کہتا ہے کہ یہ بھی ایک جبر ہے کہ تمہاری آزمائش ہونا ہے۔ اگر تمہاری آزمائش نہ ہونا ہوتی تو میں اس زندگی میں تم پر اتنا مہربان ہوتا کہ تم سوچ بھی نہ سکتے۔ اگر ہمیں آزمائش منظور نہ ہوتی تو دنیا میں تمام کمان الناس امت و احمل تمام نسل انسان ایک ہی امت ہوتی ایک مذہب ہوتا ایک خیال ہوتا ایک ہی نظر یہ ہوتا کوئی بیماری نہ ہوتی کوئی مکر و فریب نہ ہوتا اور انسان بڑے آرام سے اس دنیا سے گزرتا ہوا اپنی کہکشانی زندگی کا حق دار ہوتا۔ جنت میں جا کر اپنی اقدار سنبھالتا نئی تخلیقات دنیا میں اپنے آپ کو ممتاز کرنا مگر ایسا نہیں ہے۔ خواتین و حضرات! خدا نے انسان کی داخلی اور خارجی زندگی کے لیے اخلاقی قانون نہیں بنایا۔ جب بھی انسان کے بس میں ہوا اس نے سب سے پہلے اخلاقی قوانین کو تہ و بالا کیا۔ یونانیوں نے جب بھی اپنی بدکاری اور اپنی زندگی کے بحرانوں کا آغاز کیا تو سب سے پہلے ایک خدا کو پانچ خداؤں میں بدل دیا۔ جو خدائے واحد تھا جس کا کلونس نام تھا اس کے پانچ بچے پیدا کر دیے۔ اس میں زلیں ایتھوڈا کس ہفا سٹس اور ماس پانچ خدا پیدا کر دیے۔

ہندوؤں میں ایک اللہ اندرا کی صورت میں آیا۔ انہوں نے آتے ہی اس بیچارے کی دو شاہیاں کروادیں۔ مٹھرا اور ویروا یعنی دونوں خدا پیدا کر دیے۔ یعنی انسانوں نے ہر حال میں اپنے گناہ کی توجیہ کے لیے خدا پیدا کیے گناہوں کی توجیہ کے لیے انہوں نے خدا تخلیق کیے۔ جب ان سے ایک کرپشن سنبھالی نہ گئی جب وہ ایک قسم کی بدکاری میں پڑے اور دوسری قسم کی بدکاری میں پڑے تو ان کے پاس بچت کی کوئی راہ نہ رہی کیونکہ ایک خدا کی اخلاقیات سے بغاوت کرتے ہوئے انہوں نے سوچا کہ یہ خدا تو اس قسم کا خدا ہے کہ یہ کبھی بھی اس غیر اخلاقیات کی اجازت نہیں دے گا۔ انہوں نے فوراً کسی کے نام کثرت شراب لگا دی کسی کے ساتھ انہوں نے اور بڑے غیر معقول رویے لگا دیے۔ قوم عاد و ثمود نے اپنے کارناموں کے لیے چند خدا تخلیق کر لیے اور صومالیوں نے اشارتے کو اپنی کرپشن کا سہارا بنا لیا۔ اس طرح ہر تہذیب نے اپنی خرابیوں کو تحفظ دینے کے لیے اپنے اپنے خدا تخلیق کر لیے۔ مگر

But the natural stream of religion was there.

ایک صاف ستھرا راستہ جتہ جتہ قطرہ قطرہ یہ حوادث بھی زمانے کی صراحی سے ٹپک رہے تھے۔ کبھی اور لیں، کبھی ابراہیم، کبھی موسیٰ، آخر اس سلسلے کی تان یہاں ٹوٹی کہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (۵) (المائدہ: ۳) کہ ہم نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا، نعمت تمام کر دی، دین پورا کیا۔ رسالت پناہ آ گئے۔ بس اب اس کے بعد تمہیں درس نہیں دیا جائے گا۔ اب جو کچھ بھی طرز حیات ہم نے تمہیں دینا تھا دے دیا ہے۔ اب عقل و شعور بھی مل گیا ہے۔ زمانوں سے گزرتی انسانی سوسائٹی اب اس قابل ہو گئی تھی کہ اپنا نفع و نقصان سمجھ سکتی۔ اب وہ اپنے آپ کو اتنا عقلمند سمجھتی تھی کہ خیر و شر میں تفریق کر سکتی، اس لیے اس کتاب کے بعد اس پیغمبر ﷺ کے بعد مزید کوئی ایسی گنجائش نہیں رہی تھی اور انسان نے یہ ثابت کیا کہ خدا ٹھیک کہہ رہا ہے انسان نے یہ ثابت کیا کہ ان پندرہ سو سالوں میں ہم نے انسان کے ذہن کو اتنی تیزی سے ترقی کرتے ہوئے دیکھا۔ اتنی تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ ان معاشروں کو اتنا ترقی یافتہ ہوتے ہوئے دیکھا کہ آج یہ فاصلہ بہت بڑا فاصلہ لگتا ہے۔ وہ فاصلہ جو پہلے صدیوں میں پُر ہوتا تھا اب سال کے سال اتنی تیزی سے پُر ہونے لگا کہ آج کے دن جب ہم پندرہ سو سال پیچھے دیکھتے ہیں تو ہمیں حقائق کے اس انبار میں جواب ہم لگا رہے ہیں اور ڈیٹا کے اس انبار میں جواب موجود ہے جب پچھلے زمانوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ایسا لگتا ہے کہ انسان نے اپنے سفر کا کبھی آغاز ہی نہیں کیا۔ خواتین و حضرات! یہ اتنی جلدی کی ترقی جو ہے یہ انسانی تکبر ات کا باعث بنی۔ آج کا فلاح جو ہے وہ چنگیز خان اور اٹیل نہی ہے، اٹیل اور چنگیز خان یا امیر تیمور برلاس یا ہٹلر۔ انہوں نے کبھی بھی مذہبی سوالات نہیں اٹھائے تھے۔ حتیٰ کہ چنگیز خان جیسا بھی تھا ظالم تھا، قتل کرنے والا تھا، مگر اپنی مہم سے پہلے پہاڑ کی چوٹی پر جا کر اپنے آباؤ اجداد کی ارواح سے اجازت طلب کرتا۔ حتیٰ کہ جو بدترین آمر بھی اس تختہ زمین پر گزرے وہ بھی کسی نہ کسی حقیقت پر یقین رکھتے تھے مگر اب نہیں۔ آج کا آمر صرف سیٹل ریٹ پر یقین رکھتا ہے۔ آج کا آمر صبح و شام اگر آپ ٹیلی ویژن دیکھ رہے ہیں تو Precise laser-guided missiles پر اعتبار رکھتا ہے۔ آج کا آمر ان تمام اشیاء پر جو خود اس نے بنائی ہیں اور جو اس کے اسباب ہیں اس کی اشیاء ہیں ان پر اعتبار رکھتا ہے۔ اور وہ اپنی ایجادات پر نازاں ہے۔ ظاہر ہے خواتین و حضرات! اب تھوڑا سا آپ غور کریں تو اگر اس کا غور اس کے اپنی ہی تخلیق کردہ اسباب قتل

وغارت پر ہے تو وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ اگر میں نے ہی اس دنیا کو بنا اور تباہ کرنا ہے اور میں صبح و شام بجائے کسی اور چیز کی تعریف کرنے کے اپنے ہی ہنر کی تعریف کر رہا ہوں اپنے ہی بنائے ہوئے اسباب کی تعریف کر رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ میں کسی اور کو خدا نہیں مانتا۔ میں اپنے آپ کو خدا مانتا ہوں۔ بے شک آج کا انسان خدا ہونے کا دعویٰ نہ کرے لیکن اگر آپ حقیقت کو پڑھنے والے ہوں تو آج کا انسان دعویٰ کرے نہ کرے اپنے آپ کو خدا سمجھتا ہے۔ یہ ایک ایسا بنیادی فرق ہے جو پہلے زمانوں میں نہ تھا، پہلے زمانوں میں شرک تھا۔ آج تک میں نے ایسا کوئی شخص دنیا میں دیکھا نہیں جس نے خدا کو سرے سے مانا نہ ہو۔

There were no agnostics. There were no disbelievers in God.

خدا کے خلاف یہ جتنا فلسفہ آیا خدا کے خلاف نہیں تھا، سادہ سی بات بڑے سے بڑے فلاسفر نے خدا کا انکار نہیں کیا، صرف یہ کہا کہ چونکہ حقائق اور اسباب میں خدا نہیں آتا اس لیے:

We refrain to believe, It was not disbelief.

یہ خدا کا انکار نہیں تھا بلکہ اگر روشن خیالی کا دور آیا۔ اگر تشکیک کا زمانہ آیا۔ اگر انسان بڑھتا ہوا عقلی دور سے گزرا۔ اگر اُس نے خدا کا انکار کیا تو یہ نہیں کہا کہ خدا نہیں ہے۔ آج تک کوئی فلسفہ ایسا نہیں گزرا جس نے کہا ہو کہ خدا نہیں ہے۔ سائنسی تجسس، روشن دماغی ان کا تدبیران کا تفکر ان کی عقل نے صرف ایک بات کہی کہ خدا ہمارے بنائے ہوئے قوانین کی زد میں نہیں آتا، چونکہ یہ تلاش و تحقیق میں پورا نہیں اترتا۔ چونکہ وہ ہمارے سائنسی معیارات اور پیمانے میں نہیں آتا اس لیے ہم خدا کو ماننے سے گریز کرتے ہیں۔

That was the way which is wrongly understood to be the denial of God. It is not the denial of God. In fact the inquiry says:

کتاب وہ موضوع جس کی شہادت عقل و معرفت نہ دے سکے اُس کی ہم تصدیق نہیں کرتے۔ ہوگا کوئی خدا، مگر ہم اُس کی تصدیق نہیں کرتے۔ خواتین و حضرات!

ایسی ہی صورت احوال تھی جو چالیس سے آگے ساٹھ اور اسی کی دہائیوں میں مجھ پر بھی گزری، آپ پر بھی گزری ہوگی اور بہت سارے وقت کے ساتھ ساتھ انسانی ترقی اسی توازن اور اسی توازن سے گزرتی ہے، آپ پر بھی گزری۔ لیکن میرے ساتھ ایک استثنا ہے کہ تعلیم کے ادوار میں خواتین و حضرات! میں نے صرف ایک استثناء صورت اختیار کی کہ جب میں اپنے اردگرد دیکھتا تھا، ماں باپ کورشتے داروں، عزیزوں کو، ساتھ ہونا ماحول کو تو مجھے لگتا تھا کہ خدا کوئی نہیں ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں یہ بات کہنے سے مگر جب بھی میں اپنے اردگرد دیکھتا تھا تو لگتا تھا خدا کوئی نہیں ہے۔ قول و فعل کے تضاد کی وجہ سے نہیں، خالی نمازیں اس وقت بھی پڑھنے والے تھے خدا خدا کہنے والے بہت تھے، اخبارات اس وقت بھی بھرے ہوئے ہوتے تھے اللہ کے ذکر سے۔ سنڈے ایڈیشن میں رنگین صفحات نکلتے تھے۔ جناب رسالت مآب ﷺ پر۔

But I felt it that nobody in this society sounded to me to be accountable to God, nobody.

اصل میں خدا جوابدہی ہے۔ اللہ جوابدہی ہے۔ جوابدہی کا ایک مرکز ہے۔ میری جوابدہی کا مرکز نماز نہیں ہے روزہ نہیں ہے، قبر نہیں ہے، موت نہیں ہے، قتل و غارت نہیں ہے۔ میری جوابدہی کا مرکز دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔ میں یا جبر کو جوابدہی دیتا ہوں یا میں اپنے ذہن سے، اُخلاص سے، عقل سے، معرفت سے، اپنی ذات سے، بالاکسی کا سنائی قوت کو جوابدہ ہوں جسے آپ اللہ کہتے ہیں مگر میں نے اپنے دور میں یہ دیکھا تھا:

When people don't believe in, how can be accountable to him.

جب آپ ایک چیز پر یقین نہیں رکھتے۔ جب ایک چیز پر آپ کا اعتبار نہیں ہے تو آپ اس کو کیسے ڈھونڈ سکتے ہیں۔ جب اللہ کا سراغ نہیں رکھتے۔ اللہ کا سراغ دینے والا کوئی موجود نہیں ہے تو پھر اس کو جوابدہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ کس سے راستہ پوچھیں گے؟ کوئی تو معاشرے میں ایسا ہوتا، جس کو دیکھ کر یہ کہہ سکتے کہ یہی وہ شخص ہے جو اللہ پر دلیل ہے۔ بد قسمتی سے جب عقلی بحران نہیں ہوا کرتے تھے۔ جب لوگوں کے پاس سوال نہیں ہوتے تھے۔ جب لوگوں کے پاس شک نہیں ہوا کرتے تھے۔ جب لوگ اوہام باطلہ کا شکار نہیں ہوا کرتے تھے تو لوگ ان بندوں کو ڈھونڈتے تھے جو خدا کی دلیل رکھتے تھے، لیکن اب نہیں۔ اب عقل اتنی بالغ ہو چکی تھی کہ وہ اپنی تشفی چاہتی تھی۔ اپنے سوالوں کے جواب مانگتی تھی اور جواب دینے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ اکیڈمک حضرات جواب نہیں دے سکتے تھے۔ آپ کو ان سے بہتر لوگوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ کوئی بھی حکم نہیں ہے جس کے ادھر اور ادھر سوال و جواب نہ ہوں۔ کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جس کے اوپر شک نہ گزرے۔ خواتین و حضرات! میں آپ سے عرض کر رہا تھا۔ ایسے میں مجھے خیال آیا کہ کیا لوگوں کے یا اپنے حالات پر مطمئن ہو جاؤں۔ خدا کا انکار صرف اس لیے کر دوں کہ مجھے ارد گرد دیا آس پاس یا اپنے ماحول میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو قلباً، ذہناً، عملاً، قولاً خدا کے روبرو جواب دہ ہو۔

I thought, I thought on my part اس اللہ نے جس نے مجھے عقل دی ہے۔

This will be an act of great injustice to reject the concept of God without looking for it, without putting some effort.

جیسے آپ نے باقی علمی تحقیق کی، جیسے سائنسدان پچیس پچیس برس ایک نقطہ خیال پر مرکوز ہوتا ہے، جیسے ایک سماجی مصلح، جیسے ایک معمولی سا پوسٹ گریجویٹ سوشل سائنسز کا۔ جب تک ہزاروں انسانوں کی زندگی کا مطالعہ نہ کرے جیسے ایک نفسیات دان بہت سارے کیمر کا مطالعہ نہ کرے تو اپنے خیال کی اور اپنے تھیمز کی تکمیل نہیں کر پاتا۔ خدا پر غور کیے بغیر اس کے معاملات پر توجہ کیے بغیر اس کو وہ فوائد دیے جو عام طور پر ہم ایم۔ اے کے تھیمز کو بھی نہیں دیتے۔ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ خدا ہے یا نہیں۔

کون ایسا سائنسدان ہے کہ جو ایک معمولی سے پانی کی کثافت پر اپنے پچاس سال لگا دیتا ہے مگر کائنات کے سب سے بڑے تجسس کو ایک سال بھی نہیں دیتا۔ وہ وکلاء، وہ دانشور، وہ فلسفی جو ایک نقطہ خیال تک پہنچنے کے لیے عمر بھر دیتے ہیں:

کہ حاصل عمر مثال رہ یارِ کرم
شادماں زندگی خویش کارِ کرم

پوری پوری زندگی مشرق اور مغرب میں دیکھ لیجیے۔ پوری پوری زندگی لوگوں نے علم کے ایک نقطے کی تحصیل میں صرف کر دی مگر آج تک آپ کی یادداشت میں کوئی بھی ایسا مغربی فلسفی ہے جس نے یہ قدر بتائی ہے۔

I am looking for God and I looked for God, I studied for God, I try everywhere to find God, but I could not find him. Nobody, Nobody is there.

ایک بھی سائنسدان ایسا نہیں ہے۔ ایک بھی فلسفی ایسا نہیں ہے، ایک بھی دانشور ایسا نہیں ہے جس نے اپنی زندگی کا ایک مخصوص وقت زندگی کا ایک مختصر سا حصہ خدا کی تلاش میں صرف کیا ہو اور یہ کہا ہو کہ دیکھو میں نے پچیس برس اللہ کو تلاش کیا تھا مگر مجھے اللہ نہیں ملا۔ مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں خدا کا کوئی وجود نہیں۔

ایسا ایک شخص بھی نہیں ہے خواتین و حضرات! یہی وہ مسئلہ تھا جس کی وجہ سے جو تجسس، جو کاوش، ذہن، جو اللہ کے وجود کی ترجیح اور جس نے علم کے لحاظ سے اس کو ترجیح کہا ہو۔ جب ایسا انسانوں میں نہ ہو سکا تو خدا کا وجود تصور انسان سے بحیثیت حقیقت معدوم ہو گیا۔

There was no practical God.

ایک تصور ہے۔ جیسے ہمارے ذہن میں اور بڑے تصور ہیں۔ آباؤ اجداد کے تصور۔

بُت خانوں میں ایک بڑا بُت سج گیا۔ ہمارے ذہن کے بہت ساری الجھنوں میں ایک بڑی پیچیدگی جو ہے وہ پیدا ہو گئی اور یہ پیچیدگی خدا کی ذات تھی۔ اللہ ایک ایسا تصور بن گیا جو نامی میں صلہ کے طور پر یاد آتا ہے۔ پوری پوری کوشش کی۔ ہار گئے، تھک گئے۔ اب الزام کسی کو تو دینا ہی تھا۔ اب یہ ہم بالکل اس لیے نہیں کہتے کہ اللہ کی یہ مرضی تھی بلکہ ہم

اللہ پر یہ الزام دے رہے ہوتے ہیں۔ No we did our best.

ہم نے خدائے حاضرہ کو پورا آزما یا۔ پورے پورے اسباب جمع کیے۔ ایک ایک سبب کو پڑکھا، ایک ایک چوکھٹ پر سجدہ کیا، ایک ایک دروازہ کھٹکھٹایا، بڑی ٹیلی فون کالز کیں، کام نہیں بنا۔ جب نہیں بنا تو ہم نے کہا اللہ کی مرضی۔ We blamed God for this. اللہ کی مرضی کہ وہ ظالم اگر چاہتا تو ہو جاتا۔ وہ ظالم نے نہیں چاہا، نہیں ہوا۔

Obviously we always use God as a compensatory attitude.

ہم نے کبھی اسے حقیقی خدا نہیں سمجھا۔ اسباب کو خدا سمجھا۔ مستبب الاسباب کو خدا نہیں سمجھا۔ یہ وہ المیہ تھا ہمارے ایمان میں ہمارے فلسفیوں میں، دانشوروں میں اور سائنسدانوں میں۔ اب دیکھیں سائنسدانوں کو کیا فکر آں پڑی۔ ایک بہت بڑے محترم سائنسدان نے مجھے کہا کہ پروفیسر صاحب سائنس کی بات قرآن سے کیوں کرتے ہو۔ میں نے کہا کہ بندے سے قصور ہوا ہوگا تو آپ وضاحت کریں تو اس نے کہا یہ تو سائنس کی کتاب نہیں۔ میں نے کہا میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں، لیکن یہ کتاب تخلیق تو ہے۔ اس میں خالق کلام کرتا ہے۔ اس نے کہا، کیسے۔ میں نے کہا کہ آپ کو خوف کیا ہے۔ آپ کو خوف یہ ہے کہ جب ہم ہارورڈ سے آسٹن سے لندن سکول آف اکنامکس سے آکسفورڈ اور کیمبرج سے جدید ترین سائنسی تعلیم لے کے آئیں گے، بھلا اتنا تصنع۔ اگر قرآن پڑھتے ہوئے کوئی غلطی نکل آئی، تو بڑی مصیبت پڑے گی۔ تو اس ڈر سے انہوں نے کبھی قرآن پڑھا ہی نہیں۔ ان کو سرے سے یقین ہی نہیں ہے۔ ہماری سائنسی جستجو اتنی ترقی کر گئی ہے ہم

اتنے آگے بڑھ گئے ہیں، بھلا قرآن کو کیا مطلب ہے؟ سائنس سے۔ یہ نہ ہو کہ قرآن کوئی بات غلط لکھ دے۔ اس خوف کے مارے قرآن نہیں پڑھتے کہ قرآن نے زمین کی بات کی ہے اور کہیں آسمان کی بات کی ہے۔ کہیں پہاڑوں کی بات کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک سادہ سا احتمالاً نہ ایمان جو ہمارے دل میں موجود ہے، یہ جو ہم یقین رکھتے ہیں، اب چلو خیر غنیمت ہے کہ اسباب کی ذلت سے بچ کر کوئی تو ہے جسے ہم الزام دے دیتے ہیں۔

ہر ظلم خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ وہ اگر نام کا خدا بھی نہ رہا تو پھر ہم کیا کریں گے۔

Their scientists have always saved God of as the only refuge of their failures.

انہوں نے کبھی ڈر کے مارے قرآن نہیں پڑھا۔ پچھلے زمانے میں کمیونسٹ بہت اعتراض کیا کرتے تھے۔ مذہب ایون ہے۔ مذہب نشہ ہے۔ مذہب تو ایسے ہی خمار ہے جو ایسے ہی لوگوں کے ذہنوں پر چھایا رہتا ہے۔ اس کی جگہ عقلیت پسند ارواح آئیں۔ اس کی جگہ قوموں کو جگانے کے لیے بڑے بڑے نئے تھیمز آئے۔ ان کی برتری کے لیے نئے نئے نظام آئے اور سارے کے سارے آئی۔ ایم۔ ایف میں ڈھل گئے۔ عالمی بینک میں سما گئے اور وہ تو میں جو آزادی کے بعد غلام ہوئیں وہ بیچاری ان گنتیوں کی وجہ سے غلام ہوئیں اور اس خدائی کے تصور سے بٹنے کے بعد ہر وہ دوسرا جو ادارہ تھا، غلام بنا لیا۔ مادانستہ طور پر بھی اس میٹرکس کے آپ غلام ہو گئے۔ اعداد و شمار کے اعداد و شمار میں آپ خود سوچئے کہ اعداد و شمار دور حاضر کا تابڑا فراڈ بن گیا ہے۔ اعداد و شمارا تابڑا خوف کا سایہ بن گیا ہے کہ آپ کو ہزار اللہ کی بات کوئی بتائے۔ رسول اللہ ﷺ کی بات بتائے۔ اعداد و شمار کی جڑ جو ہے، آکٹوپس کی طرح آپ کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ آپ کو ہلنے نہیں دیتی کیونکہ ذہن آ سیب زدہ ہے۔ مگر آپ کا آ سیب اللہ نہیں ہے۔ آپ کا آ سیب اعداد و شمار ہیں۔ ان میں تو غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ ان میں تو غلطی ہو ہی نہیں سکتی، اس لیے وہ غلط نہیں ہو سکتے۔ اب آپ بتائیے کیسے غلطی ہو سکتی ہے۔ اگر ایک طرف چار سپاہی اور چار ٹینک ہیں اور دوسری طرف چالیس سپاہی اور چالیس ٹینک ہیں اور آپ نے نتیجہ نکالنا ہے تو آپ سے یقیناً غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ چالیس ٹینک اور چالیس سپاہی ہی جیتیں گے۔ یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ عراق کس طرح جیت سکے یا عراق اس جنگ کو پلٹا سکے، اس کے کنارے تین آرمرڈ ڈویژن فوجی کھڑے ہیں۔ Precise Guided Bomb کھڑے ہیں۔ ہو ہی نہیں سکتا اور عراق کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

میں کوئی رائے نہیں دے رہا، مگر بعض اوقات ایک سُرخ ریت کی آندھی اعداد و شمار غارت کر جاتی ہے۔ بعض اوقات اتنی بڑی قوت اسٹریٹیجی کی، یعنی انسانی ذہن کی ایک حرکت سے ساری غارت ہو جاتی ہے۔ صلاح الدین ایوبی اللہ بخشے اس وقت جیتے تھے۔ وادی حطین کی جنگ ہو رہی تھی اور پورے کا پورا یورپ مد مقابل تھا۔ 1366 پر فرسز آف یورپ ان میں Regenal of Kirk بھی تھا، Baldwin بھی تھا، ان میں Spanish Monarchs بھی تھے، ان میں اطالوی ایمپائر کے شہزادے بھی تھے، مانس آف ہاسٹلر بھی تھا اور مانس آف ٹمپلر بھی تھے، یہ وہ اسلحہ بند سپاہی ہوتے تھے جنہوں نے Knighthood حاصل کی ہوئی تھیں۔ جو ناقابل شکست سپاہی سمجھے جاتے تھے۔ یہ سب یروظلم کو آزاد کرنے کی

نہیں کھا کر اترے ہوئے تھے اور ٹکر (a) میں انہوں نے ایک مسلمان زندہ نہیں چھوڑا تھا۔

ظاہر ہے صلاح الدین ایوبی کا یہی حال تھا جو آج عراق کا ہے۔ مصر اس کے خلاف، دمشق اس کے خلاف، سلطنت بغداد اس کے خلاف۔ وہ بیچارہ بھکاریوں کی طرح ان سے محبت اور مدد کی بھیک مانگنے کبھی اس کے پاس جاتا تھا، کبھی اس کے پاس جاتا تھا۔ بالآخر وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہا۔ انہی دنوں اسے ایک چھوٹے سے غلام کی مدد مل گئی اس کو اس کے استاد نے کہا کہ تو نے لڑنا ہے تو لڑ۔ اسباب کو چھوڑ، مستبب الاسباب پر نظر رکھ۔ صلاح الدین کو یہ بات سمجھ میں آگئی۔ خواتین و حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ وادی حطین میں کوئی جنگ نہیں لڑی گئی۔ وادی حطین کی جنگ اتنی خوفناک ہے۔ یہی صلیبی جنگ کہلائی۔ دو صلیبی جنگیں ہیں جو کبھی یورپ کو نہیں بھولتیں۔ ایک جنگ حطین، دوسری جنگ منصورہ۔

جب میں آپ کو بتاؤں گا تو آپ حیران ہوں گے کہ وہ آج لڑی جا رہی ہے۔ تو جنگ حطین میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے صرف ایک کام کیا کہ اسی طرح بڑھتے ہوئے آرمڈ ڈویژنوں کے دستوں کو صحرا میں آنے دیا۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ وہ آگے سے بھاگ جاتا تھا۔ یورپی جرات آزما صحرا میں صلاح الدین ایوبی کا تعاقب شروع کر دیتے۔ دو چار تلواریں چمکائیں اور بھاگ نکلے۔ جب وہ دور صحرا میں آگئے تو جنگ حطین کے مورخ یہ لکھتے ہیں کہ اوپر سے جب دھوپ پڑی تو وہ سورما زمین پر قتل ہونے سے پہلے ایک بار پانی ضرور مانگتے تھے اور ایک درخواست ضرور کرتے تھے کہ سرانا رنے سے پہلے ایک گھونٹ پانی پلا دو۔

صلیبی جنگ منصورہ پر ختم ہوئیں۔ مگر منصورہ کی جنگ میں اللہ نے مسلمانوں کو ایک ایسا جرنیل عطا کیا تھا جس کے نصیب میں ایک عجیب سی عزت لکھی تھی۔ اسی طرح مشرق وسطیٰ میں دو فیصلہ کن جنگیں لڑی گئیں۔ ایک طرف منگول تھے جنہوں نے بغداد کو تباہ کر کے دمشق کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور اس کو معرکہ عین جالوت کہتے ہیں۔ اسی میدان میں حضرت داؤد نے جالوت کو شکست دی تھی۔ اسی میدان میں جب منگولوں کا ایک لاکھ کا لشکر چلا آ رہا تھا تو اس وقت سلطنت اسلامیہ میں ایک جرنیل تھا جسے آج بھی یورپی زرد چیتا کہتے ہیں یعنی سلطان رکن الدین ہیلنس اور اس فیصلہ کن جنگ میں تمام منگول تہ و بالا ہوئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منگولوں کی اسلامی ممالک پر چڑھائی ختم ہو گئی اور اسی جنگ کے نتیجے میں اقبال کا وہ شعر ہے

ع پاساں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اسی جنگ کے بعد منگولوں نے اسلام کا احترام سیکھا اور مسلمان ہونا شروع ہوئے اور اسی جنگ کے بعد پورے کا پورا منگول قبیلہ مسلمان ہونا شروع ہوا۔ یہی سلطان رکن الدین ہیلنس آخری صلیبی جنگ میں آ کر لڑا۔ خواتین و حضرات! میں وہ مماثلت آج اور کل میں بتانا چاہتا ہوں جو ہے۔

Again the entire Europe was united and this was known to be the biggest army of the crusade ever cross the Muslims of the Middle East.

تو سلطان نے پیچھے ہٹتے ہوئے ان کو کھلا آنے دیا اور منصورہ کے شہر میں آ کر اس نے خندقیں کھود کئے دیواریں کھود کے اور تہہ خانے کھود کے اپنے آپ کو غائب کر لیا۔ منصورہ میں وہ لشکر رات کو پہنچا۔ تھوڑے تھوڑے دستے اس نے آگے کر دیے جن کو انہوں نے مارا، قتل کیا، بھگایا۔ وہ سمجھے کہ انہوں نے مکمل طور پر جنگ جیت لی ہے۔ منصورہ شہر خالی تھا۔ جو کوئی ان کو نظر آیا انہوں نے قتل کیا اور اس کے بعد انہوں نے خوشی سے جشن منایا۔ اس جشن میں جو کچھ انہوں نے کرنا تھا کیا۔ ساری رات جشن منایا۔ ساری رات شراہیں پیئیں۔ ساری رات نشے میں بدمست ہوئے۔ جب آدھی رات کے بعد ضرور میں ان کی آنکھیں بند ہوئیں تو یہ سارے باہر نکلے اور انہوں نے یورپ کے 136 شہزادوں کو دوبارہ گرفتار کر لیا۔ اس کو منصورہ کا نام اس لیے دیا جاتا ہے کہ اس جنگ میں یورپ کے سارے امراء اور بادشاہ گرفتار ہوئے اور تمام لشکر قتل ہوا اور آج تک رکن الدین ہیلنس اور منصورہ کا نام صلیبی جنگوں میں آج بھی خوف اور دہشت کی علامت ہے۔ خواتین و حضرات! ان لوگوں کی وجہ سے یورپ میں مائیں بچوں کو ڈرایا کرتی تھیں، جب بچوں کو سلانا ہوتا تھا تو یہ نہیں کہتی تھیں، ملی چوہا آیا بلکہ Hush!!! The Turks are coming یہ آج اور کل کی مماثلت ہے، لیکن میں آباء پرست نہیں ہوں۔

میں آپ کو واضح طور پر ایک بات بتانا چاہتا ہوں کہ میں آباؤ اجداد کی پرستش کرنے والا نہیں ہوں۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر دور میں مسلمانوں میں اگر کُلّی نہیں تو کچھ نہ کچھ اعتقاد کی صورت ضرور سلامت تھی۔

اسلام میں دو بنیادی عقائد پر زور دیا جاتا ہے، ایک اللہ ہے یقین اور ایک محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت۔

خواتین و حضرات! اللہ کا نام تو اب بھی سنائی دیتا ہے۔ کوئی مسلمان ہو تو وہ اللہ کے نام سے گریز نہیں کرنا۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت بہت کم ہو گئی ہے۔ اب تو ایسے دین کے علماء پیدا ہو گئے ہیں کہ جو آپ کو سکھاتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ آپ جیسے ایک عام سے انسان تھے۔ اس کو کیوں اتنی قدر و قیمت دیتے ہو۔ اب ہم جو معزز ہیں اب ہماری ضرورت محسوس کرو، وہ تو بس اپنی قبر میں پہنچ گئے۔ وہ کہیں موجود نہیں۔ وہ ختم ہو گئے (نعوذ باللہ)

تو صلاح الدین نے قسم کھائی کہ اس شخص کا سر میں اپنے ہاتھ سے کاٹوں گا۔ جب یورپ کے سارے شہزادے گرفتار ہوئے تو ان کو پانی پیش کیا جانے لگا۔ گرمی بہت تھی، صلاح الدین ایوبی نے کہا، زکوٰۃ بھی ان کو پانی نہ پیش کرو۔ تلوار اٹھائی اور رجنارڈ کا سرا اپنے ہاتھ سے اتارا کہ یہ اس بات کا جواب ہے جو تو نے اس عورت (a) کو کہا تھا کہ بلاؤ اب اپنے محمد ﷺ کو مدینے سے۔ خواتین و حضرات! اب یہ روح نہیں رہی ہے۔ یہ محبت نہیں رہی ہے۔ اب تو جو آج کے علماء جو اسباب ظاہر ہو دیکھتے ہیں، وہ تو یہ تلقین کرنا شروع ہو گئے ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں ہم خدا کا نام تو سنتے ہیں مگر محمد رسول اللہ ﷺ سے وہ محبت نہیں دیکھتے۔ شاید اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہو کہ:

”مجھے ہند سے خوشبو آتی ہے۔“

شاید اسی لیے ابھی ہند میں یہ دو بنیادی عقائد سلامت ہیں۔ یہاں کے لوگ اللہ سے بہت انس رکھتے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ سے بے حد عشق رکھتے ہیں اور اب یہ غور کیجیے کہ جب یہ حدیث پڑھی جائے گی تو ایک صاحب انھیں گئے فرمائیں گے اس حدیث میں نقص ہے۔ دوسرے صاحب انھیں گے اس کی روایت خراب ہے، تیسرے صاحب انھیں گئے

(1) رجنارڈ نے ایک عورت کو قتل کر کے دقت کہا تھا کہ اب اپنے محمد ﷺ کو کہو کہ تمہیں قتل ہونے سے بچائیں اور یہاں صلاح الدین ایوبی جانتا تھا۔

یہ کہاں سے نقل کر رہے ہو، مگر ایک حدیث تو میں ابھی آپ کو سنا دیتا ہوں، حوالے کے ساتھ کہ ابو نعیم بن حماد نے بخاری میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ جب ہند کے مسلمان اہل کفر ہند سے جنگ کر کے فارغ ہوں گے اور ان کے امراء کو پابند طوق و سلاسل کریں گے تو پھر شام میں مریم کے بیٹے کا ساتھ دیں گے۔ بظاہر اس وقت پاکستان تو تھا نہیں۔ خواتین و حضرات! پاکستانیوں کا مقدر دیکھا آپ نے۔ یہ ہے پاکستان کا مقدر۔ خواتین و حضرات! آپ کا کردار جو قرآن و حدیث میں نظر آ رہا ہے نہ صرف بھارت میں بلکہ اسرائیل کی بربادی میں۔ آپ اپنے حکمرانوں سے دھوکا نہ کھائیے گا۔ آپ کے حکمرانوں کے بارے میں بھی حدیث موجود ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ زمانہ آخر میں مسلمانوں کے حکمران ان کے بدترین لوگ ہوں گے۔ آپ نہ گھبرائیے گا۔ حکمران جیسے بھی ہوں ایک ملت اسلامیہ ایک پاکستان کا یہ مقدر ہے کہ

We have to fight against the local enemy and they have to fight against the enemy of Islam.

اور یہ دُور بھی نہیں ہے۔ خواتین و حضرات! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دجال خراسان سے خروج کرے گا۔ وہ ایک ملک میں آئے گا تو اس کو اس طرح سے تباہ و برباد کر دے گا کہ ایک ہاتھ سے اُس پر روٹیاں پھینکے گا اور دوسرے ہاتھ سے آگ پھینکے گا۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے دجال عراق اور شام سے گزرے گا۔ ان کے بیچ سے گزرے گا اور ہر جگہ گ پھیلانا جائے گا۔ خواتین و حضرات! فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ فرات کی تہوں سے سونے کا ایک پہاڑ نکلے گا جس کے لیے تمام قومیں لڑتے لڑتے مرجائیں گی۔ کمال کی بات ہے۔ اگر تیل کا نام سیاہ سونا رکھا جائے یا بہتا ہوا سونا رکھا جائے اور دیکھا جائے تو سونے کی قیمت کا تعین ہی تیل کر رہا ہے۔ یہ پندرہ سو برس پہلے کی بات ہے۔ ہمیں اس بات پر سوچنا چاہیے کہ ہمارا اعتبار کس شے پر ہے۔ ہمارا اعتبار تو اللہ پر ہے وہ کتاب تو ختم ہو چکی۔ وہ کتاب تو اول و آخر کو بیان کر کے ختم ہو چکی۔ وہ بسم اللہ سے شروع ہوئی، اس رحمن و رحیم سے جس نے آغاز حیات کیا اور انجام حیات کیا کمل من علیہا فان (سورۃ الرحمن آیت ۲۶) کیا خیال ہے آپ کا کہ جو اللہ ابتدائے حیات بنا رہا ہے جو اللہ انتہائے حیات بنا رہا ہے اس کو صرف امریکی ترقی کا علم نہیں ہوگا۔ برطانوی کا پتہ نہیں ہوگا۔ اس کو نئے نئے فلسفہ ہائے خیال کا علم نہیں ہوگا۔ خواتین و حضرات! اس خوش فہمی کو دور کرنا بہت ضروری ہے۔

ہمیں اپنے ایمان کی جانب رخ موڑنا ہے اور ہمیں اپنے ایمان کو کچھ وقت دینا پڑے گا۔ یہ معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ فرمایا پروردگار نے کہ دجال کے نکل آنے کے بعد ایمان کسی کو ایمان نہیں دے گا۔ کیوں نہ دے گا کہ جس کے دل میں نقص ہے جس کے دل میں فریب ہے وہ دجال کی سمت ضرور جائے گا چاہے مسلمان ہے چاہے غیر مسلم ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بلکہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ نفاق ہمارے زمانے تک تھا۔ اب نفاق نہیں رہے گا۔ اب یا کفر ہے یا ایمان ہے۔

Either you believe in God and his Prophet (Muhammed) or you believe in America and its things.

اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں۔ ایمان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے ہتھیار کند کر دیں۔ ایمان کا مطلب یہ نہیں

ہے۔ دیکھیے لوگ جہاد کی غلط تعریف کرتے چلے آئے ہیں۔ جہاد کی صرف ایک تعریف ہے کہ کم اسباب کے ساتھ بہتر اسباب سے جنگ کرنا اور تمہاری کئی اسباب کو اللہ کی اعانت پورا کرے گی۔ جہاد کبھی برابری کی طاقتوں میں نہیں ہوتا۔ جہاد تو ہوتا ہی ان کم اسباب والے لوگوں میں جو دو تلواریں، دو گھوڑے رکھتے تھے۔ جن کے پاس اٹھارہ تلواریں تھیں۔ جن میں بیشتر مجاہد ایسے تھے جنہوں نے لکڑیوں کو آگے سے گول کر رکھا تھا۔ اس جنگ کے لیے ان کی نوکیں بنا رکھی تھیں۔ جہاد کبھی بھی کثرت اسباب سے نہیں ہوتا۔ ہمیشہ کئی اسباب سے ہوتا ہے، مگر جہاد کی نصرت لوگ نہیں ہے۔ جہاد وہ ہے جس میں اللہ ایک آدمی کو بھیجتا ہے اور مصر کی تین سو برس کی سلطنت کو غارت کروا دیتا ہے۔ کیا وہ آدمی اتنا دلیر تھا کہ ان ہزاروں، لاکھوں لوگوں سے لڑ گیا۔ نہیں۔ چلنے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار عالم! میں تو ڈرتا ہوں۔ قال رب انی قتل منہم نفسا فاحاف ان یقتلون (سورۃ القصص، آیت ۳۳) میرے رب! میں نے ان کے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ تو مجھے کن ظالموں میں بھیج رہا ہے۔ اللہ نے فرمایا اقال لا تخافا انی معکما (سورۃ ط آیت ۲۶) مت کر خوف۔ میں جو ہوں تیرے ساتھ۔

جہاد کی خصوصیت صرف ایک ہے کہ آپ نہیں لڑ رہے ہوتے، آپ کی قوت نہیں لڑ رہی ہوتی مگر آپ کے خسارے کو خدا پورا کر رہا ہوتا ہے۔ خدا وہاں بذات خود موجود ہے۔

فرمایا پروردگار عالم نے ہم نے تمہیں غزوہ بدر میں پانچ ہزار ملائکہ سے مدد دی۔ ہم چاہتے تو اس کے بغیر بھی تمہیں جنگ جتوا دیتے مگر کیوں دی مدد؟ کیا وجہ تھی؟ خواتین و حضرات! خدا اچھی طرح جانتا ہے کہ انسان کو بیچ میں کچھ نظر آنے والے سہارے چاہئیں۔ کچھ چیزیں جو وہ دیکھ سکے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ اس کی مدد کر رہا ہے۔ جانتے تو امراہیم علیہ السلام بھی تھے۔ واذ قال ابراہیم رب انی کیف تحیی الموتی امراہیم نے کہا! اے رب تو مردوں کو کیسے زندہ کرنا ہے۔ قال اولم تو من تو اللہ نے پوچھا کیا تجھے یقین نہیں؟ قال بلی و لکن لیطمئن قلبی امراہیم نے جواب دیا کیوں نہیں! لیکن میں اپنے دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ دل عملی شہادت مانگتا ہے۔ ذہن دلائل پر اعتبار رکھتا ہے۔ دل شہادت نظر مانگتا ہے۔ اطمینان مانگتا ہے۔ یقین کے باوجود ایک شہادت نظر مانگتا ہے۔ اللہ نے کہا قال فخذ اربعة من الطیر فصر هن الیک ثم اجعل علی کل جبل منهن جزء ثم ادعهن یاتینک سعیا ثم اعلم ان اللہ عزیز حکیم (سورۃ البقرہ، آیت ۲۶۰) اچھا چلو ایسے کرو کہ چار پرندے لو۔ ان کو اچھی طرح مانوس کر لو۔ اس کے بعد ان کی گردنیں کاٹ کے پہاڑ کی مختلف چوٹیوں پر رکھ دینا۔ پھر انہیں پکارو وہ تیری طرف آجائیں گے۔ خواتین و حضرات! یہاں سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اللہ نے کہا کہ پہلے بلا لو ان کو اپنے ساتھ۔ عادی کر لو اپنا۔ یہ کیوں کہا بھلا۔ دیکھیے کمال کی بات ہے جیسے جیسے انسان کے شکوک و اوہام ہیں ویسے ویسے خدا اس نفسیات کو استعمال کر رہا ہے۔ خدا کے علم میں تھا کہ اگر دل اتنے بڑے اعتبار کے باوجود یقین کی شہادت مانگتا ہے تو کل کو اگر چار پرندے اس کے پاس آ بھی گئے تو امراہیم کہے گا۔ شک کرے گا کہ کیا پتہ یہ وہی ہیں کہ کوئی اور۔ تو امراہیم پھر شک میں چلے جائیں تو پہلے اس شک کا مداوا کر دوں جس میں امراہیم جاسکتے ہیں۔ تو کہا کہ پہلے بلا لو، مانوس کر لو تب۔ جب وہ تیری طرف واپس آئیں گے تو تمہیں کوئی شبہ نہیں ہوگا کہ یہ وہی پرندے ہیں جو میرے ساتھ مانوس تھے۔ خواتین و حضرات! اسی طرح مالک اور کریم جو ہے وہ شہادت عطا کرنے کے

لیے۔ ورنہ اصحاب رسول ﷺ سے بڑھ کر کون صادق یقین تھا۔ یہاں ایک بڑی خوبصورت بات ان اصحاب یقین کی کہتا چلوں کہ جب یہ آیت اتری واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (سورۃ الحج، آیت ۹۹) کہ عبادت کیے جانا کہ تو یقین تک پہنچے تو خواتین و حضرات! اصحاب رسول ﷺ نے اس کا ترجمہ موت کیا۔ عبادت کیے جانا کہ تو موت تک پہنچے یعنی جب تک موت نہیں آتی یقین پر لحاظ تشکک آتے رہتے ہیں۔ مرتے ہوئے اگر آپ سلامت گزر گئے خدا پر یقین کے ساتھ تو پھر بات بنے گی۔

There are thousand sips between the cup and the lips.

کیا علوم کب کوئی بے اعتباری کی صورت پیدا ہو جائے۔ اسی لیے حدیث رسول ﷺ ہے کہ مقدرات ایسے ہیں کہ بڑے بڑے عبادت گزار شاید مرحلہ یقین اور بے یقینی سے گزرتے ہوئے اپنی عمر آخر میں ایسی خطا کر بیٹھیں کہ ٹھکانا جہنم ہو اور بڑے بڑے فاسق شاید اس دنیائے بے اعتبار سے گزرتے ہوئے لحوہ آخر میں کوئی ایسا کار خیر کر بیٹھیں اور ایسا اعتبار دکھا جائیں کہ جس سے ان کا یقین ان کی منزل آخر جنت ہو۔ تو یقین و اعتبار کی منزل موت سے پہلے ختم نہیں ہوتی۔ وہ براہ راست سب کچھ کر سکتا ہے مگر انسان کے اس نفسیاتی اعتبار کو قائم کرنے کے لیے انہوں نے ملائکہ کی مدد بھیجی۔ حتیٰ کہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں میں نے آواز سنی کہ حیضوم آگے بڑھ۔ تو رسول ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبریل کے گھوڑے کا نام ہے۔ پھر میں نے آواز سنی کہ ان کے کُنھوں پہ مارو۔ ایک اور صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے تلوار اٹھائی کہ اُس کو قتل کروں مگر مجھ سے پہلے اُس کی گردن کٹ کے زمین پر آن پڑی۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ ملائکہ تھے جو ہماری مدد کے لیے آئے تھے۔ مگر مدد کے لیے ملائکہ تو آئیں گے۔ ملائکہ تو اصحاب بدر کی مدد کے لیے ہر صورت تیار ہیں اللہ کے حکم کے ساتھ۔ مگر مسئلہ وہی ہے خواتین و حضرات! کہ آپ کا خدا پر کتنا اعتبار ہے۔ آپ اپنے نبی وی دیکھیے۔ میں تو ہر آدمی کی زبان سے ایک ہی بات سن رہا تھا۔

Iraqis cannot fight, cannot fight, cannot fight, might, might, might.

یہ وہ قوت و جمال، یہ قہر سامانیاں، یہ قتل و غارت کے اسباب آج کی بات ہے۔ کل کی بات ہے۔ پہنچنے کی بات ہے۔ دیر کا ہے کی ہوگی۔ سجدہ ریز ہو جائیں گے اور دیکھو اس بد بخت کو بھی بھلے وقتوں میں خدا یاد آیا۔

دی موذن نے اذان وصل کی شب پچھلے پہر

ہائے کبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

تو وہ دیکھو صدام کو کیا وقت پر خدا یاد آیا کہ وہ صدام جو کبھی خدا کا نام نہیں لیتا تھا۔ وہ شروع کر رہا ہے۔ نصر من اللہ و فتح قریب (۶۱ القف: ۱۳) اور انشا باللہ اور اللہ اکبر۔ پورے عرب میں لوگوں کو اسلام سے دور کرنے کا بہت بڑا ہاتھ قوم پرستی کی تحریک کا ہے اور عراق بہت بڑا قوم پرست ہے۔ آج عراق پاکستان کا شکر یہ ادا کر رہا ہے کل اس کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا کر رہا تھا۔ کوئی بات نہیں۔ پاکستان تو شروع ہی سے بڑا بھائی ہے۔ اُس نے تو ہر صورت یہ جبر و ستم سہا ہے۔ ہمیں تو بہر حال ایک بگڑے ہوئے چھوٹے بھائی کا دکھ ہونا ہے۔ اگر آج اللہ نے انہیں توفیق دے دی ہے خدا کو یاد کرنے کی۔ We do pray to God for everything، مگر ایک بات میں آپ کو بتا دوں اور اس بات میں قطعاً کوئی

شک و شبہ نہیں ہے۔ یہ جو میں آپ کو احادیث بتا رہا ہوں کہ خدا کے رسول ﷺ نے فرمایا اور ان سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت پر بڑے فتنے آئیں گے۔ میری امت کسریٰ سے جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ میری امت قیصر سے جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ میری امت ڈھال والے چہروں کے لوگوں سے جنگ کرے گی اور چہرے کے تھے والوں سے جنگ کرے گی اور ان پر غالب آئے گی اور زمانہ آخر میں میری امت ونبال سے جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ زمانہ آخر میں میری امت کا ایک گروہ ونبال کا ساتھ دے گا۔ میری امت کا ایک گروہ لڑے گا، شکست کھائے گا اور یہ روئے زمین پر بدترین لوگ ہوں گے۔ میری امت کا ایک گروہ حق پر ہوگا وہ ونبال سے جنگ کرے گا اور اس پر فتح پائے گا۔ ایک بڑی عجیب سی بات بتاؤں کہ اوقات مقررہ لکھے ہوئے ہیں۔ میں آپ کو ڈرانے نہیں آیا اور مقرر کردہ وقت کے لحاظ سے بتایا کہ دجال کے خروج سے لے کر فتح قسطنطنیہ تک سات سال۔ میرا خیال یہ ہے کہ افغانستان کا سال گزر گیا۔ عراق کا شروع ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب بصرہ تباہ کاری کی نذر ہوگا اور وہ بصرہ تباہ ہو رہا ہے۔ اگلی صورت یہ ہے کہ امریکہ اور انگلینڈ اس جنگ میں الجھے ہوئے ہیں۔

They will have no options at least to my mind, there are no other options.

کہ وہ اسرائیل سے درخواست کریں کہ تو اپنی افواج ہماری حمایت میں باقی کا تیل حاصل کرنے کے لیے سعودی عرب میں داخل کر دے اور اس میں پورا وقفہ جو ہے ڈیڑھ برس کا ہے۔ ایک بات شاہ نعمت اللہ ولی کہہ گئے کہ انگلینڈ چونکہ شروع سے ہی ہر دین کا مخالف ہے اور فتنے کی جڑ ہے اور فساد کی جگہ ہے اللہ اس جنگ میں اسے سرے سے نیست و نابود کر دے گا اور اس میں کچھ بھی نہیں بچے گا۔ میں درخواست تو کر رہا ہوں اپنے ان بھائیوں سے کہ بھائی ایک ایک گھر پیچھے بنالو۔ تاکہ سالہ ڈیڑھ سال میں اگر تمہیں چاہے واپس آنا پڑے تو کم از کم اپنی حفاظت کا بندوبست تو پیچھے کر لو، تاکہ تم ان کے ساتھ ہی فنا نہ ہو جانا اور خواتین و حضرات! ان کے ساتھ فنا ہونے میں ایک بہت بڑا خطرہ ہے کہ ایک حدیث اس پر بھی وارد ہے کہ لوگ انہی کے ساتھ سمجھے جائیں گے جن کے ساتھ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ تو خطرہ یہ ہے کہ وہ انگلینڈ والے مسلمان گوروں کے قبرستان سے ان کے ساتھ نہ اٹھائے جائیں اور ہمارے یہ بہت سارے لوگ جو بڑی تیزی سے ادھر بھاگنے کا سوچ رہے ہیں اور امریکہ کو محفوظ سمجھ کر امریکہ جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خواتین و حضرات! اس کے بارے میں بھی یہ اطلاعات موجود ہیں۔ ایک بڑی عجیب و غریب اطلاع یہ ہے کہ کچھ عرصے کے بعد میں اس کا وقت متعین نہیں کر سکتا، امریکہ ان صحراؤں کی طرح ہوگا جس میں شاید صرف بیرون کے جھنڈ ہوں گے اور ویران۔ امریکی عورتیں پتھر کے چوہے پر روٹیاں پکا رہی ہوں گی اور خواتین و حضرات! یہ باتیں ذرا دور کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی تہذیب کو تباہ ہوتے بھی وقت لگتا ہے۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ اب ہم ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

ایسے لگتا ہے کہ اس تباہی پر زیادہ سے زیادہ اٹھارہ منٹ لگیں گے اور یہ ساری دنیا قتل و غارت کی اس انتہا کو بڑی

جلد پہنچ رہی ہے۔ شاید ایک ڈیڑھ برس میں اور زیادہ سے زیادہ سات سالوں میں یہ عمل اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔

خواتین و حضرات! اس پورے ایسے میں باعث نجات صرف وہی دو چیزیں ہیں جو میں نے پہلے آپ کو بتادی تھیں کہ جب قوم نادو و شو پر عذاب توڑا تھا تو حضرت نوحؑ سے کہا! نکل اپنے بچوں کو لے کر اور رات ہی رات میں یہ جگہ چھوڑ دے۔ جب بھی کہیں سے خواہ وہ انگلینڈ ہو خواہ امریکہ یا کوئی اور جگہ اللہ نے اپنے بندوں کو نکالنا ہوتا ہے تو ان لوگوں کو پہلے سے بتا دیا جاتا ہے کہ یہاں سے نکل چلو۔ جس کو اس نے پچانا ہے، صرف اسی نے پچانا ہے۔ تباہی ایک مقدر ہو چکی ہے۔ ہلاکت لکھی جا چکی ہے۔ یہ انسانی تہذیب جس نے اسباب کو خدا سمجھ رکھا ہے اور جس نے اپنے آپ کو ان اسباب کا خدا سمجھ رکھا ہے اس کا انجام بہت قریب ہے۔ چاہے اس پر یقین رکھیں یا نہ رکھیں۔

کوشش کیوں؟

سوال: اگر سب کچھ پہلے سے لوح محفوظ میں موجود ہے تو پھر کوشش کیوں کی جاتی ہے؟

جواب: دو چیزیں ایسی ہیں کہ اس کی وجہ سے آپ کو کوشش کرنا پڑتی ہے۔ حالات و واقعات کے ساتھ اس تقدیر عالم میں تغیر و تبدل ممکن ہے۔ دعا کے ساتھ تغیر و تبدل ممکن ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگ جس کے لیے دعا مانگتے ہیں اللہ اس کی زندگی طویل کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی عمر آدھان اور بڑھ جائے۔ پوچھا گیا کہ حضور ﷺ آدھان کتنی؟ فرمایا پانچ سو برس۔ تقدیر لکھے جانے کے باوجود کمی اور بیشی ہو سکتی ہے۔ فرمایا ایک بلا آ رہی ہے۔ آپ نے دعا مانگی ہے اور وہ بلا مل جائے گی۔ وہ آپ تک نہیں پہنچے گی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ بلا کو ایک مثال سے نکال دیتا ہے۔ بلا تو لکھی گئی مگر بجائے اس کو آپ کے عملی وجود سے گزارنے کے آپ کے خسی وجود سے گزار دے گا۔ خواب سے گزار دے گا۔ کوئی اور تصور کی شکل میں گزار دے گا اور وہ آپ سے نکل جائے گی اس لیے انسان کا عمل خیر جو ہے۔ وہ اس کے وجود کے حادثات کا تحفظ بن جاتا ہے۔ یہ آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ تمام اعمال لا اخلاقی ہیں یعنی نماز پڑھنا یا گناہ کرنا اور اسی طرح کے تمام دوسرے اعمال نہ تو اخلاقی ہیں نہ غیر اخلاقی بلکہ لا اخلاقی ہیں۔ ان کو رنگ اس وقت ملتا ہے جب ان کے پیچھے آپ کی نیت متحرک ہوتی ہے۔ یعنی اگر نماز دکھاوے کے لیے پڑھی جا رہی ہے تو یہ آپ کا گناہ ہو گیا حالانکہ کار خیر ہے اور اگر آپ نے غلط کام کیا بعد میں ندامت اور توبہ کی تو یہ آپ کا کار خیر ہو گیا۔ اس لیے اقبالؒ نے کہا کہ

ع گفتہ کہ خیر او ما شناسی ہی شراست

اللہ نے قرآن حکیم میں خیر و شر دونوں کو فتنہ کہا۔ خالی شر کو فتنہ نہیں کہا۔ خیر کو بھی فتنہ کہا۔ یعنی دونوں طرف انسان کی آزمائش ہے۔ خیر میں بڑے فتنے ہیں۔ میں آپ کو امام مسلم بن حجاج کی بات بتانا چاہوں گا جو انہوں نے ”مسلم“ کو ترتیب دیتے ہوئے کہی۔ فرمایا کہ بڑی عجیب بات ہے کہ اہل خیر بڑا جھوٹ بولتے ہیں۔ ایک آدمی کی اصلاح کرنا ہے۔ اس کو کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حالانکہ وہ حدیث نہیں ہوتی۔ ایک آدمی کو غلط روایت سنا دیں گے۔ ایک غیر معقول بات کر کے اسے خدا اور رسول اللہ ﷺ کے نام سے منسوب کر دیں گے۔ یہ گناہ کبیرہ ہیں جو بظاہر کار خیر کے لیے کیے جاتے ہیں۔ روایت خرافات میں کھو گئی یعنی آج کے مذہب میں اور آج کے علماء میں سب سے بڑا نقص یہ ہے۔ ایک عالم

میں نے پوچھا کہ آپ جو بات کہہ رہے ہیں وہ تو اتنی ناقص اور غلط ہے کہ یہ تو کبھی بھی حدیث نہیں ہو سکتی۔ کہنے لگے تمہیں نہیں معلوم۔ ہمیں پتہ ہے کہ لوگوں کے کارخیز کے لیے اس قسم کا تھوڑا سا جھوٹ بھی بول دو تو ٹھیک ہے۔ میں نے کہا کہ کل جب وہ اس کی تصدیق کرے گا اور یہ غلط نکلے گی تو وہ آپ کو جھوٹا سمجھے گا اور رسول اللہ ﷺ کو بھی جھوٹا سمجھے گا اور خدا کو بھی جھوٹا سمجھے گا۔ غلط روایت نقل کرنے سے اتنی بڑی غلطی کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ ایک وظیفہ آپ کو دیا جاتا ہے کہ اسے پڑھ لیں۔ چالیس دن ایک سو چھبیس مرتبہ۔ آپ کی مراد پوری ہو جائے گی۔ آپ چالیس دن ایک سو چھبیس مرتبہ پڑھ کے اب مراد پوری ہونے کے انتظار میں ہیں۔ وہ مراد تو پوری نہیں ہوئی۔ مزید مراد ہی پڑ گئی۔ آپ کا اعتبار کس چیز سے اٹھے گا۔ آپ کا اعتبار اس وظیفے سے اٹھے گا جو بہر حال کسی نہ کسی قرآنی آیت پر مشتمل ہوگا۔ چالیس دن سے اٹھے گا۔ اس عالم سے اٹھے گا۔ اس دین سے اٹھے گا۔ پوری خدائی سے اٹھے جائے گا۔ اکثر میں نے لوگوں کو سنائے وظیفے کیے جی۔ اللہ نسواہوندا تے میری گل نہ نسواہوندا۔ بڑے وظیفے کیے۔ یہ ایک مسئلہ ہے کہ جب آپ عبادات کا رخ ہی صحیح نہیں رکھتے تو بے اعتباری کے رخ کھل جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ خدا کی بات پر اعتبار نہیں کریں گے۔ پورے زمانے میں کوئی جاو کا ماہر ڈھونڈو گئے کوئی آسب کا ماہر ڈھونڈو گئے کوئی تعویذوں کا ماہر ڈھونڈو گئے اور ان سے یہ کام کرتے کرتے دین سے اتنی دور چلے جاؤ گے کہ خدا اور آپ کے درمیان سوائے تجاب کے کچھ باقی نہیں رہے گا۔

جنت یا دوزخ

سوال: اگر خدا نے اچھوں کو جنت میں اور بُروں کو دوزخ میں ڈالنا ہے اور اللہ کو اس بات کا پہلے سے علم ہے تو پھر زندگی کا آخر مقصد کیا ہے؟

جواب: ایک بات جان لیجیے کہ کسی انسان کو خدا جہنم میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ یہ ایک بہت ہی غلط تصور ہے جو انسانوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ اگر میں خود خدا سے اعتراف کروں کہ بھئی جنت تو بڑی بے لطف سی جگہ ہے میں نہیں جانا چاہتا آپ مجھے دوزخ میں بھیجو تو پھر خدا آپ کو چننے کا اختیار دے گا۔ قرآن کی آیت کی رو سے اس پر غور کیجیے کہ جو خدا قرآن اور پورے دین کی عبارت کو اس سے شروع کرتا ہے کہ الحمد للہ رب العلمین ○ الرحمن الرحیم ○ ملک یوم الدین ○ (فاتحہ) (۲ تا ۴) خدا کے تین بڑے اوصاف یہ ہیں کہ تم اسے مانو یا نہ مانو وہ آپ کو رزق دے گا۔ چاہے آپ عیسائی ہو، یہودی ہو، کافر ہو، چاہے آپ پرندے ہو، انسان ہو، پہاڑ ہو، اللہ آپ کو رزق دے گا۔ خدا کہتا ہے کسی قسم کا احتمال نہیں ہونا چاہیے کہ میں تم سے ناراض ہوں تو تمہارا رزق بند کر دیا جائے۔ ایسے نہیں بلکہ اس کے برعکس کہا کہ جو مجھے نہیں مانیں گے میں ان کا طعن نہیں سہہ سکتا۔

دوستوں فسکی کی بات کہ انسان ہے ہی بد قسمت۔ اس لیے وہ بھوک افلاس کے لیے پیدا ہوئے۔ نہیں ایسا نہیں بلکہ جو مجھ پر یقین نہیں رکھیں گے ان پر دولت دنیا کشادہ کروں گا۔ پوچھا گیا، بھئی اللہ! یہ کیسی دوستی ہے کہ اعتبار والوں کو بھوکا مار دیا، جو تجھ پر یقین نہیں رکھتے ان کو اس قدر رزق دے دیا۔ فرمایا، دیکھو! یہ کل مجھ سے گلہ کریں گے کہ اللہ تجھ کو ہم نے نہیں مانا، تو تو نے ہماری دنیا تنگ کر دی۔ یہ میں نہیں سن سکتا۔ اس کو یہ گوارا نہیں کہ اسے یہ کہا جائے۔ دیکھو کیا غیرت

خداوند ہے کہ اس کو کافر کا یہ طعنہ پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ! اگر ہم نے تجھ پر اعتبار نہیں کیا تو تو نے سزا کے طور پر رزق بند کر دیا۔ کہتا ہے نہیں تم سے زیادہ ان کافروں کو رزق دوں گا۔ اے پیغمبر! اگر ایک مصلحت مانع نہ ہو تو میں ان کے دروازے سونے اور چاندی کے کر دوں۔ وہ مصلحت کیا ہے کہ سارے مسلمان کافر ہو جائیں گے۔ اگر یہ مصلحت مانع نہ ہو تو میں ان کے درو دیوار اور ان کی سیرھیاں سونے اور چاندی کی کر دوں تاکہ یہ کل کو مجھ سے گلہ نہ کر سکیں۔ قرآن میں اللہ نے کہا کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ (۶) (الانعام: ۵۴) تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ اب آپ مجھے بتائیے کہ کیا اس رحمت میں جہنم شامل ہو سکتی ہے۔ خدا ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ کسی فرد کو نقصان پہنچایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کسی کو دوزخ میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ قطعاً نہیں ڈالنا چاہتا۔ وہ تو ایسا ہے کہ جس پیغمبر ﷺ کو بے بقدر رکھا جا رہا ہے جس کے متعلق یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ قیوفوت ہو گئے ہیں۔ یہ تو مدینے میں پڑے ہیں اس کے بارے میں وہ کہہ رہا ہے کہ پہلے میں جزوی طور پر معاشروں کو عذاب دیتا تھا۔ جس قوم سے ناراض ہوا اس کو زمین سے اکھاڑ دیا۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کتنے گھروں کے لٹے پڑے ہیں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کتنے کنویں سوکے پڑے ہیں اور کتنی آبادیاں اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں۔ میں تو جب دیکھتا تھا کہ کوئی قوم ناشکری میں مبتلا ہے اور وہ معیشت پر اتر رہی تھی میں نے اس کو تہہ بالا کر دیا، مگر اے پیغمبر ﷺ! اب میں کوئی بڑا عذاب نہیں دوں گا، کیونکہ اے پیغمبر ﷺ تو جو ان میں ہے۔ یہ قرآن کہہ رہا ہے کہ اے پیغمبر! یہ مجھ سے عذاب مانگتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب کیوں نہیں عذاب آتا قوم شموذ کی طرح اور عادات نیہ کی طرح۔ تو فرمایا پروردگار نے اے پیغمبر! یہ اب کیسے ہو سکتا ہے کہ ان پر عذاب آئے تو جو ان میں ہے۔ اس شخص کی کیا قدر و قیمت ہے اللہ کے نزدیک اور کیا قدر و قیمت ہے ہمارے علمائے جدید کے پاس۔ یہ ذرا فرق محسوس کر لیں۔ اللہ نے رحمت لکھ کر دی فرمایا وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷) اور رحمت اللعالمین زمین پر موجود ہو تو پھر انسان کو جہنم کیسے مل سکتی ہے مگر یہ کہ ہم اصرار کرتے ہیں۔ آج کا المیہ گناہ و ثواب نہیں ہے۔ آج کا المیہ ایمان ہے۔ کیا ہم خدا پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں؟

گناہ کا کیا ہے۔ یہ تو سارے خسارے ہیں جو توبہ سے پورے ہو جاتے ہیں۔ گناہ کیا ہے۔ انسان کا آغاز توبہ ہی تو ہے۔ اللہ کی طرف سے پہلا قدم جو انسان پر ہے۔ انسان کا روانہ حیات میں انسان کے اس تاقلمے میں بنی آدم نے اپنا سفر ہی اسی سے کیا ہے۔ پہلے خطا کی پھر توبہ ہوئی اور پھر معاف کیا گیا۔ یہی تو پہلے اعمال ہیں جو انسان اور خدا کے بیچ میں گزرے ہیں۔ نہ نماز گزری، نہ روزہ گزرا، نہ عبادت کا حنفہ گزریں، نہ چہلہ معکوس گزرا۔ پہلے انسان نے خطا کی۔ اللہ نے اسے معاف کیا۔ خواتین و حضرات! جب اللہ کو معاف کرنے والا نہ سمجھا جائے گا جب انسان کے پاس توبہ کا دروازہ نہیں رہے گا۔ تو پھر اس کے لیے عذاب ہے اور آپ کے لیے جنت ہے۔ آپ کو تہہ دل سے یہ مان لینا چاہیے کہ ایک ایسی ذات بھی ہے جو گناہ معاف کرنے کا پورا اختیار رکھتی ہے۔

حضور ﷺ سے محبت کا اظہار

سوال: اللہ سے محبت کا اظہار تو بڑی آسانی سے ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ سے محبت کا اظہار کیسے ہو اور اس کا

یقین کیسے آئے گا؟

جواب: آپ نے بڑی خوبصورت بات پوچھی ہے۔ یہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل کی مسند حدیث ہے۔ یہ اقوال رسول ﷺ ہیں۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے وہ نقوش ہیں جو ہم دل میں سمیٹ لیں، ہم اپنی آنکھوں میں بسالیں تو ایک شناخت پیدا ہوتی ہے۔ شناخت کی غلط توجیہ نہیں کرنا چاہیے۔

پہلی حدیث باب الایمان میں بخاری کہتا ہے کہ دیکھو کہ ابھی آگے مت جانا۔ پہلے اس بات کا فیصلہ کر لیں۔ حدیث انما الاعمال بالنیات پہلے اس بات کا فیصلہ کر لو پھر آگے جانا کہ حضور ﷺ کا قول مبارک ہے کہ اعمال کے پیچھے تمہاری نیتیں دیکھی جائیں گی۔ اعمال نہیں دیکھے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ عمل غلط رخ پر جا رہا ہو مگر اس کی نیت درست ہو تو تمہاری نیتیں دیکھی جائیں گی۔ تمہارے اعمال بعد میں آئیں گے۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم اپنی شناخت رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان اعمال کی نیتیں دیکھنی پڑیں گی جو ہم بغیر سوچے سمجھے کرتے ہیں۔ جب حضور ﷺ نصف شب کو اٹھتے تھے تو اندھیرا ہوتا تھا۔ وہ پھر ہاتھ سے ٹٹولتے تھے اور ایک چھوٹی سی پانی کی مشک ان کے پاس ہوتی تھی۔ پھر ہاتھ اس مشک تک جاتا تھا۔ پھر آپ اس میں سے تھوڑا سا پانی لے کر کھلی کرتے یا آنکھوں پر ملتے۔ جب نیند کا غبار ٹوٹتا۔ یہی فطری بات ہے کہ اگر آپ آدھی رات کو اٹھیں گے اور نیند چڑھی ہوئی ہوگی تو سب سے پہلا کام آپ یہی کریں گے کہ پانی تھوڑا سا لگاؤ تا کہ یہ نیند کا غبار ترے۔ پھر آپ دانت صاف کرتے۔ خواتین و حضرات! مسواک کی بڑی اہمیت ہے۔ اب علمائے اسلام اگر مسواک کی اہمیت زیادہ کریں گے اور دانتوں کی صفائی کم کریں گے تو کیا بات بنے گی۔ اگر نیات کو پرکھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ نے دانتوں کی صفائی اشد ضروری قرار دی اور اگر فیصل آباد کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی شناخت کو برقرار رکھنا چاہیں اور اگر لوگ صبح سویرے مسواک ڈھونڈنے نکل پڑیں تو تمام درخت اور تمام پودے شام تک میرا خیال ہے بے برگ و بار ہو جائیں گے۔ اگر آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسواک سے مراد دانت صاف کرنا ہے تو آپ کو کوئی دقت پیش نہیں آئے گی اور اگر آپ کا مسئلہ خالی مسواک ہے تو پھر بیچارے درختوں کی شامت تو آ ہی جائے گی۔

مثال کے طور پر میں اب اس قسم کی شناخت کے لیے عمدہ سا ایک اور واقعہ سنانا ہوں۔ یہ مستند حدیث ہے کہ ایک دفعہ حج کا موقع تھا۔ حضرت فضل بن عباسؓ رسول اللہ کے پیچھے اونٹ پر بیٹھے تھے۔ ایک خاتون بڑا اچھا چہرہ زیبائے کر آئی۔ وہ لباس احرام میں تھی۔ فضل بن عباسؓ نے نمکنکی باندھ کے دیکھنا شروع ہو گئے۔ اب بڑی پریشان کن صورت حال پیدا ہو گئی۔ جب دیکھا کہ یہ تو اس بد تمیزی سے بازی نہیں آرہے تو حضور ﷺ نے ان کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر ادھر کر دیا کہ بس بہت ہو گیا۔ یہ وہ اطوار کی شانستگی ہے۔ اگر آپ رسالت مآب ﷺ کی نیت دیکھیں تو وہ ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تم حج پر میرے ساتھ بیٹھے ہوئے ہو۔ ایک خاتون مذہبی مسئلہ پوچھنے آئی ہے اور آپ اس طرح نمکنکی لگائے بیٹھے ہو کہ آپ مجھے بھی شرمندہ کر رہے ہو تو آپ ﷺ نے انتہائی شانستگی سے چہرے کو ادھر کر دیا۔ دراصل سکھانے کا یہ مستحسن طریقہ ہے۔ کوئی لفظ نہیں بولا۔ لفظ بولتے تو دونوں کو شرمندگی ہوتی۔ صرف آرام سے چہرے کو ادھر پھیر دیا۔ بس یہ وہ باتیں ہیں جو ہمارے دل کو لگ جائیں۔

اسلام میں اور باقی نظاموں میں بہت بڑا فرق ہے کہ اسلام کو دل تسلیم کرنا ہے۔ باقی نظام جبر ہیں۔ اسلام واحد ایسا نظام ہے جس کو لوگ دل سے تسلیم کر کے اس پر عمل کرتے ہیں۔ اسلام کی خوبی دیکھیے کہ آج کے اس دور میں جبکہ یہ نظام پچھلے سینکڑوں برسوں سے کہیں بھی رائج نہیں ہوا ہے پھر بھی لوگ دل سے اس پر عمل کرتے ہیں۔ آج بھی کر رہے ہیں۔ آج بھی لوگ نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ آج بھی لوگ زکوٰۃ دے رہے ہیں، صدقات دے رہے ہیں۔ آج بھی اسی طریقے سے وضو کر رہے ہیں۔ آج بھی خدا کو مان رہے ہیں۔ احکام رسول اللہ ﷺ کو مان رہے ہیں۔ یہ خوبی ہے اس نظام کی کہ لوگ پہلے اسے تسلیم کرتے ہیں پھر اس پر عمل کرتے ہیں۔ لوگ پہلے اس پر ایمان لاتے ہیں پھر اس کے مطابق عملی زندگی میں بہتری لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایمان تو آپ بڑی دیر سے لائے ہوئے ہیں لیکن ابھی تک اس پر عمل نہیں ہوا اور نہ اس کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کرنے کی کوشش ہی کی جا رہی ہے۔

حضور ﷺ سے محبت صرف آپ کے چہرے سے ہی نہیں

سوال: آپ رسول اللہ ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حضور ﷺ سے محبت آپ کے دل میں ہی ہے پھر سے پر نہیں؟

جواب: آپ نے بڑی معقول بات فرمائی، مگر میں ایک چھوٹی سی بات آپ سے عرض کر دوں۔ بعض اوقات جو ایک کوتاہی میری ذات میں ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کی کوتاہی نہ بنے، مگر اس کے پیچھے ایک خصوصی حکمت کا فرما ہے۔ جو شاید میں کہوں تو وہ غدر سمجھا جائے گا اور جھوٹ سمجھا جائے گا۔

مجھے جس اُمت سے واسطہ پڑا، جن لوگوں سے واسطہ پڑا، جن لوگوں کو میں نے داڑھیوں میں دیکھا، میں ان کی خدمت نہیں کرتا، لیکن بد قسمتی سے وہ داڑھی کے معیار پر پورے نہیں اترے۔ ایک جملہ آپ نے بھی سنا ہوگا میں نے بھی سنا ہے، یہ کوئی داڑھی کی قدر و قیمت تو نہیں۔ میں آپ کو قسم اٹھا کے کہتا ہوں کہ میں ابھی اپنے آپ کو داڑھی کا اہل نہیں سمجھتا میری ذات میں بڑی خامیاں ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے یہ سنت رسول مجھے زیبا نہیں۔ کم از کم اس کے نہ ہونے سے میں ان کمزور و درجے کے مسلمانوں میں ہوں جن پر اعتراض نہیں ہوتا اور پھر جب میں اس کو رکھ لوں گا تو پھر مجھے کچھ نہ کچھ اس کا معیار پورا کرنا پڑے گا۔ روزانہ جو میں جھوٹ بولتا ہوں اسے ترک کرنا پڑے گا۔ سب سے بڑھ کر مجھے نفاق قلب کو خیر باد کہنا پڑے گا۔ علی بن عثمان نے فرمایا! یہ قول ایک حجت ہے کہ جس سنت پر فسق و فجور کا گمان ہو شروع ہو جائے اس کا ترک اس کا اختیار سے بہتر ہے۔

سائنس کی رو سے مسلمان کا زوال

سوال: کیا مسلمانوں کا سائنس اور ٹیکنالوجی سے دور ہونا ان کے زوال کی بہت بڑی وجہ نہیں ہے؟

جواب: نہیں، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ علم کا تقسیم ہو جانا۔ مجموعی طور پر آپ دیکھیں کہ تین چار سو سال سے ایک حماقت عالم اسلام میں جاری ہے اور اس کا سبب علمائے اسلام ہیں اور وہ یہ کہ یہ دین کا علم ہے وہ دنیا کا۔ جس کو بھی آپ

دیکھیں گے وہ علم کو تقسیم کر رہا ہے۔ فرض کیجیے ایک شخص جو ایم۔ اے۔ سی میں داخلہ لے رہا ہے ایک بزرگ سے فرمائیں کہ آؤ ہمارے مکتب میں یہ کرلو۔ یہ علم تو دنیا کا ہے یہ دین کا ہے۔ یہ تقسیم جب سے شروع ہوئی ہے دین و دنیا کے علوم علیحدہ ہوئے ہیں۔ جب سے یہ تقسیم شروع ہوئی ہے کہ آپ بچے کو قرآن حفظ کروانا چاہتے ہیں اور اسے سکول سے اٹھا لیتے ہیں کہ یہ قرآن حفظ کرے گا۔ سکول نہیں پڑھے گا۔

قرآن حکیم جب علوم کی تفسیر کرنا ہے تو کہتا ہے کہ میرے بہترین وہ لوگ ہیں جو اللہ یذکرون فی ما وقعوں اور علیٰ جنوبہم وینفکرون فی خلق السموات والارض (۳) (آل عمران: ۱۹۱)

اب آپ انصاف سے کہیے کہ ایک طرف خدا یہ کہتا ہے کہ میرے بندے وہ ہیں جو صبح و شام چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے مجھے یاد کرتے ہیں۔ دوسری طرف وہ بندے ہیں جو زمین و آسمان کی تخلیقات پر غور کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو ماہرین نباتات ہیں وہ لوگ جو ماہرین فلکیات ہیں وہ لوگ جو مختلف سائنسی علوم سے وابستہ ہیں جو تحقیق و جستجو کے میدان میں ایک چھوٹی چیز سے خدا کا اثبات ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ لوگ جو سمندر پر غور کر رہے تھے جب وہ سمندر کی تہ میں اترے تو انہوں نے ایسی عجیب و غریب مچھلیاں دیکھیں تو وہ شخص جو مسلمان نہیں یہ کہتا ہے کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس مچھلی کو کس لیے بنایا گیا ہے اس کا مدافعتی نظام مخصوص ہے اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مدافعتی نظام اس کو کس نے دیا ہے۔ سوائے اس کے میں یہ کہوں کہ اسے اللہ نے دیا ہے۔

خواتین و حضرات! تحقیق و جستجو کی یہ تقسیم کہ یہ قرآن ہے یہ حدیث ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قرآن ہے تو اس کی ایک ایک آیت کو سمجھنے کے لیے آپ کو مختلف علوم کی اعلیٰ اسناد چاہئیں۔ ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الاباب لعلکم تتقون (۲) (البقرہ: ۱۷۹) اور اگر اہل عقل غور کرو تو قصاص میں زندگی ہے اس کے لیے آپ کو علم تاریخ چاہیے اس کے لیے آپ کو پتھر اے ہوئے ڈھانچوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کے لیے آپ کو عمرانیات کا پورا علم چاہیے۔ پھر جا کر آپ اس آیت کے معانی کو سمجھ سکیں گے۔ ایک چھوٹی سی آیت ہل اتیٰ علی الانسان حین من المدھر لم یکن شیاء مذکوراً (۶۶) (الانسان: ۱) میں آپ سے بطور دعویٰ کہتا ہوں کہ لم یکن شیاء مذکورہ کی تفسیر جو ہے آپ میں کوئی بڑے سے بڑا عالم اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک اسے حیاتیات کا مکمل علم نہ ہو۔ انسان کے آغاز کا علم نہ ہو حیاتیات کی ابتدا کا علم نہ ہو۔ اللہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ مدتوں برس ہا برس قرن ہا قرن تم زمانے میں ایسے رہے کہ تم کوئی قابل ذکر شے نہ تھے تو اس کی کون وضاحت کرے گا کہ انسان زمانے میں کیسا رہا؟ کون اس حقیقت سے پردہ اٹھائے گا کہ حیات انسانی تو دو ارب سال پہلے شروع ہوئی۔ ول ڈیورنٹ اپنی ”ہسٹری آف فلاسفی“ میں کہتا ہے کہ انسان ایک جاہد حیات کی صورت میں کہیں موجود تھا اور پھر اس نے سودا کیا، موت کے بدلے زندگی قبول کی اور یہ بٹنا چلا گیا۔ امیبا سے Paramecia ہوا اس سے آگے بڑھتا ہوا دوہرے خلیے (Double cellular) کی حیات تخلیق ہوئی۔ آپ ایک دو ارب سالوں میں اس درجہ انسانیت پر پہنچے۔ علم کی تقسیم کی وجہ سے یہ سب حادثات پیش آئے۔

آج بھی آپ ایک طرف وہ تمام لوگ دیکھیں جو صرف مذہبی علوم رکھتے ہیں۔ ایک طرف وہ لوگ دیکھیں جو تمام دنیاوی علوم رکھتے ہیں ان دونوں کے درمیان کوئی مطابقت نہیں۔ یورپ کیوں ترقی یافتہ ہے کہ تمام سائنسی علوم

میں کمال حاصل کر گیا، مشرق کیوں پسماندہ ہے کہ ان کو انسانی علوم کا کچھ پتا نہیں تھا، مگر مغرب والے یہ کہتے ہیں کہ مشرق اس لیے پسماندہ ہے کیونکہ وہ مذہبی ہے حالانکہ یہ دلیل غلط ہے۔ مشرق مذہبی علوم کی وجہ سے پسماندہ نہیں ہے۔ مشرق یا آپ اس وجہ سے پسماندہ ہو کہ آپ نے مذہب کے قانون کو صحیح طرح سمجھا نہیں۔ آپ موضوعی نقطہ ہائے نظر (Subjective Approaches) کے مالک ہوئے۔ آپ نے آدھے مذہب کے قانون پر عمل کیا۔ آدھے کو بالکل چھوڑ دیا۔ الذین یذکرون اللہ فیما وقعوا و علیٰ جنوبہم تک تو عمل کر لیا اور دوسرا حصہ بالکل ترک کر دیا کہ ویسفکرون فی خلق السموات والارض (۳) (آل عمران: ۱۹۱)

خلوص اور اخلاص

سوال: خلوص اور اخلاص کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟

جواب: یہ تو بھڑوں کا جھنڈا ہوتا ہے جسے آپ اخلاص کہتے ہیں کہ اس کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ مخلصی بعض اوقات نادانی سمجھی جاتی ہے۔ اخلاص ایک ایسا رویہ ہے جو تعقل کے درجے پر پہنچتا ہے تو الہام ہو جاتا ہے۔ اخلاص بغیر ترجیحات کے مرتب نہیں ہوتا۔ جب آپ دل و دماغ سے کسی چیز کا انس پیدا کرتے ہیں اور کسی شے کی محبت کو ترجیح اول قرار دیتے ہیں تو آپ کا اخلاص ترقی پذیر ہوتا ہے۔ ان تمام معاملات میں تمام لوگوں میں یہ محبت کی جبلت موجود ہوتی ہے۔ یہ بنیادی جبلتوں میں سے ہے۔ محبت ایک بنیادی جبلت ہے جیسے جارحیت اور تحفظ ذات بھی بنیادی جبلتیں ہیں مگر جب اس جبلت کو سنوارا جاتا ہے اور کوئی رخ دیا جاتا ہے اور یہ وجود سے نکل کر قدر کی صورت اختیار کر جاتی ہے تو یہ اخلاص کا نام پاتی ہے۔

غیر مسلم بچے کا حساب

سوال: ایک بچہ جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوا، اس کا مسلمان ہونا تو سمجھ میں آتا ہے جو بچہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہی نہیں ہوا، اس سے اللہ کے پاس حساب لینے کی کیا دلیل ہے؟

جواب: اس معاملے میں معتزلہ اہل اسلام سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اس کا جواب رسول اللہ ﷺ نے بڑا مناسب دیا۔ پوچھا گیا کہ ان کا انجام کیا ہوگا؟ چھوٹی عمر میں مر گیا۔ بلوغت سے پہلے مر گیا۔ فرمایا اللہ بہتر جانتا ہے جو اس نے بڑے ہو کر کرنا ہے، مگر میں آپ کو ایک عملی سا جواب دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں حالات و واقعات یا کوئی اچانک تبدیلی آ جائے۔ وہ یہ ہے کہ اگر ایک چیز کے بنیادی اجزاء (جو آپ نے ایک چیز حاصل کرنی ہے اس کے بنیادی اجزاء) ایک جیسے ہوں۔ مثلاً آپ نے مشین میں دو دھ اور آئس کریم پاؤڈر ڈالا۔ باقی اجزاء ڈال دیے تو ہو سکتا ہے کہ پتلی آئس کریم تیار ہو، اچھی تیار ہو، بے مزہ آئس کریم تیار ہو، مگر یہ نہیں ہوگا کہ آئس کریم کی جگہ تمباکو نکل آئے۔ اب اگر ایک کافر ماں ایک کافر باپ، کافر جینز (Genes) بچے میں ڈال رہے ہیں تو جب تک وہ بلوغت اور شعور کو نہیں پہنچتا اس جینز میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئے گی اس لیے:

بڑی سادہ سی بات ہے جو میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ ہاں اگر وہ بچہ بڑا ہوتا ہے۔ بلوغت کی عمر کو پہنچتا ہے۔ اپنے تصورات کی تبدیلی کا اختیار رکھتا ہے، عقل و شعور رکھتا ہے، خدا کو جاننے کی کوشش کرتا ہے تو پھر اللہ اس کے راستے متعین کرتا ہے اور وہ کے۔ ایل۔ گا با ہو جاتا ہے۔ کافر تھا، ہندوؤں کے گھر پیدا ہوا، مسلمان ہو گیا اور ادھر سے کوئی مسلمان ایسا نکلتا ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے تو جب بلوغت آئی تو انسانوں کے کردار و افعال ان پر مسلط ہوئے تو ان کی سوچیں فیصلہ کرتی ہیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ کروڑ ہا مسلمان صاحبِ نجات ہیں یا نہیں۔ اب آپ غور کیجیے کہ ایک نظر یہ آتا ہے کمیونزم، سوشلزم اور وہ نظریہ دیکھتے دیکھتے دو یا تین کروڑ پاکستانیوں کو متاثر کر دیتا ہے۔ ہمارے زمانے میں ایک طالب علم نے مجھ سے پوچھا کہ ہمارے ٹیچر فرماتے ہیں کہ:

Muhammad (PBUH) was a Capitalistic Exploiter.

جب ایک مسلمان کا بچہ محمد رسول اللہ ﷺ کو Capitalistic Exploiter کہے گا تو کیا اس کا ٹھکانا پھر جنت میں ہونا چاہیے؟ یہ وہ تھیمز ہے جو مکمل طور پر اس بات پر قائم ہے کہ مذہب افیون ہے اور خدا سراب ہے، خیال خام ہے، حماقت انسان ہے۔ وہ دو کروڑ مسلمان، مسلمانوں کے سے نام رکھیں گے، مسلمانوں کے گھر پیدا ہوں گے، مسلمانوں کی اولاد ہوں گے اور اپنے مقامات جو ہیں۔

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

علم کے واسطے چین تک

سوال: ایک حدیث ہے کہ علم حاصل کرو چاہئے، تمہیں چین تک جانا پڑے تو جناب ٹیکنالوجی تو ساری امریکہ اور یورپ کے پاس ہے تو چین تک کا ذکر رسول پاک ﷺ نے کیوں فرمایا؟

جواب: اگر آپ کو شاہراہ ریشم کے رُوٹ کا پتہ ہوتا تو یہ مسئلہ پیدا نہ ہوتا۔ جس زمانے میں یہ بات کہی گئی اُن دنوں سب سے مہذب علاقہ چین سمجھا جاتا تھا، جیسے آج آپ کے ہاں نیویارک اور واشنگٹن ڈی۔سی کے نام صحائف مقدس سمجھے جاتے ہیں، اس زمانے میں مسلمانوں کے سمرقند، خیوہ اور چین کے علاقے بہت معتبر اور خوبصورت ترین علاقے سمجھے جاتے تھے۔ مراکش میں تمام اطالوی لوگوں کا خیال تھا کہ پرپاں بہتی ہیں اور وہاں حورا اور ملائکہ کے قصے مشہور تھے اور یہ اس وجہ سے تھے کہ تکنیکی اور ثقافتی اعتبار سے مسلمان اس زمانے میں یورپ سے بہت آگے تھے۔ یورپ اس وقت سیاہ ادوار میں تھا اور یہ علاقے اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند تھے۔

حدیث رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہم اس سے بھی پیچھے جھاکتے ہیں تو تین ہزار سال پہلے جیسے قبلائی خان اور کنفیوشس کے دور میں چین سب سے قدیم سب سے مہذب اور سب سے ترقی یافتہ تہذیب سمجھی جاتی تھی اور وہ تاثرات رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک قائم تھے۔ اب آئیے رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک دیکھیے کہ یورپ کا کیا حال تھا۔ ظاہر ہے کہ یورپ اُن دنوں دور سیاہ کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، اس لیے اس کی نہ کوئی علمی شناخت تھی، نہ کوئی تکنیکی شناخت تھی

بلکہ پندرہویں اور سولہویں صدی کے درمیان انگلینڈ، اٹلی اور فرانس میں جب کسی کو آدھے سر کا مستقل درد ہوتا تھا تو لوگ کہتے تھے اس پر جن غالب ہے اور جن لوگوں سے وہ درد کا علاج کرانے جاتے تھے وہ ایک صلیب نما کیل ان کے سر میں ٹھوک کر ان کا درد دور کرتے تھے۔ وہ بندہ بھی فارغ ہو جاتا تھا اور درد بھی۔ اس زمانے میں چونکہ مہذب ترین اور اعلیٰ ترین علمی فضیلت والی قوم چین تھی، اس لیے فرمایا، اطلبوا العلم ولو کان بصین اور پھر چین سب سے دور بھی تھا۔ یہاں دوری بھی استعارہ ہے۔ اس کے درمیان تین ہزار میل کا صحرائے گوبی پرانا تھا، جس کو عبور کرنے کے بعد آپ قبلائی خان کے دارالحکومت تک پہنچتے تھے، جیسے مارکو پولو پہنچا تھا۔ تو یہ ایک دوری کا نشان ہے جسے حضورؐ نے فرمایا، علم اگر اوج شریا پر بھی ہوگا تو ایک عجمی سے اتار لے گا، یعنی عجم میں سے کوئی شخص اسے اتار لے گا۔ تو یہ دوری کا نشان بھی ہے مگر ایک بات اچھی طرح یاد رہے کہ علم تو مدینے میں تھا، علم تو قرآن تھا، علم تو رسالت تھی، علم تو ایمان تھا، تو اس سے مراد وہ علم نہیں ہے، اس سے مراد دنیاوی علوم ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دنیاوی تعلیم کو کتنا لازم قرار دیا۔

Kat Stevens

سوال: ایک مغربی گویے نے جس کا نام Kat Stevens تھا، اسلام قبول کر کے اپنا نام یوسف رکھ لیا تو اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: خواتین و حضرات! میں نے بھی امریکہ ایک چکر غلطی سے لگایا تو ان دنوں وہاں Kat Stevens آئے ہوئے تھے اور وہ اللہ پر پروگرام پیش کر رہے تھے۔ انہی دنوں میں وہاں کے سلسلے کے ایک صوفی بھی آئے ہوئے تھے تو مجھے ان دنوں حضرات کو سننے کا اتفاق ہوا اور میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ یہ تصوف تو بڑا دلکش ہوتا ہے۔ آدھی رات کے بارہ ایک بجے سلسلہ صوفیاء شروع ہوا تو تمام لوگ سفید لباس براق میں ایک حلقہ سا بنا کے کھڑے ہوئے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں دف تھی، کسی کے ہاتھ میں بانسری تھی اور وہ مانج رہے تھے اور اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو کر رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہم اپنے ہی لوگوں کو ایسے فراڈ میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ یہاں اس سے بھی زیادہ فراڈ ہے۔ Kat Stevens ان دنوں گناہ پر اللہ کا پروگرام پیش کر رہے تھے اور ساتھ جھوم رہے تھے۔ By far, it was one of the most funniest sites I have every seen.

مگر میں ان کے اخلاص کی بات نہیں کرتا۔ بہر حال مجھے یہ سب کچھ بڑا عجیب سا محسوس ہوا۔
آپ گناہ پر اللہ ہو کر تے پھر و اور پوپ موسیقی کے ذریعے ہی اللہ کو مقبول کرتے رہو۔ بہر حال۔

I don't know..... God is the better judge.

وسوسہ اور الہام

سوال: وسوسہ اور الہام میں کیا فرق ہے؟

جواب: وسوسہ دستک، جھنکار کو کہتے ہیں کہ آپ کے سلسلہ خیال میں اور جس طرح کوئی سکوت ہو امن ہو پھر اچانک کہیں سے پائل کی جھنکار آئے کوئی دستک دے تو جو چونکا ہٹ پیدا ہوتی ہے اس کو وسوسہ کہتے ہیں۔ وسوسہ اور الہام خیر دو علیحدہ چیزیں ہیں۔

ایک صوفی اپنے شاگرد کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ سردی بہت زیادہ تھی پاؤں بھی نکلے تھے۔ شاگرد کے گلے میں گلو بند تھا تو اس نے چاہا کہ گلو بند اتار کے میں اپنے شیخ کے پاؤں میں پہنا دوں۔ پھر خیال آیا نہیں شیخ تو بہت ریاضت والا ہے۔ اس نے تو بڑے کشت کاٹے ہیں یہ کہاں سردی گرمی کی پروا کرتا ہے۔ خیال ختم ہو گیا اور آگے بڑھ کے کچھ دیر کے بعد اسی شاگرد نے اپنے استاد سے پوچھا کہ حضرت یہ وسوسہ اور الہام میں کیا فرق ہے؟ فرمایا! جو تجھے پہلے آیا تھا وہ الہام تھا جو بعد میں آیا وہ وسوسہ تھا۔

فلاح پانے والا فرقہ

سوال: مسلمان اس وقت بہت سے فرقوں میں بٹ چکے ہیں اس کی وجہ کیا ہے اور آپ کے خیال میں فلاح پانے والا فرقہ کون سا ہے؟

جواب: بہت سادہ سا فرقہ ہے مسلمان میں اور فرقوں میں۔ ان الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعاً لست منہم فی شنی (۶) (الانعام) ۱۵۹۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں فرق کیا اور گروہ بن گئے اے پیغمبر! تو ان میں سے نہیں۔

پیغمبر نہیں ہے تو ہم کہاں سے ہوں گے۔ وہ لوگ جنہوں نے تشخص جدا کیا، عادات جدا کیں، انداز جدا کیے، اسٹائل جدا کیے، ڈاڑھیاں جدا کیں، ٹوپیاں جدا کیں، شلواریں جدا کیں، رنگ جدا کیے، ان میں پیغمبر نہیں اور وہ جن کا ایک سا انداز ہے جو گنہگار ہیں، نکتے ہیں، غلطی کے وقت تو بہ کر لیتے ہیں، مڑ مڑ کے خدا کو یاد کرتے ہیں فلا تزکوا انفسکم ہو اعلم بمن اتقى (۵۳) (انجم) ۳۲۔ جو شخص اپنے آپ کو پاکباز نہیں کہتا، مقدس نہیں سمجھتا، وہ آپ جیسا، جس کا ایک تشخص ہے کہ وہ مسلمان ہے وہی صحیح ہے۔

کمپیوٹر انزڈ نسل

سوال: آج کے دور میں نوجوانوں کی تفریح کمپیوٹر انزڈ ہے۔ نہ تو انہیں دودھ سے دلچسپی ہے نہ شہد سے۔ جنت میں جا کر یہ لوگ کیا کریں گے؟

جواب: خداوند کریم نے فرمایا کہ جنت میں ہر سمت آپ کو خوشی ملے گی۔ اگر آپ کا یہی ٹیٹ جنت میں قائم رہا تو اللہ وہاں بھی آپ کے لیے کوئی ڈسک پلیئر یا کمپیوٹر لادے گا۔ اس سے کوئی مسئلہ نہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہاں کے کمپیوٹر سپر کمپیوٹر کے سامنے اتنے حقیر لگیں کہ آپ کو ایم سی ایس دوبارہ کرنا پڑے۔ یہ خیال کر کے جائیے گا کہ وہاں اگر آپ امتحان دینے کی مصیبت میں پڑ گئے جو دنیا میں ہے تو مزا نہیں رہے گا۔

شعور کی عمر کا تعین

سوال: احساسِ گناہ جو ہے وہ شعور کی عمر میں جا کر آئے گا۔ شعور کی عمر کا تعین کیسے کیا جائے گا؟
جواب: ہم چودہ برس کی عمر تک اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہیں۔ بہت ساری باتوں سے بچوں کو روکتے ہیں تو وہ اس کا پس منظر بن جاتی ہے۔ جھوٹ بولنے سے روکتے ہیں یا ان کو آگ کے قریب جانے سے روکتے ہیں تو یہ ساری کی ساری ابتدائی تربیت ہے جو ان کو بعد میں مدد دیتی ہے۔

جیسے احساسِ گناہ قبر تک جاتا ہے۔ ہم شعور کی عمر میں بھی گناہ کرتے رہتے ہیں، مگر ہمیں چھوٹا سا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی تربیت کو اس لیے اہم قرار دیا جاتا ہے کہ ابتدائی تربیت جتنی بھی مستحکم اور واضح ہوگی اور جتنی بھی منافقت سے خالی ہوگی وہ تربیت آخرت تک ہمارا ساتھ دے گی۔ جیسے اقبالؒ نے کہا:

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوشِ شبیرے گیری

جیسے آج کل کی تربیت ہو رہی ہے۔ بچے اس لیے زیادہ بگڑ جاتے ہیں کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ جو چیز ماں باپ کہہ رہے ہیں، خود اس کے خلاف کرتے ہیں تو ان کو پتہ لگ جائے گا کہ ماں باپ بھی بے اصول ہیں اور ہم نے بھی ایک بے اصولی کارویہ اپنانا ہے، مگر جیسے سبھی کہتے ہیں کہ آغوشِ مادری سے بھلائی کے سراغ لگتے ہیں اور جھولے ہی میں پوت کے پاؤں سے پتا لگ جاتا ہے کہ بڑا انسان ہے کہ نہیں۔ اس کی وجہ وہ ابتدائی تربیت ہے جس میں ایک خالص نیکی، سعادت، شرافت، اخلاق اور صبر کے اصول ہیں۔ Adversity is the school of all great people اور غربت میں جو مائیں اپنے بچوں کو اچھے اصولوں سے پالتی ہیں، خیر پر پرورش کرتی ہیں، نیکی پر پالتی ہیں، پھر وہی بچے آگے جا کر انہی اصولوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

جذبات کی مخالفت

سوال: آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ کو اپنی ترجیح اولیں بنا لیں اور آپ نے یہ بھی کہا کہ مسلمان اتنا لٹھ چکا ہے کہ وہ اس موضوع پر اپنی توجہ مرکوز نہیں کر سکتا۔ میں خدا کو اپنی ترجیح اول تو بنالوں اور بنانا بھی چاہتا ہوں مگر میں اپنے جذبات کی مخالفت کیسے کروں؟

جواب: اصل میں تو یہ جہاد ہے اور ایک جنگ ہے جو کلمہ پڑھنے سے شروع ہوتی ہے۔ کیا مدو جزر ہے جو انسانی طبیعت میں کلمے کے بعد شروع ہوتا ہے کہ لا الہ الا اللہ۔ میں جو ہزاروں خداؤں میں تقسیم ہوں۔ میرے باطن میں میری انا میرا خدا ہے۔ میرا انتخاب میرا خدا ہے۔ میری محبتیں میرا خدا ہے۔ میری چاہتیں، رغبتیں ہر چیز میرا خدا ہے۔ زین للناس حب الشهوات من النساء والبنین والقناطر المقنطرة من الذهب والفضة والخيل المسومة والانعام والحرب^ط فالک مناع الحیوة الدنیا (۳) (آل عمران: ۱۴) لوگوں کی خواہشات، نفس سے محبت

عورتوں سے محبت بیٹوں سے محبت سونے اور چاندی کے خزانوں سے محبت، عمدہ قسم کے گھوڑوں، مویشیوں سے محبت اور بھیتی سے محبت بڑی مزین کی گئی ہے۔ یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے۔ یہ سارے کے سارے خدا ہیں۔ اگر ان ساری چیزوں ہی کی عبادت ہم نے کرنا ہے تو پھر لا الہ کیوں کہنا ہے۔ میں نے لا اللہ تک کب پہنچنا ہے۔ کیا بہتر نہ ہوگا کہ میں کلمے سے دستبردار ہو جاؤں۔ میں یہ نہ کہوں کہ میں لا اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ میری استعداد کوئی نہیں ہے۔ یہ تو بڑی ہمت کا کام ہے۔ بڑی سوچوں کا کام ہے۔ مگر خدا کہتا ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ (۱۳) (آل عمران: ۹۲)

برسات عاشقان در دل

تم کبھی میری محبت نہیں پاسکتے جب تک کہ اس کے مقابلے میں اٹھتی ہوئی محبتوں کو خرچ نہ کرو۔ قربان نہ کرو۔ یہ ایک دن کا کام نہیں۔ بائیس برس قرآن اترتا رہا۔ بائیس برس عربوں کی جنگیں ٹوٹتی رہیں۔ بائیس برس تک تربیت کے اس نظام میں بدترین لوگ بہترین نفوس میں بدلتے رہے۔ ایک دن میں نہیں بدلے۔ میں بہترین انسان بننے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سب سے بہترین زمانہ میرا پھر میرے اصحاب کا پھرنا بعین کا۔ حضرات گرامی! آج کے دن ہم زیر و مار جن سے تو شروع کر سکتے ہیں، میں اگر عمل نہیں کر سکتا تو میں ایک خواہش کا اظہار تو کر سکتا ہوں اور خواہش کے اظہار کے لیے ہی سورہ فاتحہ ہے۔ فاتحہ کیا چیز ہے۔ جدوجہد کے کھلنے کو کہتے ہیں میری اپروچ کا کھلنا کہ میں کچھ بھی نہیں کرتا۔ دیکھیے جس چیز کو آپ کمتر سمجھتے ہیں اس سورہ کو آپ چھوٹا سمجھتے ہو، دن میں دس مرتبہ پڑھتے ہو، اس کی اہمیت کا آپ کو پتہ ہونا چاہیے۔ یہ آپ سے عمل کا تقاضا نہیں کر رہی۔ آپ غور کیجیے۔ سورہ فاتحہ اس سوال کا جواب ہے جو ابھی آپ نے کیا کہ خدا کو ماننے کی آرزو ہے۔

وصال یار بڑی چیز ہے مگر ہدم

وصال یار فقط آرزو کی بات نہیں

جس شخص کے دل میں آرزو خداوند پیدا ہوگئی اس کا پہلا سوال یہی ہے کہ کیا کروں تو اللہ کہتا ہے کہ فاتحہ سے شروع کرو۔ دُعا سے شروع کرو۔ یہ سورہ تمام امراض کی شفا ہے اور سب سے بڑھ کر امراض قلب کی شفا ہے جو آپ کے دل میں وساوس، جو اجرام فلکی کے گمان، جو زندگی کے گمان، جو غلطیوں کے گمان آتے ہیں، ان میں یہ آپ کو راستہ دکھاتی ہے اور اگر اللہ توفیق دے تو آپ اپنے مشاغل میں نماز کو اور سورہ فاتحہ کو جزو فکر بنا لیں اور خدا سے دعا مانگتے رہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ العزیز آپ کے راستے کشادہ ہوں گے۔ آپ کو عملی، نظری اور فکری رستے ملیں گے اور آپ قرب و جوار خداوند میں جا کر رکیں گے۔

اسلام میں تفریح کا تصور

سوال: اسلام میں تفریح کا کیا تصور ہے؟

جواب: اسلام میں تفریح کا اتنے مقامات ہیں اور اسلام اتنا تفریح کا قائل ہے کہ حضور ﷺ نے تیر اندازی کے مقابلوں میں شرکت کی۔ حضور ﷺ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کو تماشا دکھلایا، جسے آپ بازی گروں کا تماشا کہتے

ہیں۔ حضور ﷺ نے گھڑ دوڑ میں حصہ لیا اور اسلام ان تمام تفریحات میں یقین رکھتا ہے جو شہواتِ خالصہ کو نہ لے لے کے جائیں۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ اپنے دور کے بہترین کھلاڑی تھے۔ وہ کھیلوں کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث ہے کہ فرمایا ایک بار میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ دوڑ ہو جائے تو فرمایا عائشہ ہو جائے اور پھر ہم نے صحن میں دوڑ لگائی اور حضور ﷺ آگے نکل گئے اور میں پیچھے رہ گئی۔ میں نے کہا، حضور ﷺ پھر سہی۔ فرمایا! ہاں پھر کبھی سہی اور پھر کچھ عرسے کے بعد جب حضور ﷺ بوڑھے ہونے لگے تو میں نے کہا، حضور ﷺ آج پھر دوڑ ہو جائے فرمایا ہاں ہو جائے۔ پھر ہم نے صحن میں دوڑ لگائی اور میں آگے نکل گئی۔ فرمایا! عائشہ برآمد ہوئے۔ شکر ہے تم نے دوڑ جیتی ورنہ تم نے بدلہ نہیں چھوڑا تھا۔ دیکھیے کہ گھر میں اپنی محترم خاتون کے ساتھ دوڑیں لگ رہی ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ وہ تفریح کو پسند نہیں کرتے ہوں گے۔

بہت ساری باتیں ایسی ہیں کہ جن کی زیادتی غلط ہے اور وہ تفریح کی حد تک رہیں اور شہوات کی حدود میں نہ داخل ہوں۔ اب اگر آپ نے باقی چیزوں کی اصلیت دیکھنی ہے تو آپ کو یہ اصول بتا پڑے گا کہ کیا وہ آپ کے عوامل میں داخل ہو رہی ہے۔ کیا وہ آپ کو نماز سے غافل کر رہی ہے۔ کیا آپ کو صدقات سے غافل کر رہی ہیں۔ کیا آپ کو خدا کے احکام سے غافل کر رہی ہیں۔ اگر یہ سب کچھ کر رہی ہیں تو گناہ ہے اگر نہیں تو تفریح ہے۔

اللہ کے ولی جو عراق میں دفن ہیں

سوال: عراق میں ولی اللہ اور بزرگ ہستیاں دفن ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: میں کل ایک جگہ سے گزر رہا تھا تو ایک صاحب دوسرے صاحب کو کہہ رہے تھے کہ جس کو غوثِ اعظمؒ مانتے ہو، کبوتر بغداد کو بچالے۔ اب کبوتراں کو جنید بچالے۔ یہ بڑے گستاخی کے کلمات ہیں جو اولیاء اللہ کے بارے میں بولے جاتے ہیں۔ یہ اللہ کے دوست ہیں۔ یہ اللہ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انہوں نے مخلوق خدا کو خدا کی طرف راغب کیا۔ خدا نے ان سے کام لیا کہ اپنی محبت کو ان لوگوں کے توسط سے پھیلا یا۔

اگر آپ ان پر طنز کرو گے تو یہ جواب میں ضرور کہیں گے کہ تم جیسے لوگوں کے ہوتے ہوئے کیسے ترس ہو سکتا ہے۔ تم جیسے گستاخانِ رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے کیسے رحم ہو سکتا ہے۔ ہم تو آرام سے نیچے پڑے ہیں۔ یہ تمہارے گناہوں کی سزا ہے جو تمہیں مل رہی ہے۔ پھر دوسری بڑی بات۔ ابھی جنگ کو چھ دن ہوئے ہیں اور آپ نے باتیں شروع کر دیں۔ ابھی تک جنگ کا فیصلہ ہی نہیں ہوا۔

کیا واقعی شہر بچتے ہیں کہ نہیں۔ محدثین کے امام اور شافعی سلسلہ کے بزرگ شیخ محمد بن علی ابن الجزری جو مصنف ”حسن حصین“ ہیں۔ احادیث کی دعاؤں کی کتاب لکھ بیٹھے تھے اور لکھ کے حضور ﷺ کو نذر فرمائی اور شہر کا یہ عالم تھا کہ قزل بوغا سوا لاکھ منگول لے کے حملہ کرنے آیا ہوا تھا۔ شہر کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ عورتیں تھیں، بچے تھے۔ کھرام مچا ہوا تھا۔ شیخ نے حضور ﷺ سے شہر کے بچنے کی دعا کی درخواست کی۔ شیخ نے یہ ”حسن حصین“ کے آغاز میں نقل کیا کہ خواب میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور مجھے بائیں ہاتھ لیا۔ پھر وضاحت فرمائی کہ عرب جس کو بائیں ہاتھ لیتے ہیں اس کی

حفاظت مقصود ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے کتاب کو قبولیت عطا فرمائی اور فرمایا 'ڈرمت تو سلامت رہے گا۔ اگلے دن صبح قزل بوغاد مشق کا محاصرہ چھوڑ کر کیوں چلا گیا۔ اگر یہ کتاب شیخ ہی تھی اور شیخ کا بیان ہی تھا کہ میں نے کتاب منسوب محمد ﷺ کی اور دعاما لگی تھی کہ یا رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو عذاب سے چھڑائیے اور رات رسول اللہ ﷺ خواب میں تشریف لائے اور مجھے بائیں ہاتھ لیا اور پھر وضاحت فرمائی کہ عرب جس کو بائیں ہاتھ لیتے ہیں ان کی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔ ڈرمت تھے کوئی خطرہ نہیں اور شہر والوں کو کوئی خطرہ نہیں اور اس طرح یہ خطرہ ٹل گیا۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

Mystic experiences excommunicable.

آپ کو پتہ ہے صوفیوں اور مولویوں میں کیا جنگ ہوتی ہے۔ مولوی پر تو پوری زندگی وہ لوجہ گزرا ہی نہیں۔ اس کے دل پر اس کے باطن پر کوئی ایسی کیفیت گزری نہیں تو وہ کیسے مان لے کہ کسی اور پر گزری ہے۔ اسی لیے وہ کرامت کا قائل نہیں۔ اسی لیے وہ محبت کا قائل نہیں۔ وہ صرف شریعت کا قائل ہے اور شریعت بغیر طریقت بے معنی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں 'حالانکہ ابن تیمیہؒ سے سخت کوئی نہیں ہے۔ اپنے زمانے میں ہزاروں لوگ انہوں نے قتل کروائے جو دجل و فریب سے خدا کے نمائندے بن کے بیٹھے ہوئے تھے، مگر جب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ بغداد کے وہ عظیم اولیاء اللہ تھے اور ان کی کرامات ہم تک تو اتر سے پہنچیں۔ اب اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا اولیاء اللہ کا کہ ابن تیمیہؒ جیسے لوگ کہتے ہیں کہ ان کی کرامات تو اتر سے ہم تک پہنچی ہیں اور اب بھی کرامات بغداد سے پہنچ رہی ہیں۔ خدا اپنے دوستوں کا ساتھ دیتا ہے اور اس کے دوست ہم اور آپ جیسے غریب بندوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

قرآن میں اللہ نے کہا کہ اے پیغمبر ﷺ اگر یہ تیری بیویاں تیرا ساتھ نہیں دیتیں تو پھر میں میرے ملائکہ اور میرے مومنین تیرا ساتھ دیں گے۔ اگر آپ ترتیب دیکھیں تو بڑی عجیب سی ہے کہ میں میرے ملائکہ میرے مومنین تیرا ساتھ دیں گے۔ اب ذرا غور فرمائیے کہ کوئی بھی اہل عقل ایسا ہے کہ جب میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں ساتھ دوں گا تو میں اپنے غلاموں کا کیوں ذکر کروں گا مگر اس طرح اللہ جملہ بڑھاتا ہے کہ میں ساتھ دوں گا میرے ملائکہ ساتھ دیں گے اور میرے مومنین تیرا ساتھ دیں گے۔ ایک نظام ہے۔ ایک سربراہی ہے۔ اس کے نیچے گروہ ہیں۔ قیادت بھی ہے۔ جزوی ہیں۔ کلی ہیں۔

حضور ﷺ کی حدیث ہے۔ اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔ یا تو پھر آپ یہ جملہ کہو گے کہ اے اللہ اپنے بانٹنے والے سے کہو کہ مجھے کچھ دے۔ اگر خدا تک آپ کی رسائی ہوگی تو آپ کہو گے اے اللہ مجھے دے۔ اب جو شخص اللہ سے مانگنے جائے گا۔ تقسیم تو کسی بندے کے پاس ہے تو اس سے وہ دعا کیسے مانگے گا کہ اے اللہ کہو اپنے رسول ﷺ سے کہ مجھے کچھ دے۔ کیسا لگے گا یہ آپ کو۔ اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ کار تو نہیں بنے گا۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یا اللہ مجھے دے۔ خدا نے تو جو کچھ عطا کرنا تھا اس کی تقسیم پر محمد رسول اللہ ﷺ کو لگا دیا کہ یہ تمہیں دیں گے۔ اب دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو قرآن بتا رہا ہے جو اللہ کے رسول آپ کو بتا رہے ہیں کہ اے پیغمبر ﷺ جب لوگ میرے پاس

آئیں؛ اپنے گناہوں کی بخشش مانگنے کے لیے اور آپ ﷺ بھی ان کے لیے دعا کریں تو ہم بخشے والے ہیں۔ یہ ہے اصل عطا اور بخشش کا مطلب کہ جب لوگ میرے پاس آئیں؛ اپنے گناہوں کی بخشش مانگنے کے لیے توبات تو ختم ہوگئی کہ اللہ معاف کر۔ ختم کر۔

As simple as that - through proper channel.

بھئی اگر کسی کے بہت اچھے ذاتی تعلقات ہیں اللہ سے توجا و مبارک ہو۔ اگر اتنے گہرے نہیں ہیں تو پھر through proper channel؛ وگرنہ اس کے بغیر کام نہیں بنے گا۔

فتنہ آ خرزماں ☆

فتنہ آ خرزماں

خواتین و حضرات! میرا یہ خیال نہیں تھا کہ یہ موضوع اتنا بڑا خطرہ ہوگا، کیونکہ جب یہ موضوع تھا نیدار صاحب کے پاس گیا تو انہوں نے ہال کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے باقی کا حصہ نہیں پڑھا اور فتنے سے گمان کیا کہ یہ تو بڑا گڑبڑ والا معاملہ ہے۔ تو میں نے گمان کیا کہ فتنہ کہیں بھی ہو، کچھ نہ کچھ ضرور مصیبت پیدا کرنا ہے، خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔

خواتین و حضرات! پیشتر اس کے کہ میں اصل موضوع پر گفتگو کروں۔ اس کے پس منظر میں دو چار بڑے اہم ذہنی سوالات ہیں جو ہم نے طے کرنا ہوتے ہیں کہ مستقبل میں جھانکنا انسان کی بے چینی کا باعث ہے۔ اس کے اضطراب کا باعث ہے اس کے تجسس کا باعث ہے۔ ہر انسان جھانکنا، کنا پسند کرنا ہے۔ چاہے وہ فلکیات اور علم الاعداد میں ہی کیوں نہ ہو۔

خواتین و حضرات! یہ فتنہ آ خرزماں کا لفظ بذات خود ایک ایسی شعبے کی نشاندہی کرتا ہے جو اس وقت موجود نہیں ہے۔ ایسے ماحول اور ایسے مستقبل کی نشاندہی کرتا ہے جو اس وقت ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور کیا واقعتاً یہ زمانہ اختتام کے قریب ہے۔ کیا واقعتاً ہم لوگ کسی ایسے تجسس میں ہیں کہ کل کوئی ایسا بڑا ہنگامہ ہونے والا ہے جس کی وجہ سے یہ کاروان حیات اپنے اختتام کو پہنچے گا۔ یہ آج کی بات نہیں ہے۔ جب سے انسان پیدا کیا گیا، تب سے اس نے مستقبل کے لیے تجسس کی پٹ لگا رکھی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بہت سارے مستند علماء علوم غیب کو مکمل متاع پروردگار سمجھتے ہوئے کسی ایسے امکان کی بالکل نفی کرتے ہیں، جہاں کوئی شخص بھی غیب کی گفتگو کرتا ہو یا کسی بھی مستقبل کی نشاندہی کرتا ہو۔ خواتین و حضرات! اللہ کے لیے تو کوئی غیب نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو عالم الغیب والشہرہ کہتا ہے۔ وہ اس لیے کہتا ہے کیونکہ وہ غیب آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ وہ اس کے مشاہدے میں ہے اور جب بھی قرآن کی کوئی آیت پڑھی جائے گی اور جب اس کا مفہوم سمجھا جائے گا تو اسے اس سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قرآن بندوں کے پڑھنے کے لیے اور سمجھنے کے لیے ہے۔ اس لیے ہم اس جہت کو جدا نہیں کر سکتے، جو محاورہ قرآن میں استعمال کیا گیا ہے۔ جس فہم و تدبر اور فراست کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ انسان کی تکمیل فراست ہے۔ انسان اپنی عقل سے کام لیتا ہے اور ضرور اس مقام فہم تک پہنچے گا، جہاں اسے اللہ کے علوم الغیب سے اور اس کے ظاہری علوم میں سے بھی اس کو فراست حاصل ہوگی۔ زمانے میں ایسے بہت سارے باکمال گزرے ہیں جن سے مستقبل کے اشارے ملتے ہوں اور خواتین و حضرات! ایسے لوگوں پر

کوئی حد نہ تھی کہ وہ کس مذہب سے، کس مکتب خیال سے یا کس طبع و رجحان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے کہ انسانی ذہن کی وسعتیں بے پناہ تھیں اور کسی نہ کسی قید و بند کے عالم میں مجنوں اور قلبی اداسی میں جب انسان کے ایک طرف کے عملی اعتقادات ختم ہوتے تو باقی اعتقادات کھل جاتے جیسے مشہور فرانسسیسی نجومی Nostradames کی بات ہے کہ زندگی کی مصیبت میں وہ کچھ ایسے دور سے گزرا کہ اس کے اندر (Extra Sensory Perception) ESP - آزاد اور زندہ ہو گئی اور اس نے آئندہ زمانے تک اپنی مسلسل پیش گوئیوں کا سلسلہ دیا۔

خواتین و حضرات! پیشین گوئی اور سچی خبر میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ غیب اور شہادت کا فرق صرف اتنا ہے جتنا انسان کے اندر علم ہے۔ اس حد تک اس کے اندر شہادت ہے۔ جب اس کا علم اختتام کو پہنچتا ہے تو اس سے آگے وہ غیب میں چلا جاتا ہے۔ چاہے وہ پانچویں کلاس ہی میں کیوں نہ ہو چاہے وہ ایم۔ اے کی جماعت ہی میں کیوں نہ ہو وہ تمام علوم جن میں انسان نے تحصیل نہیں کی ہوتی، وہ تمام علوم جن میں اس کی اطاعت فراہم نہیں ہوتی، وہ تمام علوم جن تک اس کی نظر نہیں گئی ہوتی وہ اس کے لیے علم الغیب بن جاتا ہے مگر کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی مخصوص تعلیمات اس فن میں ہوتی ہیں اس درجہ خیال میں ہوتی ہیں جب وہ یہاں سے آگے بڑھتا ہوا خصوصی طور پر ان علوم پر اعتراضات کرتا ہے جس پر عمومی لوگ نہیں کرتے تو ان علوم پر اس کی معلومات عمومی لوگوں سے بڑھ جاتی ہے اور عمومی لوگ جس مسئلے پر غیب میں ہوتے ہیں، خصوصی لوگ اس مسئلے میں شہادت پر ہوتے ہیں۔

نبی کی جو تعریف آئی ہے بنیادی طور پر وہ غیب کا جاننے والا ہے۔ ایسی خبر دینے والا جس کی کسی اور کے پاس کوئی خبر نہ ہو۔ بنی اسرائیل میں ایک وقت میں بے شمار انبیاء گزرے تھے اور بعض اوقات بہت سارے جھوٹے انبیاء بھی گزرے تھے۔ تو عموماً ان کی سچائی کا واحد امتحان وہ خبر ہوتی تھی جو ملائے اعلیٰ سے کسی ایسے سچے بندے کو دی جاتی تھی جو بالآخر درست نکلتی تھی۔ اس عالم میں جب حضرت دانیال علیہ السلام کو بخت نصر کے زمانے میں بابل کے بادشاہ Balthasar نے خواب دیکھا اور اس نے اعلان کیا کہ میں اس شخص کو سچا مانوں گا جو مجھے میرا خواب بتائے گا اور اس کی تعبیر بھی بتائے گا تو بہت سارے ایسے جھوٹے انبیاء جو اس وقت اس فہم فراست کے دعویدار تھے وہ کہنے لگے کہ ہم تعبیر تو کر سکتے ہیں مگر وہ خواب کیسے بتائیں جو بادشاہ نے دیکھا ہے۔ بالآخر اسے بتایا گیا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص ایسا ہے جو تمہیں خواب بھی بتا سکتا ہے اور اس کی تعبیر بھی۔ اس طرح حضرت دانیال علیہ السلام بادشاہ کے دربار میں پہنچے اور یہ بہت بڑا واقعہ تھا کہ دانیال علیہ السلام کی رہائی کے بعد بنی اسرائیل کو یروشلیم آنا نصیب ہوا اور وہ وہاں آباد ہوئے۔

حضرات گرامی! اگر آپ غور کریں تو پوری کائنات میں صرف ایک غائب ہے۔ ہر چیز پر کسی نہ کسی مخلوق کی رسائی ہے، مگر ہماری ملائے اعلیٰ پر رسائی نہیں ہے۔ کم از کم ملائکہ کی ضرور ہے۔ کوئی نہ کوئی مخلوق ہر جگہ پر وردگار کی اس وسیع تر مملکت میں موجود ہے اور کوئی نہ کوئی غیب کسی نہ کسی کے لیے شہادت ہے۔ سوائے اللہ کے پوری تاریخ انسانیت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ پروردگار ایک منزل پر واحد اور تنہا ہے اور اس کا دیکھنا کسی انسان کے لیے یا کسی مخلوق کے لیے مناسب نہ تھا اور نہ اسے دیکھا گیا، حتیٰ کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے نوازا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جبرئیل علیہ السلام کی مدد دی گئی۔ واقیناً عیسیٰ ابن مریم البینت و ایلدنه بروح القدس (۲) (البقرہ: ۲۵۳) اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو

روشن نشانیاں عطا کیں اور روح القدس کے ذریعے مدد کی۔ اس مدد کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قرآن حکیم کی آیت کے مطابق دعویٰ فرمایا اور سچا دعویٰ فرمایا کہ: **وانبئکم بما تاناکلون وما تدخرون فی بیوتکم (۳) آل عمران (۳۹)** اور جو کچھ تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو سب تمہیں بتلا سکتا ہوں۔

حضرات گرامی! جب آپ آگے بڑھے تو اللہ کو بھی اپنے لیے کسی بڑی شہادت کی ضرورت تھی کہ انسان یا اعتبار کرے کہ اللہ کا بھی کوئی گواہ اور شاہد موجود ہے تو بالآخر اپنے دوست (بنی نوع انسان) اپنے پیغمبر اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو یہ سعادت بخشی گئی کہ تاب تو سین کے مقام پر جا کر انہوں نے خدا کو دیکھا۔ جب حضور ﷺ نے رویت الہی کا دعویٰ کیا تو عمر بن ہشام حضرت ابو بکر کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور سیدنا صدیق اکبر سے یہ کہا کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ راتوں رات مسجد اقصیٰ گیا اور عالم بالا کو بلند ہوا اور اللہ کو دیکھا تو کیا تم یقین کر لو گے۔ تو انہوں نے کہا نہیں۔ تو تمہارا دوست محمد یہ کہتا ہے۔ تو فرمایا اگر وہ یہ کہتے ہیں تو سچ کہتے ہیں اسی لیے وہ صدیق اکبر کہلائے تو جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کا ایک صدیق ہوتا ہے اور میرا صدیق عبداللہ بن ابی قہافہ ہیں۔

خواتین و حضرات! ایک دوسرا نقطہ ایک نفسیاتی نقطہ جو انسان کے ذہن میں ہمیشہ موجود رہا کہ کہیں نہ کہیں انکار کرنے والوں کے پس منظر میں بھی خدا ایک کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔

میں کھٹکتا ہوں دل بڑاں میں کانٹے کی طرح

تو فقط اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو

دراصل بات یہ ہے کہ اللہ کا یقین اس کا اعتقاد اتنا مضبوط اور پرانا تھا اتنا سچا تھا کہ ہر زمانے میں جنہوں نے انکار کیا انہوں نے بھی کہیں نہ کہیں اس اقرار کا تھوڑا بہت اعلان کیا حتیٰ کہ ارنسٹ ہیمنگ وے (امریکی مصنف) جو بڑا مشہور ترین خدا کا انکار کرنے والا تھا وہ اپنے ہاتھ میں ایک کڑا پہنتا تھا تو اس پر اسے کسی نے کہا کہ تو تو خدا کو نہیں مانتا تو پھر یہ کیا ہے۔ اس نے کہا یہ میرے اعتقاد کا ایک حصہ ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ جب میں اسے پہنتا ہوں تو میرے ساتھ اچھے واقعات ہوتے ہیں اور جب میں اتا ر دیتا ہوں تو میرے ساتھ اچھے واقعات نہیں ہوتے۔

جیسے پہلے معروف نفسیات دان ولیم جیمز نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ اس جہاں سے پرے بھی ایک جہاں ہے اور وہ مکمل ہماری طرح ہے اور میں اس کی آوازیں بھی سنتا ہوں اور میں وہاں سایوں کو چلتا پھرتا بھی دیکھتا ہوں۔ تو خواتین و حضرات! جب انسان خدا سے گریزاں ہوتا ہے ایک فرد مثال لیجیے تو اس کے دل میں کوئی نہ کوئی احساسِ جرم ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی اس سے ایسا گناہ ہوتا ہے اور کہیں نہ کہیں کوئی غیر مضمئن صورت اس کے باطن میں پیدا ہوتی ہے جس کو کرنے کے لیے وہ اپنے لیے خود کسی احساسِ گناہ کا تصور پاتا ہے۔

اس کی مثال آپ کو دورِ حاضر میں دو ملکوں میں بڑی نمایاں نظر آتی ہے۔ ایک جرمنی میں اور ایک امریکہ میں۔ جب جرمن قوم کو احساس دلایا گیا تو جرمنی والوں میں اتنا احساسِ جرم پیدا ہوا کہ وہ اپنی ترقی میں جنگِ عظیم دوم کے ذمہ دار قرار پائے اور ان کی سائیکی پر اس کا اتنا دباؤ تھا کہ ان کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہٹلر نے جو یہودیوں کا قتل عام کیا اس کے ہم ذمہ دار ہیں اور کہیں نہ کہیں اس کی سزا ہم پار ہے ہیں جس کی وجہ سے اب بھی وہ کسی ملک کی جنگی تیاریاں اور ایٹمی

تجربوں کے بہت خلاف ہوتے ہیں۔

خواتین و حضرات! یہ بات جاپانی قوم میں بڑی نمایاں ہے۔ جاپان نے جنگ عظیم دوم میں جس تشدد کا مظاہرہ کیا اور اس کے بعد ان کا جب ایٹمی بم سے واسطہ پڑا تو آج بھی جب آپ ان کی خوف پیدا کرنے والی فلمیں دیکھتے ہیں ان میں وہ کسی نہ کسی عفریت کی علامت کو ضرور دکھاتے ہیں اور خوف و دہشت ان کی زندگی کی علامت بن گیا ہے جسے ایک خاص اصطلاح میں Surrealistic Pattern کہتے ہیں جو آپ صادقین کے آرٹ میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔

یہی حالت امریکہ میں ہے کہ پروپیگنڈے کے ساتھ اپنے آپ کو اس ایٹم کے ظلم و ستم سے بچانے کی کوشش کی اور بڑی اچھی طرح جواز پیدا کیا، لیکن بلاشبہ امریکی قوم میں سب سے بڑا خوف ایٹم کی تخلیق ہی کا ہے۔

But no doubt, the biggest fear in American nation is creation of atom.

اور وہ اس کے بارے میں سوچ کر خوف و دہشت سے کانپتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلی کوشش یہ کی کہ کوئی مسلمان ملک ایٹمی طاقت نہ بنے اور اس طاقت کو روکنے کے لیے وہ انتہائی تشدد تک جانے کے لیے تیار ہیں۔ یہ ان کے انتہائی اندرونی خوف کی علامت ہے۔

پورے یورپ اور مسیحی دنیا نے مل کر کم از کم چودہ صلیبی جنگیں مسلمانوں سے لڑیں اور ان جنگوں میں خود جوڑک اٹھائی اس کی ایک جنگ کا حال میں آپ کو سنا تا ہوں جو بالکل ناقابل یقین حد تک ان کے لیے خوف و دہشت کا باعث بن گئی جسے ہم جنگ منصورہ کہتے ہیں۔ جنگ منصورہ میں ان کو اتنی بڑی شکست ہوئی کہ جس میں چودہ یورپی بادشاہ بذاتہ خود پکڑے گئے اور اسی طرح اس سے تھوڑا عرصہ پہلے وادی حطین کی جنگ میں انگلینڈ کا سب سے بڑا مضبوط اور دلیر بادشاہ جسے وہ شیردل کہتے تھے وہ اتنی ذلت اور پستی سے ہمکنار ہوا جس کا خوف یورپی اقوام کے باطن میں بیٹھ گیا۔ یہ دو جنگیں فیصلہ کن جنگیں کہلاتی ہیں۔

خواتین و حضرات! صرف یہی نہیں بلکہ سلطان سلیمان ذیشان کے زمانے میں دہشت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے یورپی متحدہ بیڑے کو اتنی بڑی طرح شکست دی اور ان کے نام کی اتنی دہشت تھی کہ آج تک آپ یورپی فلموں میں سمندری بیڑے یا بحری قزاقوں کی جو شکل دیکھتے ہیں وہ خیر الدین بابر و ساسا کے کمانڈوز کی شکل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کے ایک جرنیل نے جب اٹلی پر قبضہ کیا تو چھ مہینے تک ساحل پر وہ ان سے خراج لیتا رہا اور وہ کبھی اٹلی میں داخل نہیں ہو سکا، کیونکہ اس کے پاس فوج ہی نہیں تھی اور دہشت کا یہ عالم تھا کہ انگریز مائیں جب اپنے بچوں کو سلانے کے لیے ڈراتی تھیں تو کہتیں:

Hush!!!! The Turks are coming.

یورپی اقوام کا یہ خوف اب ان کے جارحیتی لب و لہجہ کی وجہ سے ایک عظیم ایٹمی جنگ میں بدل گیا ہے اور یہ مجموعی لاشعوریت جو انسان کی تباہ کاریوں اور بہت زیادہ خوفناک ہتھیاروں کی ایجاد کے باوجود اپنے وجود میں لرزاں ہے ان کا احساس ہے کہ ہم اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ اب زمانے کی رفتار کو روکا نہیں جاسکتا۔ بقول حدیث رسولؐ کے زمانے اب قریب آ رہے ہیں دنیا اور آخرت اب قریب آ چکے ہیں کہ اب ان کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔ خواتین و حضرات! جب انسانی سائنسی کسی خطرے کی زد میں آتی ہے یا کسی آسمان کی زد میں آتی ہے تو اس کا خوف اس کے اندر سے ایسی معلومات

تخلیق کرنا ہے جو بالآخر صحیح نکلتی ہیں اور یہ تیسری وجہ ہے کہ لوگوں نے پیشین گوئیاں کیں۔ پیشین گوئی کرنا نہ کبھی جرم رہا اور نہ کبھی جرم ہوا، مگر بہت ساری پیشین گوئیوں کو قرآن بیان کرنا ہے اور فرمانا ہے کہ ان یبعون الا الظن وان ہم الا یخرون (سورۃ الانعام آیت ۱۱۶) وہ تو محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور انکل پچو سے کام لیتے ہیں۔

اسی لیے انبیاء اکرام اور حضور ﷺ کے علاوہ کسی بات کو حتمی نہیں مانا جاسکتا، خواہ وہ کسی تباہی و بربادی کی ہو، خواہ کسی خوشخبری کی ہو، خواہ کسی عیش و عشرت کی ہو۔ خواتین و حضرات! ایک بات تو آپ نے دیکھی ہوگی کہ عوام جب کسی ذرا سی بات پر جاہر حکمران سے تنگ آتے ہیں تو ان کی سائیکس اس قسم کی پیشین گوئیاں گھڑتی ہے کہ یہ قتل ہو جائے گا، وہ ضرور مارا جائے گا۔ میں اس بات پر حیران ہوتا ہوں کہ کوئی انسان خارجی طور پر جینے کے لیے تو نہیں آیا۔ اگر کسی آمر مطلق کے بارے میں یہ پیشین گوئی کی جائے کہ یہ بیس سال بعد اپنی موت خود مر جائے گا تو کیسی رہے گی۔ میرا خیال ہے کہ فطری پیشین گوئی ہے۔ اس سے زیادہ سچی بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی مگر بہت سارے پیشین گوئی کرنے والے ان باتوں کا سہارا لیتے ہیں۔

They are little more sharp than the others. They keep on guessing.

بوسو گھتے ہیں اندازے لگاتے ہیں اور پیشتر اس کے کہ کوئی واقعہ ہو، اس کی قربت میں بڑا سا بیان لگا دیتے ہیں کہ دیکھا میں نے پہلے سے کہا تھا، میری بات سچ نکلی۔ مگر خواتین و حضرات! آج بھی اللہ کے بندے پیشین گوئیاں نہیں کرتے۔ آج بھی زمانے پر حکم چلاتے ہیں۔ وہ حکم دیتے ہیں۔ وہ اللہ کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے اس قابل ہو جاتے ہیں کہ ان کی زبان سے نکلا ہو، لفظ پیشین گوئی بن جاتا ہے۔ سچی پیشین گوئی۔

وہ ہر بات پوری ہوتی ہی چاہیے۔ اس کا پہلے سے کوئی سوچے یا نہ سوچے وہ ایک بات رحمت کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے، وہ بات عذاب کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے، اسی لیے ایک اچھے مجذوب کے بارے میں کہا گیا کہ اس کی اگاڑی سے بھی ڈرو، اس کی پچھاڑی سے بھی ڈرو۔ کوئی پتہ نہیں، موڈ میں آ کے تمہیں اچھی خبر دے جائے اور موڈ میں آ کے کوئی بری خبر دے جائے، مگر خواتین و حضرات! اس کے علاوہ سائیکس کی سطح پر ایک ایسا پہلو ہے جس کی نشاندہی کیے بغیر میں آگے پیشین گوئیوں کے باب تک نہیں جانا چاہتا کہ اللہ جب کسی کو ایسے خصوصی علوم سے آشنا کرتا ہے جسے آپ 4th Dimensional Perception کہتے ہیں تو ان سے ظاہری علوم کا احساس چھین لیتا ہے۔ اللہ کو یہ منظور نہیں ہوتا کہ یہ خبریں عمومی سطح پر پہنچیں اور لوگ موجود کو چھوڑ کر حاضر کو چھوڑ کر مستقبل کی فکر کریں۔

ایک بات اچھی طرح یاد رکھیے کہ جو کچھ قیامت تک ہونا ہے لکھا جا چکا ہے، لوح محفوظ پر اتر چکا ہے۔ ایک بات اور بھی یاد رکھیے کہ ایک ہزار سال کے لیے یہ زمین ان ملائکہ کو دی جاتی ہے جنہوں نے ایک ہزار سال کا بندوبست کرنا ہوتا ہے اور پھر ایک ہزار سے ایک سو سال تک کی اسکیم ان ملائکہ کو دی جاتی ہے جنہوں نے کسی صدی کا بندوبست کرنا ہوتا ہے۔ کل وہ مبارک رات ہے اور اس مبارک رات میں ایک سال کی اسکیم اتار دی جائے گی۔ ایک سال میں کیا ہونا ہے۔ کس نے مرنا ہے، کس نے پیدا ہونا ہے، کس نے رزق حاصل کرنا ہے، کس کی کمی ہے، کس کی بیشی ہے۔ اب سب کچھ آسمان اول کے ملائکہ کے ہاتھ میں ہے۔

Some intellectuals can always peep into these secrets.

بعض اوقات ہوتا یہ ہے کہ یا سکیم جب نافذ ہو رہی ہوتی ہے تو کوئی ESP والا بتا دیتا ہے۔ یہ تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات سائنس دانوں میں بھی حس ہے۔ جس طرح حدیث رسول ﷺ کے مطابق مُتَابِدِرُ وُجُوہِ كُودِكَيْهِ لِيْتَا ہوتا ہے گدھا شیطان کو دیکھ لیتا ہے۔ تو خواتین و حضرات! یہ سماعت و بصارت میں کوئی خصوصی اثرات تو ہوں گے۔ مثال کے طور پر اگر میں یہ کہوں کہ مرغ کی آنکھ میں زردی جو ہے ضرور اس میں کوئی Ultra Violet Rays کا اثر ہوگا کہ جس سے شاید Ultra Violet Rays کی وجہ سے فرشتہ نظر آ جاتا ہے اور کسی جانور کی سفیدی میں اس قسم کی شعاعیں ضرور ہوں گی جو ایک فرشتے کا کھوج لگاتی ہیں۔

اب میں ایک بڑا مشہور اور مستند واقعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ تاج الدین ماگپوری اپنے زمانے کے سب سے مانے ہوئے مجذوب تھے تو انہوں نے مولانا ظفر علی خان اور مولانا محمد علی جوہر کو دیکھتے ہی کہا کہ تم یہاں کہاں؟ تم تو پھانک کے پیچھے ہو پھانک کے پیچھے ہو تو وہ دونوں حضرات بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ ہم پھانک کے پیچھے ہیں۔ ہم تو ان سے ملنے آئے ہیں تو جب پلٹ کر گئے تو رولٹ ایکٹ کے تحت دونوں جیل میں بند ہو گئے۔ تب ان کی سمجھ میں آیا کہ انہوں نے دو چار دن آگے پیش آنے والے واقعات دیکھ لیے تھے اور وہ ان سے بار بار کہہ رہا تھا کہ تم تو پھانک کے پیچھے ہو۔ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ انسانی سائنسی اپنے ترفع کی وجہ سے ماورائے فطرت بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح جب ایسی کارروائیاں بڑھتی ہیں تو بیہانہ جرائم پیدا ہوتے ہیں بدترین جرائم پیدا ہوتے ہیں اور ایسی کارروائیوں کی جانب کو دھیان چلا جاتا ہے۔

خواتین و حضرات! پیشین گوئیوں کو جاننا میری طرح ضرور آپ کا بھی تجسس ہے مگر یہ آج سے شروع نہیں ہوئیں۔ یہ تو بہت پرانے زمانے کی بات ہے کہ انسان اس زمین پر رہتا ہے اس کے انجام کے بارے میں غور و فکر کرتا رہا ہے۔ معلومات خواہ کتنی بھی کم ہوں مگر ایک ذریعہ معاملات ہمیشہ موجود ہے اور وہ اللہ خود ہے اور انسان کو آنے والے وقتوں سے ڈرانا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ کشتی پر بیٹھے تو اللہ نے ان سے ایک بات کہی کہ اے نوح علیہ السلام! تجھے تو میں نے بچا لیا اور تیرے ساتھیوں کو بھی اور یہ نیکو کاروں میں سے تھے مگر یاد رکھنا کہ تیری اولاد میں سے لوگ پھر کفر کریں گے اور یاد رکھنا پھر میں ان کو ایسی ہی بڑی سزا ضرور دوں گا۔ خواتین و حضرات! ایک بہت بڑی تباہی کی بنیاد اس قوم پر پڑ گئی اور پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے حواریوں نے کہا کہ یا نبی! اللہ ہمیں ایسا کوئی ثبوت دے کہ ہم واقعی اللہ کے پیارے ہیں اور تو واقعی اللہ کا سچا نبی ہے۔ تو دعا کر کہ اللہ ہمارے لیے آسمان سے نعمت اتارے ہم اسے کھائیں اور شکر کریں۔ تو اللہ نے کہا کہ ٹھیک ہے اتارنا ہوں تم کھاؤ گے بھی اور تم بھوکے بھی کبھی نہیں رہو گے مگر ایک بات یاد رکھنا کہ کچھ سزائیں میں تمہیں تمہارے ہاتھوں زمین پر ہی دوں گا۔

جنگِ عظیم اول اور دوم اس بات کی مکمل شہادت ہے کہ ان کے بعد جو یورپی سائنسی یا میسویں صدی کے عوام کی سائنسی کبھی بہتری کو مانگ نہیں ہوئی بلکہ وہ خدا سے اور دور ہو گئے اور زیادہ تباہی و ہلاکت کو بڑھے۔ ایمان رخصت ہو گیا اور تمام اقوام مغرب خدا کو Personal Outsider سمجھنے لگے۔ حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ اللہ اگر ہماری بات مانتا ہے تو ٹھیک

ہے اللہ ہے ورنہ:

He should be set outside the Universe. He is no more needed on this earth.

اور آج کا پورا ماحول پورا فلسفہ اور پورا خیال مغرب اسی ایک بنیادی عقیدے پر قائم ہے کہ:

God is a personal idea which remain within somebody's sick mind but he is no more needed on God's Earth. We are enough to raise our own system, our own communities, our own life.

ابھی ہمیں دیکھنا ہے کہ وہ پیشین گوئیاں جو آئیں اور وہ فتنہ آخر زماں کہاں ہے۔ ضمناً آپ کو بتانا چلوں کہ بہت ساری چیزوں کو حضور ﷺ نے فتنہ بتایا کہ فتنہ آخر زماں عورت ہے مال ہے دین سے بے رغبتی ہے اور فرمایا فتنہ آخر زماں بہت کچھ ہے۔ مگر ایک بہت بڑے فتنے کو حتمی طور پر انہوں نے آخری زمانے کا فتنہ بتایا کہ باقی تمام فتنے انفرادی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں مگر یہ فتنہ آخر زماں انسان کے بنیادی عقیدے اور بنیادی اعتبار خداوندی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی لیے اول و آخر تمام انبیاء نے جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت دانیال علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سرکار کائنات حضرت محمد ﷺ نے اس کا ذکر کیا۔

پیشین گوئیاں اس وقت سے شروع ہیں جب سے یہ زمین بنی ہے جیسے بہت پرانے لوگ قدیم یہودی تھے ان کا یہ کہنا تھا کہ بہت بڑی جنگ جسے Armageddon کہتے ہیں اور یہ جنگ اور آخری مسیحا اس وقت آئے گا جب شرق وسطیٰ میں یہودی سلطنت قائم ہو جائے گی اور حضرات گرامی! اتفاق دیکھیے کہ یہودی سلطنت قائم ہے اور وہ بھی کسی آخری مسیحا کا انتظار کر رہی ہے۔ آگے بڑھتے ہوئے آپ کو بڑی عجیب و غریب پیشین گوئیوں سے واسطہ پڑے گا۔ اصل سے بھی اور نقل سے بھی۔ پھر میں آپ کو ان کا تجزیہ پیش کروں گا۔ اب انجیل نے اس کے خلاف جو پیشین گوئی دی وہ تھوڑی سی اس سے مختلف ہے۔ فرمایا کہ شمالی شہنشاہ اور جنوبی شہنشاہ دونوں اسرائیل پر حملہ کریں گے اور وادی Sion میں تباہی و ہلاکت کا بہت بڑا منظر ہوگا اور اسرائیل تباہ ہو جائے گا۔ یہ یاد رکھیے گا کہ اسرائیلی سلطنت کے قیام سے ہزاروں سال پہلے کی پیشین گوئیاں ہیں کل اور پرسوں کی نہیں۔

اب میں آپ کو ایک دوسری قوم کی طرف لیے چلتا ہوں کہ تبت کی پیشین گوئیوں میں دو پیشین گوئیاں آئی ہیں۔ ایک تو آخری زمانے کے بارے میں مہاتما نے فرمایا کہ زمین اس وقت تک تباہ نہیں ہوگی جب تک کہ متر انہیں آجانا۔ اور وہ اسے رحمت اللعالمین کہتے ہیں یعنی ان کے مطابق جب تک آخری بدھا نہیں آجانا تبت تک دنیا تباہ نہیں ہوگی۔ پھر تبتی لاماؤں کی کتابوں میں ایک بڑی پرانی پیشین گوئی لکھی ہوئی آئی کہ تیر ہویں دلائی لاما کے بعد کوئی دلائی لاما نہیں ہوگا اور یہ زمین کے انجام کی نشانی ہے۔ تیر ہویں دلائی لاما آ کے ختم ہو چکا ہے اور اس کے بعد کوئی دلائی لاما نہیں آیا جو سرکاری سطح پر تبت پر بیٹھا ہو۔ پھر اس پیشین گوئی میں یہ بھی آیا ہے کہ بدھ مت کی پوری عمر پچیس سو برس ہے اور پچیس سو برس کے بعد بدھ مت باقی نہیں رہے گا۔ اتفاق دیکھیے کہ مہاتما کو پچیس سو برس ہو گئے اور وہ زمانہ ختم ہو گیا۔ ویسے تو مومن

خان مومن نے کہا کہ:

اَس بت کی ابتدائے جوانی مراد ہے
مومن کچھ اور فتنہ آخر زماں ہے

تو شاعروں کا فتنہ آخر زماں کچھ اور ہوتا ہے۔ مگر کتاب کا فتنہ آخر زماں کچھ اور ہوتا ہے۔ خواتین و حضرات! ہندو روایات میں بڑی پرانی پیشین گوئی لکھی ہوئی آئی کہ چار ہتر ہیں زمانوں کے اور آخری ہتر کا لگی ہتر ہے۔ ان کے یقین میں کا لگی کا لگی کا ہتر ہے یعنی جنگ و جدل اور زمانے کا آخری ہتر ہے اور کا لگی ہتر میں زمانے کا اختتام ہوتا ہے مگر اس کا بھی وقت پورا ہو چکا ہے۔ کا لگی ہتر میں بھی انہوں نے عرب کے پیغمبر کی پیشین گوئی کا سہارا لیا ہے اور کہا کہ عرب میں ایک ایسا پیغمبر ہوگا جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں کتاب ہوگی اور وہ زمانے کو صاف کرے گا۔ اتفاقاً یہ بھی وقت آ کے گزر چکا ہے اور کا لگی دور بھی اپنے اختتامی دور سے گزر رہا ہے۔

سائنسی نظریات کو یا آپ پرانے زمانے کے علم نجوم کو لیجیے۔ Trabesious قدیم بابل کا سب سے بڑا عالم تھا۔ انہوں نے سائنسی توجیہات کی بنا پر جو فیصلے دیے ہوئے ہیں اس میں زمانے کا آخر 2160ء ہے۔ ان کے حساب سے 2160ء میں زمانہ ختم ہو جائے گا۔

بادشاہ شورید نے اسی تباہی کا منظر دیکھنے کی خاطر بابل میں دو بہت بڑے ستون تعمیر کیے جن میں آنے والے وقت کے حالات و مصائب کو وہ دیکھ سکتا تھا اور اس کا خیال یہ تھا کہ میں آنے والی تباہی کو سونگھ لوں گا اور اپنے ملک کو بچا لوں گا۔ اس زمانے کے اہرام مصر خالی تعمیرات نہیں ہیں بلکہ علم ہیئت کے منطقی اصولوں کے مطابق اور فلکیاتی سائنس کے مطابق بنائے گئے ہیں۔ چارلس سمٹھ سکاٹ لینڈ کا سب سے بڑا اہرام کا فاضل ہے۔ اس نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم اور ایٹمی دور کو انہی آثار سے نوٹ کیا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ 2001ء میں آ کر اہرام کی سارے اعداد و شمار ختم ہو جائیں گے 2001ء تو زیادہ قریب لگتا ہے۔ چینی، عرب، یہودی اور سب لوگوں نے ابھی مغربی نظام کے اعداد و شمار کو قبول کر لیا ہے۔ بجائے قمری حسابوں کے اور پرانے بکرمی سالوں کے۔ اب سب لوگوں نے چونکہ شش سال کے نظام کو قبول کر لیا ہے تو اب یہ مسئلہ پڑ گیا کہ عیسوی حسابات سے جتنے بھی تباہی کے وقت ہیں وہ انتہائی قریب آ گئے ہیں۔

اگرچہ یونانی لوگ بہت بڑے فلسفی تھے اس میدان میں بھی ان کی مہارت کلی تھی۔ یونانی دانشوروں جیسے افلاطون نے بھی یہ یقین رکھا ہوا ہے کہ:

Destruction of the Earth will be with fire.

یعنی زمین کے کچھ دوار ہیں جن میں زمین مکمل تباہی کے آثار کو دہراتی ہے اور اب کی بار یہ جو ہمارا دور چل رہا ہے وہ بھی اسی تباہی سے ختم ہوگا اور اس کی میعاد بھی دو ہزار سال ہے۔ اس سے آگے ان کے اعداد و شمار بھی نہیں جاتے۔ اکیسویں صدی جس کے بارے میں آپ اتنی امیدیں ظاہر کر رہے ہیں اور انسانی فتوحات کے کسی نئے باب کی امید کرتے ہیں، ملائے اعلیٰ پر کمندیں پھینکنے کی سوچ رہے ہیں، افلاک کو زیر و زبر کرنے کی سوچ رہے ہیں، اس کے بارے میں قدیم مفکرین ذرا مشکوک تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ انسان اکیسویں صدی میں تباہی اور بلاکت سے ہمکنار ہوگا اور

It is a famous sentence which I must quote to you that this is not the end of the world. This is end of a world.

کہ اس دنیا کی مکمل تباہی ہے یہ دنیا کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ جو دنیا موجود ہے ایک دنیا کی تباہی کے مکمل سامان اکیسویں صدی کے آغاز سے شروع ہو رہے ہیں۔ امریکہ کے پہلی قبیلے بڑے پرانے قبیلے ہیں اور پانچ ہزار سال پہلے بھی ان کا خیال یہ تھا کہ زمین اپنے مدار کے گرد گھومتی ہے۔ بڑی عجیب سی بات یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جب زمین کے مدار میں خرابی آئے گی تو آسمان اور سورج میں بھی خرابی آئے گی اور باقی سیاروں میں بھی خرابی آئے گی۔ اس وقت کو وہ قیامت کا وقت سمجھتے تھے لیکن قرآن حکیم میں اللہ نے فرمایا کہ ہم زمین کو دونوں کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں And by cm or some bigger distances زمین جو کناروں سے گھٹ رہی ہے تو اس کا عمومی توازن ضرور متاثر ہونا چاہیے۔

القارعة O ما القارعة O وما ادرك ما القارعة O (سورة القارعة آیت ۳۲)

زمین میں جب یہ ڈگمگاہٹ (Wobbling) آئے گی تو زمین اونچی نیچی ضرور ہوگی اور یہ ڈگمگاہٹ بھی آپکی ہے اور یہ سائنسی طور پر ریکارڈ پر آپکی ہے کہ آپ ان کے عقیدے اور پیشین گوئی کی صحت بھی اس بات سے دیکھ سکتے ہیں۔

خواتین و حضرات! یہ یاد رکھیے گا کہ میں نے آپ کو یہاں ڈرانے کے لیے نہیں جمع کیا۔ میں نے یہ عنوان اس لیے چنا کہ جہاں ہم زندگی کے بہت سارے پہلوؤں کو زندہ رکھتے ہیں وہاں ایک منزل ہمارے ساتھ یہ بھی ہے کہ ہماری اپنی نلطیوں اور حماقتوں کی وجہ سے کسی تباہی کا وقت جلد بھی آ سکتا ہے اور ہم لوگوں کو اس حادثے کے لیے تیار رہنا چاہیے اور حادثے کی تیاری صرف ایک ہے اور وہ ہے خدا کا ساتھ۔ اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جب زمانہ آخر میں اس قدر بڑی تباہی آئے گی اور کھانے کے لیے کچھ نہیں رہے گا تو لوگ کیا کھائیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا تسبیح ان کی خوراک ہوگی۔

اب خواتین و حضرات! زیادہ مہذب دور کو آتے ہیں۔ سب سے بڑی اور اہم پیشین گوئیاں عیسوی دور کی ہیں کیونکہ ان میں بار بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت بہت سارے انبیاء کی تشخیص تھی اور وہ غیب کی خبریں ضرور بتایا کرتے تھے اور بہت سارے انبیاء نے اس زمانہ آخر کی پیشین گوئیاں کیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یسعی علیہ السلام اور حضرت دانیال علیہ السلام پیشین گوئی کرنے والے پیغمبروں میں سے ہیں اور فرمایا کہ یا جوج اور ماجوج بیماری اور آگ کے آئیں گے اور بڑے خوفناک ہتھیاروں کی نمائش ہوگی۔ یا جوج اور ماجوج کھل جائیں گے اور بیماری آگ اور خوفناک ہتھیاروں کی بارش ہوگی۔ اسی طرح عراق یا روس کا بادشاہ اسرائیل پر حملہ کرے گا اور شمال کا بادشاہ بھی اس پر طوفان کی طرح پڑے گا اور وہ اسرائیل کا روز حساب ہوگا۔ ذرا غور کیجیے ان الفاظ پر جو انہوں نے استعمال کیے کہ دھوکے کے بادل تنوں کی طرح آسمان کو بلند ہوں گے۔ میرے خیال میں یہ ایٹم بم کی طرف اشارہ ہے جو بالکل اسی طرح دھوکے کے بادل کی طرح آسمان کو بلند ہوتے ہیں کہ سورج تاریکی میں ڈوب جاتا ہے۔

ایسی بارش کی وجہ سے دو تین مہینے کے لیے زمین پر سورج کی روشنی نہیں ہوگی اور چاند خون میں ڈوب جائے

گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آسمان سے تباہی گرے گی زمین کی بنیادیں گر جائیں گی زمین ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور شرابی کی طرح ڈولے گی۔ اب اس پیشین گوئی کو دوبارہ لائیے کہ زمین اپنے مدار سے نکل جائے گی یا زمین اپنے مدار میں ڈولے گی۔ زمین پر ایٹم کے دھماکوں سے عدم توازن پیدا ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دوبارہ اس زمین کو ترقی نصیب نہیں ہوگی۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک بڑی عجیب بات کہی فرمایا کہ اس قسم کی بیماریاں آئیں گی کہ لوگ کھڑے کھڑے گل مرے کے گر جائیں گے۔

ایک بڑی اہم پیشین گوئی جسے مکاشفہ دانیال کہتے ہیں کہ حضرت دانیال علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ چار سینگوں کے درمیان ایک چھوٹا سیٹنگ نکلا ہوا رکھتے ہی دیکھتے وہ سیٹنگ بہت بڑھ گیا ہے۔ وہ بڑے پریشان ہوئے اور جبرئیل امین علیہ السلام سے کہا میرا دل بڑا متغیر ہے مجھے اس خواب کی تعبیر بتائیں؟ جبرئیل امین نے فرمایا کہ جب بڑا بادشاہ بلند ہوگا جو خداوند سے بغاوت کرے گا اور اپنے آپ کو خدا کہے گا اور زمین پر سب سے بڑھ کر اپنے آپ کو اعلیٰ کہے گا اور بار بار کہے گا اور وہ قدسیوں کی مخالفت کرے گا اور زمین پر بہت ساری حکومتوں کو زیر کرے گا اور پھر ایسے اعمال پیدا کرے گا جو خدا کو پسند نہیں ہیں اور پھر وہ وقت قریب آئے گا اور تباہی و ہلاکت ہوگی اور اچاڑنے والی مکروہ چیزیں نصب کی جائیں گی اور انسان اجرام فلکی میں دخل اندازی کرے گا۔ حضرات گرامی! اس سے تو زیادہ واضح کوئی علامت نہیں ہے جسے ہم بالکل دور جدید پر منطبق کر سکتے ہیں تو حضرت دانیال علیہ السلام نے خوف کے مارے پوچھا کہ یہ وقت کب آئے گا؟ فرمایا اے دانیال اس وقت تو نیک لوگوں میں سویا پڑا ہوگا اور یہ ایک دور اور دور اور آدھا دور۔ جیسے میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ایک دن یا ایک دو یا ایک ہزار سال پر مشتمل ہے اور یہ ہوا ایک ہزار سال اور ایک ہزار سال اور پانچ سو برس اور یہ ڈھائی ہزار سال کی کچی شہادت موجود ہے اور اتفاق سے حضرت دانیال کو ڈھائی ہزار سال گزر چکے ہیں۔ کہیں سے مجھے راستہ ہی نظر نہیں آتا۔

خواتین و حضرات! آپ نے دیکھا ہوگا کہ مسلمانوں اور یورپ میں دو بہت مشہور پیشین گوئیاں کرنے والے پیدا ہوئے۔ مسلمانوں میں خاص طور پر برصغیر میں شاہ نعمت ولی اللہ ولی کی پیشین گوئیاں بڑی مشہور ہوئیں اور یورپ میں ماسٹرے ڈیمس کی پیشین گوئیاں بڑی مقبول ہوئیں۔ اصل میں یہ اتنی تفصیل میں تھیں کہ ان کو معلوم کرنا اب شاید ممکن نہ ہو سکے مگر میں ان کا کچھ حصہ جو زمانہ آخر سے منسلک ہے نوغیر بتاؤں گا۔ ماسٹرے ڈیمس کہتا ہے کہ مشرق دوبارہ زوال میں چلا جائے گا اور پھر دوبارہ عروج میں جائے گا اور وہ اپنے دشمنوں پر تیغ بے نیام بن کر گرے گا۔ یہ ذرا یاد رکھنے کی بات ہے کیونکہ جب میں حدیث کی طرف بڑھوں گا تو پھر آپ کو یاد رکھنا ہوگا کہ کیا کیا باتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں۔

The great city of Constantinople will be destroyed by the French and forces of the turban will be taken captured.

یہ French کا لفظ بھی یاد رکھیے گا اصل میں کہتے ہیں کہ ماسٹرے ڈیمس کو French نو بیاتھا وہ کسی بھی مغربی طاقت کو French کہہ دیتا تھا کیونکہ وہ خود فرامیسی تھا۔

Help will come by the sheeve from the great leader of Portugal. This

will happen on 25th May 1999 the day of Saint Urban.

اب ایک اور بات اچھی طرح یاد رکھیے کہ مسلمانوں کے اس لیڈر کو یا شاید کسی روسی یا چینی لیڈر کو ماسٹر ڈیمس Anti-Christ کہتا ہے۔ پیشین گوئیوں میں یہ مغالطہ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں کوئی Anti-Christ نہیں ہوتا اور نہ ہوگا۔ یہاں ماسٹر ڈیمس کا یقین ہمارے دل سے اٹھ جاتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان حکمران سفید یا نیلی پگڑی والا ہے تو وہ کم از کم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

ماسٹر ڈیمس کہتا ہے کہ سات سال تک یہ تیسری جنگ عظیم جاری رہے گی اور تین دفعہ Anti-Christ بالکل نیست و نابود ہو جائے گا۔ زیادہ اہم بات جس وجہ سے مسلمان بھی کبھی پھولے تھے کہ مسلمانوں میں ایک لیڈر پیدا ہوگا، مشرق وسطیٰ سے نہیں بلکہ عظیم اسلامی سلطنت سے، ترکی، انڈونیشیا، پاکستان، افغانستان اور وہ ممالک جو مشرق وسطیٰ سے باہر ہیں جو سپین اور اٹلی کو فتح کرے گا وہ مسلمان یورپ پر تین اطراف سے حملہ آور ہوگا اور تمام یورپ فرانس اور لندن بھی تباہ ہوں گے اور مسلم سلطنت یورپ پر قبضہ کرے گی۔ قریب کا ایک بڑا شخص اپنے ملک سے بغاوت کرے گا اور اس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوگا۔ اب آگے چلتا ہوا دوسرا حملہ ایران سے ایک مسلمان فاتح یونان پر کرے گا اور جس سے عراق کو تباہ کرتے ہوئے یہ آگے نکل جائیں گے پھر ایک نیلی پگڑی والا نیا فاتح پیدا ہوگا جو مسلمانوں میں انتیس سال حکومت کرے گا، جب یہ آپس میں ملیں گے تو پھر یہ دوبارہ 18 فروری 1981ء کو اٹلی پر قبضے کی پیشین گوئی کرتا ہے مگر اب تو یہ وقت بھی گزر گیا ہے۔

جیسے میں نے آپ کو قرآن کی آیت سنائی تھی۔ ان یبعون الا الظن وان ہم الا یخرون (سورۃ الانعام آیت 116) وہ تو محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور انکل پچھو سے کام لیتے ہیں۔ شاید یہ واقعہ پیش آ جائے مگر یہ اپنے بیان کردہ وقت سے کافی آگے نکل گیا ہے۔

یہ بڑی دلچسپ پیشین گوئی ہے۔ اس کا تعلق خاص طور پر ہم لوگوں سے ہے کہ یورپ کا ایک ملٹری لیڈر مسلمانوں کو پسپا ہونے پر مجبور کرے گا جس سے دو گروہوں میں جنگ ہوگی اور دونوں گروہ بالآخر دریا گنگا پر ایک خوفناک جنگ لڑیں گے۔ اس سے کم از کم ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس وقت ہندو کوئی نہیں ہوگا، کیونکہ مسلمان نے اگر دریا گنگا پر جنگ لڑنا ہے تو اس سے پہلے شاید ہندوستان کا فیصلہ ہو چکا ہو۔

شاہ نعمت اللہ ولی نے اس کی یہ پیشین گوئی کی اور کہا کہ انک کا دریا خون سے بھر جائے گا اور مسلمان ہمیشہ کے لیے ہندو کو ختم کر دیں گے۔

I hope, so God's will, it will be done. I hope, Shah is right.

شاہ نعمت اللہ ولی کہتے ہیں کہ جیسے گنگا کنگے میں الجھتا ہے اسی طرح قومیں قوموں میں الجھی ہوئی ہوں گی اور جنگ کا کوئی پتہ نہیں ہوگا کہ کس کی قوم کس قوم سے لڑ رہی ہے۔ یہ باتیں یاد رکھیے گا کیونکہ جب ہم قرآن و حدیث تک جائیں گے تو ان کے حوالے کام آئیں گے۔

ماسٹر ڈیمس دوسری جنگ کی خبر دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ سلیمان کو آخری جنگ میں شکست ہوگی، اصل میں

ان کو شرق کے ہر بڑے بادشاہ کا نام سلیمان ہی لگتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ قومیں قوموں کے خلاف جنگ کریں گی، ملک ملکوں کے خلاف جنگ کریں گے، بڑے بڑے زلزلے آئیں گے، جب فوجوں کا اجتماع ہوں گے تو سمجھ لینا کہ تباہی قریب ہے اور سورج کو بجھتا دیکھے گا، سمندروں کو اچھلتا ہوا پائے گا تو خدا کی حکومت قریب ہوگی۔

ایک بڑا مشہور شخص Saint Meloki گزرا ہے اس نے اپنی وضاحتوں میں یہ کہا کہ سات پہاڑوں کا شہر یعنی روم تباہ ہوگا اور سخت محاسب حساب لے گا۔ خواتین و حضرات! جو شخص پیشین گوئیوں میں مشہور ہے وہ ماسٹرے ڈیمس ہی ہے۔ ماسٹرے ڈیمس یہ کہتا ہے کہ ستائیس سال کی جنگ کے بعد اس کی وفات فطری اعتبار سے ہوگی اور وہ اپنے فوجی کیمپ میں وفات پائے گا اور اس کے ساتھ یہ جنگیں اپنے اختتام کو پہنچیں گی اور دونوں اطراف بالکل خاموش ہو جائیں گی۔ اس طرح ستائیس سال کی یہ جنگ خود بخود ختم ہو جائے گی۔

خواتین و حضرات! ماسٹرے ڈیمس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مہدی علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا۔ ماسٹرے ڈیمس ایسے لگتا ہے کہ ایک حد سے آگے اس کی فراست نہیں ہے۔ جیسا میں نے آپ سے پہلے کہا تھا کہ سائیکلک مخرصادق نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے کہ تمام دنیا اس کی پیشین گوئیوں کو بار بار نقل کرتی ہے۔ ابھی تک ان میں صداقت تلاش کرنا ممکن نہیں ہوا۔ 1999ء میں وہ جنگوں کا آغاز کرتا ہے، کچھ مشابہت ضرور ہے کہ ترکی کی جنگ اٹلی اور ساپرس سے ہوا بڑا ممکن نظر آتا ہے۔ وہ شمال مغربی ایشیائی ممالک کا جنگ میں شامل ہونا مشرق وسطیٰ کے ممالک اور یونانی لیڈرڈ ذکر کرتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کو یہ چیزیں سامنے نظر آ رہی ہیں لیکن وقت معین نہیں اور ناس کا کوئی علم ہے

اس کے علاوہ زمانہ آخر کے بارے میں اس کی پیشین گوئیاں اس لیے غلط ہیں کہ بحیثیت مسیحی وہ مہدی کو نہیں مانتا اور مسیح کو بھی وہ اس طرح نہیں مانتا جس طرح ہم مانتے ہیں۔ اس لیے وہ تعصب کی نظر سے دیکھتا ہے کہ جب اسے جاننا چاہیے تو وہ نہیں جان سکتا کہ فتنہ یا جوج و ماجوج کا بھی خدا ذکر کرتا ہے مگر سب سے بڑی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کی صرف ایک چھوٹی سی آیت ہے کہ حتی اذا فتحت يا جوج و ماجوج وهم من كل حدب ينسلون (الانبیاء: 96) حتی کہ جب یا جوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے نیچے کودڑتے آئیں گے۔ اگر اس کو انجیل کے ترجمہ کے ساتھ دیکھا جائے کہ اجاڑنے والی مکروہ چیزیں نصب کی جائیں گی تو قرآن بنیادی طور پر یہ کہتا ہے کہ آئندہ جتنی تباہی بھی ہوگی وہ اوپر سے نیچے کو آئے گی اور میرے خیال میں وہ انیم بم اور میزائل سے ہوگی، کیونکہ اللہ نے قرآن میں کہا ليطهره علی الدین کله (الفتح: 28) ہم نے اپنے دین کو سب ادیان پر ظاہر کرنا ہے اور بالآخر ہم نے اس کو زمانہ آخر میں ایک آخری غلبہ دینا ہے۔

حضرت دانیال سے پوچھا گیا کہ دجال کون ہے تو فرمایا کہ مملکت روس، بحیرہ بالٹک اور پانیوں کے گرد آباد قومیں۔ اگر آپ غور سے دیکھیں تو روس، یورپ اور امریکہ کی اقوام پانیوں کے گرد آباد ہیں اور اس سے نشانہ ہی ہوتی ہے کہ دجال ایک فرد واحد بھی ہے اور دجال ایک پورا گروہ بھی ہے اور مغربی بلاک۔ مل جل کر مسلمانوں سے اس عظیم جنگ کو شروع کریں گے۔ جنگ شروع ہوگی۔ ابھی میں آپ کو سنن ابی داؤد کی حدیث سنانا ہوں کہ وہ جنگ کیسے شروع ہے۔

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا ہے کہ ہم حضور ﷺ سے پوچھا کرتے تھے کہ کب یہ فتنہ آخِرِ زمانِ ظاہر ہوگا۔ تو فرمایا کہ جب کسی قبیلے میں ایمان دار آدمی کی نشاندہی کی جائے جب یہ کہا جائے کہ وہ فلاں آدمی پورے زمانے میں ایمان دار ہے۔ آپ ذرا توجہ فرمائیں تو میرا خیال ہے اس زمانے کی بات ہو رہی ہے کہ اب ہمیں بے ایمان نہیں ڈھونڈنے پڑتے ایمان دار کی نشاندہی کرنی پڑتی ہے اور حضرت حذیفہؓ نے فرمایا اور جب اس شخص کو عقلمند ہو شیار اور خوبصورت سمجھا جائے جو دنیا میں کامیاب ہو اور اس کے دل میں برائی برابری بھی ایمان نہ ہو تو سمجھ لینا کہ فتنہ آخِرِ زمانِ قریب ہے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم بڑے تھے ہمارے آثار بڑے تھے پھر آپ ﷺ تشریف لائے ہم نے اچھائی کو قبول کیا، اسلام کو قبول کیا۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ فتنہ ہوگا تو پھر کبھی بھلائی نہیں ہوگی۔ فرمایا! ہاں ضرورت کے ساتھ۔ پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! ضرورت کے ساتھ؟ فرمایا ہاں اچھی بات تو ہوگی، دوبارہ اچھا زمانہ آئے گا مگر ان میں کچھ عادتیں تمہاری طرح کی ہوں گی اور کچھ عادتیں نہیں ہوگی۔

حضرات گرامی! میں گمان کرتا ہوں کہ وہ ہم لوگ ہیں کیونکہ ہماری کچھ عادتیں تو بہت ہی بُری ہیں مگر کچھ عادتیں شاید مسلمانوں جیسی ہیں کیونکہ انہوں نے ہمیں بھلائی کا زمانہ کہا تو میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی بشارت کا اور کوئی حق دار نہیں ہے سوائے ہم لوگوں کے کہ ہم تھوڑے سے اچھے بھی ہیں اور کافی بڑے بھی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ فتنے کا زمانہ وہ ہے جب فتنے رات کے نکلنے کی طرح برسوں گے۔ فرمایا عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا، سویا ہوا جائے والے سے بہتر ہوگا، بیٹھا ہوا کھڑے سے بہتر ہوگا، کھڑا چلنے والے سے بہتر ہوگا، چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ خواتین و حضرات! میں اور تو اس حدیث پر عمل نہیں کر سکا، مگر سوائے کو اب میں نہیں جگاتا، کیونکہ میرا خیال یہ ہے کہ اس حدیث کے مطابق کہ سویا ہوا جائے والے سے بہتر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کیونکہ جو نبی آنکھ کھلے وہ فتنہ فساد شروع ہوتا ہے کہ پھر سو جانا بہتر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ فتنے کا وہ زمانہ ہے کہ زمانے جب قریب ہو جائیں گے۔ یہ خوبصورت فاصلوں میں سے ایک ہے۔ یعنی اچھے زمانے اور بُرے زمانے میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ دنیا اور آخرت اتنی قریب ہو جائے گی کہ کسی بھی وقت کوئی بڑی تباہی یا قیامت آنے والی ہے اور یہ زمانہ فتنہ آخِرِ زمان کہا گیا ہے۔

حضرات گرامی! نشانیاں کیا ہیں؟ ذرا غور کیجیے گا کہ یہ نشانیاں پوری ہو چکی ہیں یا ہونے والی ہیں کہ علم اٹھایا جائیگا، فتنوں کا ظہور ہوگا، بخل ڈالا جائے گا۔

ہر شخص مال و زر کے پیچھے بھاگ رہا ہے اور اسے دن رات دولت جمع کرنے کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ کوئی اپنی حد سے آگے اپنے گھر سے آگے اپنے تعلق سے آگے سوچنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ایک بڑی خوبصورت حدیث ہے۔ مگر صادق ﷺ نے کتنے واضح انداز سے اس زمانے کی پیشین گوئی کی ہے جو آج گزر رہا ہے کہ قاتل کو نہیں معلوم ہوگا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور مقتول کو خبر نہ ہوگی کہ وہ کیوں مارا جا رہا ہے، کس جرم میں، کس خطا میں؟

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ بڑا فتنہ اس وقت ہوگا جب اسلام میں مسلمانوں میں گروہ بندی ہوگی اور مسلمان ایک دوسرے پر زبان درازی کریں گے۔ بڑی فطری سی بات ہے۔ آج ہم اپنے اندر یہ گروہ بندی دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ فتنہ مختلف اقسام میں آئے گا۔ فرمایا 'فتنہ اجلاس' کہ لوگ خوف کے مارے ایک دوسرے سے بھاگیں گے ایک دوسرے کو شک و شبہ سے دیکھیں گے۔ ہر آدمی کو فکر ہوگی کہ میرے پیچھے آنے والا میرا قاتل تو نہیں ہے۔ سفر کرنے سے پہلے بھی آیت الکرسی پڑھی جائے گی اور اترتے وقت بھی آیت الکرسی پڑھی جائے گی۔ راتوں کو اندھیروں میں اپنے ہی کسی بچے کا ہاتھ لگ جانے سے مائیں چیخیں گی کہ شاید کوئی ڈاکو آ گیا ہے۔ اتنا خوف ہوگا اور اس کو فتنہ اجلاس کہتے ہیں۔

دوسرا اسراف کا فتنہ ہے۔ خوشحالی، عیش و عشرت۔ یہ فتنہ اللہ کا شکر ہے کہ پاکستانیوں میں تو نہیں ہے مگر یہ فتنہ باقی مسلمان ممالک میں بڑی کثرت سے ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کا بانی میری ایک اولاد میں سے ہوگا۔ امارت اتنی ہو جائے گی کہ عرب کے بدو بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور یہ فتنہ اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک عرب کے بخر صحرا سرسبز و شاداب نہ ہو جائیں گے۔ اتفاق کی بات ہے کہ عرب اس وقت گندم کا سب سے بڑا درآمد کنندہ ہے۔ صحراؤں میں انہوں نے اتنی فصلیں اگلی ہیں، کیا حیرت کی بات نہیں ہے؟ اور فرمایا یہ فتنہ میری امت میں سے ہر بندے کو چھوئے گا، طول کھینچے گا، اتنا آگے تک جائے گا کہ اسی فتنے میں دجال کا ظہور ہوگا اور اس وقت دو خیمے ہوں گے، ایک نفاق کا خیمہ اور ایک ایمان کا خیمہ۔ جو نفاق کے خیمے میں ہوں گے ان میں ایمان کی رتی بھی نہیں ہوگی اور جو ایمان کے خیمے میں ہوں گے ان میں نفاق نہیں ہوگا۔ اس وقت میں جو نئے پیغمبر پیغمبری کا دعویٰ کریں گے اور یہ زمانہ مہدی تک ہلاک ہو جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اصل میں مغربی انہوں نے لفظ رومی استعمال کیا ہے۔ اب ہمیں انہیں متبادل صورت دینا پڑتی ہے۔ اب وہ رومی تو نہیں ہیں۔

لفظ رومی ہر غیر عرب کے لیے استعمال ہوتا تھا اور فرمایا کہ رومی مقام عماک تک آئیں گے۔ مسلمانوں سے ان کی جنگ ہوگی، ایک تہائی مسلمان شہید ہوں گے اور یہ اس وقت دنیا کے بہترین شہداء ہوں گے جو آخری تہائی جنگ جہنمیں گئے مگر جب وہ جنگ جیت کے ہلکے پھلکے ہو رہے ہوں گے تو ان کو پتہ لگے گا کہ دجال بھی ان کے گھروں تک آن پہنچا ہے۔ وہ شام تک پہنچیں گے تو دجال مارا جائے گا۔ خواتین و حضرات! یہ وہی جنگ ہے جس کی پیچھے پیشین گوئیاں کر چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ساتھ جنگ ہوگی، ایک تہائی مسلمان بھاگ جائیں گے، ایک تہائی جنگ میں شہید ہو جائیں گے۔ ہم حدیث کو تینوں زمانوں تک بھی لے جاسکتے ہیں۔ جب حدیث تین دن کہہ رہی ہے تو یہ تین زمانے اور تین جنگیں بھی ہو سکتی ہیں کہ پہلی جنگ میں مسلمان بھاگ جائیں گے دوسری جنگ میں بہت سارے مسلمان شہید ہوں گے اور تیسری جنگ میں مسلمان بنی اسرائیل پر غلبہ پائیں گے اور جب وہ ان پر غلبہ پائیں گے تو دجال کا خروج ہوگا تو اس وقت امریکہ اور دوسری اقوام ان کی حمایت کے لیے نکلیں گے جو دجال ہیں اور اس طرح بہت بڑی جنگ کا آغاز ہو جائے گا۔

میں نے احادیث بخاری، مسلم اور سنن ابی داؤد سے لی ہیں، ان میں کوئی ابہام نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ چار راتیں یہ جنگ ہوگی، ایک جماعت جائے گی لڑے گی، رات پڑ جائے گی مگر صبح پتہ لگے گا کہ وہ تمام کے تمام شہید ہو گئے ہیں۔ پھر دوسری جماعت جائے گی دوسری رات جنگ ہوگی، واپس نہیں پلٹیں گے کیونکہ رات پڑ جائے گی۔ وہ جماعت بھی شہید ہو جائے گی۔ پھر تیسری جماعت جائے گی اور یہ بھی شہید ہو جائے گی۔ پھر چوتھی رات کو جنگ انتہائی شدید

ہوگی۔ حدیث میں ایک بڑی خوبصورت مثال دی گئی ہے کہ اتنے بڑے لشکر آپس میں جنگ کر رہے ہوں گے کہ ایک پرندہ اڑے گا اور وہ لشکروں سے گزر نہیں سکے گا کہ راستے میں ہوائے دھند سے اور گیسوں سے ہی مر جائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک باپ کے اگر سو بیٹے ہوں گے تو ان میں سے صرف ایک بچے گا۔

خواتین و حضرات! حضرت حذیفہؓ جن کو صاحب اسرار کہتے ہیں اتفاق کی بات ہے کہ ان کی احادیث زیادہ محفوظ نہیں ہوئیں۔ انہوں نے بہت ساری احادیث کو اپنی حد تک رکھا اور اس لیے وہ ہم تک نہیں پہنچیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر دس سواردجال کی خبر لینے جائیں گے۔ یہ دس سوار زمین پر اس وقت سب سے بہترین لوگ ہوں گے۔ میں ان کی ماؤں اور ان کے باپوں کے نام بھی جانتا ہوں۔ اگر چاہو تو میں ان کا ذکر کروں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کی ایک بڑی عجیب و غریب حدیث ہے کہ بیت المقدس کی آبادی جب کمال کو پہنچے گی تو مدینہ کی تباہی و بربادی کا باعث بنے گی اور ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ کا محاصرہ کیا جائے گا۔ اسرائیل کی فتوحات کعبہ تک پہنچیں گی اور دائمی قربانی موقوف ہوگی مگر وہ مدینہ کے اندر داخل نہ ہو سکیں گی اور یہودی اس سے آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ اس کے لیے مدینہ کے ساتھ دروازے بنائے جائیں گے اور دو دو ملائکہ اس کی حفاظت کریں گے اور نصف واقع ہوگا اور پورا لشکر زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ سبحان اللہ!

یہ متفق علیہ حدیث ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا! دجال مشرق سے مدینہ میں داخل ہونے کے ارادے سے آئے گا یہاں تک کہ احد کے چھبے اترے گا۔ پھر فرشتے اس کا منہ شام کی طرف پھیر دیں گے اور وہ وہیں ہلاک ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ہمیں حضور گرامی ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ اہل حبشہ کو ناراض نہ کرنا کہ زمانہ آخر میں ایک حبشی کعبہ کا خزانہ نکالے گا۔ حضرات گرامی نماز عصر کا وقت ہے اور میں اپنے بیان کو جلد ختم کرنے کی کوشش کروں گا۔

جنگ کی صورت میں 1999ء سے جو فسادات شروع ہوں گے۔ پہلے روایتی ہتھیاروں کے ساتھ جنگ ہوگی۔ وہ گزرتی ہوئی ایٹمی ہتھیاروں تک جائے گی۔ پہلے مسلمان فتح حاصل کریں گے پھر دجال اور یورپی اقوام کو مکمل فتح حاصل ہو جائے گی۔ پھر دجال کی وجہ سے مہدی مسلمانوں کو لے کر ایک محفوظ جگہ پہنچیں گے اور کوئی قوم دجال سے لڑ نہیں سکے گی۔ وہاں مہدی دعا فرمائیں گے اور حضرت عیسیٰؑ کا نزول مبارک دوزر دچادروں میں پیٹانی سے پسینہ چکاتا ہوا ہوگا اور حضور ﷺ نے فرمایا جو بھی اس وقت عیسائی اور مسلم وہ سب جہاں بھی موجود ہوں گے، حضرت عیسیٰؑ کی شہادت دیں گے۔ جب یہ شہادت دیں گے تو دوبارہ ایک قوت بن جائے گی اور اس قوت کے سامنے حضرت عیسیٰؑ دجال کو قتل کر دیں گے۔

جب یہ جنگ ختم ہوگی تو یا جوج اور ماجوج کا اخراج ہوگا اور اللہ کہے گا کہ یہ میرے وہ بندے ہیں جن کے خلاف کوئی بھی نہیں لڑ سکتا۔ حضرات گرامی! یہ یا جوج اور ماجوج زرد اقوام ہیں۔ ان کی ساری نشانیاں چینی اور ویت نامی لوگوں میں موجود ہیں۔ بلاشبہ یہ اتنی زیادہ تعداد میں ہوں گے۔ یہ اتنے زیادہ ہوں گے کہ کوئی بھی ان سے لڑ نہیں سکے گا۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰؑ بھی بے بسی کا اظہار کریں گے اور اللہ کے حضور دعا مانگیں گے کہ اے پروردگار! ہمیں اس فتنے سے نجات دے اور پھر اس بڑے فتنے سے خداوند کریم ایک متعدی مرض کے ذریعے نجات دیں گے۔ حضور نے فرمایا کہ ان کی

گردنوں میں ایک کیڑا پیدا ہوگا۔ یہ ایک وائرس کا حملہ ہوگا جس سے راتوں رات پورے کا پورا لشکر ختم ہو جائے گا تو ان کی سزا کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی پرندہ اڑ نہیں سکے گا اور کوئی فرد زندہ نہیں رہ سکے گا۔ تو پھر حضرت عیسیٰ اور مہدئی دُعا کریں گے کہ اے پروردگار! ہماری زمین کو قابل رہائش بنا تو پھر اللہ بڑی بڑی گردنوں والے پرندے بھیجے گا۔ جیسے آپ کے Scavenger Birds ہوتے ہیں۔ وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا پھینکیں گے۔ زمین دوبارہ آباد کی جائے گی۔ چالیس چالیس دن کی تین بارشیں ہوں گی۔ سیاہ بارش، سبز بارش اور اس کے بعد مارل بارش ہوں گی۔ زمین اپنی برکت کو اگا لے گی۔

حضرت عیسیٰ کا بابرکت دور شروع ہوگا۔ ایک حدیث میں یہ دو رسالت برس اور دوسری حدیث میں چالیس برس ہے اور تمام مذاہب اسلام پر قائم ہوں گے کیونکہ جب حضرت عیسیٰ اتریں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ امامت کروائے تو حضرت عیسیٰ فرمائیں گے کہ امامت تم لوگوں کا حق ہے۔ مذہب اور شرع تمہاری ہے اور مہدئی کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور حضرات گرامی! سب سے بڑی بات جو ہے اس کا وقت اتنا قریب ہے اتنا قریب ہے کہ میرے اپنے حساب کے مطابق میں نہیں جانتا کہ ہم 2005ء تک پہنچیں گے یا نہیں۔

میرے اپنے ذاتی خیال میں 2005ء تک یہ واقعات بڑی تیزی سے رُو پذیر ہونے شروع ہو جائیں گے اور اس حادثے کی تیاری صرف ایک ہوا و وہ ہے اللہ۔

اسلام اور مغربی افکار ☆

اسلام اور مغربی افکار

حضرات گرامی! کسی بھی ملک کا دورہ کرنا یا وہاں سے آنا کبھی بھی کوئی ایسا عجیب عمل نہیں رہا جس کی بنا پر کوئی جلسہ مرتب ہو۔ ہم لوگ مسلسل ایک غیر مناسب رویہ مغربی تجربے کے خلاف رکھتے ہیں اور ہم اس اصل حقیقت کو دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ خرابی ہم میں ہے یا اُن میں ہے۔ خرابی شاید دونوں طرف ہے۔ ہم اُن سے مختلف بھی ہیں اور کیا وجہ ہے کہ ہم احساس کمتری کی وجہ سے کسی دینی اخلاقی اصولی وجہ سے مغرب کے خلاف ہیں۔ میں مغرب کو صرف امریکہ ہی نہیں سمجھتا۔ بلکہ سارے یورپی ممالک کو بھی اس میں شامل کرنا ہوں۔

جب میں نے تجزیہ کیا تو ہم دونوں میں فرق یہ نکلا کہ وہ اللہ کی پروا نہیں کرتے مگر ملک اور قوم کے بنائے ہوئے قانون کی بڑی پاسداری کرتے ہیں جبکہ ہم اہل اسلام دونوں قوانین کی پاسداری نہیں کرتے۔ معلوم نہیں انصاف اُن کو جائے گا کہ ہم کو جائے گا۔ دوسری جو ایک بات مجھے حضور ﷺ کی احادیث مبارک سے یاد آئی۔ امریکہ میں بار بار یاد آتی رہی کہ شیطان دو آنکھوں سے کھانا ہے اور مومن ایک آنکھ سے کھاتا ہے۔ تو میں جدھر سے بھی گزرا میں نے شیطان کو تو نہیں مگر امریکنوں کو مسلسل کھاتے دیکھا۔ ایک بڑی وزنی خاتون نے مجھ سے کہا کہ:

"Do you have any Tasbeeh for reducing weight."

And she was eating تو میں نے اس خاتون سے کہا:

"I don't have any Tasbeeh for reduction of weight and you are continuously eating."

تو اس نے کہا کہ I don't know when do I eat مجھے تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ میں کب کھاتی ہوں۔ تو وہ لوگ مسلسل کھاتے رہتے ہیں اور حضرات گرامی! اُن کا کھانا دیکھ کر مجھ پر ایسا حجاب طاری ہوا کہ میں بارہ بارہ گھنٹے کھا ہی نہیں سکتا تھا۔ اور میں نے نیلیویرژن پر ایک پروگرام دیکھا جس میں انہوں نے بڑے افسوس کا اظہار کیا کہ 63 فیصد امریکی مونا پے کا شکار ہیں اور اگلے پانچ برسوں میں جو باقی رہتے ہیں وہ بھی موتے ہو جائیں گے۔

حضرات گرامی! میں نے مسلمان کا کوئی اچھا حال نہیں دیکھا جو خطرات ہمیں مغرب سے درپیش ہیں اُس کا ہم مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ایک دفعہ پل سے گزرتے ہوئے مجھے ان کا مشہور ترین مجسمہ آزادی نظر آیا تو دور سے میں نے اسے دیکھا تو تھوڑا میں دل میں ہنسا اور کہا کہ پروردگار! تجھے بھی بتوں کے بغیر چین نہیں آنا اور دور حاضر میں

بھی جبل و لات کے بت کھڑے کر کے اور ان سے جنگ و جدل کر کے تو مسرت حاصل کرتا ہے۔ ایک طرف پورا مغربی کلچر مکمل شخصی آزادی کا اعلان کر رہا ہے اور دوسری طرف جن مسلمانوں کو میں نے امریکہ میں پایا وہاں ان کے پاس آزادی کے خطرات کا سامنا کرنے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ آپ اخبار میں پڑھتے بھی ہوں گے۔ میں بھی پڑھتا تھا، اگر میں وہاں عملی طور پر نہ جاتا تو مجھے کبھی اندازہ نہ ہو سکتا کہ وہاں اسلام بدتر حالت میں ہے۔ یہی صورت حال انگلینڈ اور دیگر مغربی ممالک میں بھی ہے۔

یہ یاد رکھیے کہ تمام معاشرے خواہ وہ امریکہ ہو، خواہ وہ انگلینڈ ہو، جہاں آپ جائیں گے اور پہلے سے احتیاطی تدابیر نہیں کریں گے وہ معاشرے آپ سے اپنا اجر ہر قیمت میں وصول کریں گے۔ ابتدائے حال میں جو لوگ امریکہ یا یورپ گئے انہوں نے صرف پیسے کی خاطر نوکری کی رزق کی خاطر ان جگہوں میں سکونت اختیار کی ان کو آسانی اور آسودگی حاصل ہوئی اور انہوں نے کچھ کمایا مگر وہ اس حال سے بے خبر ہے کہ یہ معاشرہ بھی ہم سے کچھ وصول کرے گا۔ وہ نوجوان لوگ جو اس تصور سے کہ ہم دوزخ سے بہشت کو جا رہے ہیں، آزادی کو جا رہے ہیں، آسودگی کو جا رہے ہیں، مال و اسباب کو جا رہے ہیں، وہ یہ بھول گئے کہ اگر ہم وہاں مستقل قیام پذیر ہو گئے تو یہ معاشرہ ہماری اولاد کی صورت میں اپنی قیمت وصول کرے گا۔

حضرات گرامی! پورے یورپ میں مذہب ایک مدافعتی رویہ ہے۔ ایک دفاعی قدم ہے۔ جب پہلی نسل گزرنے کے بعد دوسری نسل جوان ہوئی اور پھر تیسری نسل آئی اور انہوں نے اس معاشرے، اس کلچر اور انہی درسگاہوں سے تعلیم پائی، جوان کے اپنے ضوابط، اپنی اخلاقی اور مذہبی رسوم جن میں کوئی ذہنی کمٹ منٹ شامل نہیں تھی، جب انہوں نے اسے دیکھا تو ان کو یقیناً مغرب کی آزادی کا روپ پسند آیا۔

حضرات گرامی! میں نے امریکہ یا یورپ میں یا کسی بھی مغربی ممالک سے آئے ہوئے کسی بھی نوجوان آدمی کو کٹر مسلمان پایا ہے مگر آزادی سے خیال سے محبت سے اور اپنے کسی تصور مذہب کو چاہتے ہوئے نہیں پایا۔ یہ دافعت اس لیے سامنے آئی کہ جب ہمارے بچے جوان ہوئے مغرب نے انہیں حقوق اور آزادیاں بخشیں۔ اس کے مقابلے میں ہم نے انہیں ایک اکیڈمک مذہب دیا۔ میں آپ کو اس کی ایک مثال بتاتا ہوں کہ ایک خاتون کی صرف چار بچیاں تھیں، اس کا بیٹا نہیں تھا۔ تمام لڑکیوں کی تعلیم انگلینڈ میں ہوئی۔ اب جب وہ بڑی ہوئیں تو بڑی کا معاشرہ ایک ہندو کے ساتھ دوسری اور تیسری کا انگریز کے ساتھ چل رہا تھا اور وہ خاتون سخت پریشان تھی۔ اتنی پریشان کہ کسی سے تعویذ گنڈا لیا۔ بالآخر اسے کسی نے میرا بتایا۔ جب وہ خاتون اپنی جدید ترین نسل کی خواتین کو میرے پاس لے کر آئی تو جب وہ گھر میں داخل ہو رہی تھیں تو ان میں سے ایک لڑکی نے دوسری لڑکی سے کہا کہ:

Our mother has brought us to another cheat.

یہ اس نے دوسری لڑکی سے کہا کہ ہماری ماں ہمیں پھر کسی اور فراڈ کے پاس لے آئی ہے تو میں نے وہ سن لیا۔ ان کے خیال میں یہ تھا کہ انگلینڈ سے واپس لانے کے لیے یہ ہمیں پابند کر دے گی اور ہماری زندگیوں کو آزادی سے محروم کر دے گی۔

So they came to the cheat. But cheat was a real cheat.

What is your identity? بیان کو اندازہ نہیں تھا۔ تو جو نہیں وہ داخل ہوئیں تو میں نے ان سے پوچھا کہ

اور وہ ایک دم سے They were shocked اور انہوں نے کہا کہ What do you mean? تو میں نے ان سے کہا:

Should I consider you a Pakistani or a British. What do I consider you?

تو وہ اس سوال سے پریشان ہو گئیں۔ مگر کچھ دیر کے بعد ہم میں جب حجاب ٹوٹ گیا اور ہماری بات چل نکلی اور ہر

دو چار منٹ گزرنے کے بعد جب میں کوئی رائے دیتا تو وہ کہتیں Where did you learn this تو میں نے کہا کہ:

It's not found in Oxford or it's not found in Cambridge.

یقین کریں کہ اس مخلوق کو میں نے اتنا اچھا پایا کہ دو گھنٹے کی گفتگو کے بعد انہوں نے بڑے شوق سے بڑی محبت

سے تسبیحات لیں اور اپنی چادر کے پلو میں وہ تسبیحات باندھ لیں تو میری ہنسی نکل گئی اور میں بڑے زور سے ہنسا۔ انہوں نے

کہا کہ What are you laughing about? میں نے کہا کہ:

I am laughing about the real origin you are showing.

ہمارے ہاں برسوں سے روایت چلی آ رہی ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیز ہم پلو میں باندھ لیتے ہیں تو جو تم نے کیا اصل

میں یہی تمہاری اصل ہے۔ وہ نہیں ہے جس کو تم پیش کر رہی ہو۔ اگر تم اپنی اصل کی حفاظت کرو گے تو تمہارے لیے دنیا میں

کوئی جگہ غیر محفوظ نہیں ہے مگر حضرات گرامی! میری اصلاح کا کیا فائدہ ہوا، یہ تھوڑی دور چل کر آپ کو پتہ چلے گا۔ میں یہ

ایک کیس سنا رہا ہوں۔ ان ہزاروں میں سے جو مغرب میں درپیش ہیں۔ انہوں نے ماں سے کہا کہ ٹھیک ہے ہم اسلام آباد

ہی میں اپنی باقی تعلیم حاصل کریں گی اور واپس انگلینڈ نہیں جائیں گی تو ان کی ماں بہت خوش ہوئی۔ سارے کام ٹھیک ہو گئے

تو ایک لڑکی کا ایک ماہ بعد فون آیا اور اس نے کہا کہ پروفیسر صاحب:

"We followed your instructions but what my mother is doing to me."

میں نے کہا، کیا ہوا۔ اس نے کہا ہم یورپ چھوڑ کر یہاں آئے ہیں۔ اب مجھے ایک انجینئر لڑکا اچھا لگا ہے۔ وہ

مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور میری ماں یہ کہتی ہے کہ یہ ہماری ذات کا نہیں ہے۔ آپ اندازہ کریں اس نقصان کا جو وہاں

اس کو مل رہا تھا کہ اس کی بیٹی ہندو کے ساتھ جا رہی تھی، عیسائی کے ساتھ جا رہی تھی، تو جب وہ واپس امن میں آئے تو تھوڑی

سی محفوظ ہوئیں تو سب سے پہلے اس نے یہ نہیں دیکھا کہ لڑکا پڑھا لکھا ہے، اچھا ہے اور میری بیٹی اسے پسند کرتی ہے اور اس

نے خدا کا شکر ادا نہیں کیا تو اس لڑکی نے مجھ سے کہا کہ پروفیسر صاحب ہمیں یہاں بلا کر Didn't you do a

mistake۔ تو میں اس کا کیا جواب دیتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ جو مذہب ہم یورپ یا امریکہ میں پیش کر رہے ہیں، کیا وہ مطلوبہ

نتیجہ لاسکتا ہے کہ نہیں۔

اسلام مغرب میں کسی خیال یا نظریے کی حیثیت سے موجود نہیں۔ اسلام مغرب میں جداگانہ عمل کی حیثیت

سے موجود ہے جیسے یہودیوں کے اپنے اعمال ہیں جیسے عیسائیوں کے اپنے اعمال ہیں۔ اس طرح اسلام بھی چند اعمال پر مشتمل ہے اور بغیر کسی مضبوط نظر یا ور خیال کے آپ مغرب کے تصور آزادی سے جنگ نہیں کر سکتے۔

یہ بڑا مشکلہ خیز واقعہ ہے۔ مجھے جب ہیوسٹن کی مسجد میں تقریر کے لیے بلایا گیا تو وہاں مصری امام مسجد تھا جس کا تعلق اخوان المسلمون سے تھا۔ زیادہ تر مسلمان پاکستانی اور تمام شرعی لوگ تھے۔ اچھے عبادت گزار تھے۔ مجھے امام مسجد نے کہا کہ برادر:

"Don't say anything which is not liked by them."

تو میں نے اس سے کہا کہ What do you mean? اگر تم نے مجھے بلایا ہے تو میں وہی کہوں گا جو مجھے پسند ہے اور یہ بات ان لوگوں پر چھوڑ دو کہ یہ میری بات قبول کرتے ہیں کہ نہیں۔ بات شروع کرنے سے پہلے ہی مجھ پر پابندی لگا رہے ہو کہ پروفیسر صاحب یہ نہ کہنا وہ کہنا۔ جب میں نے تقریر شروع کی تو میں نے ان سے یہ کہا کہ تم لوگ ایک ایسے نظام کے خلاف کھڑے ہو جو مکمل آزادی دیتا ہے بات کرنے کی زندہ رہنے کی طریقہ ذات اپنانے کی اپنے موڈ کی حفاظت کرنے کی تمہاری جہتوں اور خصلتوں کی حفاظت کرنے کی اپنی شخصی آزادی کو قائم کرنے کی۔ صرف ایک پابندی لگاتا ہے کہ قانون جو بنائے ہوئے ہیں ان کو نہ توڑنا باقی جو تمہارے دل میں آئے وہی کرنا۔ اس کے مقابلے میں وہ رسول اللہ ﷺ اور وہ اللہ جو ایک مکمل اعتدال اور آزادی کا مذہب دیتے ہیں۔ آپ اس رسول اللہ ﷺ کے ایک بندے کو بات کرنے سے پہلے روک رہے ہو کہ یہ کہنا اور یہ نہ کہنا۔ آپ نے اتنی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں کہ جو مغربی مذہب اور یہ جو آزادی کا جہل ہے یہ جو مجسمہ آزادی ہے یہ آپ کو کھاجائے گا۔ یا آپ کی اولاد کو بھی کھاجائے گا۔ اس سے آگے آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کو اتنی پابندیوں ہی میں اپنی اولاد کو پالنا ہے اور بغیر کسی خیال سے پال رہے ہیں تو اس کا کیا فائدہ!

آپ کے پاس کوئی نظر یہ نہیں ہے۔ آپ صرف روزمرہ زندگی کے تقاضوں پر عمل کر رہے ہیں۔ نماز پڑھو قرآن شریف پڑھو اور روزے رکھو مگر محض عبادت سے آپ کا کوئی واسطہ نہیں۔ ایک یہودی اسکا لرنے کہا کہ کس چیز پر نازاں ہو۔ تمہارا واسطہ ہی کتنا ہے خدا سے۔ تم تو صرف پندرہ سو سال سے خدا کے شناسا ہو۔ ہم تو بارہ ہزار سال سے خدا کے شناسا ہیں۔ تم کس چیز کا دعویٰ کرتے ہو کہ تم خدا کے بڑے اچھے اور سچے بندے ہو میں نے اس سے کہا کہ:

I agree with you that you know God for twelve thousand years but tell me one thing that does He also know you?

تمام تحقیق علم اور تمام تجسس فکر کا صرف ایک ہی فطری انجام ہے اور وہ اللہ ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے علم و جستجو اور فکری کاوشوں کے بعد خدا تک نہیں پہنچتا یا اسے شناخت خداوندی کا حصول نہیں ہوا تو اسے واپس پلٹ کر دیکھنا چاہیے کہ اس کی تحقیق کہاں ناقص ہوئی ہے کیونکہ جب آپ علم کو اس کا مقصد اولین اللہ دیتے ہیں تو وہ بغیر کسی وسوسے اور فریب کے اپنی منزل کو حل کرتا ہے۔ وہ ہر حال میں شناخت کرنا ہے اور ہر حال میں اللہ کو پالیتا ہے۔

شخصی تاثرات

بڑی سرکار	ممتاز مفتی
اکیسویں صدی کا ولی	جاوید چوہدری
پسِ حجاب	افتخار عارف
اسلام آباد ایک جوگی سے ملاقات	عطاء الحق قاسمی
پروفیسر صاحب	بارون رشید

ا) بڑی سرکار

میرے ایک دوست ہیں امتیاز بخاری۔ ان کا چہرہ بارہ دری ہے اتنا چوڑا اور اس میں محرابیں ہی محرابیں۔ شخصیتوں میں دروازے عام ہوتے ہیں لیکن پٹ دار ہوتے ہیں کوئی بند، کوئی ادھ کھلا، کوئی کھلا۔ کچھ شخصیتیں ازلی طور پر چہروں پر ڈھری ہوتی ہیں۔ ایسی شخصیت کو پنجابی میں ”کھلی ڈلی“ کہتے ہیں۔ امتیاز بخاری ”کھلا ڈلا“ ہے۔

ہاتھ کی تسبیح

ایک بار وہ مجھ سے ملا تو اس کے ہاتھ میں ایک منی سی تسبیح تھی۔ ”ارے یہ کیا ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔
 کہنے لگا: ”کیوں اسے کیا ہے؟“
 میں نے کہا: ”یہ ایسے ہے جیسے راگ میں بے برجت سُرگی ہو۔“
 کہنے لگا: ”بے برجت سُر کیا ہوتی ہے؟“
 میں نے کہا: ”کچھ سُریں ایسی ہوتی ہیں جو راگ کے نائٹ کو ابھارتی ہیں جو بار بار لگائی جاتی ہیں۔ کچھ ایسی ہوتی ہیں جو راگ کے منافی ہوتی ہیں اس لیے ممنوع ہوتی ہیں۔ یہ تیری شخصیت سے ہم آہنگ نہیں بلکہ اسے جھٹلاتی ہے۔“
 اس سے پہلے بھی عماد الدین ایک بزرگ کو میرے گھر لائے تھے۔ ان کے ہاتھ میں بھی تسبیح تھی۔ وہ ہم سے باتیں کرتے جاتے تھے۔ ساتھ ساتھ تسبیح کے دانے گراتے جاتے تھے، لیکن ان کے ہاتھ میں تسبیح جتی تھی۔ رمی بزرگ تھے معزز تھے، واڑھی تھی، گیسو تھے، جسم پر چغڑھا، کندھے پر صافہ لٹک رہا تھا۔
 اگلے روز عماد بھی ایک منی تسبیح اٹھائے آ گیا۔
 میں قہقہہ مار کر ہنسا۔

کسی کہنے لگا: ”بابا! آپ تو خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہیں۔ اب کی بار میں فرانس گیا تو میں نے دیکھا کہ یورپ میں تسبیح اٹھائے رکھنا فیشن ہو گیا ہے۔ ہماری محترمہ (بی بی) بھی اٹھائے پھرتی ہیں۔“
 امتیاز بخاری سے میں نے پوچھا: ”یہ بتا کہ یہ منی تسبیح فیشن ہے یا روحانیت؟“

بخاری بولا: ”یہ حکم ہے۔“
 میں نے کہا: ”یا رتو تو بشرے سے آزاد دکھتا ہے پابند کیسے ہو گیا؟“
 بولا: ”میرے ایک بزرگ دوست ہیں۔ ان کے حکم سے یہ شیخ ہاتھ میں رکھتا ہوں۔“
 میں نے کہا: ”کیا ان بزرگ دوست میں سینس آف ہارمنی کا فقدان ہے؟“
 کہنے لگا: ”اس کے برعکس ان کا عقیدہ ہی ہارمنی ہے توازن ہے ہم آہنگی ہے۔“
 میں نے کہا: ”لیکن یہ شیخ تو تجھ سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ یہ نمائش ہے دکھاوا ہے Pretention ہے۔ دعویٰ ہے۔“
 ”وہ ان باتوں کو روا نہیں رکھتے۔“ بخاری نے جواب دیا۔ اس پر میں شپٹا کر رہ گیا۔ میں نے کہا: ”یہ کیسا بزرگ ہے جو نمائش شیخ بھی چلاتا ہے۔ ساتھ ہی ہارمنی ہم آہنگی توازن کا دعویٰ کرتا ہے ہمیں بھی زیارت کرادے ان کی۔“

پروفیسر سرکار قبلہ

یوں ہم رفیق احمد سے جا ملے۔
 گوجران پونچھ تو پتہ چلا کہ شہر کے بھی لوگ انہیں جانتے ہیں اور انہوں نے انہیں پروفیسر کا لقب دے رکھا ہے۔
 اس بات پر حیرت ہوئی کہ یہ کیسا بزرگ ہے جو سرکار قبلہ کی جگہ خود کو پروفیسر کہلواتا ہے۔
 مکان میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک ادیب مگر Youngish آدمی پلنگ پر بیٹھا ہے۔ سرنگا، گلین شیو، سُکرتا شلوار جیسے کوئی عام سا آدمی ہو۔ چہرے پر تحکم کی جگہ ذہانت ہے جس کی دھار زیادہ ہی تیز ہے۔ گلے کے نچلے پردوں سے بات نہیں کرتا۔ بات میں روانی ہے۔ معززیت کی ”رک رک“ نہیں۔

میں نے کہا: ”آپ پروفیسر ہیں؟“
 بولے: ”پروفیسر تھا۔ پھر استعفیٰ دے دیا۔ اب اللہ کا نوکر ہوں۔“
 میں نے کہا: ”پہلے سرکار کے نوکر تھے اب بڑی سرکار کے ہو گئے۔“
 ہنسے بولے: ”ہاں۔“

میں نے کہا: ”یہ سو دا اچھا نہیں کیا آپ نے!“
 بولے: ”وہ کیسے؟“
 میں نے کہا: ”بڑی سرکار تنخواہ دینے میں بڑی خمیس ہے۔“
 ہنسے یوں جیسے عام آدمی ہنستے ہیں۔

میں نے سوچا: ”یہ تو واقعی پروفیسر ہیں۔ بزرگی و زرگی کوئی نہیں۔“

عقل کی چکی سرک

پھر میں نے انہیں چھیڑا۔ میں نے پوچھا: ”آپ کو یہ مقام کیسے ملا جس پر آپ فائز ہیں؟“

بولے: ”عقل سے ملا۔“

”ارے“ میں چونکا۔ بڑا غیر متوقع جواب تھا، لیکن جواب میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔

میں نے کہا: ”حضور! ہم تو عقل کو راستے کی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔“

”آپ غلط سمجھتے ہیں۔“ وہ بولے۔

پھر انہوں نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔

وہ حلق کے نچلے پردوں سے قرآن نہیں پڑھ رہے تھے جیسے کہ قاری پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ تو یوں

قرآن پڑھ رہے تھے جیسے قرآن نہیں بلکہ کسی عرب شاعر کا کلام پڑھ رہے ہوں بلکہ یوں جیسے اللہ تعالیٰ خود باتیں کر رہے

ہوں۔ ساتھ ساتھ ترجمہ کرتے جاتے تھے۔

تقریباً دو گھنٹے پروفیسر ہمیں قرآن سے اقتباسات سناتے رہے۔ لب لباب کچھ ایسا تھا کہ:

”لوگو دیکھو! بار بار سوچو، غور کرو، فکر کرو، آنکھیں بند کر کے ایمان نہ لاؤ۔ اللہ نے تمہیں عقل

دی ہے اپنی عقل سے کام لو۔“

”پہلے بات کو تو لو، آزماؤ، اگر تمہارے دلوں میں شکوک پیدا ہوتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ جو جو شکوک ذہن میں

آتے ہیں ان پر غور کرو۔ جو جو Alternatives ذہن میں آتے ہیں انہیں باری باری آزماؤ..... پھر تم جان لو گے کہ جو ہم

کہتے ہیں وہی سچ ہے۔“

یہ باتیں سن کر حیرت ہوئی۔ یہ کیسا اللہ ہے کہ ایک طرف تو اس کے حکم کے بغیر پتا نہیں مل سکتا۔ دوسری طرف

حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو نہ سہی اسے مجبور نہ کرو۔

بہر حال پروفیسر نے ہمیں عقل کی چکی سڑک پر ڈال دیا۔

چار ایک دن تو میں پروفیسر کی باتوں پر غٹ رہا، پھر شکوک نے سراٹھایا۔

کیا دل کی کوئی اہمیت نہیں۔ وجدان کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیا اللہ کے اتنے بڑے عاشق جو زمرے ہیں محمد ﷺ کے

پر وانے، صوفی، فقیر، قلندر۔ کیا ان کا کوئی مقام نہیں۔ میں پھر ڈب جھلکے کھانے لگا۔ میں نے مسعود قریشی سے بات کی۔ اس نے

تہتہ لگایا۔ مسخر بھرا تہتہ۔

مسعود ایک عجیب و غریب قسم کی شخصیت ہے۔ بارہ مصالحوں قسم کی چیز ہے۔ اس میں مختلف اور متضاد قسم کی

خصوصیات ہیں، مثلاً اس میں عقل بھی ہے، جذبہ بھی ہے، ایمان بھی ہے، کفر بھی ہے، بے فکری بھی ہے۔ وہ مثبت بھی ہے، منفی

بھی ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ان تضادات کے باوجود اس کی شخصیت میں ایک ہم آہنگی ہے۔ ہارمنی ہے۔

مسعود تہتہ مار کر ہنسا بولا: ”مفتی تو بڑا کنفیوزڈ آدمی ہے۔ تو سمجھتا ہے کہ اللہ برائے لائن ہے۔ نہیں بھائی اللہ تو بہت

بڑا جنکشن ہے، کئی ایک راستے وہاں پہنچتے ہیں۔ کئی ایک لائنیں آتی ہیں۔ عقل کی لائن بھی پہنچتی ہے، وجدان کی بھی اور پتہ نہیں

کون کون سی لائنیں پہنچتی ہے۔“

پروفیسر احمد رفیق اختر

اس بات پر مجھے پروفیسر احمد رفیق اختر یاد آ گئے جن کا مقصد حیات ہی ہارمنی پیدا کرنا ہے، نوکیلے کو نے گول کرنا ہے۔ گذشتہ چند ایک برس میں مجھے چند ایک بزرگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ پروفیسر احمد رفیق اختر سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ وہ عام انسان کی طرح جیتے ہیں۔ نہ لباس میں خصوصیت، نہ شکل و شبہا بہت میں، نہ انداز میں، نہ برتاؤ میں۔

نہ جب، نہ دستار، نہ گیسو، نہ ڈاڑھی۔ کلین شیو ہیں۔ چہرے پر مصنوعی وقار نہیں۔ صرف ذہانت اور انسانیت ہے۔ بات میں ”ہم“ نہیں۔ گلے میں ”اُم“ نہیں۔ انداز میں اُجلا پن نہیں۔ دوسرے کو میلا ہونے کا احساس نہیں۔ کشف نہیں چلاتے۔ فراست ہے، لیکن جتا تے نہیں۔ اختلاف رائے کو کاٹتے نہیں، برداشت کرتے ہیں۔ طبیعت میں بڑا ”سینس آف ہیومر“ ہے۔ خود نمائی نہیں کرتے۔ دعویٰ نہیں کرتے۔ پیری ٹریڈی نہیں کرتے۔ بیعت کی دعوت نہیں دیتے۔ مسئلہ مسائل نہیں چھانٹتے۔ جنید یہ سلسلے کے مشاہیر کو استاد مانتے ہیں لیکن جو تصوف پر موٹے کرتے ہیں، وہ انہوں نے خود قرآن سے اخذ کیا ہے۔ لوگوں کو پڑھنے کے لیے اسماء دیتے ہیں۔

مجھے بھی دیے۔ میں نے کہا: ”پروفیسر صاحب! یہ ظلم نہ کرو۔ میں تو اللہ کا ایک ادنیٰ منشی ہوں۔ عبادت میرا کام نہیں۔ سیانے کہتے ہیں جس کا کام اسی کو سا ہے۔“
کہنے لگے: ”یہ ضروری ہے تین ماہ کے لیے پڑھو۔“
میں نے کہا: ”تین ماہ کے بعد کیا ہوگا؟“
وہ مسکرا دیے۔

میں نے تین ماہ شیخ چلائی۔ میرا خیال تھا، تین ماہ بعد میرے دائیں ہاتھ سے آواز آئے گی۔ ”بول میرے آقا! میرے لیے کیا حکم ہے، میں تیرے لیے کیا کر سکتا ہوں۔“ لیکن کوئی آواز نہ آئی۔
پروفیسر کا کہنا ہے، سلام تو ازن کا نام ہے۔ اپنے اندر ہارمنی پیدا کرنے کا نام ہے۔ نہ لاگ ہوندا گاؤ۔
حضور ﷺ نے فرمایا تھا: ”لوگو! حد میں رہو۔ حدیں نہ توڑو۔“
میں نے پوچھا: ”پروفیسر آپ کا شغل کیا ہے؟“
بولے: ”تحلیل نفسی کرنا رہتا ہوں۔ وہ کو نے جو دوسروں کو چھتے ہیں، انہیں گول کرنا رہتا ہوں۔“

اکیسویں صدی کا ولی^(۱)

جب میں پروفیسر احمد رفیق سے پہلی بار ملا تو دل سے بزرگ ماننے پر تیار نہ ہوا۔ اس کی کئی ایک وجوہات تھیں؛ مثلاً اس کا کلین شیو ہونا، مسلسل سگریٹ پئے جانا، ان موضوعات پر بلا تکان گفتگو کرنا، جن کے ذکر پر ہی کمزور دل حضرات کے کان سرخ ہو جاتے ہیں اور اپنی بے عزتی پر قہقہہ لگا کر مخاطب کو داد دینا وغیرہ وغیرہ؛ لیکن جب میں مایوس ہو کر اٹھنے لگا تو اس نے ایک عجیب حرکت کی۔ مجھ سے کہنے لگا: ”اپنا نام تو بتاتے جاؤ۔“ میں نے فوراً بتا دیا (یہی میری غلطی تھی) تو ہنس کر بولا: ”تمہارے اندر ’انگرا سٹی‘ بھری ہے، غصہ اور نفرت ابل رہی ہے، اگر یہ باہر نہ نکلی تو تم پھٹ جاؤ گے۔ بالکل اس طرح جیسے غبارہ دہما کے سے پھٹتا ہے۔“ میں نے کہا: ”تمہیں کیا غرض۔“ تو بولا: ”مجھے تم سے بڑی غرض ہے، ذرا بیٹھو میں تمہیں بتاتا ہوں۔“ اور میری حماقت دیکھیے میں شغل ہی شغل میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور اس کے بعد پتہ نہیں اس نے مجھ پر کیا پھونکا کہ آج آٹھ برس ہو چکے ہیں، میں اسی کے پاس بیٹھا ہوں۔ کہیں بھی بھاگ جاؤں، کہیں بھی چھپ جاؤں، کہیں بھی غائب ہو جاؤں، خود کو اسی کے قریب پاتا ہوں، اسی صوفے، اسی کمرے اور اسی نیم تارکے ماحول میں رہتا ہوں اور اب تو یقین ہو چکا ہے کہ شاید پچاس برس بعد بھی جب کوئی مجھ سے پوچھے گا تمہاری زندگی کا حیرت انگیز واقعہ کیا ہے؟

تو میں بلا سوچے سمجھے کہہ دوں گا۔ ”پروفیسر احمد رفیق۔“

اور اگر کوئی پوچھے گا۔

”تمہاری زندگی کی سب سے بڑی کامیابی کیا ہے؟“

تو میں بلا کم و کاست کہہ دوں گا۔ ”پروفیسر احمد رفیق۔“

اور اگر کوئی پوچھے گا۔

”تمہاری زندگی کی سب سے بڑی محرومی کیا ہے؟“

تو بھی میں بلا خوف و تردید کہہ دوں گا، ”وہ وقت جو میں نے پروفیسر احمد رفیق سے دُور رہ کر گزارا۔“

اور اگر پوچھنے والا پوچھے گا۔

”کیوں؟“

تو میں فوراً کہوں گا، ”اگر مجھے پروفیسر احمد رفیق نہ ملتا تو شاید میں باقی زندگی بھی جھوٹے خداؤں کی پرستش میں گزار

(1) جاوید چوہدری کی کتاب ”زیر و پوائنٹ“ سے۔

دیتا۔ اگر مجھے پروفیسر احمد رفیق نہ ملتا تو شاید میں باقی زندگی بھی اندھیرے میں بھٹکتے بھٹکتے گزار دیتا اگر مجھے پروفیسر احمد رفیق نہ ملتا تو میں شاید باقی زندگی بھی کسی صاحب کشف صاحب دعا اور صاحب نظر بزرگ سے ملاقات کی خواہش لیے ہی گزار دیتا۔ اگر مجھے پروفیسر احمد رفیق نہ ملتا تو شاید میں باقی زندگی بھی باعمل عالم کی تلاش میں گزار دیتا لیکن ایسا نہیں ہوا کہ اگر موج موج ہے تو کناروں سے ضرور ٹکراتی ہے۔ اگر ہوا ہوا ہے تو قطرہ خون میں ضرور اترتی ہے اور اگر روشنی روشنی ہے تو وہ اندھیروں کا سینہ ضرور چیرتی ہے۔“

میں نے پروفیسر احمد رفیق سے پوچھا: ”پروفیسر صاحب آپ ایک نظر میں لوگوں کو کیسے جان لیتے ہیں؟“
پروفیسر نے قہقہہ لگایا اور بولا: ”جب اللہ سے دوستی کا رشتہ استوار ہو جاتا ہے تو وہ اپنے دوستوں کو بہت سی کنجیاں دے دیتا ہے۔ ان کنجیوں میں ایک کنجی دلوں کے قفل کھولنے کی بھی ہوتی ہے۔“
”یہ کیا کنجی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

یہ علم اسماء ہے۔ قرآنی اسماء جو قدرت کی ہارڈ ڈسکس ہیں، یہ ہارڈ ڈسکس چودہ (حروف مقطعات) ہیں ہر ڈسک میں مختلف لوگوں کے ذہنی اور روحانی حالات درج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان حروف کے علم سے نوازا ہے لہذا جو نبی کوئی نام میرے کانوں سے ٹکراتا ہے اس کی پوری شخصیت میرے دماغ میں اتر آتی ہے۔“
میں نے پروفیسر سے پوچھا: ”پروفیسر صاحب آپ کو خدا کیسے ملا؟“

اس نے اسی اطمینان سے جواب دیا: ”صرف خلوص سے جب میں نے خدا کو پہچان لیا تو میں نے دیکھا کسی بزرگ نے اسے پانے کے لیے چالیس برس جنگلوں میں نکلے پاؤں گزار دیئے کوئی کنویں میں الٹا لٹک کر وظیفہ کرتا رہا کوئی دریا میں ایک مانگ پر کھڑا ہو کر اسے یاد کرتا رہا..... تو میں نے اپنے رب سے دعا کی یا اللہ! اگر صرف جسمانی طور پر مضبوط لوگ ہی تمہیں یاد کر سکتے ہیں تو شاید میں پوری عمر تمہیں نہ پاسکوں لیکن اگر کمزوروں کا بھی تم پر اتنا ہی حق ہے تو میں تمہیں یقین دلانا ہوں میں زندگی میں کبھی تم سے رخ نہیں بدلوں گا تم سے اپنی ”کمٹمنٹ“ بنا ہوں گا تو مجھے خدا مل گیا۔“
میں نے پروفیسر سے پوچھا: ”پروفیسر صاحب آج کل خدا کی کیا پوزیشن ہے؟“

پروفیسر نے قہقہہ لگایا اور بولا: ”آج کل خدا کی پوزیشن کو بڑا خطرہ ہے اُدھر دنیا میں اطلاعات اور علوم کا ایٹم بم پھٹ چکا ہے ذہنوں میں نئے سوال پیدا ہو چکے ہیں لیکن ادھر ہمارے مولوی ابھی تک اونٹ پر سواری کے ڈور سے گزر رہے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سوال دنیا کے بہترین اداروں کے پڑھے لکھے اعلیٰ ترین دماغ کرتے ہیں لیکن جواب وہ ان پڑھا ورگنوار مولوی دیتا ہے جسے ابھی تک چاند کی تسخیر کا دعویٰ ہضم نہیں ہوا۔ لہذا انہیں ہماری سمجھ آتی ہے اور نہ ہم ان کی سمجھ سکتے ہیں۔ اس ”کمیونی کیشن گیپ“ میں اللہ تعالیٰ کا تصور تیزی سے ”ڈی شیپ“ ہو رہا ہے نعوذ باللہ۔ اٹل یورپ کی نظر میں اس کی ایک متعصب تنگ نظر اور وحشی قوم کے ”لیڈرز“ جیسی شکل بن رہی ہے۔ چنانچہ جب تک پڑھے لکھے اور جدید علوم و فنون سے آراستہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ”ایڈوائزرز“ بن کر سامنے نہیں آئیں گے خدا کا تصور وسیع نہیں ہوگا۔“

پروفیسر کی کہانی بڑی عجیب ہے۔ ایم اے انگریزی کیا لاہور کے ایک کالج میں پروفیسری شاعری کی ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں کام کیا، لیکن اس دوران جب اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ ڈانگ شروع ہوئی تو گوجران آباد بیٹھا

جہاں اب دن رات ذہنوں کی پیاس بجھاتا ہے، گمراہوں کو راہ دکھاتا ہے، پریشان حال لوگوں کے دکھ سنتا ہے اور آخر میں ہر آنے والے کو کاغذ کی ایک چٹ پر چند اسماء الہی لکھ دیتا ہے، اب پتا نہیں ان اسماء الہی میں کیا ”جادو“ ہے جو انہیں پڑھتا ہے وہ خدا کا ہو جاتا ہے اور خدا اس کا ہو جاتا ہے اور جب خدا اور بندہ باہم مل کر ایک ہو جائیں تو کیا دنیا کا کوئی مسئلہ مسئلہ رہ جاتا ہے؟

اگر پروفیسر کی ذات سے ”روحانی بلوغت“ نکال بھی دی جائے تو بھی اللہ تعالیٰ نے اسے دلوں پر اثر کرنے والی شخصیت، جاذب طرزِ تقلید اور بے پایاں علم سے نوازا ہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کے لیے کسی دوسرے معجزے کی ضرورت نہیں رہتی۔

میں نے پروفیسر سے پوچھا: ”پروفیسر صاحب آپ نے اتنا علم کہاں سے حاصل کیا؟“
وہ گہرے اطمینان سے بولا: ”خدا سے کہ سارے علوم کے دھارے اسی کی ذات سے نکلتے ہیں۔ جو اس کا ہو گیا وہ گویا علم کے سمندر میں ڈوب گیا۔“

اور میں نے اپنے آپ سے پوچھا کیا آج کا کوئی انسان پروفیسر کے بغیر خدا کے جدید تصور کو چھو سکتا ہے تو جواب ملا نہیں کہ اکیسویں صدی کے لوگوں کو صرف پروفیسر احمد رفیق سے ہی روشنی مل سکتی ہے کیونکہ صرف یہی شخص ہے جو نہ صرف اکیسویں صدی کے دماغ کو سمجھتا ہے بلکہ یہ بھی جانتا ہے کہ خدا کی بات کو کس لہجے اور کس فریکوئنسی میں کہا جائے تو وہ دلوں کے قفل توڑ کر ذات میں رچ جاتی ہے، بس جاتی ہے۔

پس حجاب^(۱)

مطالعہ وسیع ہو، علم محض ہو، استدلال کی بنیاد عقل و تقعر پر ہو، پیرایہ اظہار دل کو اپنی گرفت میں لینے کا ہنر جانتا ہو اور اس پر مستزاد یہ کہ اللہ کریم نے سخن کو ناسیر کی نعمت سے مالا مال کر رکھا ہو تو ایسے شخص کو مرجع خلاق بننے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ یہی صورت گرامی قدر پر و فیسرا احمد رفیق اختر کے حوالے سے بھی دیکھنے میں آتی ہے۔ تصوف اپنی ابتدا ہی سے متنازعہ بنا رہا ہے اور اتنا متنازعہ کہ ایک عظیم المرتبت صوفی غوث اعظم حضرت عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کو کہنا پڑا کہ: ”وہ طریقت جس سے شریعت کے کسی حکم کی بھی خلاف ورزی ہوتی ہو صدیق کے بجائے زندیق بنا دیتی ہے۔“

عصر حاضر میں تصوف کی تعبیر و تفسیر کے سلسلے میں پر و فیسرا احمد رفیق اختر کا نام بہت مستند و معتبر گردانا جاتا ہے۔ مجھے پر و فیسرا صاحب کی محفلوں میں شریک ہونے کی سعادت میسر آتی رہتی ہے۔ خلوت و جلوت دونوں میں تمام سوالوں کے جوابات کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب اور ختمی مرتبت ﷺ کے اسوہ حسنہ کے منالغ نور سے رجوع کرتے ہیں۔ قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ جہان دانش کے جدید ترین مآخذ تک ان کی رسائی، خبر کی منزلوں کو طے کرتی ہوئی نظر کے علاقے میں داخل ہو جاتی ہے۔ توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مگر تجسس، جستجو، توجہ اور نظر کے سفر میں زندگی، انتساب کلی اور سپردگی تمام کی منزلوں سے نہ گزرے، تو گوہر مراد حاصل نہیں ہوتا۔ میں نے انہیں مختلف مسلکوں، فرقوں، طبقتوں اور حلقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے اسی منہاج کے پیش نظر رکھتے ہوئے دیکھا ہے جس سے ان کا تعلق ہو، مگر آخری بات کے لیے ان کی دلیل، کتاب، مہین اور حدیث مبارک ہی کی طرف سے آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص کا ان کے تمام خیالات سے متفق ہونا ممکن نہیں ہے۔ افکار و حیات و دلائل کا اختلاف، جہان علم و دانش کی اولیات و روایات میں سمجھا جاتا ہے، مگر پر و فیسرا رفیق کے خیالات و افکار ایک بار آپ سے رک کر از سر نو اپنی رائے پر غور کرنے کا مطالبہ ضرور کرتے ہیں اور یہ بڑی بات ہے۔ تصوف کی روایت کو توہمات و کرامات کے منطوقوں سے نکال کر دلیل و دانش سے جوڑ دینا پر و فیسرا احمد رفیق اختر کا ایک ایسا کارنامہ ہے جو ان کے لیے ہی نہیں، ان کے ہم نشینوں کے لیے بھی سبب طمانیت و اطمینان بڑھاتا ہے۔

(1) افکار و حیات کا خلاصہ بصورتِ ایلپ ”پس حجاب“ سے۔

اسلام آباد میں ایک جوگی سے ملاقات! ^{a)}

آج میں آپ کا تعارف اپنے ایم۔ اے۔ او کالج کے ایک پرانے دوست اور آج کے ایک بہت بڑے صوفی دانشور سے کرانا چاہتا ہوں۔ تب کی بات ہے جب ایم۔ اے۔ او کالج لاہور کا بائٹل ”طالب علم رہنماؤں“ کی ”آماجگاہ“ بنا ہوا تھا چنانچہ ”خیر سگالی“ کے نظہار کے طور پر حریف رہنماؤں میں باہمی فائرنگ کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ اس کے بعد کالج میں دوگانہ بھی عام تھا آئے روز ”پولیس مقابلے“ ہوتے تھے۔ میں ان دنوں ایم۔ اے۔ او کالج میں اردو کا استاد تھا۔ ایک روز کالج میں داخلے کا متمنی ایک نوجوان اعجاز حسین بٹالوی کا ایک خط میرے نام لے کر آیا جس میں لکھا تھا ”برادر م تاسی صاحب! حامل رقعہ ہذا کا خیال ہے کہ انسان کو علم حاصل کرنا چاہیے خواہ اس کے لیے ایم اے او کالج ہی کیوں نہ جانا پڑے۔“ یہ بھی انہی دنوں کی بات ہے کہ کسی شخص نے کسی سے پوچھا: ”کیا وجہ ہے کہ گورنمنٹ کالج، اسلامیہ کالج اور ایف۔ سی کالج وغیرہ میں سے ہر سال ایک آدھ طالب علم ایسا نکلتا ہے جو کالج کا نام روشن کرتا ہے ایم۔ اے۔ او کالج سے کیوں نہیں نکلتا؟“ اس ستم ظریف نے جواب دیا: ”طالب علم یہاں فرسٹ ایئر میں داخلہ لیتا ہے اور فوراً تھریئر تک پہنچتے پہنچتے پولیس مقابلے میں مارا جاتا ہے۔ کوئی بچے گا تو کالج کا نام روشن کرے گا۔“ خیر یہ تو لطیفہ گوئی تھی۔ اسی تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ یہ لاہور کا واحد کالج تھا جو انتہائی کم نمبروں والے طلبہ کو داخلہ دیتا تھا اور اس کے باوجود اس کا رزلٹ بہت قابل فخر نہ ہی باعث شرمندگی بھی نہیں تھا۔ میری ملاقات ایک چیف انجینئر سے ہوئی۔ اس نے کہا: ”مجھے لاہور کے تمام کالجوں نے دھتکار دیا کیونکہ میٹرک میں میرے نمبر کم تھے لیکن ایم۔ اے۔ او کالج نے مجھے اپنی آغوش شفقت میں پناہ دی۔ میں آج چیف انجینئر ہوں۔ میں اس کالج کا احسان نہیں اتار سکتا۔“ اس زمانے میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ ہمارے کالج کو طعنے دینے والے ایک سال کے لیے گورنمنٹ کالج میں اعلیٰ ترین نمبر حاصل کرنے والے طالب علموں کا داخلہ ایم۔ اے۔ او کالج منتقل کر دیں اور جوڑ کے ہم نے داخل کیے ہیں وہ ہم گورنمنٹ کالج منتقل کر دیتے ہیں اس کے بعد دیکھیں گے کہ کس کالج کا رزلٹ اور ڈسپلن مثالی ہے؟

انجمن اسلامیہ کے زیر اہتمام قیام پاکستان سے پہلے سے قائم اس تاریخی کالج کی بے پناہ خدمات ہیں۔ اس کا ذکر میں کبھی بعد میں کروں گا۔ فی الحال میں اپنے ایک کولیگ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کا تعلق شعبہ انگریزی سے تھا۔ اس زمانے میں پروفیسر خورشید صدر شعبہ انگریزی تھے وہ اپنے شعبے کے خواجہ صاحب اطہر زیدی، محبت علی الفت، اعجاز اور

(1) عطاء الحق تاسی کے کالم ”روزانہ دیوار“ سے (روزنامہ جنگ، 13 جون 2002ء)

دوسرے تمام اساتذہ کو بہت تحفظ دیتے تھے اور انہیں مرغی کی طرح اپنے پروں کے نیچے رکھتے تھے۔ انہی میں میرا یہ دوست بھی تھا۔ جوان رعنا سانولا رنگ ماتھے پر دلیپ کمار کی طرح بالوں کی لٹ نہایت خوش لباس اور خوش گفتار اور چین سموکر۔ اسے انگریزی اور اردو پر یکساں دسترس تھی۔ مطالعے کا بے حد شوقین تھا اس دوست کے مزاج کا انداز دوسروں سے بالکل مختلف تھا۔ جب کالج میں ہمارا آنا سامنا ہوتا۔ یہ مجھے روک کر کھڑا ہو جانا اور چوسر (Chaucer) کے زمانے کی انگریزی یا ملاوجہی کے زمانے کی اردو میں پوری سنجیدگی کے ساتھ لیکچر کے انداز میں گفتگو شروع کر دیتا اور میں ہتے ہتے بے حال ہو جاتا۔ میں جس دوست کا ذکر کر رہا ہوں یہ عام لوگوں جیسا ہوتے ہوئے بھی عام لوگوں سے بہت مختلف تھا۔ بہت بے خوف نڈر اور دل کی بات کھل کر کہنے والا۔ اس کا آبائی گھر لاہور سے باہر تھا چنانچہ اس نے کالج کے قریب ایک مکان کرائے پر لیا ہوا تھا اور یہ لاہور شہر کا واحد گھر تھا جس کے دروازوں پر تالا نہیں تھا۔ اس گھر میں تھا بھی کیا۔ ایک چارپائی دو تین چائے کے مگ چنانچہ جس دوست نے سنا ہونا تو وہاں جا کر چارپائی پر سو جاتا۔

اس زمانے میں ہمارے کالج میں ایک پرنسپل صاحب تشریف لائے جن کے خیالات یقیناً بہت اچھے ہوں گے لیکن قابل عمل نہیں تھے چنانچہ ہم نے ان کا ماتم تعلق رکھ دیا۔ ایک دن میرے اس دوست کا اختلاف تعلق صاحب سے ہو گیا جس پر اس نے کالج کی پروفیسری سے استعفیٰ دیا اور اپنے آبائی قصبے میں واپس جا کر وہاں برتنوں کی دکان کھول لی۔ اس پر ہم میں سے کسی کو بھی حیرت نہ ہوئی۔ یہ درویشی کے انداز اس میں پرانے تھے۔ اس کا کردار بے داغ تھا۔ اس کی باتوں میں گلوں کی خوشبو تھی۔ وہ عالم تھا مگر اسے اپنے علم کا غرور نہیں تھا میرا کئی دفعہ جی چاہا کہ میں اس کے قصبے کا دورہ کروں اور دیکھوں کہ انگریزی کا پروفیسر اور ایک عام شخص ایک معمولی دکان پر بیٹھا برتن بیچتا کیسا لگتا ہے مگر ہر بار کوئی مجبوری آڑے آئی اور اس ہدم دیرینہ سے ملاقات کی خواہش دل ہی میں رہی۔ اس دوران اس دوست کے بارے میں عجیب و غریب خبریں سننے میں آئیں۔ ایک اڑنی خبر یہ سننے میں آئی کہ وہ ایک روحانی شخصیت کے طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے مگر مجھے اس پر کوئی حیرت نہ ہوئی کیونکہ روحانیت کے اثرات تو شروع ہی سے اس کی شخصیت میں بہت واضح تھے۔ اختلاف رائے پر نوکری سے استعفیٰ دینا اور ایک دانشور کا رزق حلال کے لیے برتنوں کی دکان کھولنا اپنے طور پر ایک روحانی فعل تھا، مگر جب میں نے سنا کہ وہ باقاعدہ پیر بن گیا ہے اور اس کے عقیدت مندوں میں جرنیل، بیوروکریٹس، دانشور، ادیب اور صحافی کثیر تعداد میں شامل ہیں تو مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ اب میں دیکھنا چاہتا تھا کہ میرا دوست ”پیر“ بن کر کیسا لگتا ہے اور گذشتہ ہفتے اسلام آباد میں سجاول خاں رانجھا کی کتاب کی تقریب رونمائی میں میری ملاقات اپنے اس دوست سے ہو گئی۔ وہ اس تقریب کی صدارت کر رہا تھا اور ہال اس کے چاہنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔

کل کے انگریزی کے پروفیسر اور آج کی اس روحانی شخصیت کا نام پروفیسر احمد رفیق اختر ہے جسے ہم کالج میں رفیق اختر جوگی کے نام سے پکارتے تھے۔ میں نے اسے دیکھا تو میرا سینہ خوشی سے بھر گیا۔ اس کی وضع قطع میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اسی طرح کلین شیوڈ ماتھے پر بالوں کی لٹ، خوش پوش اور چین سموکر۔ اس کے گرد عقیدت مندوں کا جھوم تھا اور وہ انہیں ذکر کی تلقین کرتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے انہیں تسبیح کی عبارت لکھ کر دیتا تھا۔ وہ مجھے اسی طرح ملا جیسے ایک پرانے بے تکلف دوست کو ملتے ہیں۔ عقیدت مندوں کی کثرت بھی اس کے انسانی رویوں پر اثر انداز نہیں ہوئی تھی۔ شاید یہ بھی

اس کی روحانیت کا ایک کرشمہ تھا! پروفیسر احمد رفیق اختر لوگوں کی فرمائش پر ان کے لیے دعا مانگتا ہے۔ میں نے بھی اس سے اپنے لیے دعا کی فرمائش کی، لیکن میرا پنا تعلق بھی چونکا۔ پیروں کے خانوادے سے ہے، لہذا میری بھی دعا ہے کہ پروفیسر رفیق اختر جوگی سے روحانی فیض حاصل کرنے والے طبقے کے رویوں میں وہ تبدیلی واقع ہو جو حقیقی فیضانِ نظر سے حاصل ہوتی ہے اور یوں اگر کوئی جرنیل ہے تو وہ اپنے حلف کی پاسداری کرے، صحافی ہے تو وہ سچ لکھے، بیورو کریٹ ہے تو وہ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرے، منج ہے تو وہ ہر قسم کے خوف، دباؤ اور لالچ سے بالا ہو کر اپنے فیصلے تحریر کرے اور اگر وہ سیاستدان ہے تو ذاتی مفاد سے بالا ہو کر صرف پاکستان کے مفاد کو مد نظر رکھے۔ اگر اتنے بڑے روحانی منبع سے فیض حاصل کرنے والوں میں یہ تبدیلی نہیں آتی تو میرے دوست کی رہنمائی میں پھیری جانے والی مسیحیوں اس دنیا کے کاموں کے لیے تو شاید مفید ثابت ہوں، لیکن آخرت میں یہ ان کے کسی کام نہیں آئیں گی۔ گناہ آلود ضمیر بھی عبادات سے نہیں، معاملات کی وابستگی ہی سے مطمئن ہوگا۔

پروفیسر صاحب^{a)}

محترم خواتین و حضرات! اگر محض ایک جملہ ادا کرنا ہو تو میں صرف وہ بات دہرانے کی جسارت کروں گا جو خود پروفیسر صاحب بارہا کہہ چکے..... عقیدت اور جہالت کا آغاز ایک ساتھ ہوا کرتا ہے.....

اٹھارہ برس ہوتے ہیں..... مسافر کو مظفر آباد سے لوٹتے ہوئے کوہ مری میں ایک درویش سے ملنا تھا جو اس پر راہ روشن کر دیتا۔ وہ جو ہزار راستوں کے سنگم پر کھڑا تھا اور اس کی اپنی ایک بھی راہ نہ تھی۔ مظفر آباد سے جھاگ اڑاتے پانیوں کے ساتھ سفر کرتی بس بالآخر دریا سے جدا ہوئی اور بلند یوں کو بڑھنے لگی مگر مسافر اپنی نشست پر جما رہا۔ ایک محدود سی شہادت پر اتنی زحمت کیوں اٹھائی جائے۔ کون جانے خانقاہ نشیں وہی اجداد کی ہڈیوں کا تاج ہو۔ ادھر درویشا تھا کہ درماں کو بے تاب تھا۔ تب اس نے چیز اور دیار کے بلند و بالا شجار اور پہاڑوں کے درمیان شام کی سرمست ہوا میں اپنے پروردگار سے دعا کی۔ اے میرے رب! ایک عالی قدر اور مہربان و مشفق استاد عطا کر۔ گئے زمانوں کا سا کوئی استاد جس کا غور و فکر زندگی کی گہرائیوں اور رفعتوں کو ماپ چکا ہو اور جو متلاشیوں میں اپنا سوز و دروں بانٹتا ہو۔

بچھے ہوئے دل کی یہ دعا تیرہ برس کے بعد قبول ہوئی اور پروفیسر احمد رفیق اختر سے ملاقات ہو گئی۔ 48 برس کی عمر میں اپنی پختہ عادات کے ساتھ ان سے ملا اور پھر صحافت کا پیشہ جو خود ستائی کو اتنا سازگار ہے کہ فقط سبزہ لہلہاتا ہے اور خاکساری گرد ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود بدرتج دوتی ہو گئی۔ میں ان کا دوست نہیں، محض ایک شاگرد ہوں اور وہ بھی خاصا مالائق۔ ثابت صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک صوفی استاد محض اپنے کو نے ہی سیدھے نہیں کرتا، گرد و پیش بھی تراشنے میں لگا رہتا ہے حتیٰ کہ پتھر میں بھی کہ شاید کوئی صورت ابھر آئے۔

”صوفی اپنے ساتھ ہمدردی کا ہرگز متحمل نہیں۔“ پچھلے دنوں انہوں نے مجھ سے یہ کہا اور اس انداز میں نہیں جیسے میں نے دہرا دیا۔ جب وہ ایسی بات کہتے ہیں تو ایک گہری دل سوزی لہک چپک اور وارنگی ان کی آواز میں شامل ہوتی ہے۔ کبھی آپ نے کسی بلند مقام پر تیز رفتار گاڑی سے دھان کے ہرے کچور کھیتوں پر ساون کے ام کو سخاوت کرتے دیکھا ہے جب ہوائیں اپنا سب سے سہانا اور سب سے زیادہ دلگداز گیت گاتی ہیں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ طویل عرصے کے بعد وہ تاریخ میں ایک نئے علم کے بانی ہیں۔ اسماء کی روشنی میں کرداری خصوصیات کا تعین اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ اسماء ربانی اور ختم المرسلین ﷺ کی دعاؤں کے ساتھ ان کرداری خصوصیات کی

خامیوں کا خاتمہ اور ناریکیوں میں اجالے کا اہتمام۔ اپنے اس علم کے بل پر وہ اگلے زمانوں میں یاد رکھے جائیں گے اور لوح زماں سے کوئی ان کا نام کھرچ نہ سکے گا۔ صدر بٹش کے امیدوار بنتے ہی انہوں نے بھارت میں متعین امریکی کونسل جنرل کو بتا دیا تھا کہ اگر اس شخص کو اقتدار ملا تو بیگانہ ہوں کے خون سے زمین آلودہ ہوگی۔ ان کے سوا کون ہے پانچ برس پہلے ہی جس نے ایک تاریخی فساد کی خبر دی۔ کون ہے جو ایک حکمران کے پہلے دن اس کے دور کی خصوصیات بیان کرے اور کون ہے جو برسوں پہلے واحد عالمی قوت کے دلدل میں اترنے کے مدارج بیان کر ڈالے۔ میں وہاں موجود تھا، جب انہوں نے یہ کہا عمران خان کے مشیر ماقص ہیں، اسے فقط ایک نشست ملے گی مگر ریاضت کے مدد و سال کے بعد..... اور عمران خان بھی سامنے بیٹھے تھے۔

ہم میں سینکڑوں اور ہزاروں ہیں، جنہیں حیران کن تجربات سے واسطہ پڑا اور بار بار پڑا، تاہم اگر یہی کچھ ہوتا تو بے شک مخفی علوم میں ایک اور علم کے اضافے سے وہ کتابوں اور یونیورسٹیوں میں اعتبار پاتے مگر اس رفعت کو ہرگز نہ پہنچتے جو اللہ نے ارزاں کی ہے، اگر انہوں نے قرآن اور سیرت کو یوں من میں بسا نہ لیا ہوتا۔ اگر وہ انسانوں کے لیے ایسے خلیق، مہربان اور مددگار نہ ہوتے۔ علم برتر ہے مگر وہی حجاب بھی ہے اور کبر بھی ہے اور کبر بھی طبع زاد۔ خیال کی رفعت و وسعت برحق مگر ان گنت اہلیس اسی سے پیدا ہوئے۔ تاریخ پر ان کا علم معتبر اور فصاحت مسلم مگر اکثر یہ قومی امنگوں کی تجارت کا ہتھیار ثابت ہوا ہے۔ دلیل کے ہنگام وہ شائستہ اور استوار ہوتے ہیں۔ پہاڑ کی طرح مضبوط اور شاخ گل کی طرح خنداں۔ اختلاف تو کیا اعتراض طعنے اور دشنام پر بھی برہم نہیں ہوتے مگر یہ سب تو ان کا اپنا اثاثہ ہے۔ کشتیاں پارگتیں یا ڈوب جاتیں، دریا اپنی طغیانیوں میں مگن رہتا۔ اگر وہ عطا کے شوگر نہ ہوتے تو ہم ان سے کیا پاتے۔ وہ اپنا سوز اور علم عام کرتے ہیں۔ خوف اور اندیشوں سے بلند فصاحت، شائستگی اور بے ساختگی کے ساتھ کتنی ہی زندگیاں ہیں جو سرسبز اور بامعنی ہو گئیں۔

خواتین و حضرات! پروفیسر صاحب کے بارے میں بات کرنا مشکل نہیں۔ پانچ برس اور بلا مبالغہ سینکڑوں طویل ملاقاتیں مگر اس حیرت پر قابو پانا مشکل ہے کہ عام علماء کے برعکس دونوں ہاتھوں سے سرکار ﷺ کا دامن تھامے، قرآن میں غوطہ زن یہ مرد مسلمان ماضی کے بجائے ہمیشہ حال میں زندہ رہتا ہے اور قدامت پسندی سے اسے دور کا سروکار بھی نہیں۔ علماء ہی نہیں، جدید علوم سے وہ اکثر سیکولر مفکرین اور فلسفیوں سے زیادہ بہرہ ور ہے۔ پھر تہذیبوں کی تاریخ اور ادب عالیہ کا ایسا گہرا اور ہمہ گیر مطالعہ۔

لیکن آخر میں وہی گزارش ہے کہ وہ ایک آدمی ہیں۔ گاہ جان کے اندازے غلط بھی ہوتے ہیں۔ اسلام کی علمی روایت اور عصری تحریکوں کے بارے میں ان کے ہر تجزیے سے اتفاق ممکن نہیں کہ یہ اعجاز تو صرف قرآن کا ہے اور صرف سرکار ﷺ کا ہے۔ خود ان کا اپنا قول بھی تو یہی ہے کہ عقیدت اور جہالت کی حدود ہمیشہ ایک ساتھ شروع ہوتی ہیں۔

اللَّهُمَّ
 أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا
 فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا
 وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ
 الدُّنْيَا وَعَذَابِ
 الأخرَةِ ○

(اے اللہ ہمارے تمام کاموں کا انجام بہتر فرما اور دنیا کی
 رسوائی اور آخرت کے عذاب سے پناہ دے)